تفسیر القرآن، درسِ حدیث، سیرت نبوی، درسِ مثنوی
مختلف اسلامی موضوعات اہم واقعات اور نامور شخصیات
پر ایک سو چالیس نثری تقریروں کا بصیرت افروز مجموعہ

انوار البیان

فقیر حافظ ممتاز احمد چشتی
خطیب و مدرس جامعہ انوار العلوم ملتان

ناشر
مکتبہ مہریہ کاظمیہ
نزد جامعہ انوار العلوم ٹی بلاک نیو ملتان 061-6560699

81048

نام کتاب ---------- انوار البیان

نام مؤلف ---------- فقیر حافظ ممتاز احمد چشتی

نظر ثانی ---------- علامہ محمد عبد الحکیم چشتی

پروف ریڈنگ ---------- سینئر طلبہ جامعہ انوار العلوم نیو ملتان

کمپوزنگ ---------- الانوار کمپوزنگ سنٹر جامعہ انوار العلوم نیو ملتان

صفحات ---------- ۴۳۰

سن طباعت ---------- اکتوبر ۲۰۰۵ء

قیمت عام ایڈیشن ---------- ۲۰۰/ روپے

قیمت خاص ایڈیشن ---------- ۳۰۰/ روپے

ناشر ---------- مکتبہ مہریہ کاظمیہ نزد جامعہ انوار العلوم نیو ملتان

بائینڈنگ ---------- مشتاق بک بائنڈنگ ہاؤس قلعہ کہنہ قاسم باغ ملتان

ملنے کے پتے

☆ مکتبہ مہریہ کاظمیہ
نزد جامعہ انوار العلوم نیو ملتان، فون نمبر 061/6560699

مکتبہ مہریہ نصیریہ
درگاہ عالیہ گولڑہ شریف اسلام آباد فون نمبر 051/2292814

مکتبہ اہل سنت
جامعہ نظامیہ اندرون لوہاری گیٹ لاہور، فون نمبر 042/7634478

فرید بک سٹال
۳۸۔ اردو بازار لاہور، فون 042/7312173

ضیاء القرآن پبلیکیشنز
گنج بخش روڈ لاہور، فون نمبر 042/7221953

مکتبہ اسلامیہ/پیر بھائی کمپنی
میاں مارکیٹ اردو بازار لاہور فون نمبر 042/7354851

ضیاء العلوم پبلی کیشنز
۱۲۸ بی بازار تلواڑاں راولپنڈی موبائل نمبر 0333/5166587

مکتبہ حسنیہ
نزد سبزی منڈی بہاولپور، فون نمبر 0621/880935

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

انتساب

ناچیز مؤلف بصد عجز و نیاز

اپنی اس تالیف کو شیخ طریقت

جنید الوقت سیدی وسندی

حضرت قبلہ بابو جی

پیر سید غلام محی الدین صاحب شاہ گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

مسند آرائے درگاہِ عالیہ گولڑہ شریف

کی بارگاہ میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہے جن کی نگاہِ فیض و برکت نے قلوب واذہان کو ذوقِ محبت اور فقر و علم کے انوار سے منور کر دیا۔

ع گر قبول افتد زہے عز و شرف

کمترین نیاز مند

فقیر ممتاز احمد چشتی

تقدیم وتشکر

جامعہ انوار العلوم ملتان میں بندہ نے تدریس کی ذمہ داری سنبھالی تو اسی سال یعنی 1970ء میں ریڈیو پاکستان ملتان کا افتتاح ہوا کچھ عرصہ بعد ریڈیو انتظامیہ کے تقاضے پر بندہ نے مذہبی پروگراموں میں حصہ لینا شروع کیا، ابتدائی آٹھ دس سالوں میں مذہبی پروگرام کثرت سے نشر کئے گئے، چنانچہ ماہانہ عموماً پانچ سات پروگرام اور ربیع الاول شریف، محرم الحرام اور رمضان شریف میں اس سے بھی زیادہ پروگراموں میں شرکت کا موقعہ ملتا، اکثر و بیشتر مذہبی پروگراموں ''تفسیر القرآن، درسِ حدیث، محفلِ میلاد، سیرت وتعلیماتِ سید المرسلین، خلفائے راشدین، اہل بیت پاک، اولیائے کرام، مفسرین عظام، درس مثنوی اور دوسرے اسلامی معاشرتی موضوعات اور اہم تاریخی واقعات پر بندہ کی تقریریں نشر ہوتی رہیں۔ مختلف سیمیناروں، فیچر پروگراموں اور سالانہ بڑی محفلِ میلاد میں بندہ کو مدعو کیا جاتا رہا۔ قومی نشریاتی رابطے پر میرے بعض پروگرام پورے ملک میں نشر کئے جاتے رہے۔

درس مثنوی کے سلسلے میں خاص طور پر مجھے موقع دیا گیا اور ایک سال تو ہر جمعہ درس مثنوی پر میرا خطاب نشر ہوتا رہا اور اسے پسند کیا گیا، میرے لئے یہ بات باعث شرف وسعادت ہے کہ میرے شیخ طریقت حضرت قبلہ بابو جی پیر سید غلام محی الدین شاہ صاحب گیلانی رحمۃ اللہ علیہ مسند آرائے درگاہِ عالیہ گولڑہ شریف میرے درس مثنوی کے بعض پروگرام سماع فرماتے اور تحسین فرما کر میری حوصلہ افزائی فرماتے۔

ایک محتاط اندازے کے مطابق میں نے کم وبیش ایک ہزار پروگراموں میں حصہ لیا ہوگا۔ 1970ء سے 2000ء تک یہ سلسلہ جاری رہا اگرچہ آخری پندرہ سالوں میں مذہبی پروگرام کم سے کم تر ہوتے گئے، 2000ء کے بعد سے بعض مصروفیات اور موانع کے پیش نظر بندہ نے پروگراموں میں شرکت سے معذرت کرلی، ویسے میرے بعض پروگراموں کی ریکارڈنگ اب تک نشر ہوتی رہتی ہے۔ ریڈیو پاکستان کے پندرہ روزہ آہنگ میں بھی میرے کئی مضامین شائع کئے گئے۔

ابتدائی چند سالوں میں فوٹو اسٹیٹ کی سہولت عام نہ ہونے کی وجہ سے اگرچہ بہت سے مضامین اور عنوانات تدوین وترتیب میں نہ آسکے مگر پھر بھی کسی حد تک خاطر خواہ، مفید اور کارآمد مسودات محفوظ رہے جو مجموعی

طور پر ایک سو چالیس تقریروں پر مشتمل ہیں۔ کافی عرصہ سے میرا خیال تھا کہ مسوّدات کے ان اوراق کو یکجا کر کے کتابی صورت میں شائع کر دیا جائے تاکہ ان کی افادیت واہمیت بڑھ جائے اور پڑھے لکھے لوگ ان سے مستفید ہوسکیں۔ اسی مقصد کے پیش نظر ان مسودات کی ترتیب وتصحیح اور کمپوزنگ کا کام شروع کرادیا گیا بحمداللہ تعالیٰ ایک سال کی مسلسل محنت وعرق ریزی کے بعد نشری تقریروں کا یہ مجموعہ ''انوار البیان'' زیورِطبع سے آراستہ ہوکر قارئین کرام کے سامنے ہے۔

انوار البیان کے مضامین وعنوانات میں ریڈیو اور ذرائع ابلاغ کے مزاج اور سلیقے کا زیادہ خیال رکھا گیا ہے اس لئے تفسیر القرآن کے مسوّدات میں تفسیر اور علمِ تفسیر کے مباحث، صرفی نحوی تعلیل وترکیب اور دقیق علمی وفنی اصطلاحات کی بجائے مضمون ومفہوم کی وضاحت، سلاست اور افادیت کا زیادہ خیال رکھا گیا ہے اور اکثر وبیشتر عنوانات میں بھی اس بات کو مدِنظر رکھا گیا ہے کہ سننے اور پڑھنے والوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچے، کوئی مضمون اور عنوان ان کے لئے الجھن کا باعث نہ بنے، اس کے ساتھ ساتھ ضروری امور کی توضیح وتشریح مناسب حد تک کردی گئی ہے۔ اسی طرح مسوّدات کی صحت ودرستی کا خیال رکھا گیا ہے اور ان کے علمی، فنی اور ادبی معیار کو برقرار رکھنے کی پوری کوشش کی گئی ہے اس کے باوجود اگر کوئی بات قابل اصلاح نظر آئے تو اس کی اطلاع پر بندہ ممنون ہوگا۔

انوار البیان کی تدوین وترتیب میں تعاون پر میں استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا محمد عبدالحکیم چشتی صاحب زیدمجدہٗ، عزیز محترم مولانا عبدالعزیز صاحب سعیدی سلّمہٗ، عزیز محترم مولانا محمد سعید صاحب سعیدی سلّمہٗ اور عزیز محترم مولانا عبدالرزاق نقشبندی کا شکر گزار ہوں اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ انوار البیان کی پروف ریڈنگ میں جامعہ انوار العلوم کے بعض طلبہ نے بڑی محنت کی اللہ تعالیٰ انہیں عالم باعمل بنائے۔

فقیر ممتاز احمد چشتی عفی عنہ

خطیب ومدرّس جامعہ انوار العلوم ملتان

ساکن بستی بختاور براستہ نوتک ضلع بھکر

کچھ مؤلف کے بارے میں

استاذ العلماء، فخر المدرسین حضرت علامہ مولانا حافظ ممتاز احمد چشتی دامت برکاتہم العالیہ، بستی بخناور ضلع بھکر کے ایک مشہور و معروف علمی و روحانی خاندان کے چشم و چراغ ہیں ان کے آباؤ اجداد سلسلہ عالیہ قادریہ سے تعلق رکھتے تھے، ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت والد ماجد جناب فقیر حاجی غلام رسول صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زیر سایہ فقر و علم کے خاندانی ماحول میں ہوئی۔

1960ء میں لاہور بورڈ سے میٹرک کرنے کے بعد باقاعدہ دینی تعلیم کے حصول کیلئے درگاہ عالیہ گولڑہ شریف ضلع اسلام آباد بھیج دیئے گئے جہاں انہیں حضرت علامہ پیر سید نصیر الدین نصیرؔ مدظلہ کے ہمدرس ہونے کا موقعہ ملا۔ درگاہ عالیہ کے نہایت ہی پاکیزہ علمی و روحانی ماحول میں فطری استعداد اور صلاحیت کے جوہر خوب نکھرے اور پانچ سال تک زیادہ تر اسباق حضرت علامہ مولانا فتح محمد صاحب اعوان رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھے جو حضرت اعلیٰ پیر سید مہر علی شاہ صاحب گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہونے کے ساتھ حضرت علامہ یار محمد بندیالوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت علامہ غلام محمد گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے معتمد شاگرد تھے۔ یہ سلسلہ مزید بڑھا تو وہ وقت بھی آیا کہ موقوف علیہ کے بعض اسباق شیخ الحدیث حضرت علامہ فیض احمد صاحب مؤلف مہر منیر و مفتی درگاہِ عالیہ گولڑہ شریف سے پڑھنے کا اعزاز حاصل ہوا۔ گولڑہ شریف قیام کے دوران آپ نے قرآن مجید حفظ کرنے کے علاوہ فاضل فارسی کا امتحان بھی درجہ اول میں پاس کرلیا۔ علامہ ممتاز احمد چشتی کو یہ سعادت بھی حاصل ہوئی کہ اُنہیں حضور سیدی قبلہ بابو جی پیر سید غلام محی الدین شاہ گیلانی رحمۃ اللہ علیہ اسباق شروع کراتے اور دعائے خیر سے نوازتے۔

موقوف علیہ کے کچھ اسباق پڑھنے کے بعد حضرت علامہ فیض احمد صاحب کے ایماء پر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور میں داخلہ لیا اور دو سال کے عرصے میں موقوف علیہ کے باقی اسباق اور دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔ جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں حضرت غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ سے صحاح ستہ کی تعلیم حاصل کی جبکہ دوسرے ماہرین علم و فن سے بھی استفادہ کیا اور تکمیل پر شہادۃ العالمیہ کے امتحان میں یونیورسٹی بھر میں اوّل پوزیشن حاصل کی۔

علامہ ممتاز احمد چشتی تنظیم المدارس (اہلسنت) پاکستان کے بھی سند یافتہ ہیں۔ تنظیم کے زیر اہتمام شہادۃ العالمیہ فی العلوم العربیہ والاسلامیہ (ایم ،اے اسلامیات رعربی) کا امتحان آپ نے درجہ ممتاز مع الشرف کے ساتھ پاس کیا ہے۔

1970ء میں حضرت غزالی زماں رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا جامعہ انوار العلوم میں بطورِ مدرّس اور جامع مسجد انوار العلوم میں بطورِ خطیب تقرر فرمایا۔ شاہی عیدگاہ خانیوال روڈ ملتان میں حضرت غزالی زماں رحمۃ اللہ علیہ خود جمعہ اور عید کا خطبہ دیتے تھے حضرت کی عدم موجودگی میں شاہی عیدگاہ ملتان کی خطابت حضرت علامہ ممتاز احمد چشتی کے ذمہ تھی۔ تقریباً پندرہ سال حضرت غزالی زماں رحمۃ اللہ علیہ کی نیابت میں شاہی عیدگاہ کی خطابت کا فریضہ علامہ ممتاز احمد چشتی کی دینی خدمات میں یادگار کی حیثیت رکھتا ہے یہ فریضہ بھی آپ نے نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دیا۔

علامہ ممتاز احمد چشتی چھتیس سال کے طویل عرصے سے جامعہ انوار العلوم میں مسند تدریس کی زینت ہیں۔ پہلے دس پندرہ سالوں میں صرف ونحو اور دوسرے فنون کی ابتدائی کتابیں پڑھانے میں بڑی محنت وجانفشانی سے کام لیا۔ اس دوران صرف بہائی، میزان الصرف، علم الصیغہ، فصول اکبری، نحو میر، ھدایۃ النحو، صغریٰ، کبریٰ مرقات، قدوری، کنزالدقائق، شرح وقایہ، اصول الشاشی اور نورالانوار جیسی کتب بارہا پڑھائیں اور طالب علموں میں مدرس بننے کی صلاحیت پیدا کرنا اہم ترین ترجیح رہی۔

آپ کو جدید عربی کے اسباق پڑھانے اور عربی گرائمر کی مشق کرانے کا خاص تجربہ ہے۔ فقہ اصولِ فقہ اور حدیث پاک سے زیادہ لگاؤ ہے چنانچہ جامعہ انوار العلوم کی نصابی ضرورت کے مطابق کئی سالوں سے مشکوٰۃ شریف، ریاض الصالحین، ھدایہ اخیرین، نورالانوار اور الحسامی مسلسل پڑھا رہے ہیں اور یہ کتابیں تقریباً انہیں یاد ہو چکی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ کشف المحجوب، فتوح الغیب، فتوحاتِ مکیہ، مثنوی مولانا روم دیوان حافظ شیرازی، کلیاتِ مولانا جامی، نظم فارسی اسی طرح امام شعرانی، شیخ عبدالحق محدّث دہلوی حضرتِ اعلیٰ گولڑوی اور دیگر صوفیائے محققین کی تصانیف، مکتوبات، ملفوظات اور منظوم کلام کے ساتھ خاص مطالعاتی مناسبت ومؤانست رکھتے ہیں۔

علامہ ممتاز احمد چشتی کی نسبتِ طریقت بھی ممتاز ہے، 1956ء میں حضرت سیدی وسندی قبلہ بابوجی پیر سید غلام محی الدین شاہ صاحب گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ اقدس پر بیعت کی تو اس کے ساتھ ہی آپ کی عقیدت ومحبت کا شرف حاصل ہوا۔ آپ ہی کے فرمان پر 1968ء سے کاشانہ مہرِ رومی 5 آفیسرز کالونی ملتان میں معروف صنعتکار خواجہ محمد مسعود صاحب کے ہاں قیام پذیر ہیں اور ان کی اولاد واحفاد کو دینی تعلیم دے رہے ہیں۔

حضرت قبلہ سیدی بابوجی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ ممتاز احمد چشتی سے خصوصی شفقت فرماتے تھے ان سے اکثر وبیشتر مثنوی شریف، پندنامہ عطار، کریما، بوستاں اور زلیخائے جامی کے اشعار سماع فرما کر دعائیں دیتے۔ اپنے مشائخ سے محبت اور ان کی خوشنودی کی طلب مولانا کے نمایاں ترین اوصاف میں شمار کی جاسکتی ہے۔ خصوصاً حضرت محبوبِ سبحانی قطبِ ربانی سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے خاص عقیدت ہے جس کا کچھ اظہار وہ ہر سال جامعہ انوار العلوم میں سالانہ بڑی گیارہویں شریف کی عظیم الشان محفل کے اہتمام سے کرتے ہیں۔ مولانا موصوف اپنے مشائخ کرام کے زیرِ سایہ تین مرتبہ حج اور متعدد بار عمرہ کی سعادت حاصل کرچکے ہیں دو مرتبہ بغداد شریف، کربلا معلّٰی اور نجفِ اشرف بھی حاضری دے چکے ہیں۔

علامہ ممتاز احمد چشتی کو اللہ تعالیٰ نے روحانی جذب وکیف کی خاص دولت سے سرفراز فرمایا ہے وہ اپنے مرکزِ عقیدت درگاہِ عالیہ گولڑہ شریف کی حاضری کو نعمتِ عظمیٰ یقین کرتے ہیں، آستانہ عالیہ گولڑہ شریف پر اعراسِ مبارکہ کی محافل میں بھرپور شرکت کرتے اور وہاں منعقدہ تقریبات میں بڑے ذوق وشوق سے حصہ لیتے ہیں۔ محفلِ سماع میں خاص کیف وسرور اور وجد وحال میں ذوقِ سماع سے خوب لطف اندوز ہوتے نظر آتے ہیں۔ گولڑہ شریف کے شب وروز میں مولانا کی کیفیات سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ حضرت سیدی وسندی قبلہ بابوجی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گزرے ہوئے لمحات کے تصور میں سرشار ہوکر زبانِ حال سے کچھ اس طرح کہہ رہے ہیں ؎

دل میں سما گئی ہیں قیامت کی شوخیاں ÷ دوچار دن رہا تھا کسی کی نگاہ میں

علامہ چشتی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے گوناگوں خوبیوں سے نوازا ہے وہ تدریس کی طرح تقریر کے میدان

میں بھی اپنا منفرد طرز بیان اور سلیقہء اظہار رکھتے ہیں۔ ریڈیو پاکستان ملتان کے قیام سے اس کے پروگراموں میں بھرپور حصہ لیا اور سینکڑوں اسلامی موضوعات وعنوانات پر تقاریر کیں جو ہمیشہ پسند کی گئیں۔

علماء کی خوبیوں خصوصاً اس دور کے تقاضوں میں تحریر کے ملکہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے علامہ ممتاز احمد چشتی نے اس میدان میں بھی اپنا سکہ خوب جمایا ہے یہ تیسری کاوش آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ سب سے پہلے 1990ء میں اپنے خاندان کے بزرگوں کی سیرت وتعلیمات ،کشف وکرامات اور دینی خدمات پر ﴿انوار العارفین﴾ تالیف کی جس کا دوسرا ایڈیشن جدید اضافے کے ساتھ جلد منظر عام پر آ رہا ہے۔ 1999ء میں حضرت غوث اعظم سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان ''قَدَمِیْ هٰذِهٖ عَلٰی رَقَبَةِ کُلِّ وَلِیِّ اللّٰهِ'' پر بعض اعتراضات کے رد میں معرکتہ الآرا کتاب ﴿قدم الشیخ عبد القادر علی رقاب الاولیآء الاکابر﴾ تحریر کی جسے ملک بھر کے اکابر علماء ومشائخ نے خراجِ تحسین پیش کیا اور اسے اندرون ملک وبیرون ملک بڑی پذیرائی ملی۔ بلاشبہ آپ کی یہ کتاب ایک علمی وتحقیقی شاہکار ہے۔

زیر نظر کتاب ﴿انوار البیان﴾ علامہ ممتاز احمد چشتی کی ایک سو چالیس نشری تقریروں کا مجموعہ ہے اس کے حسنِ ترتیب اور اندازِ تحریر سے یقیناً اہل علم قارئین کرام متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکیں گے۔ انشاء اللہ یہ ایک دلچسپ، پسندیدہ اور کارآمد مجموعہ ثابت ہوگا۔ علامہ ممتاز احمد چشتی ان مطبوعہ تالیفات کے علاوہ دو مزید کتابیں انوار الحواشی علیٰ اصول الشاشی اور کفایة الحامی لفهم الحسّامی بھی لکھ رہے ہیں۔ دعا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی دینی خدمات قبول فرما کر ان کے علم وعمل میں بے حساب برکتیں فرمائے۔

طالبِ دعا

حافظ عبد الحکیم چشتی

مدرّس جامعہ انوار العلوم ملتان

پہلا باب...... تفسیر القرآن

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ وَلَمَّا یَاْتِکُمْ مَّثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِکُمْ مَسَّتْھُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ. صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ.

(سورۃ البقرۃ، ایت ۲۱۴ پ۲)

ترجمہ: کیا تم خیال کر رہے ہو کہ یوں ہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ تم پر وہ حالات نہیں گزرے جو تم سے پہلے لوگوں پر گزرے ہیں۔ اُنہیں سختی اور مصیبت پہنچی اور وہ لرز اُٹھے یہاں تک کہ اُس زمانے کے رسول اور اُن کے ساتھ ایمان لانے والے لوگ کہہ اُٹھے کب آئے گی اللہ تعالیٰ کی مدد، سُن لو یقیناً اللہ تعالیٰ کی مدد قریب ہے۔

دینِ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونے دیا کہ اُس کے دامن سے وابستہ ہونے کے بعد وہ ہر قسم کی آزمائش اور تکلیف سے آزاد ہو جائیں گے اور صرف مسلمان کہلانے اور اسلام کا نام لینے کی وجہ سے وہ دنیوی کامیابی حاصل کر کے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ مسلمانوں کی آسمانی کتاب قرآن مجید اور ان کے رسولِ برحق ﷺ کی سیرت، تعلیمات اور اُسوۂ حسنہ نے اہلِ ایمان کو اس حقیقت سے واضح طور پر آگاہ کیا کہ دین و دنیا کی حقیقی فلاح و بہبود اور عظیم الشان کامیابی اور کامرانی کے حصول کی راہ میں کٹھن مراحل اور صبر آزما لمحات ضرور آئیں گے۔ امتحان اور آزمائش کے تلخ ترین حالات اور واقعات کا مقابلہ کرنے کے لئے اُنہیں تیار رہنا چاہئے اور کبھی اس خوش فہمی میں مبتلا نہ ہونا چاہیئے کہ ہم صبر و استقامت اور پیوستہ جدوجہد کے بغیر منزلِ مقصود حاصل کر لینگے۔ قرآنِ مجید نے متعدد مقامات پر امم سابقہ کے حالات و واقعات بیان کر کے اہلِ ایمان کو غور و فکر کی دعوت دی کہ وہ حق و باطل کی معرکہ آرائی کے آئینے میں اہلِ حق اور باطل پرستوں کے کردار کا موازنہ کریں، اُن کی عملی جدوجہد کے مثبت اور منفی پہلو کا جائزہ لیں اور اُن کی کامیابی و ناکامی کا تعین کر کے اپنے لئے لائحہ عمل کا انتخاب کریں۔ کیا اہلِ ایمان اپنی خداداد صلاحیت اور استعداد کو بروئے کار لاتے

ہوئے احساسِ ذمہ داری کا ثبوت دیگر اہلِ حق کا کردار ادا کرنے کی کوشش کرنا چاہتے ہیں یا باطل پرست عناصر کی فتنہ انگیز مفسدانہ ریشہ دوانیوں سے مرعوب ہوتے ہیں۔

تلاوت کی گئی آیت میں قرآنِ مجید نے اپنے خاص معجزانہ انداز اور دلنشیں پیرایۂ بیان میں اسی حقیقت کو نہایت ہی مؤثر طریقے سے پیش کیا اور اہلِ ایمان کی فکری، قلبی اور روحانی و ایمانی قوت برانگیختہ کرتے ہوئے کچھ اس طرح سے تنبیہ فرمائی ہے۔ کیا تم خیال کرتے ہو کہ یوں ہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ کیا تم نے سابقہ اُمتوں کی تاریخ کا مطالعہ نہیں کیا۔ اہلِ حق وصداقت کے کٹھن امتحانات اور اُن پر ٹوٹنے والے مصائب وآلام کا جائزہ نہیں لیا۔ اُن پر ایسے تشدد آمیز شب وروز اور تلخ وسنگین لمحات آئے کہ حالات کی شدت ونزاکت کو دیکھ کر وہ بیساختہ پکار اُٹھے اللہ تعالیٰ کی مدد کب پہنچے گی۔ گویا ایسے ناسازگار اور ناقابل برداشت واقعات اور امتحان وآزمائش کے صبر آزما حالات میں بھی وہ اپنے حقیقی مالک، قادرِ ذوالجلال کی امداد واعانت اور اُس پر یقین واستقامت کی نعمتِ عظمٰی سے سرفراز اور اس کی محبت واطاعت سے سرشار رہے۔ جب اُممِ سابقہ کے اہلِ ایمان کا یہ حال ہے تو اُمتِ مسلمہ جسے تمام دوسری اُمتوں پر فضیلت وفوقیت حاصل ہے اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ اُس کا کردار، عمل اور طریق کار بلند وبالا ہو۔

وہ خوش نصیب سعادت مند اہلِ ایمان جن کا دین اللہ تعالیٰ کا آخری دین ہے، جن کی کتاب قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اور جن کے پیغمبرِ اعظم ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں، اُن کے شایانِ شان نہیں کہ وہ عزم واستقلال، پیوستہ جدوجہد، عظمتِ کردار اور بلندیٔ ہمت کے لحاظ سے پیچھے رہ جائیں بلکہ اُن کا فرض منصبی اور فرض اولین ہے کہ حق وباطل کی معرکہ آرائی، کفر واسلام کی جنگ اور مادیت وروحانیت کے مقابلے میں وہ اپنے اعلیٰ کردار کا مظاہرہ کریں، اپنی عملی صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں اور حسنِ عمل کی جدوجہد میں رواں دواں ہو کر منزلِ مقصود سے ہمکنار ہوں۔

رسول پاک ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ راہِ حق میں حضرات انبیائے کرام علیہم السلام نے سب سے زیادہ مصائب وآلام برداشت کیے مگر سب سے زیادہ تکلیف اور مشقت میں نے برداشت کی۔ آپ کی پاکیزہ

حیات کا ایک ایک لمحہ صبر و استقامت کی عظمتوں کا آئینہ دار ہے اور آپ کی سیرتِ طیبہ کا ایک ایک عنوان مصائب و آلام کی طویل داستان کا بیان ہے۔ اعلانِ نبوت کے بعد کفار و مشرکین کی جانب سے قدم قدم پر جس طرح مزاحمت، مخالفت اور عداوت کے فساد انگیز اور فتنہ پرور طاغوتی مناظر سامنے آئے اُن کے تصور سے قلب و دماغ پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ مگر کروڑوں درود و سلام ہوں اُس نبیِ رحمت پر جس نے خندہ پیشانی، بردباری، عفو و درگزر اور حلم و وقار کے تر و تازہ، پاکیزہ، اور خوش نما پھولوں سے دشمنوں کے مشامِ جاں کو معطر کر دیا اور صبر و استقلال، عزم و استقامت، مروت و حوصلہ اور عظمتِ کردار کا وہ عظیم الشان نمونہ پیش کیا جس کی مثال پیش کرنے سے تاریخِ عالم قاصر ہے۔

آپ نے صحابہ کرام اور اہلِ بیتِ عظام رضی اللہ تعالیٰ عنھم کی صورت میں اپنے اوصاف و کمالات کے ایسے زندۂ جاوید کارنامے پیش کئے جو پوری کائنات کیلئے روشنی کے وہ مینار ہیں جن کے انوار و تجلیات قیامت تک جگمگاتے رہیں گے۔ ایمان و اسلام کے ایسے پاکیزہ اثرات اور اہلِ ایمان کے ایسے عظیم الشان جذبات جب عروج پر پہنچتے ہیں تو پھر فتح و نصرتِ خداوندی یہ مژدۂ جانفزا سناتی ہے'' اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ '' سن لو! یقیناً اللہ تعالیٰ کی مدد بالکل قریب ہے۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو   اُتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

☆☆☆☆☆

تفسیر القرآن

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ .

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ. صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِیْمُ.

(سورۃ اٰلِ عِمْرَانْ، آیت ۳۱، ۳۲، پ ۳)

ترجمہ: اے حبیبِ پاک آپ فرما دیجئے کہ اگر واقعی تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی

کروتب محبت فرمانے لگے گا تم سے اللہ تعالیٰ اور بخش دیگا تمہارے لئے تمہارے گناہ اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ اطاعت کرو اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کی پھر اگر وہ منہ پھیر لیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا کفر کرنے والوں کو۔

تاریخ عالم اس بات پر شاہد ہے کہ باطل کی طاغوتی طاقتیں ہمیشہ حق کے ساتھ برسرِ پیکار رہی ہیں اور حق وصداقت کی آواز کو دبانے کیلئے اُنہوں نے ناپاک سازشوں کا جال بچھانے میں کوئی کمی نہیں کی۔ سرزمینِ عرب میں جب آفتابِ نبوت طلوع ہوا اور اُسکی نورانی شعاعوں سے کفر وشرک کے اندھیرے ختم ہونے لگے تو اسلام کے مخالفین کیلئے یہ صورتِ حال سخت بے چینی کا باعث بنی۔ اُنہوں نے عہد کیا کہ ہم کسی قیمت پر بھی اسلام قبول نہیں کریں گے اور ہر ممکن کوشش کریں گے کہ کسی طرح لوگوں کو اِس دین سے بیزار کیا جائے۔ قومِ یہود جو ہٹ دھرمی اور تعصب میں بہت شہرت رکھتی تھی، جب اُسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی تو اُنہوں نے یہ کہہ کر اُسے قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ ہم تو پہلے ہی محبتِ الٰہی سے سرشار اور خدا کے لاڈلے فرزند ہیں۔ ہمیں کیا ضرورت پڑی کہ ہم کسی نئے نبی کی اُمت میں داخل ہونے کی زحمت گوارا کریں۔

سابقہ آیات میں قرآنِ مجید نے اُنکے بُرے اعمال اور ناپسندیدہ عادات کا ذکر کیا اور اب اُنہیں تنبیہ کی جارہی ہے کہ تمہارے بے سروپا بہانے کسی لحاظ سے بھی کوئی وقعت نہیں رکھتے، تمہارا محبتِ خداوندی کا دعویٰ بھی قطعاً کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ تمہارے دعوے کے باطل ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ جس خدا کی محبت کا تم دم بھرتے ہو اور جس کی بھیجی ہوئی کتاب توراۃ پر تم ایمان کا دعویٰ کرتے ہو اُسی کے برگزیدہ رسول ﷺ کو تم جھٹلاتے ہو اور اُن پر ایمان نہ لانے کی غرض سے مختلف قسم کے بہتان باندھتے ہو، اگر واقعی تمہیں میدانِ صداقت میں قدم رکھنے کی ہمت ہے تو پھر اپنے دعوے کو عمل کے لحاظ سے درست ثابت کرو۔ صرف رسولِ برحق کی اطاعت ایک ایسی قوی دلیل ہے جس سے تمہارا مُدّعا ثابت ہو سکتا ہے۔ اگر تم پیغمبرِ اسلام کی تعلیمات کو مان لو، اُن کی اطاعت اور فرمانبرداری کو اپنے لئے لازم سمجھ لو، تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ تمہیں محبتِ خداوندی کے دعوے میں حق بجانب نہ کہا جائے۔ پیغمبرِ اسلام کی اطاعت سے تمہاری محبت کا دعویٰ ہی نہ تسلیم کر لیا جائیگا بلکہ تم اُس نعمت

سے بھی سرفراز کیئے جاؤ گے کہ اللہ تعالیٰ خود تمہارے ساتھ محبت فرمائیگا۔ تمہارے نامۂ اعمال کی سیاہی کو مغفرت اور رحمت کے پانی سے صاف کر دیا جائیگا۔ دین اور دنیا کی تمام سعادتوں سے تمہارا دامن بھر دیا جائیگا اور تمہیں خالق ومخلوق کے نزدیک اہم مقام حاصل ہوگا۔

امام ابوالحسن آمدی لفظ اتباع کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''اَلْاِتِّبَاعُ فِی الْفِعْلِ ھُوَ التَّاَسِّیْ بِعَیْنِہٖ وَالتَّاَسِّیْ اَنْ تَفْعَلَ مِثْلَ فِعْلِہٖ عَلٰی وَجْھِہٖ مِنْ اَجْلِہٖ وَمَنْ اَتٰی بِمِثْلِ فِعْلِ الْغَیْرِ عَلٰی قَصْدِ اِعْظَامِہٖ فَھُوَ مُطِیْعٌ لَّہٗ'' کسی کے فعل کی اتباع کا معنٰی یہ ہے کہ اس کے فعل کو اسطرح کیا جائے جسطرح وہ کرتا ہے اور اس لئے کیا جائے کہ وہ کرتا ہے اور جب کوئی شخص کسی دوسرے کی عزت واحترام کے پیشِ نظر اسکے فعل کی طرح کوئی فعل کرے تو وہ اس کا مطیع کہلاتا ہے۔ اس آیت میں جہاں یہود کو اتباعِ رسول کی شرط پر خدا کی محبوبیت کا مژدۂ جانفزا سنایا جارہا ہے اور مغفرت وعافیت کی بشارت دی جارہی ہے وہاں مسلمانوں کیلئے بھی ایک عظیم دعوتِ فکر ہے گویا امتِ مسلمہ کو اس حقیقت سے آگاہ کیا جارہا ہے کہ اگر وہ اتباعِ رسول کی دولت کو حاصل کرلے تو اسے نہایت آسانی سے اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کا مقام حاصل ہوسکتا ہے اور دین ودنیا کی تمام نعمتوں سے مشرف کیا جاسکتا ہے۔ سرکارِ دوعالم ﷺ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے قطعًا مختلف نہیں ہے، بلکہ اطاعتِ خداوندی کی واحد عملی صورت یہی ہے کہ پیغمبرِ اسلام کی اطاعت کی جائے۔ قرآنِ مجید نے اسی مضمون کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ''مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ'' جس نے رسول برحق کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی۔ حدیث پاک میں آتا ہے حضور نے فرمایا ''مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَی اللّٰہَ'' جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ حضور کے ارشادات اور آپ کا عمل مسلمانوں کی فلاح وبہبود کا امین ہے، آپ کی اتباع مسلمانوں کیلئے معراجِ کمال ہے اور آپ کی ذات سے محبت وعقیدت مسلمانوں کیلئے سرمایۂ حیات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کتاب آپ پر نازل فرمائی وہ ایک مستقل ضابطۂ حیات ہے جو دنیا وآخرت کے تمام امور میں انسان کی رہنمائی کا ذمہ دار ہے۔

81048

حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے تو ان کے ہاتھ میں توراۃ کے چند اوراق تھے جن کا وہ مطالعہ کر رہے تھے حضور کے پوچھنے پر عرض کرنے لگے یہ توراۃ کے چند اوراق ہیں جن میں اچھی باتیں لکھی ہوئی ہیں یہ کہہ کر پھر محوِ مطالعہ ہو گئے۔ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو مزاج شناسِ نبوت تھے انہوں نے فوراً بھانپ لیا کہ حضور کو یہ بات ناگوار گزری ہے چنانچہ حضرت عمر سے مخاطب ہوئے ''اے عمر! تم رسول پاک کے چہرہ اقدس کو نہیں دیکھ رہے'' جب فاروقِ اعظم نے نگاہ اُٹھائی تو جلال نبوت دیکھ کر کانپنے لگے۔ بارگاہِ نبوت میں عرض کیا ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِهٖ وَغَضَبِ رَسُوْلِهٖ '' میں اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کے غضب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں۔ اس پر زبانِ نبوت سے جو الفاظ نکلے وہ اتباعِ رسول کی عظمت اور اہمیت کے بیان کا آخری طریقہ تعبیر ہیں۔ آپ نے فرمایا'' مجھے قسم ہے اس خدائے برحق کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر آج صاحبِ توراۃ حضرتِ موسٰی علیہ السلام زندہ ہوتے تو اُنہیں بھی میری اطاعت کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا کیا تم میرے ہوتے ہوئے اور قرآنِ مجید کے نزول کے باوجود کسی دوسری جگہ سے ہدایت تلاش کرتے ہو''۔

ایک دن حضور کے ایک صحابی نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے کچھ لوگ آپ کی ہر حدیث لکھنے سے منع کرتے ہیں مگر مجھے یہ بات ناگوار گزرتی ہے آئندہ جس طرح حکم فرمائیں اسی پر عمل کرونگا۔ آپ نے فرمایا ''اُكْتُبْ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَايَخْرُجُ مِنْهُ اِلَّا حَقٌّ'' اے میرے صحابی میری ہر حدیث لکھتے جاؤ خدا کی قسم میری زبان سے حق کے سوا کچھ بھی نہیں نکلتا۔ اِن احادیث کی روشنی میں اطاعتِ رسول کی اہمیت پوری طرح اُجاگر ہو جاتی ہے جس کے بعد اس غلط فہمی کی ذرا بھر بھی گنجائش نہیں رہتی کہ اتباعِ رسول کے بغیر فلاح و بہبود کی کوئی صورت کارگر ثابت ہو یا صراطِ مستقیم کا کوئی تصور سامنے آئے۔

مپندار سعدی کہ راہِ صفا ☆ تواں رفت جز بر پئے مصطفٰے

حضور کی اطاعت اور فرمانبرداری وہ نعمتِ عظمٰی ہے جس کی وجہ سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور انسان منزلِ مقصود کو پالیتا ہے۔ قرآنِ مجید نے پیغمبرِ اسلام کی اطاعت کی جامعیت اور مرکزی حیثیت کو واضح کرتے

ہوئے صاف ارشاد فرمایا ''مَآ اٰتٰـکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَانَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا'' رسولِ پاک ﷺ جو حکم دیں اس پر عمل کرو اور جس چیز سے منع فرمائیں اس سے رک جاؤ۔ اِس ارشادِ ربانی سے اُن جدید ذہنوں کے فکری فساد کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے جن کے نزدیک اتباعِ قرآن کے ساتھ اتباعِ سنت کی کوئی ضرورت نہیں ۔ ایسے لوگوں کی عقل وفہم پر تعجب ہوتا ہے کہ وہ اتباعِ سنت کا انکار کر کے کس طرح اپنے آپ کو قرآن کے اتباع کا دعوے دار ٹھہراتے ہیں حالانکہ قرآنِ مجید نے آپ کی اتباع اور فرمانبرداری کے متعلق سختی سے تاکید کی اور آپ کی اطاعت سے انحراف کرنے والوں کو عذابِ الیم سے ڈرایا۔

انکارِ سنت کی جرأت کرنے والوں کو نہایت تحمل سے ذرا گریبان میں جھانک کر سوچنا چاہئے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ حقیقت میں قرآنِ مجید کا انکار کر رہے ہوں ۔ اگر تعصب اور عناد کو نظر انداز کر کے ذرا بھر غور کیا جائے تو یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اتباعِ رسول ہی قرآنِ مجید کی تعلیمات کا واحد عملی نمونہ ہے ۔ دینِ اسلام کی تمام عظمتیں دامنِ مصطفٰے ﷺ کے ساتھ وابستہ ہیں اور مسلمانوں کی حقیقی فلاح و بہبود کا مرکز صرف اور صرف پیغمبرِ اسلام کی ذاتِ والا صفات ہے ۔ علامہ اقبال مرحوم اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے کیا خوب کہتے ہیں ۔

بمصطفٰے برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست ☆ اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی ست

تاریخ اسلام شاہد ہے کہ جن لوگوں نے اطاعتِ رسول کو اپنے لئے لائحہ عمل بنایا انہوں نے اقوامِ عالم پر برتری حاصل کی اور دین و دنیا کی تمام سعادتوں سے مالا مال ہوئے ۔ قرآن مجید نے حضور کی اطاعت کرنے والوں کو یہ خوشخبری سنائی کہ آپ کی اتباع ان کے تمام گناہوں کو ختم کر دیگی اور وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بن جائیں گے۔

حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا ''اَلْاِسْلَامُ یَھْدِمُ مَاکَانَ قَبْلَہٗ '' اسلام پہلے سب گناہوں کو مٹا دیتا ہے ۔ چنانچہ اس میں ذرا بھر بھی شک نہیں کہ بارگاہِ نبوت کے ساتھ جس نے بھی رابطہ پیدا کیا وہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت و عافیت سے مشرف ہوا۔ بڑے بڑے جرائم کے مرتکب جب تائب ہوئے تو حضور نے انہیں گناہوں کی معافی کے متعلق بشارت دی ۔ وہ لوگ جنہوں نے زندگی کا اکثر حصہ حضور کی مخالفت میں گزارا اور

دینِ اسلام کے خلاف ہر سازش میں مصروف رہے جب اپنے اعمال سے نادم ہو کر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے تو اُن کے ساتھ عفوودرگزر کا سلوک کیا گیا۔ حضور کی اطاعت اور غلامی کے یہ فوائد آپ کی ظاہری حیات کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ جب بھی کوئی شخص دینِ اسلام قبول کرلے اس کے سابقہ گناہ اسی وقت معاف ہو جاتے ہیں۔ اگر دینِ اسلام قبول کرنے کے بعد بتقاضائے بشریت اعمال میں کوتاہی ہوتی ہے تو قرآنِ مجید نے پیغمبرِ اسلام کی برکت سے اس کے معاف ہونے کے متعلق بھی تسلی دی۔ چنانچہ اس قسم کے متعدد واقعات ہیں کہ بارگاہِ نبوت میں ایسے لوگ آئے جنہوں نے ناپسندیدہ اعمال کا ارتکاب کیا ہوا تھا، مگر آتے ہی اُن کو پیغامِ عافیت سنا دیا گیا۔ اگر مسلمان آج بھی اتباعِ رسول کی دولت کو حاصل کرلیں تو اُنہیں قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی طرح عظمت ووقار حاصل ہو سکتا ہے، وہ اپنا کھویا ہوا مقام پا سکتے ہیں اور اپنی گم گشتہ منزلِ مقصود سے پھر ہمکنار ہو سکتے ہیں۔ اتباعِ رسول میں امتِ مسلمہ کی تمام مشکلات کا حل اور تمام کامیابیوں کا راز مضمر ہے۔

☆☆☆☆☆☆

تفسیر القرآن

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

وَاعْبُدُ وااللّٰہَ وَلاَ تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا وَّبِالْوَالِدَ یْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسَاکِیْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِالْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِیْلِ وَمَامَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ اِنَّ اللّٰہَ لاَ یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالاً فَخُوْرًا. صَدَ قَ اللّٰہُ الْعَظِیْم. (سورۃ النساء آیت ۳۶ پ ۵)

ترجمہ : اور عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور شریک نہ بناؤ اس کے ساتھ کسی کو اور والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو نیز رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور ہمسایہ جو رشتہ دار ہے اور ہمسایہ جو رشتہ دار نہیں اور ہم مجلس اور مسافر اور جو لونڈی یا غلام تمہارے قبضے میں ہیں اُن سب سے اچھا سلوک کرو، بیشک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا اس کو جو مغرور ہو فخر کرنیوالا ہو۔

اسلام چونکہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اس لئے اُس نے اپنے ماننے والوں کو دین و دنیا کے تمام امور کے متعلق ضروری ہدایات سے آگاہ کیا۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کے تفصیلی احکام بیان کر کے اس حقیقت کو واضح کیا کہ اسلام کا دائرہ صرف نظامِ عبادت تک محدود نہیں بلکہ اس کی وسعتیں عبادات و معاملات کے تمام پہلوؤں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں۔ انسانیت کے تمام مسائل چاہے وہ انفرادی ہوں یا اجتماعی، انکا تعلق تہذیب و تمدن سے ہو یا معیشت سے، وہ حقوقِ خداوندی قرار پاتے ہوں یا مخلوق سے متعلق ہوں۔ ان تمام کے بارے میں اسلام نے اپنے واضح اصول پیش کر کے اپنی جامعیت کو اجاگر کیا۔ قرآن مجید کی یہ آیت مقدسہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس میں اسلامی نظام کے چند بنیادی اُصول کی اہمیت کو نمایاں طور پر بیان کیا گیا۔ چونکہ خالقِ کائنات کی معرفت اور اس کی عبادت عقل و شریعت دونوں کی رو سے انسان کا مقصدِ تخلیق ہے اسی بنا پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کے متعلق قرآن مجید نے سب سے پہلے توجہ دلائی اور ارشاد فرمایا ''وَاعْبُدُ وااللّٰهَ وَلاَ تُشْرِ كُوْابِهٖ شَيْئًا'' عبادت اسی ذات کی بجالاؤ جو عبادت کے لائق ہے جو ذاتی طور پر تمام کمالات کا مالک ہے اور جسکی شانِ اُلوہیت کسی قسم کے شریک کو گوارا نہیں کرتی۔ بت اور شیاطین چاند، سورج اور ستارے، درخت اور پانی یا آگ، ان کے علاوہ کوئی بھی مخلوق عبادت میں شریک ہونے کا قطعًا کوئی استحقاق نہیں رکھتی۔

صاحبِ تفسیر روح المعانی اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''وَالْعِبَادَةُ اَقْصٰى غَايَةِ الْخُضُوْعِ وَلاَ تُشْرِ كُوْابِهٖ شَيْئًا مِّنَ الْاَشْيَاءِ صَنَمًا كَانَ اَوْغَيْرَهٗ فَالتَّنْوِيْنُ لِلتَّعْمِيْمِ '' عبادت انتہائی درجے کی عاجزی کا نام ہے۔ شَیْئًا میں تنوین تعمیم کیلئے ہے یعنی بت یا کوئی اور چیز کسی کی بھی شرکت کی گنجائش نہیں۔ آگے فرماتے ہیں ''هٰذَاالنَّهْىُ اِشَارَةٌ اِلَى الْاَمْرِ بِالْاِخْلَاصِ '' حکمِ عبادت کے بعد شرک کی نہی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عبادت میں اخلاص کا خاص طور پر خیال رکھا جائے کیونکہ اس کے بغیر عبادت قبول نہیں ہوتی۔

عبادتِ خداوندی کی اہمیت بیان کرنے اور شرک سے روکنے کے بعد والدین کے ساتھ احسان کا حکم دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ ساتھ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم اُن کی عظمت اور احترام کی اہمیت کو نمایاں کرتا ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ معاشرے کی اصلاح اور ترقی کے بارے میں اولاد کی تعلیم و تربیت کی بنا پر والدین کو ایک خصوصی مقام حاصل ہے انسان کی ابتدائی درسگاہ ماں کی گود ہوا کرتی ہے۔

گھر کی چار دیواری میں والدین کے زیر سایہ بچوں کو جو تعلیم دیجاتی ہے، جو طریقہ سکھایا جاتا ہے اور جس طرح بھی رہنمائی کی جاتی ہے بچے اسکا گہرا اثر قبول کرتے ہیں۔فطرت کی سلامتی کے پیشِ نظر ان کے دل ودماغ پر یہ امور اسطرح نقش ہوجاتے ہیں کہ پورے عرصۂ حیات میں ان نقوش کے اثرات ان سے ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔اس میں بھی شک نہیں کہ قدرت کی طرف سے والدین کے دل میں اولاد کے لئے بے پناہ جذبہء شفقت و محبت ہوا کرتا ہے چنانچہ وہ قلبی محبت کی بناپر اولاد کی خیر خواہی اور بہتری میں ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔والدین کی ان ہی قابل قدر خدمات اور نا قابل فراموش احسانات کی بناپر اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ خصوصی حسنِ سلوک کے متعلق کئی مقامات پر تاکید فرمائی۔

لفظِ احسان کی تشریح کرتے ہوئے صاحبِ روح المعانی فرماتے ہیں''وَالْاِحْسَانُ الْمَامُوْرُبِہٖ اَنْ یَقُوْمَ بِخِدْمَتِهِمَا وَلَا یَرْفَعَ صَوْتَهٗ عَلَیْهِمَا وَلَا یَخْشُنَ فِی الْکَلَامِ مَعَهُمَا وَیَسْعٰی فِیْ تَحْصِیلِ مَطَالِبِهِمَا وَالْاِنْفَاقِ عَلَیْهِمَا بِقَدْرِ الْقُدْرَةِ'' آیت میں جس احسان کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ والدین کی خدمت کا حق ادا کیا جائے،ان کے روبرو گستاخی سے آواز تک بلند نہ کی جائے،ان کے ساتھ تلخ کلامی نہ کی جائے،ان کے مطالبات کو پورا کیا جائے اور وسعت کے مطابق ان پر مال خرچ کرنے سے دریغ نہ کیا جائے۔سرکارِ دو عالم ﷺ نے متعدد مقامات پر اپنے ارشادات کے ذریعے والدین کے مقام کی عظمت کو بیان فرمایا اور ان کی نافرمانی کو ہلاکت کا پیش خیمہ قرار دیا۔آپ کا ارشاد گرامی ہے ''رِضَا الرَّبِّ فِیْ رِضَا الْوَالِدَیْنِ وَسَخَطُ الرَّبِّ فِیْ سَخَطِ الْوَالِدَیْنِ''ماں باپ کی رضا مندی میں خدا کی خوشنودی ہے،ان کی ناراضگی میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے۔آپ نے والدین کی نافرمانی سے بچنے کے متعلق سختی سے تنبیہ فرمائی اور یہاں تک ارشاد فرمایا کہ''ان کی نافرمانی ایسا گناہ ہے کہ جس کی سزا قیامت سے پہلے دنیا میں انسان کو دے دی جاتی ہے اور آخرت کا عذاب بھی اسے چکھنا پڑتا ہے''۔

والدین کے ساتھ ساتھ قریبی رشتہ داروں کے ساتھ بھلائی کا حکم دیا گیا۔حقوق العباد میں رشتہ داروں کے حقوق کو جو اہمیت حاصل ہے قرآن مجید اور احادیثِ نبویہ اس پر شاہد ہیں۔رسولِ پاک ﷺ نے اپنے ارشادات وعمل سے اس فریضہ کو سرانجام دینے کی نہایت تاکید فرمائی آپ کا فرمان ہے کہ جو شخص رشتہ داروں کے

ساتھ بھلائی کریگا اللہ تعالیٰ اس کی عمر اور اسکے مال میں برکت فرمائے گا۔ یہ ضروری نہیں کہ رشتہ دار اگر بھلائی کریں تو ان کے ساتھ بھلائی کی جائے بلکہ ان کی زیادتی کے باوجود ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا چاہیئے اس کی جزا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت زیادہ ہے، حدیث پاک میں آتا ہے ایک شخص نے حضور کی خدمت میں عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میرے کچھ رشتہ دار ہیں میں تو ان کے قریب جاتا ہوں لیکن وہ مجھ سے دور بھاگتے ہیں، میں ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آتا ہوں مگر وہ مجھ پر زیادتی کرتے ہیں، میں ان سے اچھائی کرتا ہوں مگر وہ مجھ سے اچھا رویہ نہیں رکھتے اگر اجازت فرمائیں تو میں بھی ان کے ساتھ وہی سلوک کروں جو وہ مجھ سے کرتے ہیں۔ آپ نے اُسے فرمایا ''صِلْ مَنْ قَطَعَکَ وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَکَ وَاَحْسِنْ اِلٰی مَنْ اَسَآءَ اِلَیْکَ'' جو تجھ سے تعلق توڑ دے تم اسے اپنے ساتھ ملاؤ، جو تم پر زیادتی کرے تم اسے معاف کردو، جو تم سے برا سلوک کرے تم اسکے ساتھ اچھائی سے پیش آؤ۔

والدین اور رشتہ داروں کے حقوق کے بعد ان لوگوں کے ساتھ بھلائی کا حکم دیا جارہا ہے جو قرابت کا حق نہیں رکھتے۔ انسان اپنے فطری میلان کی بنا پر قرابت داروں سے اچھائی کرنے کو پسند کرتا ہے مگر جہاں یہ تعلق نہ ہو وہاں حسنِ سلوک واقعی اللہ تعالیٰ کی ایک خاص نعمت ہے جس میں رضائے الٰہی کا پہلو خاص طور پر نمایاں ہوتا ہے ان لوگوں میں یتیم، مسکین، پڑوسی، دوست، مسافر، غلام اور لونڈی سب شامل ہیں۔ رسولِ پاک ﷺ نے معاشرے کے بے کس افراد کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کا جو عملی نمونہ پیش کیا اور جس طرح سے اپنے ارشادات کے ذریعے ان کے حقوق کی اہمیت کو واضح کیا وہ دینِ اسلام کا امتیازی کمال ہے۔ دنیا کے کسی بھی نظام میں غریبوں، یتیموں اور مسکینوں کے حقوق کے متعلق ان تفصیلی احکام کا معمولی سا نقشہ بھی نظر نہیں آتا جن کے بارے میں اسلام نے سختی سے تاکید کی حضور خاتم النبیین ﷺ عموماً یہ دعا مانگا کرتے تھے ''اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ'' الٰہی مجھے مسکینی کی حالت میں زندہ رکھنا مسکینی کی حالت میں وفات دینا اور مساکین کی جماعت میں مجھے قیامت کے دن اُٹھانا۔ آپ نے اپنی دو انگلیوں کو ملا کر لوگوں سے فرمایا کہ یتیم کی پرورش کرنے والا قیامت کے دن میرے ساتھ اس طرح ملا ہوا ہوگا۔

ہمسائے کے حقوق کے متعلق قرآنی احکام کی تفصیل بیان کرتے ہوئے سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا ''ہمسائے کی تین قسمیں ہیں ایک وہ جو رشتہ دار بھی ہو اور مسلمان بھی ہو، دوسرا وہ جو رشتہ دار نہ ہو لیکن مسلمان ہو تیسرا وہ جو مسلمان بھی نہ ہو اور رشتہ دار بھی نہ ہو۔ ان تمام کے حقوق حسبِ مراتب ادا کرنا ضروری ہیں۔ حضور ﷺ فرماتے تھے کہ ہمسائے کے بارے میں حضرت جبریل نے اتنی تاکید کی کہ مجھے خیال آیا شاید اُسے وراثت کا حق بھی ملے۔ آپ نے کسی شخص کے اچھے یا بُرے ہونے کے متعلق ہمسائے کے ساتھ اس کے سلوک کو معیار قرار دیتے ہوئے فرمایا اچھا وہ ہے جس کو ہمسائے اچھا کہیں اور برا وہ ہے جس کو ہمسائے بُرا کہیں۔

''صَاحِبِ بِالْجَنْبِ'' کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد رفیقِ سفر ہے یا ایسا شخص جو کسی کی امداد و اعانت کے سہارے رہتا ہو۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے اپنی بیوی مراد ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک ہر وہ ساتھی جو اچھے کام میں شریک ہو وہ مراد ہے ''ابن سبیل'' سے مراد مسافر یا مہمان ہے، مسافر اور مہمان کے ساتھ حسنِ سلوک کے بارے میں سرکارِ دوعالم ﷺ نے خاص طور پر تاکید فرمائی۔ مسافر کی دعا لینے، اس کی خدمت کرنے کی طرف رغبت دلائی اور مہمان کے اعزاز و اکرام کو مسلمان کے لیئے ضروری قرار دیا۔ ''مَـامَلَـكَـتْ اَيْمَـانُكُمْ'' سے مراد غلام اور لونڈیاں ہیں جو انسان کے قبضے میں ہوں اُسے ان کا ملک حاصل ہو اور وہ حُریت اور آزادی کی نعمت سے محروم ہوں۔ ان کے ساتھ حسنِ سلوک کے بارے میں حضور ﷺ نے ہمیشہ تاکید فرمائی یہاں تک کہ وصال سے کچھ دیر پہلے بھی ان کے متعلق صحابہ کرام کو توجہ دلائی۔ '' مُخْتَال'' سے مراد متکبر اور مغرور ہے ''فَخُوْر'' اُسے کہتے ہیں جو اپنے کمالات اور خوبیاں بطور فخر بیان کرے۔ حدیث پاک میں غرور اور تکبر کی مذمت بیان کی گئی ہے اور حضور کا فرمان ہے جس شخص کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہوا تو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

اس آیتِ مقدسہ میں جس جامعیت اور اختصار سے عبادات اور معاملات کا حسین امتزاج پیش کیا گیا وہ ایک منفرد مقام رکھتا ہے جس کی عظمتوں کا تقاضا ہے کہ مسلمان ایسی پاکیزہ تعلیمات کو لائحہ عمل بنا کر اپنے اسلامی جذبات کی حقانیت کا عملی ثبوت پیش کریں۔

☆☆☆☆☆

تفسیر القرآن

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْا مِنْ قَوْمِہٖ لَنُخْرِجَنَّکَ یٰشُعَیْبُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَکَ مِنْ قَرْیَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا قَالَ اَوَلَوْ کُنَّا کٰرِھِیْنَ . قَدِ افْتَرَیْنَا عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِیْ مِلَّتِکُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰنَا اللّٰہُ مِنْھَا وَمَا یَکُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِیْھَآ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ رَبُّنَا وَسِعَ رَبُّنَا کُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا عَلَی اللّٰہِ تَوَکَّلْنَا رَبَّنَا افْتَحْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَیْرُ الْفٰتِحِیْنَ . صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ.

(سورۃ الاعراف آیت ۸۸/۸۹ پ ۹)

ترجمہ: حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے متکبر سردار کہنے لگے ''اے شعیب! یا تو ہم تمہیں اور جو لوگ تمہارے ساتھ ایمان لائے اپنی بستی سے نکال کر رہیں گے یا تمہیں ہماری ملت میں آنا ہوگا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا اگرچہ ہم اس بات کو پسند نہ کرتے ہوں تب بھی اگر ہم تمہاری ملت میں اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے نجات دی آئیں تو ہم نے اللہ تعالیٰ پر ضرور جھوٹا بہتان باندھا اور کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس میں لوٹ آئیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے جو ہمارا پروردگار ہے۔ ہمارا رب ہر چیز کا اپنے علم سے احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ہم نے صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا۔ اے ہمارے رب ہماری قوم اور ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرما دے اور تو سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم کی طرف مبعوث فرمایا۔ یہ قوم، مَدْیَنْ نامی ایک شہر میں آباد تھی جو بحر احمر کے کنارے کوہ طور کے جنوب مشرق میں واقع تھا۔ آپ کی قوم تجارت پیشہ تھی اور مدین تجارتی لحاظ سے مشہور شہر تھا بدقسمتی سے یہ قوم شرک میں مبتلا تھی اور دولت کمانے کی دھن میں ناجائز حربے استعمال کرنے کی عادی تھی ناپ تول میں کمی انکا مشغلہ تھا اور کاروباری لحاظ سے فریب کاری اور خیانت انکا طریقہ تھا

حضرتِ شعیب علیہ السلام بڑے فصیح و بلیغ، قادر الکلام مقرر تھے۔ آپ کی فصاحت و بلاغت اور حسنِ استدلال کی وجہ سے آپ کو خطیب الانبیاء کہا جاتا ہے۔ آپ نے بڑے اخلاص و محبت اور شفقت سے قوم کو پیغامِ حق پہنچایا، انہیں توحید کا درس دیا اور دوسری اخلاقی اور معاشی خرابیوں سے روکا۔ آپ کا اندازِ بیان اتنا مؤثر ہوتا کہ قوم کے لوگ آپ کے بیان کردہ حقائق کی تردید نہ کر سکتے البتہ لوگوں کے سامنے آپ کے عقائد و تعلیمات کو ایسے غلط انداز میں پیش کرتے کہ سادہ لوح انسان ان کے فریب میں مبتلا ہو جاتے۔ آپ کے پاس جانے والوں کو سختی سے روکتے اور انہیں زدوکوب کرنے سے بھی باز نہ آتے۔

آپ نے نہایت بردباری، سنجیدگی اور حوصلے کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہمیشہ انہیں دلائل سے لاجواب کیا۔ مناسب تو یہی تھا کہ حقائق واضح ہو جانے کے بعد قوم کے لوگ ہٹ دھرمی اور تعصب سے باز آجاتے، غفلت کے حجابات چاک کر دیتے اور ایمان کے نور سے دل کو منور کرتے مگر مسلسل تکذیب اور سرکشی کی وجہ سے ان کے دل سیاہ ہو چکے تھے وہ پیغامِ حق قبول کرنے کے لئے تو کیا آمادہ ہوتے شائستہ انداز میں گفتگو کرنے پر بھی تیار نہ ہوئے بلکہ جبر و تشدد اور جنگ و جدال کی روش اختیار کر لی۔ باطل کا ہمیشہ سے یہی رویہ چلا آتا ہے کہ دلیل و برہان کے میدان میں شکست کھانے کے بعد وہ اپنی طاغوتی طاقت سے حق کو کچلنے کی کوشش کرتا ہے قومِ مدین نے بھی باطل کے پرستاروں کی روش کو اپنایا، انسانیت کے آداب کو رخصت کر دیا اور تہذیب و ادب کے تمام تقاضوں کو پامال کر ڈالا۔ پھر یہ ناپسندیدہ طریقِ کار اور یہ مذموم رویہ ان سرداروں نے اختیار کیا جو دولت کے نشے میں سرشار تھے اور غرور و تکبر کی وجہ سے سرکشی کرتے تھے۔ انہیں چاہیئے تو یہ تھا کہ عقل و فہم کا ثبوت دیتے ہوئے غلط روش سے ہٹ جاتے۔ مگر دنیوی مال و دولت اور غرور و تکبر ہمیشہ حق قبول کرنے کی راہ میں دیوار بن جاتا ہے اس لئے قومِ مدین کے سردار بھی غفلت اور بے پروائی کا شکار ہو گئے انہوں نے حضرتِ شعیب علیہ السلام کو دھمکی دی اگر تم اور تمہارے پیروکار ہمارے مذہب میں نہ آئے تو اسکا انجام خطرناک ہوگا، تمہیں اس بستی سے بوریا بستر اٹھانا ہوگا اور ہمیشہ کے لئے جلاوطن ہونا پڑیگا۔

جب بھی اہل حق نے صداقت کا علم بلند کیا اہل باطل نے انہیں تکلیف پہنچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی چنانچہ قومِ مدین نے وطن چھوڑنے کی دھمکی دیکر حضرتِ شعیب علیہ السلام کو مرعوب کرنا چاہا وہ اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ شاید حضرت شعیب نے کسی خاص ردِ عمل کے طور پر ان نظریات کا اظہار کیا ہے وگرنہ اس سے پہلے تو وہ سرگرم عمل نظر نہ آتے تھے۔ انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر بعثت کے بعد ہی اپنی تبلیغی کوششوں کا بھرپور اظہار کرتے ہیں، ویسے ان کی پوری زندگی انسانیت کا نمونہ ءکامل ہوتی ہے اور وہ ہر قسم کے عیوب ونقائص سے مبرّا ہوتے ہیں، کسی کو برائی سے روک کر اچھائی کی دعوت دینا اور ظلمتوں سے نور کیطرف بلانا یہ تو انسانی کردار کی عظمت کا باعث ہے مگر اچھائی سے ہٹا کر برائی کیطرف بلانا اور روشنی سے اندھیرے کی طرف دعوت دینا کس قدر ظلم اور ناانصافی ہے، باطل کی گمراہی اور جہالت کا نقطہ عروج یہی چیز ہوا کرتی ہے کہ برائی کا مرتکب ہو کر اس برائی کی ترویج واشاعت کا اہتمام کیا جائے۔ بعینہٖ قومِ مدین کا یہی حال تھا کہ وہ ایک عظیم الشان مصلح اور پاکیزہ سیرت وکردار کے مالک کو باطل کی دعوت دینے لگی۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم کے سرداروں کے اس ناقابل برداشت جواب پر بھی برہمی کا اظہار نہ فرمایا بلکہ نہایت سنجیدگی اور متانت سے اپنی ثابت قدمی اور استقامت کا ثبوت دیا۔ واقعی یہ پیغمبرانہ عزم واستقلال اور بے پناہ قوتِ برداشت ہے جس کا آپ نے اظہار فرمایا۔ آپ نے انہیں فرمایا کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم بھی ان فکری اور عملی پستیوں میں گر جائیں جن میں تم ٹھوکریں کھا رہے ہو۔ بھلا ایسا کب ہوسکتا ہے کہ ذوقِ توحید سے آشنا ہونے کے بعد کفر وشرک کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھیں قادر ذوالجلال کی عبدیت کا تاج سر پر رکھنے کے بعد معبودانِ باطلہ کی غلامی کو شعار بنائیں اور حق وصداقت کے چمکتے ہوئے انوار کا مشاہدہ کرنے کے بعد ظلمتوں کی فضا میں قدم رکھیں۔ ظاہر ہے کہ اتنی بڑی تبدیلی پر تو وہی آمادہ ہوسکتا ہے جس کا دل یہ چاہتا ہو اور اس کی فکری اور عملی صلاحیتیں تعاون پر کمربستہ ہوں۔ ہمارے ہاں تو حالات سراسر مختلف ہیں ہمیں تو باطل نظریات اور عقائد کے سننے سے بھی شدید نفرت ہے۔ یہ کب ہوسکتا ہے کہ ہم انہیں عملی اور اعتقادی طور پر قبول کر لیں، پھر تم ہی بتاؤ کہ جب ہماری رضا ورغبت ہی اس طرف مفقود ہے تو کیا مجبوراً تمہاری منزل کی طرف قدم اٹھائیں۔

ہم پرتو خالقِ کائنات نے احسانِ عظیم فرمایا ہے کہ ہمیں کفر وشرک کی ظلمت سے بچالیا ہے اور اسلام وایمان کے انوار سے ہمارے دلوں کو منور کردیا ہے ہم پرتو شکر واجب ہے کہ اس مصیبت سے آزاد ہونے کو اللہ تعالیٰ کی نعمت شمار کریں اور اسکی فرمانبرداری کو شعار بنائیں۔

''وَمَا يَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَاۤ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا'' اور کوئی بھی وجہ نہیں کہ ہم تمہاری ملت میں آئیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے جو ہمارا پروردگار ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے پہلے تو اپنا پختہ ارادہ اور عزمِ راسخ بتلادیا کہ ہم کسی قیمت پر بھی راہِ راست کو چھوڑنے والے نہیں اور اس عزم کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے کوئی بھی قربانی پیش کرنے کے لئے تیار ہیں۔ مگر چونکہ اس خود اعتمادی اور عزم بالجزم میں خودی کی کچھ بو آرہی تھی اور اپنی قوتِ ارادی پر بھروسے کا پہلو پایا جاتا تھا جو انبیائے کرام کی شانِ عبدیت کے لائق نہیں کیونکہ ان کو اس حقیقت پر یقینِ کامل ہے ''وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ'' پروردگارِ کائنات کی مشیت کے بغیر تمہاری مشیت معتبر نہیں اس لئے فوراً اپنے عزم وارادہ کی بے بسی اور اس پر بھروسہ کرنے سے لاتعلقی کا اظہار کرتے ہوئے کمالِ عبدیت کا ثبوت دیکر سب کچھ مالکِ حقیقی کے حوالے کرتے ہوئے عرض کیا ہمارا ہدایت پر ثابت رہنا اسی وقت تک ہے جب تک کہ اس کی نظرِ کرم ہمارے شاملِ حال ہے اور اسکا فضل وعنایت ہماری دستگیری کرے ورنہ ہمارا عزم وارادہ کسی کام نہیں آسکتا۔ سبحان اللہ کیا مقام ہے پیغمبر علیہ السلام کی معرفتِ خداوندی کا کہ بارگاہِ ربانی میں اتنی عزت وتوقیر کے باوجود ہر لمحہ اپنے مالک کی بے نیازی کا احساس ہے۔ واقعی بندۂ مومن کی کیفیت ایسی ہونی چاہیئے کہ اپنی ہر نیکی اور ہر نیک عزم وارادے کو ربِّ کریم کا فضل وکرم تصور کرے اور اپنے علم وعمل اور تقویٰ پر غرور نہ کرے۔

برعمل غرّہ مشو خواجہ کہ درروزِ ازل ☆ تو چہ دانی قلم صنع بنامت چہ نوشت

صاحب روح المعانی علامہ شہاب الدین محمود الوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے ماتحت اسی مفہوم کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''اَیْ مَا یَصِحُّ لَنَا فِیْ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَالِ اَوْ وَقْتٍ مِّنَ الْاَوْقَاتِ اِلَّا حَالَ

اَوْ وَقْتَ مَشِیَّةِ اللّٰہِ لِعَوْدِنَا وَالتَّعَرُّضُ لِعُنْوَانِ الرَّبُوْبِیَّةِ لِلتَّصْرِیْحِ بِاَنَّهُ الْمَلِکُ الَّذِیْ لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ '' پھراس کے بعد مالک حقیقی پر توکل اور یقین کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''عَلَی اللّٰہِ تَوَکَّلْنَا '' ہم نے اللہ ہی پر توکل کیا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ پر توکل بندے کے اظہار عجز و نیاز اور معبود پر اعتماد کا اعلیٰ ذریعہ ہے اس واسطے حضرتِ شعیب علیہ السلام نے اپنے عجز و انکسار کو ظاہر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارا تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت سے انتقال کرتے ہوئے اسمِ ذات اللہ کا ذکر کرنا بھی آپ کی عظمت کی دلیل ہے کہ آپ کی توجہ کا مرکز ذاتِ الٰہی ہے جو تمام صفات کی جامع ہے۔

''وَسِعَ رَبُّنَا کُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا '' ہمارے رب نے علم کے لحاظ سے ہر چیز کا احاطہ کرلیا ہے وہ ہمارے تمام اعتقادات، عملیات، عبادات، معاملات، ارادے اور نیات سب پر پوری طرح واقف ہے کوئی بھی شئے اس کے علمِ ازلی سے مخفی نہیں۔ صاحبِ روح المعانی لکھتے ہیں ''فَهُوَ سُبْحَانَهُ یَعْلَمُ کُلَّ حِکْمَةٍ وَّمَصْلِحَةٍ وَّ مَشِیَّتُهُ عَلٰی مُوْجَبِ الْحِکْمَةِ فَکُلُّ مَایَقَعُ مُشْتَمِلٌ عَلَیْهَا '' اللہ تعالیٰ ہر حکمت اور مصلحت کو بہتر جانتا ہے اس کی مشیت حکمت کے مطابق ہوتی ہے پس جو کچھ وقوع پذیر ہوتا ہے مبنی بر مصلحت ہوا کرتا ہے۔

''رَبَّنَا افْتَحْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَیْرُ الْفَاتِحِیْنَ '' اے ہمارے رب! ہماری قوم اور ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرمادے اور تو سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔ اظہار عجز و نیاز کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام اپنے رب سے دعا مانگتے ہیں کہ الٰہ العالمین تو ہی فیصلہ فرمادے کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا تاکہ حقیقت واضح ہوجائے۔ یہاں ''اِفْتَحْ '' بمعنٰی ''اُحْکُمْ '' ہے چنانچہ صاحب تفسیر بیضاوی لکھتے ہیں ''اُحْکُمْ بَیْنَنَا وَبَیْنَهُمْ وَالْفَتَّاحُ اَلْقَاضِیْ وَالْفَتَاحَةُ اَلْحَکُوْمَةُ '' باطل کے پرستاروں اور شمعِ توحید کے پروانوں میں حدِ فاصل قائم کردے، اہلِ حق کی عظمت دوبالا کردے اور انہیں عزت و غلبہ عطا فرما! اہلِ باطل کو ہمیشہ کے لئے مغلوب کردے اور اُن کو اپنی گرفت میں لے تاکہ اِنکا نام ونشان مٹ جائے۔

☆☆☆☆☆

تفسیر القرآن

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ عَسَی اللّٰهُ اَنْ یَّاْتِیَنِیْ بِهِمْ جَمِیْعًا اِنَّهٗ هُوَالْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ. وَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَقَالَ یٰاَسَفٰی عَلٰی یُوْسُفَ وَابْیَضَّتْ عَیْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِیْمٌ. قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ یُوْسُفَ حَتّٰی تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهَالِكِیْنَ. قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْ بَثِّیْ وَحُزْنِیْۤ اِلَی اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ. یٰبَنِیَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ یُّوْسُفَ وَاَخِیْهِ وَلَا تَایْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا یَایْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ. صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِیْمُ.

(سورۂ یوسف آیت ۸۳ تا ۸۷ پ ۱۳)

ترجمہ: حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا بلکہ تمہارے نفسوں نے یہ بات تمہارے لیے مزّین کردی ہے تو صبر اچھا ہے قریب ہے کہ اللہ اُن سب کو میرے پاس لے آئے وہی سب کچھ جاننے والا بڑی حکمت والا ہے اور ان سے منہ پھیر لیا اور فرمایا ہائے افسوس! یوسف علیہ السلام کے فراق پر اور غم کی وجہ سے اُن کی آنکھیں سفید ہوگئیں تو وہ اپنے غم کو ضبط کرتے رہے۔ وہ بولے خدا کی قسم آپ ہمیشہ یوسف کو یاد کرتے رہیں گے یہاں تک کہ آپ موت کے قریب ہو جائیں یا وفات پانے والوں میں سے ہو جائیں انہوں نے فرمایا میں اپنی پریشانی اور غم کی فریاد اللہ ہی سے کرتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اے میرے بیٹو! جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی کا سراغ لگاؤ اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا بیشک اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے مگر کفر کرنے والے لوگ۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے فرزند جب مصر سے غلّہ لادے ہوئے گھر پہنچے تو ان کے چھوٹے بھائی بنیامین ساتھ نہ تھے کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اُنھیں اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے جب دیکھا کہ بنیامین واپس نہیں آئے تو اپنے بیٹوں سے ان کے متعلق پوچھا۔ اُنہوں نے جواب میں کہا کہ اس

نے چوری کی ہے اور پکڑا گیا ہے۔ اس پر حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ اس پر چوری کا الزام تو غلط ہے البتہ یہ بات تمہارے نفسوں نے تمہارے لئے آراستہ کر دی ہے۔ کئی برس گزر چکے تھے اور بظاہر آپ کو حضرت یوسف علیہ السلام کی کوئی خبر نہیں ملی تھی، اُنکی جدائی کا غم ہی آپ کے لئے بہت پریشان کن تھا پھر اس شدتِ غم اور پیرانہ سالی میں چھوٹے فرزند کے پکڑے جانے اور غلام بنائے جانے کی اطلاع پا کر آپ کے غم کی انتہا نہ رہی۔ ایسے پریشان کن اور صبر آزما، کٹھن مراحل میں ثابت قدم رہنا اور مایوسیوں سے دل برداشتہ نہ ہونا کوئی معمولی بات نہ تھی مگر اللہ کے پیغمبرِ برحق صبر واستقامت کی امتیازی شان رکھتے ہیں چنانچہ حضرتِ یعقوب علیہ السلام نے رحمتِ الٰہی پر اُمید و یقین کا چراغ روشن رکھا اور غم والم کی سخت آندھیوں میں اُسے بجھنے نہ دیا۔ آپ نے فرمایا حالات کتنے ہی حوصلہ شکن اور ناساز گار کیوں نہ ہوں مجھے اپنے پروردگار کی رحمت پر بھروسہ ہے میں صبرِ جمیل سے کام لوں گا اور یہی کام مجھے زیب دیتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے طویل شبِ فراق کو، حسین صبحِ وصال سے بدل دیگا میرے بچھڑے ہوئے تمام بچے مجھے مل جائینگے۔

یہاں ایک بات غور طلب ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو جب اپنے بھائیوں کے ذریعے اپنے والدِ گرامی کے حزن و ملال کا پتہ چل گیا تھا تو اُنہوں نے فوری طور پر اُنہیں مصر کیوں نہ بلوایا وہ کم از کم اتنی اطلاع فرما دیتے کہ آپ غم نہ کریں میں برسرِ اقتدار اور بقیدِ حیات ہوں۔ آپ کا ان حالات میں خاموش رہنا بظاہر ایذا رسانی کے مترادف تھا۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر مظہری میں اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی یہ خاموشی اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھی اور اس میں حکمت و مصلحت تھی۔ ''اِنَّہٗ ھُوَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ'' بے شک وہ سب کچھ جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔ حضرتِ یعقوب علیہ السلام نے رحمتِ الٰہی سے وابستگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا میرا رب میرے حالات کو اچھی طرح جاننے والا ہے اُس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں، میں اُس کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتا ہوں اور اس کے فضل و کرم پر آس لگائے بیٹھا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے اپنے تمام گھر والوں اور علائق دنیوی سے منہ موڑ لیا اور اپنے رب کے

ذکر میں مشغول ہو گئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی کا شدید صدمہ برداشت کرتے ہوئے گریہ وزاری کی کثرت سے آپ کی آنکھوں پر سفید پردہ آ گیا اور شدتِ غم کے باوجود آپ اپنے غم کو ضبط کئے ہوئے تھے۔ بظاہر حضرت یعقوب علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کا اپنے فرزند کی محبت میں اسقدر وارفتہ ہو جانا اور اس کے ہجر و فراق میں رو رو کر آنکھیں سفید کر دینا آپکے شایانِ شان معلوم نہیں ہوتا۔ علّامہ شہاب الدین محمود الوسی بغدادی، صاحب روح المعانی نے اہلِ معرفت کے حوالے سے اس خلش کو دور کرتے ہوئے بڑی حسین توجیہ پیش کی ہے اور وہ یہ کہ حضرتِ یعقوب علیہ السلام کیلئے جمالِ یوسفی آئینہ جمالِ الٰہی تھا وہ اس طلعتِ زیبا میں تجلّیاتِ الٰہی کا مشاہدہ فرماتے تھے۔ جب حضرتِ یوسف علیہ السلام آپ کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تو انوارِ خداوندی کے محجوب ہونے کی وجہ سے آپ بے چین اور بیقرار ہو گئے۔ صاحبِ روح المعانی اس موقعے پر حسنِ محمدی کی عظمتوں کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''وَلَعَمْرِیْ اِنَّهٗ لَوْ کَانَ شَاهَدَ تَجَلِّیَهٗ تَعَالٰی فِیْ اَوَّلِ التَّعَیُّنَاتِ وَعَیْنِ اَعْیَانِ الْمَوْجُوْدَاتِ ﷺ نَسِیَ مَارَأٰی'' مجھے اپنے عرصہ حیات کی قسم اگر حضرت یعقوب علیہ السلام تعیّنِ اوّل اور موجودات کے عین الاعیان جنابِ محمد مصطفیٰ ﷺ کے حسن میں تجلّیاتِ الٰہی کا مشاہدہ کرتے تو انہیں حسنِ یوسفی یاد ہی نہ رہتا۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْکُرُ یُوْسُفَ حَتّٰی تَکُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَکُوْنَ مِنَ الْهَالِکِیْنَ ''حضرتِ یعقوب علیہ السلام کے فرزندوں نے آپ کی حالت دیکھی تو عرض کرنے لگے آپ ہر وقت یوسف کو یاد کرتے کرتے موت کے قریب اور وفات پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ اُن کے جواب میں حضرتِ یعقوب علیہ السلام نے فرمایا'' مجھے کچھ نہ کہو میں تو اپنی داستانِ درد و غم اپنے ربّ ذوالجلال کی بارگاہ میں بیان کر رہا ہوں'' اس واقعہ میں جو حکمتیں اور مصلحتیں کارفرما ہیں اور جو اسرار و رموز پوشیدہ ہیں اُنہیں میں ہی بہتر سمجھتا ہوں تمہاری حالت تو ایک خاموش تماشائی کی ہے تمہیں میرے درد و غم اور رنج والم سے کیا سروکار۔

چہ داند قدر اہلِ درد بے درد ☆ ہم او داند کہ دائم دردمنداست

اس کے بعد آپ نے اپنے بیٹوں سے فرمایا مجھے وعظ و نصیحت کرنے کی بجائے تم یوسف اور اُن کے بھائی کا سراغ لگاؤ۔ حضرتِ یعقوب علیہ السلام کا اس طرح فرمانا صاف بتا رہا ہے کہ آپ کو اس بات کا یقین تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام زندہ ہیں۔ اس سے پہلے بھی بہت سے قرائن ایسے گزر چکے ہیں جن میں غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کے زندہ ہونے اور اُن سے ملاقات کرنے کا علم تھا مگر حکمتِ الٰہی اور امر ربانی کے پیشِ نظر اس علم کے اظہار و بیان کو تدریجی مراحل طے کرنے پڑے۔ چونکہ علم و ادراک کے باوجود جمالِ یوسفی کا نگاہوں سے اوجھل ہونا باعثِ اضطراب تھا اس لئے حضرت یعقوب علیہ السلام کی پریشانی اور غم و حزن آپ کی لاعلمی پر دلالت نہیں کرتے۔ حضرتِ یعقوب علیہ السلام غم والم کی شدید حالت اور صدمۂ فراق کے باوجود رحمتِ الٰہی پر یقین رکھتے تھے اور اپنے بیٹوں کو یہی تاکید فرماتے تھے کہ کسی صورت میں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہونا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا ''جاؤ اور یوسف اور اُس کے بھائی کی تلاش کرو اور یہ خیال نہ کرو کہ اُن کا ملنا محال ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت بے پایاں ہے اُس کا دریائے کرم وسیع ہے اُسکی شانِ لطف و کرم سے کیا بعید کہ وہ یوسف اور اُس کے بھائی کو ہمارے ساتھ جمع کر دے'' رحمتِ الٰہی سے اُمید اور وابستگی اہلِ علم و عرفان کا طریقہ ہے جبکہ اس سے نا اُمیدی کفار و مشرکین وغیرہ کا طریقہ ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قطعی نا امیدی اس صورت میں ہوتی ہے جب بندے کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ، علم کامل اور لطفِ کامل پر یقین نہ ہو ظاہر ہے کہ یہ تینوں باتیں کفار و مشرکین کی صفات ہوتی ہیں پس ایسی صورتوں کو اپنانے والا کفار و مشرکین کی صفات کو اپنا رہا ہوتا ہے۔ جمہور فقہائے کرام نے رحمتِ الٰہی سے نا امیدی کو بہت بڑا گناہ قرار دیا ہے۔ اِن آیات میں صبر جمیل، رحمت الٰہی پر یقین اور اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم و حکمت کے بارے توجہ دلائی گئی۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مصائب و آلام پر فریاد کرنے کی تاکید کی گئی اور کسی حالت میں بھی رحمتِ الٰہی کی وسعتوں سے نا امید ہونے کی ممانعت بیان کی گئی۔

☆☆☆☆☆

تفسیر القرآن

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

قُلْ لَّوْ کَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّکَلِمَاتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ کَلِمَاتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا. قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰـھُکُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشْرِکْ بِعِبَادَۃِ رَبِّهٖ اَحَدًا. صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ.

(سورۃ الکھف ایت ۱۰۹ تا ۱۱۰ پ ۱۶)

ترجمہ: آپ فرمادیجئے کہ اگر میرے رب کے کلمات لکھنے کیلئے سمندر روشنائی بن جائے تو وہ میرے رب کے کلمات ختم ہونے سے پہلے ختم ہو جائیگا اور اگر ہم اس کی مدد کو اتنی ہی اور روشنائی لائیں تب بھی وہ کلمات ختم نہ ہونگے ۔آپ فرمادیجئے میں تمہاری طرح بشر ہی ہوں میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک معبود ہے پس جو شخص اپنے رب سے ملنے کی امید رکھتا ہے تو اُسے چاہیئے کہ وہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

تلاوت کی ہوئی آیات پر سورۂ کہف اختتام پذیر ہو رہی ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک ﷺ سے ارشاد فرمایا کہ آپ غیر متناہی علوم الٰہیہ کی وسعتوں کا اعلان کچھ اسطرح فرمادیں کہ میرے رب کے کلمات کو تحریر کرنے کے لئے سمندر کو روشنائی بنا دیا جائے اور پھر اسکی مدد کے لئے اور سمندر کو بھی ملا دیا جائے تب بھی میرے رب کے کلمات لامحدود، غیر متناہی اور ازلی وابدی ہونے کی وجہ سے احاطۂ تحریر میں نہیں لائے جاسکتے روشنائی کے یہ سمندر ختم ہو جائیں گے مگر کلماتِ الٰہی کا سلسلہ پھر بھی جاری رہے گا۔کلماتِ رب سے مراد معلومات الٰہی،علوم وحکم خداوندی آیاتِ بینات اور دلائل قدرت وحکمت ہیں۔بعض روایات کے مطابق اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ یہود نے اعتراض کیا تھا کہ قرآنِ مجید نے کہا ہے ''وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا'' پھر حکمت کو خیرِ کثیر کہا گیا ہے اور حکمت عینِ علم ہے پس ایک چیز قلیل اور کثیر کس طرح ہو سکتی ہے تو اُنہیں جواب دیا

گیا کہ کثیر فی نفسہٖ کسی دوسری چیز کی نسبت قلیل ہوسکتا ہے جس طرح سمندروں کے برابر روشنائی بذاتِ خود کثیر ہے لیکن کلماتِ رب کے مقابلے میں قلیل ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ ''اے حبیبِ پاک ﷺ آپ ان پر واضح فرمادیں کہ میرے رب کے کلمات علم وحکمت غیر محدود اور لامتناہی ہیں تمہاری یا کسی اور کی کیا مجال کہ وہ اپنی وسعتِ علم کا دعویٰ کرے''فَوْقَ کُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ۔ ہر علم والے سے بڑھ کر دوسرا علم والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعتوں اور عظمتوں کے لامتناہی ہونے کا تو یہ عالم ہے کہ جس ذاتِ گرامی نے ارشاد فرمایا''اُوْتِیْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ، مجھے اولین وآخرین کا علم عطا کیا گیا ہے''وہ بھی ارشاد فرماتے ہیں ''رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا'' اے میرے رب میرے علم کو اور بڑھادے۔ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام سے قیامت کے دن جب اپنی اُمتوں کے بارے میں سوال کیا جائیگا تو اُن کے تفصیلی حالات جاننے کے باوجود علوم الٰہی کے درخشاں آفتاب کے سامنے شمع علم کو روشن کرنے کی بجائے عرض کرینگے ''لَاعِلْمَ لَنَا'' الٰہی ہمیں تو کوئی علم نہیں۔ یہاں پر علم کی نفی سے یہ ہرگز مراد نہیں کہ اُنہیں کچھ بھی معلوم نہ ہوگا کیونکہ یہ عقل ونقل کے خلاف ہے بلکہ علمِ الٰہی کی عظمتوں اور وسعتوں کے اعتراف کا اظہار کرتے ہوئے تواضع اور ادب کے انداز کو اختیار کیا گیا کہ اِلٰہَ الْعَالَمِیْنَ! تو علّام الغیوب ہے، علیمٌ بذات الصدور ہے تیرے سامنے ہم علم کا کیا اظہار کریں تو ہماری امتوں کے ظاہری وباطنی تفصیلی حالات سے پوری طرح خبر رکھنے والا ہے۔

پھر ارشاد فرمایا کہ اے حبیبِ پاک ﷺ آپ فرمادیجئے کہ میں کلماتِ الٰہی کے احاطے کا مدّعی نہیں ہوں، میں اُلوہیت کا دعویدار نہیں اور نہ اُلوہیت کا استحقاق رکھتا ہوں مجھے تو یہ وحی کی گئی ہے کہ ہم سب کا معبود صرف ایک ہے، معبود نہ ہونے میں تمہاری طرح میں بھی بشر ہوں۔ نہ تم خدا ہو نہ میں، یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح اور نمایاں ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام شرف وفضیلت کے لحاظ سے تمام مخلوق پر فوقیت رکھتے ہیں خاص طور پر حضور سرور کونین ﷺ جن کا ارشاد گرامی ہے ''اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ''میں اولادِ آدم کا سردار ہوں۔ آپ ساری مخلوق پر شرف وفضیلت میں امتیازی شان رکھتے ہیں۔ کوئی ذی عقل وشعور اس سے انکار نہیں

کرسکتا کہ قرآن مجید نے آپ کو خاتم النبیین ، رحمۃ للعالمین ، صاحبِ خلقِ عظیم ، شاہد ، مبشر ، بشیر ونذیر اور سراجِ منیر کے عظیم الشان القاب سے یاد کیا ہے پھر اس آیت میں اگر لفظِ بشر سے غلط فہمی یہاں تک پہنچا دے کہ عام انسانوں اور رسول پاک ﷺ کے درمیان کوئی فرق نہیں اور ہر لحاظ سے برابری ہے تو اسے جہالت یا شقاوت کے سوا اور کیا نام دیا جاسکتا ہے۔

''بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ'' کے ساتھ ''يُوحٰى اِلَيَّ'' کا جملہ صاف بتارہا ہے کہ ''مِثْلُكُمْ'' کا تعلق صرف اس بات سے ہے کہ میں معبود نہ ہونے میں تمہاری طرح ہوں ورنہ ''يُوحٰى اِلَيَّ'' میری طرف وحی کی جاتی ہے پھر اس کا کیا ربط باقی رہ جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ رسولِ پاک ﷺ نبی ہیں، رسول ہیں، صاحب کتاب ہیں، صاحب لواء الحمد ہیں، صاحب شفاعتِ کبریٰ ہیں اور آپ کا پیغام قبول کر لینے سے انسان کفر و شرک سے بچ کر توحید کا پرستار بن جاتا ہے تو پھر یہ کس طرح تسلیم کیا جائے کہ آپ عام انسانوں کی طرح ہیں۔ رسالتِ مآب ﷺ کے جلیل القدر منصب اور عظمتِ شان کا تقاضا ہے کہ آپ کی شان میں کوئی ایسا لفظ نہ بولا جائے جس میں تنقیص کا پہلو نکلتا ہو۔ اس میں شک نہیں کہ حضورؐ اولادِ آدم ہیں، صفتِ بشریت سے موصوف ہیں مگر سید البشر اور افضل البشر ہیں کہ آپ کی عظیم الشان بشریت کے مقام کو کوئی دوسرا بشر نہیں پاسکتا۔ اپنی جلیل القدر بشریت کی شان کو اجاگر کرتے ہوئے حضور نے صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا ''اَيُّكُمْ مِثْلِيْ'' تم میں سے کون مجھ جیسا ہوسکتا ہے؟ بارگاہِ نبوت کے آداب اور مقام رسالت کی عظمتوں کے پیشِ نظر قرآن مجید نے مسلمانوں کو ایسا لفظ تک بولنے سے منع کر دیا جس میں آپکی بےادبی کا شائبہ پائے جانے کا امکان تھا۔ چنانچہ ارشاد ہوا ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا'' اے ایمان والو ''رَاعِنَا'' کا لفظ نہ بولا کرو کیونکہ اسے یہود کے ''رَاعِيْنَا'' سے مشابہت ہے جس سے وہ غلط مطلب نکالتے تھے۔

عہدِ قریب کے روشن دماغ مفسّر القرآن جسٹس پیر کرم شاہ الازہری نے تفسیر ضیاء القرآن میں بڑے معتدل انداز میں اس حقیقت کو یوں ذہن نشین کرانے کی کوشش کی ہے ''اس میں شک نہیں کہ رسولِ پاک ﷺ

صفتِ بشریت سے موصوف ہیں مگر عام انسانوں کی طرح آپ پر لفظِ بشر کا اطلاق درست نہیں''۔ چنانچہ اُنہوں نے حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ مہریہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ رسول پاک ﷺ کے لئے خیر البشر، سید البشر اور افضل البشر کے الفاظ استعمال کیے جائیں۔ حضراتِ اہل بیتِ کرام وصحابہ عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جنہوں نے حضور کی بشریتِ طیبہ کے حسن و جمال کا براہِ راست مشاہدہ کیا فرمایا کرتے تھے کہ حضور کے جسمِ اطہر کا پسینہ مبارک، عنبر اور کستوری سے زیادہ خوشبودار تھا، آپ جس راستے سے گزرتے وہ خوشبو سے مہک جاتا، آپ کا چہرۂ اقدس چاند اور سورج سے زیادہ روشن اور خوبصورت تھا، آپ سے بڑھ کر کوئی حسین ہماری نظروں نے نہ دیکھا اور آپ جیسا صاحبِ حسن و جمال کسی ماں کے بطن سے پیدا نہ ہوا۔

وَاَحْسَنَ مِنْکَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَیْنِیْ ☆ وَاَجْمَلَ مِنْکَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ

پھر ارشاد فرمایا کہ جسے ربِ کریم سے ملنے کی خواہش ہے اُسے چاہیئے کہ اعمالِ صالحہ بجالائے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے یعنی مشرکین کی طرح خدا کی عبادت کے ساتھ اصنام کی عبادت کر کے شرکِ جلی کا ارتکاب نہ کرے یا پھر عبادت میں ریاکاری، دکھلاوے اور لوگوں کی خوشنودی سے احتراز کرے تاکہ شرکِ خفی سے بچ جائے۔

حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسی عبادت کو قبول فرماتا ہے جو صرف اس کی رضا کے لیئے کی جائے۔ کوئی بھی ایسا نیک کام جس میں تکلف، تصنع، دکھلاوے، ریاکاری کا دخل ہو، شرفِ قبولیت حاصل نہیں کر سکتا بلکہ انسان کے لئے الٹا وبالِ جان ثابت ہوتا ہے۔ اخلاص اور للّٰہیت عبادت کا مغز اور لبِ لباب ہے جس کے بغیر عبادت شجرِ بے ثمر کی مانند ہے۔ عارفِ روم فرماتے ہیں۔

ذوق باید تا دہد طاعات بر ☆ مغز باید تا دہد دانہ شجر

☆☆☆☆☆

تفسیر القرآن

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا . قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا . صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ.

(سورۂ مریم، آیت ۱۷ تا ۲۰ پ ۱۶)

ترجمہ: پس مریم نے لوگوں کی طرف سے ایک پردہ بنالیا پھر ہم نے اس کی طرف جبرئیل کو بھیجا پس وہ اس کے سامنے ایک تندرست انسان کی صورت میں ظاہر ہوا۔ وہ کہنے لگی میں تجھ سے رحمٰن کے ساتھ پناہ لیتی ہوں اگر تو پرہیزگار ہے۔ جبرئیل نے کہا میں تو تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ تجھے ایک پاکیزہ فرزند عطا کروں۔ مریم نے کہا میرے ہاں بچہ کیونکر ہوسکتا ہے؟ حالانکہ مجھے کسی انسان نے نہیں چھوا اور نہ میں بدچلن ہوں۔

ان آیات سے پہلے حضرت زکریا علیہ السلام پر قدرت خداوندی کی شانِ رحمت کا تذکرہ کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی عمر میں جلیل القدر فرزند عطا کیا جبکہ وہ خود اور ان کی اہلیہ سخت بڑھاپے کی حالت میں تھے اور اولاد پیدا ہونے کا طبعی وقت گذر چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی حالت میں انہیں فرزند عطا فرما کر اپنی قدرتِ کاملہ اور مشیّت مطلقہ کو ظاہر فرمایا۔ اس طریقے سے یہ واضح کردیا گیا کہ علل واسباب کا ارتباط اگرچہ اس کی حکمت و مصلحت کا آئینہ دار ہے مگر اس کی قدرت کاملہ ان اصول وضوابط میں محدود و مقیّد نہیں وہ اگر چاہے تو ان ضوابط وقواعد کے بغیر اپنے تصرفِ کامل اور اقتدارِ اعلیٰ کی جلوہ نمائی کرسکتا ہے۔ کوئی علت اور کوئی سبب اس کی مشیّت اور ارادے کے سامنے رکاوٹ نہیں بن سکتا۔ وہ جو چاہتا ہے جب چاہتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے اسی طرح ہوکر رہتا ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ کا ایک اور بیّن ثبوت اور برہانِ مبین بیان فرمارہا ہے جو پہلے سے کہیں زیادہ حیران کن اور تعجب خیز ہے۔ جو لوگ فطرت کے عام اصول وضوابط کو ناقابلِ تغییر سمجھتے ہیں اور

یقین ۔ کھتے ہیں کہ علت و معلول اور سبب و مسبب کا تسلسل نا قابلِ شکست ہے پس اس میں ردو بدل ممکن نہیں وہ ایسے واقعات کا سرے سے انکار کر دیتے ہیں اور اس بارے میں قانونِ فطرت کی مخالفت کا حوالہ دیکر حقائق پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہوئے کسی اور دلیل کی ضرورت محسوس نہیں کرتے ۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی باپ کے بغیر پیدائش کو یورپ کے کئی فلسفی تسلیم نہیں کرتے ۔ یورپی فلاسفہ کے افکار و نظریات سے مرعوب ہو کر بعض مدّعیانِ اسلام بھی اس حقیقت کے ادراک سے محروم رہے اور قرآنی آیات میں ایسی تاویلاتِ فاسدہ کا ارتکاب کر بیٹھے جنہیں تحریف قرآن کے بغیر کوئی عنوان نہیں دیا جاسکتا ۔ قانونِ فطرت کے تحفظ کا بھوت کچھ اس طرح ان کے سر پر سوار ہوا کہ قدرتِ خداوندی اور مشیتِ ایزدی پر ان کا یقین متزلزل ہو گیا چنانچہ وہ خود بھی شکوک و شبہات کے اندھیروں میں بھٹکنے لگے اور دوسروں کو بھی یقین کے نور سے محروم کرنے کی ناکام کوشش کرتے رہے ۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جس زمانے میں حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی اس وقت شام اور فلسطین کے علاقوں پر یونانیوں کا قبضہ تھا اس سیاسی اقتدار کے ساتھ ساتھ وہاں یونانی فلسفہ اپنے عروج پر تھا تخلیقِ عالم کے متعلق فلاسفہ یونان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ خالق سے تخلیقِ عالم کا فعل یوں صادر ہوا ہے جس طرح علت سے معلول صادر ہوتا ہے یعنی جس طرح علت کے اختیار اور ارادہ کے بغیر معلول وجود میں آتا ہے اسی طرح عالم کی تخلیق ظہور پذیر ہوئی ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بغیر باپ کے پیدائش سے واضح فرما دیا کہ ان کا نظریہ سراسر باطل ہے اور قدرتِ خداوندی اسباب و علل کے قانون سے بلند و بالا ہو کر بھی اپنی شان کی جلوہ نمائی کر سکتی ہے ۔ عارفِ روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

عقل در اسباب مے دارد نظر ☆ عشق میگوید مسبّب را نگر

سورتِ آلِ عمران میں حضرت مریم کے تفصیلی حالات گذر چکے ہیں وہ بیت المقدس کے محافظوں کے ہاں حضرت زکریا علیہ السلام کی نگرانی میں قیام فرما رہیں اور ایک حجرے میں مصروفِ عبادت رہیں جو مشرقی جانب تھا ، ایک دن آپ گوشۂ تنہائی میں مشغولِ عبادت تھیں کہ اچانک ایک تندرست نوجوان کو اپنے قریب کھڑا ہوا دیکھا ۔ کمالِ عفّت و عصمت کی بناء پر وہ گھبرا گئیں اور کہنے لگیں اگر تو پرہیز گار ہے تو میں تجھ سے رحمٰن کے ساتھ

پناہ لیتی ہوں، انسانی شکل اور صورت میں نمودار ہونے والے حضرت جبرئیل تھے اور ان کے اس طرح ظاہر ہونے میں مصلحت یہ تھی کہ اگر وہ اپنی ملکوتی صورت میں ظاہر ہوتے تو حضرت مریم ان کا مشاہدہ نہ کرسکتیں اور وہ حکمت ظاہر نہ ہوتی جس کا ظاہر کرنا اللہ تعالیٰ کو منظور تھا۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ کئی مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت دحیہ کلبی صحابی کی شکل میں رسولِ پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ کبھی کسی اور حسین وجمیل صورت میں ظاہر ہوتے۔ حضراتِ صحابہ کرام کو ادراک نہ ہوسکتا تھا۔ رسول پاک ﷺ بیان فرمادیتے کہ یہ جبرئیل امین تھے حقیقت ملکیہ پر قائم رہتے ہوئے جبرئیل کے تمثّلِ بشری کو صوفیائے کرام نے توحیدِ وجودی اور نورِ محمدی کے شواہد کا سرچشمہ قرار دیا ہے۔ حضرت مریم کی گھبراہٹ دیکھ کر جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا گھبرانے کی ضرورت نہیں میں تو تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ تمہیں ایک پاکیزہ فرزند عطا کروں۔ علمائے کرام فرماتے ہیں فرزند عطا کرنے کی نسبت جبرئیل کی طرف مجازی ہے کیونکہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ فرزند عطا کرنے والا ہے پس اگر کسی نعمت کو اس کے ذریعے یا واسطے کی طرف منسوب کردیا جائے جبکہ یہ یقین ہو کہ حقیقی منعم اللہ تعالیٰ ہے تو ایسی نسبت سے شرک لازم نہیں آتا۔ حضرت مریم کو اب دوسری زبردست پریشانی لاحق ہوئی کہ میری شادی بھی نہیں ہوئی اور میں بدچلن بھی نہیں تو پھر میرے ہاں بچہ کیسے پیدا ہوسکتا ہے حضرت جبرئیل امین نے انہیں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور رحمت واسعہ کا اعلان سنایا کہ اے مریم تیرے بیٹے کو ہم لوگوں کے لیے اپنی قدرتِ کاملہ کی نشانی بنا کر پیش کریں گے وہ نبی ہوگا، رسول ہوگا، مسیح ہوگا، ہمارے اِذن سے بیماروں کو تندرست کرے گا، صاحبِ کتاب ہوگا، مردوں کو زندہ کرے گا، یہاں تک کہ ہمارے محبوب نبی آخرالزمان محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی تشریف آوری کا مژدۂ جانفزا سنائے گا۔

☆☆☆☆☆

تفسیر القرآن

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

وَالسَّلَامُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا. ذٰلِکَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِیْ فِیْهِ یَمْتَرُوْنَ. مَا کَانَ لِلّٰهِ اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهٗ اِذَاقَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ. وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ. صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِیْمُ.

(سورہ مریم آیت ۳۳ تا ۳۶ پ ۱۶)

ترجمہ :اور سلامتی ہو مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں وفات پاؤں گا اور جس دن مجھے زندہ کر کے اُٹھایا جائیگا۔ یہ ہیں عیسیٰ بن مریم یہ سچی بات ہے جس میں لوگ جھگڑا کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے وہ پاک ہے جب وہ کسی کام کا فیصلہ فرما دیتا ہے تو بس اُس کے لیے صرف اتنا حکم فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ کام ہو جاتا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پس اسی کی عبادت کیا کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔

تلاوت کی ہوئی آیات سے پہلے جو مضمون بیان کیا گیا ان آیات میں اُسی سے مربوط کلام کا تذکرہ کیا جا رہا ہے کہ حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام نے عالمِ شیر خوارگی میں گرامی قدر والدہ کی پاکدامنی اور عفّت وعصمت پر مُہرِ تصدیق ثبت کرتے ہوئے اعلان فرمایا کہ میری پیدائش خالقِ کائنات کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کی آئینہ دار ہے۔ چونکہ میری ولادت کا دن آیاتِ بیّنات کے ظہور کا بابرکت دن ہے اِس لیے مجھ پر اس دن سلامتی ہو۔ صرف میری ولادت کا دن ہی نہیں بلکہ میرا یومِ وفات اور حشر ونشر کا دن بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص سلامتی سے مشرف ہو۔ میری ولادت پر اعتراض کرنے والو کیا اب بھی تمہاری آنکھوں پر شقاوت اور جہالت کے پردے چھائے ہوئے ہیں کیا تم عقل و دانش سے اسقدر محروم ہو چکے ہو کہ حق وصداقت کے روشن آفتاب کی شعاعوں کے باوجود تمہیں ہر طرف اندھیرا نظر آ رہا ہے۔ جو بچہ شیر خوارگی کے عالم میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اپنی نبوت وکتاب کا برملا اعلان کرے اور اپنے پاکیزہ اوصاف وکمالات بیان کر کے دنیا کو ورطۂ حیرت میں

ڈالدے کیا اُسکی جلیل القدر والدہ کی عظمت و رفعت کے بارے میں اب بھی کسی اعتراض کی گنجائش باقی ہے۔

حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی ولادت، وفات اور بعث و نشر کی سلامتی کے تذکرے کے ساتھ ساتھ بڑے جامع اور ٹھوس انداز میں نصاریٰ کے بے بنیاد عقائد و نظریات کو پامال کر ڈالا۔ ظاہر ہے کہ جسکی ولادت و وفات ہو وہ خدا نہیں ہوسکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ ولادت و وفات سے پاک ہے۔ وہ حیّ و قیّوم ہے "لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ" ہے اس لیے حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کی اُلوہیت کے دعویداروں کو سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے کہ ان کے خیالات و نظریات کو حق و صداقت سے دور کا واسطہ بھی نہیں اسی طرح حیاتِ مسیح کے منکرین کا نظریہ بھی باطل ہوجاتا ہے کہ جب حضرتِ مسیح اپنی زبان سے فرمارہے ہیں کہ جس دن میں وفات پاؤں گا تو پھر ان کے قتل اور صلیب پر چڑھائے جانے کی خودساختہ داستان کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے۔ گویا اس ایک آیت میں حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کی اُلوہیت کا بطلان، حیاتِ عیسوی کا ثبوت اور حیات بعد الممات کا فلسفہ نمایاں انداز میں سامنے آتا ہے اور اسلامی عقائد و نظریات کی حقانیت و صداقت روزِ روشن کی طرح نمایاں ہوجاتی ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے "ذٰلِکَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ" یہ ہیں عیسیٰ بن مریم کہ جنہوں نے قادر ذوالجلال کی اُلوہیت کا جھنڈا بلند کیا، اپنی عبدیت اور نبوت کا اعلان کیا، اپنی ولادت و وفات کے دن کی عظمت کو اجاگر کرتے ہوئے حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام کے یومِ میلاد اور یوم وصال کی اہمیت و خصوصیت کو نمایاں کیا اور حیات بعد الممات کے بنیادی عقیدے کی صداقت کو واشگاف الفاظ میں بیان کیا۔

حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآنِ مجید نے جو انداز اختیار کیا اور ان کی عظمتِ شان کو ان کے الفاظ میں جس طرح بیان کیا ان کی محبت کے دعوے داروں کیلئے ایک لمحۂ فکریہ ہے کہ وہ اپنے طرزِ عمل پر غور کریں کیا ان کے افکار و خیالات کو بیانِ عیسوی کے ساتھ کوئی مناسبت ہے یا ان کے نظریات کا حقائق کے ساتھ کوئی رابطہ ہے؟ کیا انہیں حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام سے زیادہ علم و معرفت حاصل ہے کہ وہ ان کے بیان کردہ حقائق کو نظر انداز کر کے خودساختہ نظریات پر یقین رکھنا ضروری سمجھتے ہیں۔ انصاف کا طریقہ تو یہ تھا کہ وہ اپنی محبت و عقیدت کا عملی ثبوت پیش کرتے اور حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کے بیان کردہ حقائق کو تسلیم کرنے میں ذرا بھی تامّل نہ کرتے مگر اُنہوں نے راہِ راست سے انحراف کیا اور اعتدال کی روش کو چھوڑ دیا نتیجہ یہ نکلا کہ حق و صداقت کا اعتراف

کرنے سے محروم رہے اور اس میں جھگڑا کرنے کو اپنا وطیرہ بنا لیا۔ قرآنِ مجید نے اُن کے غلط طریق کار کی مذمت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ''قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِیْ فِیْهِ یَمْتَرُوْنَ'' سچی بات میں وہ لوگ جھگڑا کر رہے ہیں۔

پھر ایک نئے مثبت تعمیری انداز میں قرآن مجید نے حقائق کو نمایاں کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ''مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهٗ'' اللہ تعالیٰ کیلئے زیبا ہی نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے وہ تو پاک ہے، ابنِ مریم کو ابن اللہ کہنے والو! ذرا غور تو کرو کیا اللہ تعالیٰ کیلئے بیٹا بنانا مناسب ہے؟ کیا یہ بات اُس کی شان کے لائق ہے۔ وہ تو وحدہٗ لاشریک ہے وہ حدوث وامکان سے پاک ہے وہ جواہر واعراض کی مماثلت سے بلند وبالا ہے وہ ازلی، ابدی سرمدی اور قدیم ہے۔ ممکن اور حادث کو واجب الوجود سے کیا مشابہت۔ ذرے کو آفتاب سے کیا نسبت اور خاک کا رب الارباب سے کیا مقابلہ، نہ اُسکی بیوی ہے نہ اُسکا باپ اور نہ اُسکی اولاد، وہ ''لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ'' ہے اور ''لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ'' اُسکی شان ہے وہ جب کسی کام کا فیصلہ فرما دیتا ہے تو اسباب وعلل کی احتیاج کے بغیر امرِ کُنْ سے اُسے پایۂ تکمیل تک پہنچا دیتا ہے۔ حکمتِ بالغہ کے ساتھ ساتھ قدرتِ کاملہ بھی اُسی کی شان ہے جس کے ظہور میں اسباب وعلل اور قانونِ فطرت کا ضابطہ رکاوٹ نہیں بن سکتا اور وہ جس طرح چاہتا ہے اُسی طرح کرتا ہے۔ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اسی حقیت کو بیان کرتے ہوئے کیا خوب فرماتے ہیں۔

لفظِ کُنْ خود میشود ایں جا یَکُوْنُ ☆ خود ارادہ بامراد آید بروں

پھر قرآن مجید نے حضرتِ عیسٰی علیہ السلام کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے ''وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ'' کہ اے میری محبت کے دعویدار و میرا اور تمہارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے میں بھی اُسی کی عبادت کرتا ہوں اور تم بھی اُسی کی عبادت کرو، نہ تم معبود ہو اور نہ میں معبود ہوں، معبود تو صرف ایک ذات ہے پس جو کام کرنے کا ہے وہ یہ ہے کہ جس طرح میں اُسکی عبادت کرتا ہوں اور عبدیت پر فخر کرتا ہوں اسی طرح تم بھی اس کی عبادت کرو اور اس کی عبدیت کا اعتراف کر کے میری خوشنودی بھی حاصل کرو اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا حق ادا کرو۔ جب میں خود اُلوہیت کا دعویدار نہیں تو پھر تم کیوں مجھے خدا بنانے پر تلے ہوئے ہو اور میرے لئے اُلوہیت کو ثابت کرنے پر کیوں زور لگا رہے ہو۔ ''هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ'' یہ سیدھا راستہ ہے جو میں نے تمہیں بتا دیا ہے میں اللہ تعالیٰ کا عبد ہوں، نبی ہوں، رسول ہوں جبکہ معبود صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ مخلوق میں سے کسی کو بھی اُلوہیت کا کوئی استحقاق نہیں۔

تفسیر القرآن

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. وَجَاهِدُوْا فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ. هُوَ مَوْلٰىكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ. صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ. (سورۃ حج آیت ۷۷تا۷۸پ ۱۷)

ترجمہ: اے ایمان والو! رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے پروردگار کی عبادت کرو اور اچھے کام کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو جسطرح جہاد کرنے کا حق ہے اُس نے تمہیں چن لیا ہے اور اس نے دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی اپنے باپ ابراہیم کے دین کی پیروی کرو اُسی نے تمہارا نام مسلمین رکھا ہے اِس سے پہلے اور اس قرآن میں بھی تمہارا یہی نام ہے تاکہ رسولِ پاک ﷺ تم پر گواہ ہو جائیں اور تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ۔ پس نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ تعالیٰ کے دامنِ رحمت کو مضبوطی سے پکڑ لو وہی تمہارا کارساز ہے پس وہ بہترین کارساز ہے اور بہترین مدد فرمانیوالا ہے۔

تلاوت کی ہوئی آیات سے پہلے کفّار و مشرکین کی حماقتوں کا ذکر کیا گیا اور معبودانِ باطلہ کی بے بسی اور بے اختیاری کو بیان کیا گیا۔ اِن آیات میں اللہ تعالیٰ کی بندگی کا حکم دیا جا رہا ہے جو معبودِ برحق اور قادرِ مطلق ہے جس کی عظمت و کبریائی کی شہادت آسمان کی بلندیاں، زمین کی پستیاں، پہاڑوں کی استقامت، دریاؤں کی روانی، عندلیبوں کے نغمے، پھولوں کی مسکراہٹیں اور عالمِ رنگ و بو کی رعنائیاں اپنی اپنی بساط کے مطابق دے رہی ہیں۔ اُس خلّاقِ عالم، قادرِ ذوالجلال اور احکم الحاکمین کی ایسی بندگی کا حکم دیا جا رہا ہے جو رکوع اور سجود میں مقید نہ ہو جو مساجد اور عبادتگاہوں کے دروازوں پر آ کر ختم نہ ہو جائے بلکہ ایسی عبادت اور بندگی جس کا زندگی کے ایک ایک

لمحے سے گہرا تعلق ہو۔ حیاتِ مستعار کا قافلہ جس راہ پر گامزن ہو، غم واندوہ کے جتنے دشوار گزار راستوں سے گزرے ، مسرّت وانبساط کے جتنے مناظر نگاہوں کے سامنے جلوہ افروز ہوں، ہر ہر مقام اور ہر ہر قدم پر زندگی کی جبینِ نیاز پر بندگی کا نشان پوری آب وتاب سے قائم ودائم رہے۔ قرآنِ مجید نے بڑے مختصر اور جامع انداز میں ادائے نماز کے ساتھ ساتھ تمام دوسرے احکام بجالانے کی تاکید کرتے ہوئے اچھے کام کرنے کا حکم دے کر پوری دنیائے انسانیت بلکہ ساری مخلوق کے ساتھ بھلائی کرنے کا جذبہ اُجاگر کیا۔ گویا خلقِ خدا کی بھلائی اور خیر خواہی کے تمام پہلوؤں کی اہمیت کو نمایاں کرتے ہوئے اجر وثواب کے بے شمار درجات کے حصول پر رغبت دلائی۔

صاحبِ تفسیرِ مظہری قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اِس آیت کی جامعیّت کے اِسی مفہوم کو بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں ''اَلظَّاهِرُ اَنَّهٗ يَعُمُّ الْاَفْعَالَ كُلَّهَا يَعْنِىْ اِخْتَارُوْا مَا هُوَ خَيْرٌ وَّاَصْلَحُ فِىْ مَا تَاْتُوْنَ بِهٖ وَتَذَرُوْنَهٗ'' سورہ حج کی آخری آیت بڑی جامعیّت اور معنویّت کی حامل ہے۔ اِس میں جہاد کا حکم بڑی تاکید سے دیا گیا امام راغب اصفہانی نے دشمن کے مقابلے میں ہر ممکن کوشش کرنے کو جہاد اور مجاہدہ سے تعبیر کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ظاہری دشمن سے جہاد، شیطان سے جہاد اور اپنے نفس کے خلاف جہاد اِس آیت کے مفہوم میں داخل ہیں۔ دشمن کے مقابلے میں سر دھڑ کی بازی لگا دینا اسی طرح شیطان اور نفسِ امّارہ کے خلاف جہاد پر کمر بستہ رہنا مؤمن کے کمالِ ایمان کی دلیل ہے جہاد کے حکم کے ساتھ یہ وضاحت فرمادی کہ تمہاری تمام تر کوششوں کا مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہو تمہاری جانفروشی، صبر واستقامت اور عزم واستقلال کا بنیادی نقطۂ نظر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہو اِس لیے ارشاد فرمایا ''وَجَاهِدُوْا فِى اللّٰهِ'' پھر جہاد فی سبیل اللہ کی اس قدر تاکید اور اہمیّت کی وجہ بیان کی گئی کہ تمہیں سر بکف اور کفن بردوش ہو کر باطل سے ٹکرانے کا حکم اس لیے دیا جا رہا ہے کہ اقوامِ عالم کی بھری انجمن میں اے غلامانِ مصطفٰی خالقِ کائنات نے تمہیں منتخب فرمالیا ہے، تمہیں دینِ حق کی عظمتوں کا پاسبان بنا دیا ہے، تمہیں مکارمِ اخلاق کی بلندیوں کا امین قرار دیا ہے اور اس صحیفۂ رشد وہدایت کی نشر واشاعت کی ذمہ داری سے تمہیں مشرّف فرمادیا ہے۔ اگر تم نے اس فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی کی اور اس کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور نہ کیا تو پھر تم سے بڑھ کر احسان فراموش کون ہو سکتا ہے۔ اگر تم نے اس نورِ ہدایت کو

نہ پھیلایا تو ظلم وستم کی یہ سیاہ رات کس طرح سحر آشنا ہوگی اور اگر تم نے ظالم کے ہاتھ کو نہ روکا تو پھر مظلوم انسانیت کی دادرسی کون کرے گا۔

اِس دینِ اسلام کی اشاعت میں تمہارے لیے کوئی تنگی نہیں اس کے قبول کر لینے میں تمہاری کوئی بھی ترقی وہ علمی ہو یا روحانی، دنیوی ہو یا اُخروی رکاوٹ کا شکار نہ ہوگی اور تم کسی میدان میں شکست نہیں کھاؤ گے یہ تو تمہارے جلیل القدر باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے انہوں نے تمہیں مسلمین کا معزز و محترم لقب عطا فرمایا ہے جس کے مطابق تم بارگاہِ ربّ العزت میں سرِ تسلیم خم کرنیوالے ہو۔ مِلّتِ ابراہیمی کے برحق اور سراپا خیر و برکت ہونے پر اگر تمہیں کسی برہان کی ضرورت ہو تو کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں۔ خاتم النبیین رحمۃ للعلمین ﷺ اس کی حقانیت اور صداقت کے شاہد ہیں۔ اُن کی مقدّس کتاب اس پاکیزہ ملّت کی خوبیوں اور عظمتوں کو نمایاں کرتی ہے اور اس پر عمل کرنے والوں کو دین و دنیا کی حقیقی فلاح و بہبود کی ضمانت دیتی ہے۔ تم اس دین کی نشر واشاعت کا فریضہ سنبھال لو تو پھر اپنے کردار سے حقانیت کا روشن ثبوت بن کر لوگوں پر گواہی دینے کا شرف حاصل کرلو گے۔ تمہاری سیرت و کردار کو دیکھ کر لوگوں کو یقین ہو جائے گا کہ جس دین کے پیروکار اس قسم کے لوگ ہوں وہی سچا ہے۔

تاریخِ عالم شاہد ہے کہ جب تک مسلمان اس شہادت کی ذمہ داریوں کو انجام دیتا رہا لوگ پروانوں کی طرح شمعِ رسالت پر نثار ہوتے رہے۔ ایک مردِ حق آگاہ بھی کسی ظلمت کدے میں پہنچ گیا تو اس کے رخِ انور کی تابانیوں سے ہر طرف انوار چمکنے لگے۔ کسی مادی و افرادی قوت کے بغیر صرف سیرت و کردار کے حوالے سے ہزاروں نفوسِ قدسیہ کفر و شرک کے اندھیروں میں اسلام کے چراغ روشن کرتے گئے اور دنیا میں عظیم انقلاب کے داعی قرار پائے پھر ارشاد فرمایا کہ نظامِ صلوٰۃ و زکوٰۃ کے قیام اور تحفظ کا خاص خیال رکھنا اور اللہ تعالیٰ کے دامنِ رحمت کو مضبوطی سے پکڑ کر احکامِ اِسلام کی نشر و اشاعت کا فریضہ سرانجام دینا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا کیونکہ وہی کارساز ہے اور ہر مشکل میں اُسی سے امداد طلب کرنا کیونکہ وہی بہترین مدد فرمانیوالا ہے۔

اے غلامانِ مصطفی ﷺ جس دشمن سے تم جہاد کر رہے ہو وہ کتنا مضبوط اور طاقتور کیوں نہ ہو مشکلات اور

مصائب وآلام کس قدر خوفناک کیوں نہ ہوں تمہیں کسی بھی حالت میں گھبرانا نہیں چاہیئے۔ جو قادرِ ذوالجلال تمہارا کارساز ہے اُسی پر بھروسہ کرتے ہوئے اسی سے مدد طلب کرنا پھر دیکھنا کہ کامیابی اور فتح ونصرت کس طرح تمہارے قدم چومتی ہے۔ اگر تم نے رسولِ پاک ﷺ کی سیرت وتعلیمات کو ضابطۂ حیات بنالیا تو صرف میدانِ جہاد کی کامیابی ہی تمہیں حاصل نہیں ہوگی بلکہ اقوامِ عالم پر برتری اور تسخیرِ کائنات کا شرف واعزاز بھی تمہیں عطا کیا جائے گا۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں ☆ یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

☆☆☆☆☆

تفسیر القرآن

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

اِنَّ فِیْ ذَالِکَ لَاٰیَاتٍ وَّاِنْ کُنَّالَمُبْتَلِیْنَ . ثُمَّ اَنْشَأْ نَا مِنْ بَعْدِ هِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ. فَاَرْسَلْنَا فِیْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُ وااللّٰهَ مَالَکُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ اَفَلاَ تَتَّقُوْنَ. صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِیْمُ.

(سورۃ المؤمنون آیت ۳۰ تا ۳۲، پ ۱۸)

ترجمہ: بیشک اس میں ہماری قدرت کی نشانیاں ہیں اور ہم ضرور آزمانے والے ہیں۔ پھر ہم نے اُن کے بعد ایک دوسری جماعت پیدا فرمادی پھر ہم نے اُن میں سے اُن میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو تمہارا اُس کے سوا کوئی معبود نہیں کیا تم ڈرتے نہیں ہو۔

تلاوت کی ہوئی آیات سے پہلے بیان کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرتِ نوح علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں کو کشتی کے ذریعے طوفان سے نجات عطا فرمائی اور وہ لوگ جنہوں نے حضرتِ نوح علیہ السلام کی تکذیب کی اُس طوفان میں غرق ہوگئے اور صفحۂ ہستی سے انکا نام ونشان مٹادیا گیا۔ اب یہ بیان کیا جارہا ہے کہ اِن واقعات میں ہماری قدرت کی نشانیاں ہیں۔ قرآنِ مجید میں حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کی اُمتوں

کے تفصیلی واقعات وحالات اور اُن کے طویل قصّوں کا تذکرہ ہے جو حقائق پر مبنی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حکمتِ بالغہ کے آئینہ دار ہیں۔ کفار ومشرکین کا سب سے بڑا اعتراض قرآنِ مجید پر یہی ہوا کرتا تھا کہ اس میں تو پہلے لوگوں کے قصّے کہانیاں ہیں۔ اُن کے اسی اعتراض کے پیشِ نظر قرآنِ مجید نے کئی مقامات پر اس حقیقت کو نمایاں انداز میں بیان فرمایا کہ یہ مبنی بر حقائق حالات وواقعات ہیں، بے سروپا داستانیں اور بے مقصد قصّے نہیں بلکہ ان میں تو ہماری قدرت کی عجیب وغریب نشانیاں ہیں جن میں غور کرنے سے عقلِ سلیم رکھنے والے لوگ ہدایت کا راستہ پا سکتے ہیں اسی حقیقت کو واضح انداز میں بیان کرتے ہوئے ایک مقام پر ارشاد فرمایا'' وَکُلًّا نَّقُصُّ عَلَیْکَ مِنْ اَنْبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَکَ وَجَآءَکَ فِیْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِکْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ'' اے حبیبِ پاک ﷺ ہم آپ پر یہ جو سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام کے واقعات بیان کرتے ہیں تو ان کی حکمت ومصلحت یہ ہے کہ آپ کو دل جمعی اور ثابت قدمی نصیب ہو اور ان واقعات کے ضمن میں حق وصداقت واضح ہو جائے نیز اہلِ ایمان کے لیے پند وموعظت سامنے آئے۔

قرآنِ مجید کے بیان کردہ ان حقائق کے بعد اگرچہ اعتراض کی کوئی گنجائش باقی نہ تھی مگر کفار ومشرکین، محض تعصّب اور کج فہمی کی بناء پر ضد کرتے اور اپنی روش سے باز نہ آتے حضرتِ نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کو ساڑھے نوسوسال کے عرصے تک حق کی طرف بلانا اور راہِ ہدایت دکھانے کے لیے مسلسل طویل جدوجہد کرنا کوئی معمولی کام نہ تھا۔ روز بروز نئے اعتراض، خودساختہ باطل مفروضے اور پے در پے تکذیب کی روش سے بالآخر حضرتِ نوح علیہ السلام پر جلال طاری ہو گیا عرض کرنے لگے اِلٰہ العالمین روئے زمین سے کافروں کا نام و نشان مٹا دے پیغمبر کی دعا قبول ہوئی اللہ تعالیٰ نے قومِ نوح کو عذاب کی شدید گرفت میں لینے کا ارادہ فرمایا تو فرمانبرداروں کی قلیل جماعت کو کشتی میں بٹھانے کا حکم فرمایا چنانچہ وہ سب نجات پا گئے جبکہ منکرین اور مکذّبین کو طوفان کی فلک بوس موجیں خس وخاشاک کی طرح بہا کر لے گئیں۔

ان آیات میں بتایا جارہا ہے کہ اس واقعہ میں ہماری قدرت کی نشانیاں ہیں۔ سب سے بڑی نشانی تو نمایاں ہے کہ پیغمبر کی ناراضگی اور غضب اقوامِ عالم کی ہلاکت کا پیش خیمہ بنتا ہے قرآنِ مجید نے مختلف اقوام کی

ہلاکت اور بربادی کے جو واقعات بیان فرمائے ہیں اُن کے اسباب میں بنیادی نقطہ یہی نظر آتا ہے کہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی نافرمانی اور گستاخی کا ارتکاب کیا حضرتِ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

ہیچ قومے را خدا رسوا نکرد ☆ تا دلے صاحبدلے نامد بدرد

یہاں پر ارشادِ خداوندی ہوتا ہے کہ ہم آزمائش کرتے ہیں اور آزمائش میں اپنی قدرت کی نشانیوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ چنانچہ اہلِ باطل کثرت کے باوجود ہلاک ہوجاتے ہیں اور اہلِ حق قلّت کے باوجود غالب آتے ہیں۔ باطل کے پرستار جھوٹ، فریب اور تکذیب کا طریقہ اختیار کرتے ہیں جبکہ حق کے علمبردار ہمت، حوصلہ اور عزم و استقامت کو شعار بناتے ہیں۔ اہلِ حق اپنے مقابلے میں باطل کی رکاوٹوں کو خاطر میں نہیں لاتے۔ اپنی کامیابی کی راہ میں مصائب و آلام سے نہیں گھبراتے، حالات کے ناسازگار ہونیکی بناء پر اپنی جدو جہد ترک نہیں کرتے، بلکہ ہر طاغوتی طاقت کے مقابلے میں سینہ سپر ہوجاتے ہیں اور ہر مشکل اور مصیبت کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہیں، باطل کی کوئی تدبیر اور کوئی حربہ ان کے عزمِ راسخ اور یقینِ کامل پر اثر انداز نہیں ہوتا اور وہ طویل جدو جہد کے بعد منزلِ مقصود پر پہنچ کر دم لیتے ہیں۔ اگر ایسے حالات و واقعات اور اس قسم کے نتائج سامنے نہ آئیں تو پھر حق و باطل میں امتیاز کیسے ہو، سچ اور جھوٹ میں فرق کس طرح ظاہر ہو اور فرمانبرداروں اور نافرمانوں کا کردار کیسے متعین ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کو ظاہر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہم نے نافرمانوں اور منکروں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے بعد ایک اور قوم پیدا فرمادی۔ اس قوم سے مراد قومِ عاد یا قومِ ثمود ہے۔ پھر اُن کے پاس اُن میں سے اپنے پیغمبر بھیجے جنہوں نے انبیائے سابقین کی طرح وہی ایک ہی درس دیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار یا کم وبیش پیغمبروں نے ایک ہی پیغام سنایا، ایک ہی درس دیا اور ایک ہی نقطۂ نظر بیان کیا اور وہ یہ کہ عبادت کے لائق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے، تمہارے ہاتھ کے بنائے ہوئے بت، اسی طرح سورج، چاند ستارے، آگ اور دوسرے مظاہرِ قدرت میں سے کوئی بھی یہ صلاحیت نہیں رکھتا کہ اس کی عبادت کی جائے۔ یہ تمام چیزیں عارضی اور فانی ہیں زوال پذیر اور

بے ثبات ہیں، محکوم اور مخلوق ہیں، حادث اور ممکن ہیں، جبکہ معبودِ حقیقی خلّاقِ ازل، قادرِ ذوالجلال، حیّ اور قیّوم ہے سمیع اور بصیر ہے "عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ" ہے، واجب الوجود اور قدیم ہے، اوّل وآخر ہے، ظاہر و باطن ہے اور ہر قسم کے عوارض اور حوادث سے بلند وبالا ہے۔ " اَفَلَا تَتَّقُوْنَ" کیا تم اس بات سے بھی نہیں ڈرتے کہ اُس معبودِ حقیقی کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہو۔

اگر تم عقل و دانش سے سراسر محروم نہیں ہو چکے تو پھر بتاؤ تمہارے دعوے میں کس حد تک صداقت ہے، تمہارا طریق کار اور طرزِ عمل کس حقیقت پر مبنی ہے اور تمہاری مسلسل ہٹ دھرمی اور تکذیب کا کیا جواز ہے۔ تمہیں پھر دعوتِ فکر دی جاتی ہے کہ غفلت کے حجابات کو تار تار کر دو۔ قلب و دماغ کے گوشوں کو کفر و شرک کی ظلمتوں سے صاف کر دو، اپنے کانوں، آنکھوں اور دل پر لگی ہوئی باطل کی مہریں توڑ ڈالو، اپنے حواس ظاہری اور باطنی کو ہر قسم کی آلائشوں سے صاف ستھرا رکھو، بزمِ کائنات کے رونق افزا نظاروں کا مشاہدہ کرو، تخلیق انسانی کے مراحل اور مدارج پر غور کرو، نظامِ شمس و قمر، شام و سحر اور گردشِ لیل و نہار پر نظر ڈالو، فرشِ زمین پر قدرت کے نقش و نگار اور گل کاریوں کو دیکھو، آسمان کی سقف نیلگوں پر چمکتے ہوئے چاند ستاروں کے دل کش مناظر میں تفکر کرو اور خود اپنے اندر قدرت کی نشانیوں، صلاحیتوں اور توانائیوں پر غور و فکر کرو تو تمہیں یقینِ کامل ہو جائے گا کہ عبادت کے لائق وہ ذاتِ والا صفات ہے جس کی وحدانیت، شانِ یکتائی اور اُلوہیت پر کائنات کا ذرہ ذرہ گواہی دے رہا ہے۔

ہر گیاہے کہ از زمیں روید ☆ وحدہٗ لاشریک مے گوید

☆☆☆☆☆

تفسیر القرآن

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

اَلَمْ تَکُنْ اٰیٰتِیْ تُتْلٰی عَلَیْکُمْ فَکُنْتُمْ بِهَا تُکَذِّبُوْنَ. قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَیْنَا شِقْوَتُنَا وَکُنَّا قَوْمًا ضَآلِّیْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ. قَالَ اخْسَئُوْا فِیْهَا وَلَا تُکَلِّمُوْنِ. صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِیْمُ. (سورۃ المؤمنون آیت ۱۰۵ تا ۱۰۸ پ ۱۸)

ترجمہ: کیا تمہارے سامنے ہماری آیتیں نہیں پڑھی جاتی تھیں اور تم اُنہیں جھٹلایا کرتے تھے۔ وہ عرض کریں گے اے ہمارے پروردگار ہم پر ہماری بدبختی غالب آ گئی تھی اور ہم گمراہ لوگ تھے اے ہمارے پروردگار ہمیں اس عذاب سے نکال پھر ہم اگر دوبارہ نافرمانی کریں تو بے شک ہم ظالم ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیگا اس میں پھٹکارے ہوئے پڑے رہو اور میرے ساتھ کلام نہ کرو۔

تلاوت کی ہوئی آیات سے پہلے یہ مضمون بیان کیا گیا تھا کہ کفّار و مشرکین اپنے برے عقائد و اعمال کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ کی شدّت سے اُن کی حالت بہت خراب ہوگی اور وہ سخت مایوسی اور پریشانی کے عالم میں ہوں گے۔ اِن آیات میں مضمونِ سابق کی تکمیل کی جا رہی ہے اور بتایا جا رہا ہے کہ کفّار و مشرکین سے کہا جائیگا کہ یہ عذاب اچانک تم پر نہیں آ پڑا بلکہ عرصئہ دراز سے تمہیں تنبیہ کی جاتی رہی ہے اور حضرات انبیائے کرام علیہم السلام نے آسمانی کتابوں کی واضح ہدایات اور تعلیمات سے تمہیں بارہا آگاہ کیا ہے۔ کیا تم اس حقیقت سے انکار کر سکتے ہو کہ ہماری آیات تمہیں پڑھ کر سنائی گئیں اور تم نے اُنہیں جھٹلا دیا۔ ہم نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے تمہیں اپنی آیات سنائیں۔ حق تو یہ تھا کہ تم ہماری آیات کو سن کر بغیر کسی تردّد کے اُن پر ایمان لے آتے اور اُنکی پاکیزہ تعلیمات پر عمل پیرا ہوتے۔ مگر تم لوگوں نے ایک مرتبہ نہیں بلکہ بارہا ہماری آیات کو جھٹلایا، پیغمبروں کو ایذا پہنچائی اور آسمانی تعلیمات کا مذاق اُڑایا۔ اب تم خود ہی بتاؤ کہ ہماری طرف سے تمہیں آیات پہنچی تھیں اور تم نے اُنکی تکذیب کی تھی یا اس کے علاوہ کوئی اور صورتحال ہے؟ ظاہر ہے کہ کفّار و مشرکین کے پاس حسرت اور ندامت کے سوا اور کیا جواب ہوگا چنانچہ بےبسی اور پریشانی کے عالم میں وہ معذرت کرتے ہوئے کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہماری بدبختی ہم پر غالب آ گئی تھی اور ہم گمراہی کا شکار ہو گئے تھے، یہ جواب وہ اس وقت دیں گے جب قادرِ ذوالجلال کے عذابِ عظیم کے شکنجے میں وہ جکڑے ہوئے ہوں گے اُن کا غرور اور تکبر اُن کی دنیوی شان و شوکت اور بے سروپا تدبیریں سب خاک میں مل چکی ہوں گی اور وہ اپنے آپ کو بے کس و بے بس یقین کر رہے ہوں گے۔ قرآنِ مجید نے کئی مقامات پر کفار و مشرکین سے ارشاد فرمایا اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ کیا تم عقل سے محروم ہو چکے ہو۔ اس حالت میں اُن کو یہی غلط فہمی

یاد دلائی جا رہی ہوگی کہ دنیا کی حیاتِ مستعار میں کتنا عرصہ تم سب کچھ دیکھتے اور سنتے رہے، تمہارے لیے سابقہ اُمتوں کے حالات بیان کیے گئے اُن کے انجام سے آگاہ کیا گیا مگر تم تھے کہ سمجھنے سوچنے کا نام تک نہ لیتے تھے۔ بھلا تم خود ہی بتاؤ کہ تمہارا یہ جواب اِس وقت مناسب ہے؟ کیا تم اس قدر دنیائے فانی کی لذّتوں میں بدمست ہو گئے تھے اور تمہاری تمام صلاحیتیں مفلوج کر دی گئیں تھیں کہ تمہیں طویل عرصۂ حیات میں غور و فکر کا موقعہ نہ ملا اور آج تم ایسا جواب دے رہے ہو جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ شاید تم بے اختیار، مجبورِ محض اور بے بس تھے کہ اپنے تمام کرتوت اپنی بدبختی کے گلے میں ڈال رہے ہو اور گمراہی کا بہانہ تراش رہے ہو۔ کیا ہم نے تمہاری صلاحیتیں چھین لی تھیں، کیا ہم نے تمہاری آنکھیں بند کر ڈالی تھیں اور تمہارے کان ناکارہ کر ڈالے تھے، کیا ہم نے اپنا پیغام تم تک پہنچانے اور بار بار سمجھانے میں کوئی کمی کی تھی، کیا ہم نے تمہیں اتنی مہلت نہیں دی تھی کہ تم انجامِ کار کو سمجھ سکو، کیا ہم نے اپنی قدرت و حکمت کی واضح نشانیاں تمہیں نہیں دکھائی تھیں تاکہ تم ہمیں اپنا پروردگار یقین کرو، آج تو تم مجبوراً ہمیں اپنا رب تسلیم کر رہے ہو تم خود ہی بتاؤ کہ پروردگار کی نعمتوں کا کونسا شکر یہ تم نے ادا کیا ہے۔ کیا تم ہماری عطا کی ہوئی نعمتوں کو شمار کر سکتے ہو تم نے ہمارے پیدا کیے ہوئے سورج کی روشنی اور حرارت سے فائدہ حاصل کیا، رات میں تمہیں سکون و آرام میسر آیا، بادل، بارش، ہوا، پانی، کھیت، سورج، چاند، ستارے، گردشِ لیل و نہار یہ سب کچھ تمہارے فائدے کے لیے نظامِ کائنات کی شکل میں ظاہر ہوا تو پھر تم کیا سمجھتے ہو کہ تم پر کوئی فرض عائد نہیں ہوتا تھا؟ ہماری قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کا جامع نظامِ حیات تمہیں ہر لمحہ خبردار کرتا رہا اور بار بار تمہیں یقین دہانی کراتا رہا کہ آخر تمہاری تخلیق کا کوئی مقصد ہے، تمہیں کسی اہم ذمہ داری کو نبھانے کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور تمہیں کسی کے سامنے جواب دینا ہوگا، تم اس کارخانۂ قدرت کو مصروفِ عمل دیکھ کر اندازہ نہیں لگا سکتے تھے کہ کائنات کی ہر چیز جب کسی نہ کسی خدمت پر مامور ہے تو پھر تمہیں کس طرح آزاد چھوڑ دیا گیا ہے؟ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ اسی مفہوم کو بیان کرتے ہوئے کیا خوب فرماتے ہیں۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند ☆ تا تو نانے بکف آری و بہ غفلت نخوری

غور و فکر کا وقت اب گزر چکا ہے، اب تمہارا یہ کہنا کہ ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے تو پھر ہم غلطیوں کا

ارتکاب نہیں کریں گے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔تمہیں اس سے پہلے بار ہا تاکید کی جاچکی ہے کہ ہمارے قواعد و ضوابط کسی صورت میں تمہاری صوابدید پر تبدیل نہیں کیے جائیں گے اس لئے ایسے غیر معقول اور بے وقعت جواب کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔'' قَالَ اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ '' اب تم پھٹکارے ہوئے اس عذاب میں پڑے رہو اور میرے ساتھ کلام نہ کرو۔ یہ جواب سن کر کفّار و مشرکین کی رہی سہی تمام بے سروپا امیدیں اور لایعنی مفروضے ختم ہو جائینگے اور اُنہیں عذابِ الیم کی پستیوں میں دھکیل دیا جائیگا۔کفّار و مشرکین کے عذاب میں گرفتار ہونے کے بعد اُن سے یہ کہا جائیگا کیا تم پر آیاتِ الٰہی کی تلاوت نہیں کی گئی تھی؟ اس مضمون سے آسمانی کتابوں، خاص طور پر قرآنِ مجید کی اہمیت اور زیادہ نمایاں ہوتی ہے اور مسلمانوں کے لیے بھی تنبیہ پائی جاتی ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمان کہلانے کے باوجود وہ قرآنی آیات سے غفلت کا شکار ہو کر نقصان اُٹھائیں، قرآنی تعلیمات سے غفلت کی تمام صورتیں، مثلاً قرآن مجید کی تعلیم حاصل نہ کرنا، قرآنِ مجید کو پڑھ کر بھلا دینا، قرآنِ مجید کی تلاوت کے وقت بے توجہی سے کام لینا اور قرآنِ مجید کے سننے کے آداب کا خیال نہ رکھنا، اسی طرح قرآنی تعلیمات کو پسِ پشت ڈال دینا اور اُن کو اہمیت نہ دینا یہ تمام امور ایسے ہیں جن سے احتراز اور اجتناب کی ضرورت ان آیات سے واضح انداز میں سامنے آتی ہے۔اسی طرح اِن آیات سے یہ مفہوم بھی سامنے آتا ہے کہ خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار نہ لانا، عملی جدوجہد ترک کر دینا اور باز پرس کے وقت بدبختی اور گمراہی کو معذرت کے طور پر پیش کرنا عنداللہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا اور اس دنیوی زندگی میں میدانِ عمل کی جدوجہد میں حصّہ نہ لینے والے کامیابی اور کامرانی کی خوش فہمی میں مبتلا رہتے ہیں جبکہ حقیقت میں وہ خسارے کا سودا کر رہے ہوتے ہیں۔ انسان اس دنیا میں جو کاشت کرتا ہے وہی اٹھاتا ہے اِسی طرح عمل کے کھیت میں بھی خیر و شر کی کاشت کا نتیجہ خیر و شر ہوگا۔ ارتکابِ شر کے بعد خیر کی اُمید رکھنا بیوقوفی ہے اور اپنے اعمال کی سزا سے مطمئن رہنا دانشمندی نہیں۔

گندم از گندم بروید جو ز جو ☆ از مکافاتِ عمل غافل مشو

☆☆☆☆☆

تفسیر القرآن

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

سُوْرَۃٌ اَنْزَلْنٰھَا وَفَرَضْنٰھَا وَ اَنْزَلْنَافِیْھَآ اٰیٰتٍ, بَیِّنٰتٍ لَّعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ. اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا مِائَۃَ جَلْدَۃٍ وَّلَا تَاْخُذْ کُمْ بِھِمَارَاْ فَۃٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لْیَشْھَدْ عَذَا بَھُمَا طَآئِفَۃٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ. اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوْمُشْرِکَۃً وَّالزَّانِیَۃُ لَا یَنْکِحُھَا اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ وَحُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ.

(سورۃ النور آیت ا تا ۳ پارہ ۱۸)

تلاوت کی ہوئی یہ آیات سورۂ نور کی ابتدائی آیات ہیں اور اس سورت کی وجہ تسمیہ اس کی ایک آیت ''اَللّٰہُ نُوْرُالسَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'' سے بخوبی سمجھی جا سکتی ہے۔ اس سورتِ مقدسہ کا اکثر حصّہ خانگی زندگی کے متعلق واضح ہدایات اور احکامات پر مشتمل ہے۔ اس سورت میں ہر مومن مرد اور ہر مومنہ عورت کو اِس بات کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے کہ وہ ہر وقت اپنے دامنِ عصمت کو محفوظ رکھیں، چنانچہ اس بارے میں احتیاطی تدابیر کے طور پر نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا، پردے کے اسلامی قواعد وضوابط کو تفصیل سے بیان کیا گیا اور بدکاری کی شرعی سزا بیان کی گئی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جب تک آنکھوں میں حیا ہوتی ہے انسان کا دل دنیا کے فاسد خیالات اور بیہودہ معمولات سے محفوظ رہتا ہے۔ جونہی آنکھیں حیا کے نور سے محروم ہو جاتی ہیں، شرم کا پردہ چاک ہو جاتا ہے تو پھر جذبات کا سکون اور اعتدال ختم ہو جاتا ہے، فاسد خیالات کا ایک سیلاب اُمڈ آتا ہے جو انسانی عصمت و تقدس کو خس وخاشاک کی طرح لے جاتا ہے۔ انسان ایسے حالات میں ضبط وتحمل کی قوت سے محروم ہو جاتا ہے اور اعتدال کی راہ سے ہٹ کر بے راہ روی اور بے اعتدالی اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

قرآنِ مجید نے عصمت وعفت کی پاکیزہ نعمت کے تحفظ اور بقا کی خاطر بدکاری کی سخت سزا تجویز فرمائی۔ اس قبیح جرم کے خطرناک متعدی مفاسد کے پیش نظر قرآنِ مجید نے صرف ہدایات اور وعظ ونصیحت پر اکتفا نہیں

فرمایا، بلکہ عبرتناک سزا کا قانون بیان کر کے اس کے سدِّ باب کے لئے مؤثر اقدامات کیئے۔قتل ایک بہت بڑا جرم ہے لیکن مقتول کے وارث چاہیں تو قاتل کو معاف کر سکتے ہیں یا صلح کر کے معاوضہ لے سکتے ہیں مگر بدکاری کا جرم اس قدر سنگین ہے کہ فریقین نہ تو اس میں صلح کر سکتے ہیں نہ معاف کر سکتے ہیں اور نہ ہی کسی قسم کا معاوضہ لے سکتے ہیں۔اس جرم کے مرتکب کو بہرصورت سزا دی جائیگی اور وہ بھی برسرِ عام، تاکہ دوسروں کو عبرت ہو پھر یہ بھی ساتھ تاکید فرمائی کہ کوئی صاحبِ ایمان اس جرم کے مجرموں پر رحم نہ کھائے، نرمی اختیار نہ کرے اور تساہل سے کام نہ لے۔

اِس سورت کا آغاز جس جلال اور تمکنت سے کیا جارہا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اپنے مضامین، مطالب، ہدایات اور احکامات کے لحاظ سے یہ سورت بڑی اہمیت کی حامل ہے ابتدائی آیت کے ہر ایک لفظ سے قادرِ ذوالجلال کی جلالت وعظمت اور شانِ کبریائی نمایاں طور پر نظر آرہی ہے۔اس کے پڑھنے اور سننے سے دل و دماغ پر ایک ہیبت طاری ہو جاتی ہے۔ارشاد ہوتا ہے یہ ایسی سورت ہے جسے ہم نے اُتارا ہے۔متکلم اور پھر جمع متکلم کے صیغے میں جو دبدبہ اور عظمت وسطوت ہے اس کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اس کے احکام ہم نے فرض کئے ہیں یہ کوئی مشورہ اور نصیحت نہیں کہ جس کا جی چاہے مان لے اور جس کا جی چاہے تسلیم نہ کرے۔یہ حکم ہے اور حکم بھی اَحکمُ الحاکمین کا، قادرِ ذوالجلال کا اور ربُّ العالمین کا۔پھر ارشاد فرمایا کہ اس کے احکام میں کوئی پیچیدگی اور ابہام نہیں ہے بلکہ ہم نے مکمل تفصیل اور وضاحت سے یہ احکام بیان کر دیئے۔

اُمتِ مسلمہ کے تمام مکاتبِ فکر کا اتفاق ہے کہ غیر شادی شدہ آدمی بدکاری کرے تو اُسے سو کوڑے سزا دی جائے جبکہ شادی شدہ آدمی کو سنگسار کیا جائے۔رسولِ پاک ﷺ اور حضراتِ خلفائے راشدین کے دورِ خلافت میں اسی پر عمل رہا۔اَلبتہ خوارج کی گمراہ جماعت رَجم کی قائل نہیں تھی۔رَجم کا ثبوت احادیثِ متواترہ سے واضح طور پر ملتا ہے اور خیرالقرون کا عمل بھی اس پر شاہد ہے۔اِس جرم کے ثبوت کے لئے مجرم کا اقرار یا چار گواہوں کی گواہی کافی ہے۔قرآنِ مجید نے بدکاری کے ثبوت کے لیے گواہی کا جو معیار قائم کیا ہے بعض لوگ اس کے بارے میں شکوک وشبہات کا شکار ہو جاتے ہیں کہ ایسی صورت میں تو بدکاری پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچ سکتی، اِسی

طرح بعض لوگ انسانی ہمدردی کے پیچ وتاب میں مبتلا ہوکر اسلامی حدود وتعزیرات کومحلِ تنقید بناتے ہیں حالانکہ اگر وہ لوگ ٹھنڈے دل سے غور کریں تو ایسی کوئی بات نہیں اسلام ایک پاکیزہ، صاف ستھرا خوشحال معاشرہ چاہتا ہے اُس کا نظامِ تعلیم ،نظامِ اخلاق اور نظامِ تمدن ایک مربوط سلسلہ رکھتا ہے جس کے نفاذ سے جرائم کو پروان چڑھنے کا موقع ہی میسر نہیں آتا اس لیے کسی جرم کے ثبوت کے لیے اگر کوئی خاطر خواہ معیار مقرر نہ کیا جائے تو پھر ایک پاکیزہ معاشرے میں بسنے والے لوگوں کے لیے بہت سی مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں ۔خیر کے عناصر کا غلبہ ہو تو ارتکابِ شر کی قوتیں کمزور پڑ جاتی ہیں اور اُن کے صدور سے اُن کا مرتکب اپنے ضمیر کے ہاتھوں مجبور ہوکر جرم کا اقرار کر لیتا ہے اور گواہوں کو پیش کرنے کی نوبت ہی نہیں آتی ۔اس لیے یہ ضروری ہے کہ اسلام کی مقرر کردہ حدود وتعزیرات کو اسلام کے جامع مربوط نظام کے تناظر میں دیکھا جائے تا کہ اُنکی حکمت ومصلحت کو سمجھنے میں کوئی تردد نہ ہو، اسی طرح جب کسی سنگین جرم کی سنگین سزا پر نظر ڈالی جائے تو اس بات پر ضرور غور کرنا چاہیئے کہ مجرم کا جرم خود اس تک محدود نہیں رہتا بلکہ متعدی ہوکر تجاوز کرتے ہوئے پاکیزہ معاشرے میں مفاسد وخطرات کے زہریلے جراثیم پھیلانے کا سبب بنتا ہے۔اسلامی نظامِ حیات کے قواعد وضوابط کو متزلزل کرتے ہوئے فردِ واحد کا جرم پورے معاشرے کو خراب کرنے کا خطرناک اقدام قرار پاتا ہے جو کسی بھی لحاظ سے معافی اور حوصلہ افزائی کے لائق نہیں ۔حدیث پاک میں آتا ہے رسولِ پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ایک ایسے حاکم کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا جائیگا جس نے شرعی سزا میں کمی کی ہوگی ۔اس سے پوچھا جائیگا تم نے اِسطرح کیوں کیا وہ عرض کرے گا ''رَحْمَةً لِعِبَادِكَ'' اِلٰہَ العالمین! تیرے بندوں پر رحم اور شفقت کرتے ہوئے۔اللہ تعالیٰ فرمائیگا ''ءَ اَنْتَ اَرْحَمُ مِنِّیْ فَیُؤْ مَرُ بِهٖ اِلَی النَّارِ'' کیا تو مجھ سے زیادہ رحم کرنے والا ہے؟ چنانچہ ایسے حاکم کو جہنم میں پھینک دیا جائیگا۔

تلاوت کی ہوئی آخری آیات میں بیان کیا گیا کہ کوئی متقی اور صالح انسان کبھی بدکار عورت سے نکاح نہیں کرتا اسی طرح کوئی بدکار آدمی کسی بدکار عورت سے ہی نکاح کرتا ہے یا بدکار سے بڑھکر کسی مشرکہ عورت سے نکاح کرتا ہے اس آیت کے شانِ نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس قبیح فعل کی مرتکب عورت سے پیشہ ور، بدکار

عورت مراد ہے چنانچہ کوئی بھی غیرت مند انسان ایسی عورت کو نکاح میں لینے کے لیے تیار نہیں ہوتا اسی طرح بدکار مرد سے بھی اس آیت میں وہ شخص مراد ہے جو اِس قبیح جرم میں شہرت رکھتا ہو، ظاہر ہے کہ کوئی بھی صالحہ مومنہ عورت ایسے مرد کو خاوند بنانے کے لیے تیار نہیں ہوتی۔ قرآنِ مجید کی اِن آیات کے احکام کی اہمیت اور افادیت روزِ روشن کی طرح واضح ہے چنانچہ تاریخِ اسلام شاہد ہے کہ حدود و تعزیرات کے نظام کو عملاً نافذ کرنے سے جرائم کی تعداد نہایت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ہوگئی، اسلامی معاشرہ جرائم، مفاسد، بے حیائی، عریانی، فحاشی اور بے پردگی کے خطرناک اثرات سے محفوظ قرار پایا اور عصمت و تقدس کے تحفظ اور بقا کو فروغ حاصل ہوا۔

☆☆☆☆☆

تفسیر القرآن

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَ تَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَیْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَیِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمٌ. وَلَوْلَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا یَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِیْمٌ. یَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ. وَیُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ. صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِیْمُ.

(سورۃ النور آیت ۱۵ تا ۱۸ پارہ ۱۸)

ترجمہ: جب تم ایک دوسرے سے اس بہتان کو نقل کرتے تھے اپنی زبانوں سے اور اپنے منہ سے ایسی بات کہا کرتے تھے جس کا تمہیں کوئی علم ہی نہ تھا اور تم یہ خیال کرتے تھے کہ یہ معمولی بات ہے حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑی بات تھی اور ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے یہ اَفواہ سُنی تو تم نے کہہ دیا ہوتا ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس کے متعلق گفتگو کریں یہ بہت بڑا بہتان ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ دوبارہ اس قسم کی بات ہرگز نہ کرنا اگر تم ایماندار ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آیات کھول کر بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے۔

تلاوت کی ہوئی آیات میں گزشتہ مضمون کو بیان کیا جارہا ہے اور منافقین کے شرانگیز بہتان کو سن لینے،

بیان کرنے اوراس کی برملا تردید نہ کرنے پر عتاب کیا جارہا ہے چونکہ منافقین کی اس فتنہ پردازی اور بہتان تراشی کے طوفان میں چند سادہ لوح مسلمان بھی پھنس گئے تھے اس لئے قرآنِ مجید نے جہاں منافقین کی جماعت اوران کے رئیس عبداللہ بن اُبی کو عذابِ عظیم سے خبردار کیا وہاں اُن سادہ لوح مسلمانوں کو بھی سخت عتاب فرمایا۔ قرآنِ مجید نے منافقین کے بہتانِ عظیم کو زُبان پر لانے، اسے نقل کرنے اوراسے معمولی سمجھنے کا سختی سے احتساب کیا اور بڑے جلالی انداز میں خبردار فرمایا کہ تم ایسی بات کو زبان پر کیوں لائے اور تم نے اُسے کیوں معمولی سمجھا یہ تو ناموسِ رسالت اور عظمتِ نبوت کا مسئلہ تھا۔ سیّد المعصومین ﷺ کی ازواجِ مطہرات جنہیں قرآنِ مجید نے اُمّہاتُ المؤمنین کے اعزاز سے نوازا اُن کی عصمت وعفت اور عظمت وتقدس پر تو خدا کا قرآن شاہد ہے۔ منافقین تو دولتِ ایمان سے محروم ہیں اور عذابِ عظیم کے مستحق ہیں ایمان کے دعویداروں کو یہ ہرگز زیب نہیں دیتا کہ وہ منافقین کی سازشوں کا شکار ہوجائیں یا اُن کا آلۂ کار بنیں۔ ان کا طریقہ تو یہ ہونا چاہیئے تھا کہ ایسے بہتانِ عظیم کو سنتے ہی وہ شدید ناپسندیدگی کا اظہار کرتے اوراُسے زبان پر لانے سے احتراز کرتے۔ ایسی بات سن کر وہ عظمت وجلالِ خداوندی کے تصور سے کانپ جاتے اور عرض کرتے اِلٰہُ العالمین تو پاک ہے تیری شانِ تنزیہ و تقدیس کے انوار کی روشنی میں ہمیں یقین ہوچکا ہے یہ محض بہتانِ عظیم ہے۔

امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیرِ کبیر میں لکھتے ہیں کہ رسولِ پاک ﷺ کو منافقین کے اِس بہتانِ عظیم کی حقیقت قبل از وَحی معلوم تھی، اِسی لیے آپ نے منبر پر کھڑے ہوکر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا خدا کی قسم میں اپنے اہلِ خانہ کے بارے میں خیراور بھلائی کی خبر رکھتا ہوں۔ مگر آپ یہ چاہتے تھے چونکہ یہ براہِ راست میرا ذاتی معاملہ ہے اس لئے بہتر ہے کہ خود قادرِ ذوالجلال میری عزت وناموس کے تقدس کا اعلان فرمائے چنانچہ ایسا ہوا حضرتِ یوسف علیہ السلام اور حضرتِ مریم علیہا السلام کے بارے میں بڑے سنگین بہتان تراشے گئے قرآنِ مجید نے ان بہتانوں کی تردید کی اور حقائق کو واضح کیا مگر جس انداز سے منافقین کے اِس بہتان کی تردید کی گئی وہ اَنوکھا اور نرالا ہے۔

قرآنِ مجید کا پورا ایک رکوع رسولِ پاک ﷺ کے حرمِ محترم کی عصمت وعفت اور تقدس وعظمت کے برملا اعلان کے لئے نازل ہوا اور منافقین کا شرانگیز فتنہ ہمیشہ کے لیے ختم ہوگیا۔ خالقِ کائنات نے رسولِ پاک

ﷺ کی عزت وعظمت کے تقدس واحترام کو جلیل القدر انداز میں بیان فرمایا اور چند سادہ لوح مسلمانوں کو سخت عتاب فرمایا ''یَعِظُکُمُ اللّٰہُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِہٖ اَبَدًا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ'' اگر تم مومن ہو تو دوبارہ ایسی بات ہرگز نہ کرنا۔ کیا ہی مؤثر جلالی انداز ہے تنبیہ کرنے کا۔ ارشاد فرمایا کہ ایسے بہتان کو زبان پر لانا، ایمان کے تصور کے منافی ہے اگر ایمان کو برقرار رکھنا ہے تو پھر رسولِ پاک ﷺ کی ازواجِ مُطہرات کے تقدس وعظمت کا یقینِ کامل رکھنا ہوگا، بصورتِ دیگر ایمان سے محروم ہونا پڑے گا۔

حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ رسول پاک ﷺ نے ان چند مسلمانوں کو جو منافقین کے فتنے سے متاثر ہوئے حدِ قذف لگائی۔ قرآنِ مجید نے تاکیدی اور احتسابی انداز میں اہلِ ایمان کو تنبیہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اپنی آیات کو کھول کر بیان فرما دیا ہے اور اب تمہارے لئے منافقین کے بہتانِ عظیم کی حقیقت واضح ہو گئی۔ قرآنِ مجید کی پوری دس آیات کا اُمّ المومنین حضرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں نازل ہونا ان کا وہ جلیل القدر اختصاص ہے جسے اللہ تعالیٰ کے فضلِ عظیم سے ہی تعبیر کیا جا سکتا ہے پھر ایسے کٹھن آزمائشی مراحل میں صبر واستقامت تسلیم ورضا اور تفویض الی اللہ جیسے عظیم الشان مقامات کا حصول بھی معمولی بات نہیں۔ خود پیغمبرِ اعظم ﷺ کی ذاتِ گرامی کے لیے یہ سانحہ عظیم بھی ابتلاء اور آزمائش کا شدید مرحلہ تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل وکرم سے ناموسِ رسالت اور عظمتِ نبوت کے نقطۂ عروج کا تحفظ کرتے ہوئے دشمنوں کی سازشوں کا جال تار تار کر دیا اور ان کے تمام منصوبے خاک میں ملا دیئے گئے۔ اہلِ ایمان کو منافقین کے اِس شرانگیز بہتان کے بعد اُن کی آئندہ شرانگیزی اور فتنہ تراشی سے سخت محتاط اور ہوشیار رہنے کی تاکید کی گئی چنانچہ وہ منافقین کے بارے میں کڑی نگرانی کرنے لگے اور اُن کے ہر قول وعمل کا احتساب کرنے لگے۔

ان آیات میں جہاں رسولِ پاک ﷺ کے حرمِ محترم کی عظمت وتقدس کو اجاگر کیا گیا وہاں ضمنی طور پر اہلِ ایمان کو اسلام دشمن طاقتوں کے فتنہ وفریب اور چال بازی سے بھی آگاہ کیا گیا کہ اسلام کی شمع کے انوار وتجلّیات کو ختم کرنے کے لئے دشمنانِ اسلام ایسی نازیبا حرکتوں سے بھی گریز نہیں کرتے۔ اسلام کی مقدس اور عظیم الشان شخصیات کے پاکیزہ کردار پر کیچڑ اچھالنا دراصل منافقین کا طریقہ ہے۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اس قسم کی غلط فہمیو

ں کا شکار ہو کر اپنے دین کو نقصان پہنچانے سے گریز کریں۔حضرات اہل بیتِ عظام، صحابہ کرام، امّہات المومنین یہ وہ پاکیزہ نفوسِ قدسیہ ہیں جنکی عظمت ورفعت پر قرآن وحدیث شاہد ہیں۔ اِن پاکیزہ شخصیات کے متعلق تقریر وتحریر یا دوسرے کسی انداز سے کسی قسم کی الزام تراشی، بدگمانی اور گستاخی ایمان واسلام کے دعویداروں کے لیے کسی طرح بھی جائز نہیں۔اسلام دشمن طاقتوں کا یہ شیوہ رہا ہے کہ وہ مسلمانوں کو شکوک وشبہات، بے فائدہ مباحث اور اختلافات میں الجھائے رکھتے ہیں تاکہ وہ اکٹھے ہو کر اسلام کی نشر واشاعت کا کام دل جمعی سے نہ کر سکیں۔اسی طرح اسلام کی مقدس شخصیات کے بارے میں بے سروپا باتیں پھیلا کر اسلام دشمن عناصر مسلمانوں میں غلط فہمی اور کدورت پیدا کرنے کی سازشوں میں لگے رہتے ہیں۔وقت کی ضرورت اور حالات کی نزاکت کا تقاضا ہے کہ اہل اسلام کے تمام مکاتبِ فکر متحد ہو کر اسلام کی نشر واشاعت اور تبلیغ وترویج کے لئے اجتماعی کوشش کر کے دشمنانِ اسلام کی ریشہ دوانیوں کا مقابلہ کریں۔

☆☆☆☆☆

تفسیر القرآن

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّاشَرْقِيَّةٍ وَّلَاغَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْلَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْئٍ عَلِيْمٌ. صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ. (سورۃالنور/ایت۳۵ پارہ۱۸)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اُسکے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہو اُس میں چراغ ہو، وہ چراغ شیشے میں ہو، وہ شیشہ گویا ایک ستارہ ہے جو موتی کی طرح چمک رہا ہو جو روشن کیا گیا ہے برکت والے زیتون کے درخت سے جو نہ شرقی ہے نہ غربی، قریب ہے اُسکا تیل روشن ہوا گرچہ اُسے آگ نہ چھوئے، نور ہی نور ہے اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنے نور کیطرف ہدایت فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے طرح

طرح کی مثالیں بیان فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

علامہ ابوالفضل جمال الدین ابنِ منظور لسان العرب میں نور کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اَلنُّوْرُ اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ میں سے ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کے نور سے نابینا روشنی پاتا ہے اور گمراہ ہدایت کے راستے پر گامزن ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کو نور کہا جاتا ہے۔ اور نور کا لفظی معنٰی یہ ہے جو خود ظاہر ہو اور دوسروں کو اپنی روشنی سے ظاہر کرنے والا ہو۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی معنٰی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کسی چیز کے ظاہر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ موجود ہو جو چیز موجود نہ ہوگی اُسکا ظاہر ہونا ممکن نہیں چونکہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے وہ ازل سے موجود ہے اور اَبد تک موجود رہیگا، وہ اپنے وجود میں کسی سبب، کسی علت اور کسی فاعل کا محتاج نہیں اس لئے وہی صفتِ نور وظہور سے متصف ہونے کا مستحق ہے وہ خود بھی موجود ہے اور اسکے حکمِ کُن سے کسی چیز کو خلعتِ وجود عطا کی جاتی ہے اسی لئے اکثر علماء تفسیر نے نور کا معنی موجود اور مُبدِع یعنی عدم سے وجود میں لانے والا کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرتِ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نور بمعنٰی ہادی منقول ہے امام ابن جریر نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔

آیت میں مذکور چند الفاظ کی تشریح کچھ اس طرح ہے مَثَل سے مراد عجیب وغریب صفت ہے مشکوٰۃ اُس جگہ کو کہتے ہیں جو دیوار میں چراغ رکھنے کیلئے بنائی جاتی ہے جو صرف ایک طرف سے کھلی اور باقی اطراف سے بند ہوتی ہے۔ مصباح بڑے چراغ کو کہتے ہیں جو خوب روشنی دے زُجَاجَة شیشے سے بنے ہوئے فانوس کو کہتے ہیں جس میں چراغ رکھا ہوا ہو، جب چراغ کو شیشے کے فانوس میں رکھ دیا جائے اور اُس کی روشنی ایک سمت پھیل رہی ہو تو اُس کی آب وتاب کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اُسے نہ تو ہوا کے جھونکوں سے بجھنے کا خطرہ ہوتا ہے اور نہ روشنی کے مدھم ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، ایسے چراغ کی روشنی جب شیشے کے فانوس سے چھن کر آئے گی تو نہایت تیز ہوگی اور ایک طرف سے کھلا ہونے کی وجہ سے اُس کی آب وتاب میں زبردست اضافہ ہوگا، یہ چراغ کھلے میدان میں اسطرح دکھائی دیگا جیسے تاریک رات میں آسمان پر چمکتا ہوا ستارہ نظر آئے۔ چونکہ اُس زمانے میں تیل سے چراغ جلائے جاتے تھے اور تیل کی انواع واقسام میں زیتون کے تیل کو اِس لحاظ سے خصوصیت حاصل ہے کہ اُسکی روشنی صاف اور تیز ہونے کے ساتھ ساتھ دھوئیں سے پاک ہوتی ہے جس چراغ میں زیتون کا تیل ڈالا جاتا اُسکی چمک دمک کا مقابلہ کوئی اور چراغ نہ کرسکتا تھا۔ پھر زیتون کے بعض درخت خاص

آب وہوااور خاص علاقے کی وجہ سے زیادہ عمدہ ہوا کرتے ہیں خاص طور پر وہ درخت جو کسی پہاڑ کی چوٹی یا کسی کھلے میدان میں اُگا ہوا ُسکا تیل اور زیادہ صاف اور روشن ہوتا ہے۔ بتایا جار ہا ہے کہ جس چراغ کا ذکر کیا جار ہا ہے وہ کوئی معمولی چراغ نہیں بلکہ ایسا امتیازی اور نورانی چراغ ہے جس کی روشنی اور چمک دمک کا مقابلہ دوسرے چراغ ہرگز نہیں کر سکتے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرتِ کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اِس آیت میں مشکوٰۃ سے رسولِ پاک ﷺ کا سینہ اقدس مراد ہے اور مصباح سے حضور کی نبوت ورسالت مراد ہے۔صاحبِ تفسیرِ مظہری علامہ ثناء اللہ پانی پتی نے اِس مفہوم کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اسی تفصیل کے ضمن میں نقل فرماتے ہیں کہ حضرت ابوطالب سخت قحط اور خشک سالی میں حضور نبی پاک علیہ السلام کو بارش کے لئے دعا کرنے کے موقع پر حرم شریف میں لائے ابھی آپ کم سن تھے اُنہوں نے حضور علیہ السلام کی طرف اُنگلی سے اشارہ کیا اور آپ کے وسیلے سے دعا مانگی تو ہر طرف سے بادل نمودار ہوئے اور موسلا دھار بارش ہوئی۔اُس وقت حضرت ابوطالب نے یہ شعر پڑھا۔

وَاَبْیَضُ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْھِہٖ ☆ ثِمَالُ الْیَتَامٰی عَصْمَۃٌ لِّلاَ رَامِلِ

آپ وہ سفید مَن موہنی رنگت والے محبوب ہیں جن کے روئے تاباں کے صدقے بادل کی التجاء کی جاتی ہے۔آپ یتیموں کا آسرا اور بیوہ عورتوں کی عزت وناموس کے محافظ ہیں۔ لَاشَرْقِیَّۃٍ وَّ لَاغَرْبِیَّۃٍ فرما کر بتایا گیا کہ نبوتِ مصطفوی کا فیض زمان ومکان کی قید سے بلند وبالا ہے۔ابوالعالیہ نے اُبَیّ بنِ کعب سے نقل کیا ہے کہ یہ مومن کی مثال بیان کی گئی ہے اور حسن بصری فرماتے ہیں کہ یہاں قرآن مجید کی مثال بیان کی گئی۔ علامہ ابوحیان اندلسی نے یہ تینوں اقوال تفسیر بحرالمحیط میں نقل کئے ہیں اور لکھا ہے کہ اس سورت میں نُوْرِہٖ کی ہ ضمیر کا مرجع ایسی چیزیں ہونگی جو پہلے مذکور نہیں اِسی لئے وَالْاَرْضِ پر وقف کا قول کیا گیا ہے اور آیت کے بعد والے حصے کو نیا مضمون قرار دیا گیا ہے پھر بیان کیا گیا ہے کہ اُس نور تک رسائی اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر موقوف ہے کوئی شخص اپنی کوشش اور علم ودانش کی وجہ سے اُس تک پہنچنے کا دعوٰی نہیں کر سکتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے وہ جسے عطا فرمائے اور جس قدر عطا فرمائے اُسکی مرضی۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست ☆ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

تفسیر القرآن

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ یُسَبِّحُ لَہٗ فِیْھَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ رِجَالٌ لَّاتُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَابَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَآءِ الزَّکٰوۃِ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْہِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ لِیَجْزِیَھُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ مَاعَمِلُوْا وَیَزِیْدَھُمْ مِّنْ فَضْلِہٖ وَاللّٰہُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ. وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَعْمَالُھُمْ کَسَرَابٍ. بِقِیْعَۃٍ یَّحْسَبُہُ الظَّمْاٰنُ مَآءً حَتّٰی اِذَاجَآءَ ہٗ لَمْ یَجِدْہُ شَیْئًا وَّوَجَدَ اللّٰہَ عِنْدَہٗ فَوَفّٰہُ حِسَابَہٗ وَاللّٰہُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ. اَوْ کَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یَّغْشٰہُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِہٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِہٖ سَحَابٌ ظُلُمٰتٌ بَعْضُھَا فَوْقَ بَعْضٍ اِذَآاَخْرَجَ یَدَہٗ لَمْ یَکَدْ یَرٰھَا وَمَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰہُ لَہٗ نُوْرًا فَمَالَہٗ مِنْ نُّوْرٍ. صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ ۔ (سورۃ النور آیت ۳۶ تا ۴۰ پ ۱۸)

ترجمہ: اُن گھروں میں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اُنہیں بلند کیا جائے اور اُن میں اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے وہ مرد صبح وشام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں جنہیں تجارت اور خرید وفروخت اللہ تعالیٰ کی یاد اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے سے غافل نہیں کرتی وہ اُس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل گھبرا جائیں گے اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی تا کہ اللہ تعالیٰ اُنہیں اُنکے بہترین اعمال کی جزا دے اور اپنے فضل سے زیادہ عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ جسے چاہے بے حساب رزق دیتا ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اُنکے اعمال ایسے ہیں جیسے کہ چٹیل میدان میں چمکتی ہوئی ریت ہو پیاسا اُسکے متعلق خیال کرتا ہے کہ وہ پانی ہے یہاں تک کہ جب اُس کے قریب آتا ہے تو اُسے کچھ نہیں پاتا اور اللہ تعالیٰ کو اپنے قریب پاتا ہے تو اُس نے اُس کا پورا حساب چکا دیا اور اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے یا کافروں کے اعمال ایسے اندھیروں کی طرح ہیں جو گہرے سمندر میں ہوتے ہیں اُس پر موج چھارہی ہوتی ہے اُس کے اُوپر ایک اور موج، اُس کے اُوپر بادل، اندھیرے ہیں کہ ایک دوسرے کے اُوپر جب وہ اپنا ہاتھ نکالتا ہے تو اُسے نہیں دیکھ پاتا اور جس کیلئے اللہ تعالیٰ نور نہ بنائے تو اُس کے لئے نور نہیں۔

تلاوت کی ہوئی آیات میں سے پہلی آیت میں اُن خوش نصیبوں کا ذکرِ خیر کیا جارہا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نورِ ہدایت و معرفت سے مالا مال فرمادیتا ہے پھر اُن کے چند ظاہری اور باطنی احوال بیان کئے جارہے ہیں تاکہ اِن علامات سے لوگ اُن کی عظمت و مقام کو پہچانیں اور اُن کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کریں۔ اِس آیت میں فِیْ بُیُوْتٍ کا تعلق یُسَبِّحُ کے ساتھ ہے فِیْھَا کا مرجع بیوت ہے اور اِسے جملے کے آخر میں اِس لئے ذکر کیا گیا تاکہ تکرار اور تذکیر کا فائدہ دے جس طرح فَفِیْ رَحْمَةِ اللّٰہِ ھُمْ فِیْھَا خَالِدُوْنَ میں فِیْھَا مذکور ہے تُرْفَعُ کا معنیٰ تُبْنٰی وَتُعْلٰی ہے جسکا مطلب بلند کرنا ہے اور اِن بیوت سے مراد مساجد ہیں جنکی تعمیر اور صفائی کا حکم دیا گیا ہے یعنی مساجد کو اِس طرح بلند کیا جائے کہ اُنکی عمارت شاندار ہو اور پاک صاف ہو۔ علامہ قرطبی نے اِس آیت کے مضمون کو اِسی طرح بیان فرمایا ہے۔

حدیث پاک میں ہے کہ جو شخص مسجد تعمیر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ جنت میں اُس کے لئے گھر بناتا ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں مسجدِ نبوی کو ساگوان کی لکڑی سے خوبصورت بنایا اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مسجد نبوی کی تعمیر و تزیین پر زرِ کثیر صرف کیا۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں جمعہ کی رات مسجد نبوی شریف میں قندیلوں میں زیتون کا تیل ڈال کر اُنہیں روشن کیا تو مسجد نبوی بقعہء نور بن گئی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو پوچھا یہ انتظام کس نے کیا ہے عرض کیا گیا تمیم داری نے تو حضور انور نے خوش ہوکر یوں دعا فرمائی نَوَّرْتَ الْاِسْلَامَ نَوَّرَ اللّٰہُ عَلَیْکَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ. اے تمیم داری تو نے اسلام کو روشن کیا اللہ تعالیٰ تمہاری دنیا وآخرت کو منور فرمائے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ ان مقدس گھروں میں صبح و شام یادِ الٰہی میں مصروف رہنے والے خوش نصیب نفوسِ قدسیہ وہ مردانِ خدا ہیں جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔ انسان کو اس دنیا کی ضروریات سے عہدہ برآ ہونے کیلئے کسبِ معاش سے واسطہ پڑتا ہے اس سلسلے میں وہ تجارت اور خرید و فروخت کرے تو رزقِ حلال کے حصول کیلئے اُسے کئی کٹھن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے مگر وہ مردانِ خدا ستائش و تحسین کے مستحق ہیں جو اِن تمام حالات میں یادِ الٰہی سے غافل نہیں ہوتے۔ دینِ اسلام

اِنسان کو گوشہ نشینی اور رھبانیت کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ اُسے معاشرے کی اہم ذمہ داریوں کو نبھانے پر آمادہ کرتا ہے اور اِس بات کا خوگر بناتا ہے کہ وہ کسی بھی حالت میں اپنے خالق و مالک کی یاد سے غافل نہ ہونے پائے۔ چنانچہ اس آیت میں اِسی مضمون کو بیان کرتے ہوئے اُن لوگوں کی تعریف کی گئی جو رزقِ حلال کی تلاش میں مصروف رہتے ہوئے یادِ الٰہی، نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا خیال رکھتے ہیں اور قیامت کے خوفناک مناظر کو پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ ایسے نفوسِ قدسیہ کی تمام تر جدوجہد اور تقویٰ پر استقامت کا واحد مقصد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا ہوتا ہے۔ وہ اپنے خالق و مالک سے اپنے اعمالِ حسنہ کی جزا طلب کرتے ہیں اور اجر و ثواب کی امید رکھتے ہیں۔

صاحبِ تفسیر روح المعانی علامہ شہاب الدین محمود الوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یَفْعَلُوْنَ مَا يَفْعَلُوْنَ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ. وہ مردانِ خدا جو کچھ کرتے ہیں اِس لئے کرتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ اُنہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ اُن کے اعمال ریاکاری، دکھلاوے اور نمود و نمائش سے کوسوں دور رہتے ہیں اور وہ اپنے خالق و مالک کے بغیر کسی سے معاوضے کے طلب گار نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے اعمالِ صالحہ قبولیت کے معیار پر پورا اُترتے ہیں اور اخلاصِ عمل کی بدولت وہ قربِ الٰہی کی عظیم الشان نعمتوں سے مالا مال ہوتے ہیں۔ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اِسی مفہوم کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ذوق باید تا دہد طاعات بر ☆ مغز باید تا دہد دانہ شجر

ایسے مقبولانِ خدا کو صرف اعمالِ صالحہ کی جزائے خیر ہی نہیں ملتی بلکہ اللہ تعالیٰ اُن کے لئے اپنی رحمت کے خزانے کھول دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ جسے چاہے بے حساب رزق عطا فرما دیتا ہے۔ حدیثِ قدسی میں آتا ہے ''اَعْدَدْتُ لِعِبَادِی الصَّالِحِيْنَ مَالَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ'' میں نے اپنے نیک بندوں کیلئے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جنہیں کسی آنکھ نے دیکھا تک نہیں جن کے بارے کسی کان کو خبر نہیں اور جن کے متعلق کسی انسان کے دل میں خیال تک نہیں گزرا۔

عبادِ صالحین کے برعکس کفار و مشرکین کی شقاوت اور بدبختی کا یہ عالم ہے کہ اپنے خیال کے مطابق جن کاموں کو وہ اچھا سمجھ رہے ہیں اُن کی کوئی بھی وقعت نہیں۔ اُن کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے کسی چٹیل میدان

میں چمکدار ریت دیکھنے والے کو پانی معلوم ہوتی ہے حالانکہ پانی سے اُسے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ اُن کے اعمال کی دوسری مثال اِسطرح بیان کی گئی ہے کہ گہرے سمندروں کے وہ اندھیرے جوایک دوسرے پر چھائے ہوئے ہیں دریا کی گہرائی کا اندھیرا پھر اُس پر تہہ در تہہ موجوں کا اندھیرا پھر اُس پر بادلوں کی سیاہ گھٹا کا اندھیرا۔ اندھیروں میں سرگرداں شخص کو تو اپنا ہاتھ بھی نظر نہیں آتا کسی اور چیز کو وہ کیا دیکھے گا اور کیا ادراک کرے گا۔ چنانچہ کفار و مشرکین بھی باطل عقائد اور باطل اعمال واقوال کے اندھیروں میں سرگرداں ہیں اور اُنہیں حق وصداقت کے انوار نظر نہیں آتے۔ ہدایت یافتہ تو وہی ہوسکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نورِ ہدایت حاصل ہو اور اگر اللہ تعالیٰ نورِ ہدایت سے محروم فرمادے تو پھر نور کہاں سے حاصل ہو، ایسے بدقسمت لوگ تو ہدایت و معرفت کے روشن آفتاب کی جلوہ سامانیوں کے باوجود کفر و شرک کی ظلمتوں میں بھٹکتے رہتے ہیں۔

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل ☆ کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ مے آرد سکندر را

☆☆☆☆☆

تفسیر القرآن

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

وَاِذَادُعُوْا اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِیَحْكُمَ بَیْنَهُمْ اِذَافَرِیْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ. وَاِنْ یَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ یَاْتُوْا اِلَیْهِ مُذْعِنِیْنَ. اَفِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْا اَمْ یَخَافُوْنَ اَنْ یَّحِیْفَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ. صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِیْمُ. (سورۃ النور آیت ۴۸ تا ۵۰ پارہ ۱۸)

ترجمہ: جب وہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی طرف بلائے جاتے ہیں تاکہ اُن کے درمیان رسولِ پاک ﷺ فیصلہ فرمائیں تو اُن میں سے ایک فریق روگردانی کرنے لگتا ہے اور اگر فیصلہ اُن کے حق میں ہونا ہو تو پھر تسلیم کرتے ہوئے بھاگے چلے آتے ہیں۔ کیا اُن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے یا وہ شک میں مبتلا ہیں یا اُنہیں یہ اندیشہ ہے کہ اُن پر اللہ تعالیٰ اور اُس کا رسول ﷺ ظلم کریں گے بلکہ حقیقت میں وہ خود ظالم ہیں۔

تلاوت کی ہوئی آیات سے پہلے بھی منافقین کے ناپسندیدہ کردار کے بارے میں بیان کیا گیا تھا اور اِن آیات میں بھی سابقہ مضمون کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے۔قرآنِ مجید نے مختلف مقامات پر منافقین کے مکر و فریب اور سازشوں کا پردہ چاک کیا اور اُن کے خطرناک عزائم اور گھناؤنے کردار کی مذمت کی چونکہ منافقت کا فتنہ اسلام اور اُس کے ماننے والوں کے لئے کفر و شرک سے بھی کہیں زیادہ خطرناک ثابت ہوا اِس لئے قرآنِ مجید نے منافقین کے کردار اور طریق کار کے بارے میں اہل ایمان کو خاص طور پر آگاہ فرمایا۔منافقین کے فتنے اور فساد کی ریشہ دوانیوں کے پیشِ نظر رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی ہدایات کے مطابق اپنے ارشادات اور عمل سے اہلِ ایمان کو منافقین کے بارے میں تاکیدی انداز میں تنبیہ فرمائی اور اُن بد باطن لوگوں سے اجتناب کی تعلیم دی۔رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف تاکیدی ہدایات اور ارشادات پر اکتفاء نہ فرمایا بلکہ ایک مرتبہ تو نام لیکر برملا اپنی مجلس سے منافقین کو نکال باہر کیا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے اقدام سے صاف ظاہر ہے کہ آپ منافقین کے شر و فساد کو اسلام کیلئے زہرِ قاتل قرار دیتے تھے۔

اِن آیات میں منافقین کی جو علامات بیان کی گئیں وہ یہ ہیں کہ وہ ایمان لانے کے بلند و بانگ دعوے کرتے ہیں اور اطاعت و فرمانبرداری کی ہر وقت رٹ لگائے رکھتے ہیں گویا ایمان اور احکامِ شریعت کی پابندی کے دعووں کو وہ منافقت کے ایک بڑے ہتھیار کی حیثیت سے استعمال کرتے ہیں مگر جس لبادے کو اُنہوں نے اوڑھ رکھا ہوتا ہے وہ کسی موقعے پر تار تار ہو جاتا ہے اور اُن کے دعووں کا پول کھل جاتا ہے آخر وہ کونسا مرحلہ ہے جہاں اُن کی تمام ناپاک سازشوں کا پردہ چاک ہو جاتا ہے۔قرآن مجید نے ارشاد فرمایا کہ جب اُنہیں رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں فیصلے کیلئے بلایا جاتا ہے تو اِس نقطے پر اُن کے ایمان، اسلام اور اطاعت کے زبانی جوش و خروش کا سلسلہ متزلزل ہو جاتا ہے۔اُن کے چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا ہے، اُن کے قدم اُٹھنے سے رک جاتے ہیں، اُن کے دل و دماغ کی کیفیت بدل جاتی ہے اور اُن کی حالت کچھ اِس طرح ہونے لگتی ہے جس طرح اُنہیں موت کے مُنہ میں ڈالا جا رہا ہو۔

صاحبِ تفسیرِ روح المعانی علامہ شہاب الدین محمود الوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اِن آیات کے ماتحت

لکھتے ہیں کہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالتِ شان اور عظمتِ مقام کو یہاں بڑے پیارے انداز میں بیان کیا گیا کہ جب منافقین کو بلانے کا ذکر کیا گیا تو یوں کہا گیا کہ جب اُنہیں اللہ اور اُس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے، لیکن فیصلے کا ذکر ہوا تو ارشاد ہوا لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ تاکہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے درمیان فیصلہ فرمائیں اِس اندازِ بیان سے صاف ظاہر ہے کہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف بلایا جانا ہی حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا جانا ہے اِسی طرح آپکا فیصلہ ہی درحقیقت فیصلہ خداوندی ہے۔ اطاعتِ خداوندی کی کوئی صورت بجز اطاعتِ نبوی کے متصور نہیں ہوتی اور حضور کی نافرمانی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے اطاعتِ الٰہی اور اطاعتِ نبوی دو مختلف عنوان نہیں بلکہ ایک حقیقت کے دو نام ہیں۔

قرآن مجید نے اِسی حقیقت کو نمایاں کرتے ہوئے ارشاد فرمایا مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ جس نے رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت کی درحقیقت اُس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا'' مَنْ اَطَاعَنِيْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ '' جس نے میری اطاعت کی اُس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اُس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ اسلام کا دارومدار اور ایمان کا لُبِّ لُباب رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور آپ کے حکم پر سرِ تسلیم خم کرنے کا نام ہے بلکہ ایمان کے تصور اور حقیقت کا قیام آپ کے فیصلوں کو تسلیم کرنے کے بغیر ممکن نہیں۔ قرآنِ مجید نے ارشاد فرمایا فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا. اے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے پروردگار کی قسم یہ لوگ ہرگز ہرگز مومن قرار نہیں پا سکتے جب تک کہ اپنے اختلافی معاملات میں آپ کے فیصلوں کو جان و دل سے تسلیم نہ کرلیں۔ گویا ہر معاملے کو بارگاہِ نبوت میں پیش کرنا، آپ سے فیصلہ طلب کرنا اور اُس فیصلے پر راضی ہو کر جان و دل سے تسلیم کرنا ایمان کی حقیقت ہے ورنہ نماز، روزہ اور دیگر اعمال تو منافقین بھی بجالاتے تھے مگر اُن کے دلوں میں محبتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شمع روشن نہ تھی اور وہ اپنی

طبیعت اور مفادات کے خلاف رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوتے تھے۔

اگرچہ اِن آیات میں منافقین کے کردار کو بیان کیا گیا مگر ایمان اور اسلام کے تمام دعویداروں کیلئے زبردست تنبیہ نمایاں طور پر سامنے آتی ہے اور وہ اِس طرح کہ اگر کوئی اسلام کا دعویدار، رسولِ پاک ﷺ کے فیصلوں سے روگردانی کرتا ہے اُنہیں محلِ تنقید بناتا ہے اور اُنہیں نظر انداز کرتا ہے تو پھر اُسے غور کرنا چاہیئے کہ وہ کہاں سے کہاں پہنچ چکا ہے۔ کہیں وہ نفاق کے مرض میں مبتلا تو نہیں ہو گیا، کہیں وہ اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات کا شکار تو نہیں، کہیں وہ اللہ اور اُسکے رسول کی طرف ظلم کی نسبت کرنے کی ناپاک جسارت تو نہیں کر رہا، کہیں وہ ظلم کا ارتکاب کر کے عذابِ الٰہی کو دعوت تو نہیں دے رہا۔

قرآنِ مجید نے منافقین کے بارے میں یہ علامت بھی بیان فرمائی کہ اگر کسی فیصلے کے بارے میں اُنہیں توقع ہو کہ اُن کیلئے مفید ہے تو پھر وہ بھاگے چلے آتے ہیں گویا منافقین کا معیار اپنی پسند اور مفادات ہیں اگر اسلام اور بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اُن کی خواہش کے مطابق اور اُن کے فائدے میں ہوں تو پھر اُنہیں فیصلہ پسند ہوتا ہے ورنہ نہیں۔ جبکہ ایمان کی حقیقت اور اسلام کا معیارِ کمال یہ ہے کہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر فیصلہ جان ودل سے تسلیم کیا جائے اور اُس پر عمل درآمد میں تاخیر نہ کی جائے۔ قرآنِ مجید کی برملا، واضح ہدایات اور ارشادات کی روشنی میں یہ بات روزِ روشن کی طرح نمایاں ہو جاتی ہے کہ اہلِ ایمان کیلئے رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمام فیصلوں پر یقینِ کامل حقیقتِ ایمان ہے اور آپ کی فرمانبرداری اور اطاعت ہی درحقیقت اطاعتِ خداوندی کی واحد عملی صورت ہے۔ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت کے بغیر اطاعتِ خداوندی کا کوئی تصور قائم نہیں ہوتا اور آپ کی اتباع کے بغیر حقیقی فلاح و بہبود کی منزل تک رسائی ممکن نہیں حضرتِ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ اِسی مضمون کو بیان کرتے ہوئے کیا خوب فرماتے ہیں۔

مپندار سعدی کہ راہِ صفا ☆ تواں رفت جز بر پئے مصطفٰے

☆☆☆☆☆

تفسیر القرآن

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ یَذْهَبُوْا حَتّٰى یَسْتَاْذِنُوْهُ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ. لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا قَدْ یَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ یَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِیْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ یُصِیْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ. اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قَدْ یَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَیْهِ وَیَوْمَ یُرْجَعُوْنَ اِلَیْهِ فَیُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ. صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِیْمُ.

(سورۃالنور / یت۶۲ تا۶۴ پ۱۸)

ترجمہ: پس سچے مومن تو وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں اور جب وہ آپ کے ساتھ کسی اجتماعی کام میں ہوتے ہیں تو وہاں سے چلے نہیں جاتے جب تک کہ آپ سے اجازت نہ لے لیں۔ بلاشبہ وہ لوگ جو آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ پس جب وہ آپ سے اپنے کسی کام کیلئے اجازت طلب کریں تو اُن میں سے جسے آپ چاہیں اجازت دیدیجئے اور اُن کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کیجئے بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ نہ بنالو رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پکارنے کو آپس میں جیسے تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو اچھی طرح جانتا ہے جو تم میں سے ایک دوسرے کی آڑ لے کر کھسک جاتے ہیں۔ پس اُنہیں ڈرنا چاہیئے جو رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں کہ اُنہیں کوئی مصیبت نہ پہنچے یا اُنہیں کوئی دردناک عذاب نہ پہنچے۔ خبردار جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ جس حالت پر تم ہو وہ خوب جانتا ہے اور اُس دن جب وہ اُسکی بارگاہ میں لوٹائے جائیں گے تو وہ اُنہیں آگاہ کریگا اُس سے

جواُنہوں نے کیا تھااور اللہ تعالیٰ ہر چیز کوخوب جاننے والا ہے۔

تلاوت کی ہوئی آیات پر سورۂ نور کا اختتام ہورہا ہے۔ یہ آیات غزوۂ خندق کے موقع پر نازل ہوئیں جب ابوسفیان قریش مکہ اور دوسرے عرب قبائل کولیکر مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہوا۔ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرتِ سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورے پر مدینہ عالیہ کے اردگرد خندق کھودنے کا حکم فرمایا۔ اِس دفاعی کارنامے کوسرانجام دینے کیلئے رسولِ پاک ﷺ بہ نفسِ نفیس برابر شریک رہے بلکہ سخت مشکل موقعے پر معجزانہ انداز میں جاں نثار غلاموں کی امداد فرماتے رہے۔

حضرات صحابہ کرام علیھم الرضوان اپنے آقا کی فرمانبرداری میں بڑے جوش وخروش سے مصروف نظر آتے سخت سردی کا موسم تھا، خوراک کا ذخیرہ ختم ہونے کو تھا، پیٹ بھر کر کھانا بھی میسر نہ تھا مگر ان تمام مشکلات کے باوجود حضرات صحابہ کرام کے عزم واستقلال میں کوئی فرق نہ آیا۔ اِس کے برعکس منافقین جومحض نام ونمود اور دکھلاوے کی خاطر ایسے موقعہ پر شریک ہوجاتے تھے، حالات کی نزاکت کو دیکھ کر جان بچانے کی فکر میں پڑ گئے، منافقین نے اجازت لینے کیلئے بہانے تراشنے شروع کردیئے اور ایک دوسرے کی آڑلیکر کھسکنے کی کوشش کرنے لگے، اس موقعے پر اُنہیں تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد ہوا کہ اہلِ ایمان کا یہ شیوہ نہیں کہ وہ کسی مشکل موقع پر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کوچھوڑ کر چلے جائیں بلکہ ایمان والوں کی شان تو یہ ہے کی وہ اللہ تعالیٰ اور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمانِ کامل رکھتے ہیں اور پھر اُسکا عملی ثبوت پیش کرتے ہیں جب کوئی اجتماعی کام ہواور وہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زیرنگرانی مصروفِ کار ہوں تو نہایت ثابت قدمی کے ساتھ جدوجہد کرتے ہیں اگر ایسے موقع پر اُنہیں کوئی سخت مجبوری پیش آجائے تو وہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں اپنی مجبوری بیان کرکے اجازت طلب کرتے ہیں اور جب حضور اُنہیں اجازت فرمادیں تو پھر وہ کچھ دیر کیلئے جاتے ہیں اور واپس آجاتے ہیں۔ یہ مخلص جاں نثار، سچے مومن ہیں کہ ایسے موقع پر اپنی مجبوری اور شدید ضرورت کے باوجود آپ کی اجازت کے بغیر جانا پسند نہیں کرتے۔ اے حبیبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنے غلاموں اور جاں نثاروں پر مہربانی فرمایا کریں اور اُن میں سے جسے مناسب خیال فرمائیں اجازت فرمادیا کریں اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے

اُن کے بارے مغفرت طلب فرمائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور مہربان ہے۔

چونکہ خندق کھودنے کی مہم بڑی طویل تھی اور اس میں کئی روز صرف ہوگئے اِس لئے اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کی ضرورتوں اور مجبوریوں کا خیال فرماتے ہوئے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا کہ ان مخلص عقید تمندوں کی ضروریات کا خیال فرمائیں کیونکہ یہ وہ سچے لوگ ہیں جو آپ کی فرمانبرداری اور اطاعت کو شعار بنائے ہوئے ہیں اور آپ کی اجازت کے بغیر کسی قیمت پر جانے کیلئے آمادہ نہیں۔ جبکہ منافقوں کا یہ طریقہ ہے کہ ایک دوسرے کی آڑ لے کر کھسکتے جارہے ہیں اور آپ سے اجازت لئے بغیر جان بچانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ پھر آدابِ نبوت کی تعلیم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے رسولِ برحق کی تعظیم وتوقیر کا خاص خیال رکھو کہیں ایسا نہ ہو کہ جس طرح تم ایک دوسرے کو بلاتے ہو، رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس انداز سے بلانا شروع کردو۔

مفسرین کرام اِس آیت کے ماتحت لکھتے ہیں اَیْ قُوْلُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ فِیْ رِفْقٍ وَّلِیْنٍ وَّلَا تَقُوْلُوْا یَامُحَمَّدُ بِتَجَھُّمٍ یعنی نرمی اور ادب کے ساتھ یارسول اللہ کہو اور گستاخانہ انداز میں یامحمد مت کہو۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں اَمَرَھُمْ اَنْ یُّشَرِّفُوْہُ اَوْیُفَخِّمُوْہُ اللہ تعالیٰ نے یہاں آپ کی تعظیم اور توقیر کا حکم فرمایا ہے۔ پھر منافقین کو تنبیہ کی گئی کہ اللہ تعالیٰ تمہاری فریب کاریوں سے خوب واقف ہے تم نفاق کی جو بھی تدبیر کرتے ہو وہ اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں، تمہارا اِس طرح ایک دوسرے کی آڑ لے کر کھسک جانا ہم اچھی طرح دیکھ رہے ہیں۔ تم تو اِسے معمولی بات سمجھ رہے ہو مگر یاد رکھو کہ اس میں ہمارے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی اور نافرمانی ہے اور جو بھی ہمارے رسول برحق کے حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے تو ہم آخرت سے پہلے اُسے دنیا میں اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں اور پھر آخرت میں تو دردناک عذاب اُسکا مقدر بن جاتا ہے۔ اے منافقین تمہیں اس گستاخی اور فریب کاری پر ڈرنا چاہیئے کہ کہیں تم دنیا میں کسی سخت آزمائش میں مبتلا نہ ہو جاؤ اور آخرت میں عذابِ الیم سے ہمکنار نہ ہو جاؤ۔ پھر یاد رکھو کہ تمہیں یہ سرزنش اور تنبیہ اُس اَحکم الحاکمین اور قادر ذوالجلال کی طرف سے کی جارہی ہے جس کے قبضہ قدرت میں زمین وآسمان کی بادشاہی ہے جس کے احتساب اور گرفت سے بچاؤ کی کوئی

صورت تمہارے اختیار میں نہیں اور جس کا انتقام اسقدر سخت ہے کہ تمہارے لئے کوئی ملجأ و ماوٰی باقی نہ رہے گا۔

قَدۡ یَعۡلَمُ مَآ اَنۡتُمۡ عَلَیۡهِ تم جس حالت پر ہو وہ خوب جانتا ہے وہ اِس وقت بھی تمہیں اپنی گرفت میں لینے پر قادر ہے، تمہاری کوئی سازش اور کارستانی اس سے مخفی نہیں وہ تمہاری تمام حرکات وسکنات پر نگران ہے اور پھر قیامت کے دن جب ساری مخلوق اُسی کی طرف لوٹائی جائیگی تو پھر وہ اُنہیں اُن کے اعمال کے متعلق آگاہ فرمائے گا۔ اگر تم دنیا کی آزمائش اور آخرت کے عذاب سے بچنا چاہتے ہو تو ہمارے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور فرمانبرداری کو اپنا شعار بنالو اور آپ کی تعظیم وتکریم اور احترام کو اپنے لئے فرضِ عین سمجھ لو۔ اِس طریقے سے تم اپنی دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی حاصل کرلو گے اور ہر قسم کی آزمائش اور عذاب سے بچ جاؤ گے۔

☆☆☆☆☆☆

تفسیر القرآن

اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ. بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ.

وَقَالُوۡا مَالِهٰذَا الرَّسُوۡلِ یَاۡكُلُ الطَّعَامَ وَیَمۡشِیۡ فِی الۡاَسۡوَاقِ لَوۡلَآ اُنۡزِلَ اِلَیۡهِ مَلَكٌ فَیَكُوۡنَ مَعَهٗ نَذِیۡرًا اَوۡیُلۡقٰۤی اِلَیۡهِ كَنۡزٌ اَوۡتَكُوۡنُ لَهٗ جَنَّةٌ یَّاۡكُلُ مِنۡهَا وَقَالَ الظّٰلِمُوۡنَ اِنۡ تَتَّبِعُوۡنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسۡحُوۡرًا. اُنۡظُرۡ كَیۡفَ ضَرَبُوۡا لَكَ الۡاَمۡثَالَ فَضَلُّوۡا فَلَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ سَبِیۡلًا. صَدَقَ اللّٰهُ الۡعَظِیۡمُ.

(سورۃ الفرقان/ ایت ۷تا۹ پ۱۸)

ترجمہ :اور کافروں نے کہا اِس رسول کو کیا ہوا ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے ایسا کیوں نہ ہوا کہ اُسکی طرف کوئی فرشتہ اتارا جاتا پس وہ اُس کے ساتھ مل کر ڈرانے والا ہوتا یا اُسکی طرف کوئی خزانہ اُتارا جاتا یا اُس کے لئے باغ ہوتا یہ اُس سے کھایا کرتا اور ظالموں نے کہا کہ تم پیروی نہیں کر رہے مگر ایک ایسے شخص کی جس پر جادو کیا گیا ہے۔ اے حبیبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ کیجئے آپ کے متعلق طرح طرح کی مثالیں کیسے بیان کرتے ہیں پس وہ گمراہ ہوگئے پس وہ راہ نہیں پا سکتے۔

تلاوت کی ہوئی آیات سے پہلے یہ مضمون بیان کیا گیا تھا کہ کفار ومشرکین قرآنِ مجید کے متعلق مختلف قسم کے بے سروپا اعتراضات کرتے ہیں اور یہاں تک کہنے کی ناپاک جسارت کرتے ہیں کہ پیغمبرِ اسلام ﷺ

نے یہ قرآن خود بنالیا ہے۔ چونکہ کفار و مشرکین کے اِس قسم کے بیہودہ اعتراضات قرآنِ مجید کی حقانیت وصداقت کے روشن آفتاب کے سامنے کوئی وقعت نہیں رکھتے تھے جبکہ قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت اور اعجاز اُس کی عظمتوں کا روشن ثبوت تھا اور اُس نے انکار کرنے والوں کو واشگاف الفاظ میں چیلنج دے رکھا تھا کہ میرے مقابلے میں ایک چھوٹی سی سورت تو بنا کر پیش کر دکھاؤ۔ بے بس اور مخبوط الحواس ہو کر کفار و مشرکین کو یہ حربہ سوجھا کہ ہمارے اعتراضات اور افتراء پردازیوں سے تو قرآن کی صداقت پر کچھ اثر نہ پڑ سکا، کیوں نہ صاحبِ قرآن پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات کے بارے میں کوئی مہم چلائیں ہو سکتا ہے اس طریقے سے ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں۔

قرآنِ مجید نے اُن کی اِس ناپاک سازش اور فتنہ پردازی کے اِس منصوبے کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اب کفار و مشرکین کی الزام تراشی نیا رُخ اختیار کر چکی ہے اور وہ یہ کہنے لگے ہیں کہ یہ عجیب رسول ہیں ہماری طرح کھاتے پیتے ہیں، بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں نہ اِن کے ساتھ کوئی فرشتہ ہوتا ہے جو لوگوں کو بتائے کہ یہ اللہ کے رسول ہیں اور اگر اِن کی اطاعت نہ کی گئی تو تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ جب حالات اسطرح ہیں تو پھر ہم کس طرح آنکھیں بند کر کے ایسے شخص کو رسول تسلیم کر لیں اور کچھ نہیں تو کم از کم اِن کے پاس زر و جواہر کا خزانہ ہوتا خود بھی آرام و راحت سے زندگی بسر کرتے اور اپنے ماننے والوں کو بھی روزگار کی فکر سے آزاد کر دیتے۔ چلو خزانہ نہ سہی اِن کا ایک باغ تو ہوتا جسکی آمدنی سے یہ اپنا وقت عیش و عشرت سے گزارتے اور اِنہیں غربت و افلاس سے ہمکنار نہ ہونا پڑتا۔ کفار و مشرکین آخر میں یہ بھی کہہ دیتے کہ اِن پر تو کسی نے جادو کر دیا ہے پس اے اسلام کے پرستارو تم کس بنا پر ایسے رسول کی اطاعت کرتے ہو جن کے پاس نہ تو دنیا کا ساز و سامان ہے اور نہ ہی اُن کا دماغی توازن درست ہے۔ یہ تھا کفار و مشرکین کی اُس شر انگیز مہم کا خلاصہ جس کی تمام ریشہ دوانیوں کے باوجود قرآن اور اسلام کے انوار و تجلیات دن بدن زیادہ پھیل رہے تھے اور کفر و شرک کے اندھیرے ختم ہوتے جا رہے تھے۔

قرآنِ مجید نے سابقہ اُمتوں کی ہلاکت کے اسباب و ذرائع کا تجزیہ کرتے ہوئے مختلف مقامات پر اُن کی گمراہی کی بنیادی وجہ یہی بیان کی کہ اُنہوں نے انبیائے کرام علیھم السلام کے نفوسِ قدسیہ کو اپنے اوپر قیاس کیا کہ یہ ہماری طرح کے انسان ہیں کھاتے پیتے ہیں چلتے پھرتے ہیں اور سوتے جاگتے ہیں، پھر ہمارے اور اِن

کے درمیان کیا فرق رہ گیا۔ حضرتِ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کفار ومشرکین کی گمراہی کے اِن اسباب پر ایک جامع تبصرہ کرتے ہوئے کیا خوب فرماتے ہیں۔

جملہ عالم زیں سبب گمراہ شد ☆ کم کسے زابدالِ حق آگاہ شد

گفتہ اینک ما بشر ایشاں بشر ☆ ما وایشاں بستۂ خوابیم وخور

ایں ندانستند ایشاں از عمیٰ ☆ ہست فرقے درمیاں بے انتہا

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ ۔اے حبیبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ کیجئے یہ کس قسم کی مثالیں آپ کے بارے میں بیان کرتے ہیں۔ اِن کور باطن لوگوں کے پاس وہ آنکھ کہاں جو حسن و جمالِ نبوت کا مشاہدہ کر سکے اِن کے حواسِ ظاہری و باطنی کفر وشرک سے اسقدر متعفن ہو چکے ہیں کہ گلشنِ رسالت کی بہارِ جاودانی کے مہکتے ہوئے پھولوں کی معطر خوشبو اور آفتاب نبوت کے جلوہ افروز انوار کی چمک دمک سے یہ سراسر محروم ہو چکے ہیں انکی کوتاہ نظری اور کوتاہ اندیشی، حسن و جمال کے اِس پیکرِ زیبا کو بازاروں میں چلتا ہوا تو دیکھ سکتی ہے مگر عرشِ عظیم کی بلندیوں پر اس کا خرامِ ناز میں محو ہونا اِنہیں نظر نہیں آ سکتا۔ یہ کہتے ہیں کہ اِن کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں ہوتا حالانکہ فرشتوں کے سردار جبریل علیہ السلام بھی اِن کی رکاب تھامنے کو باعثِ افتخار سمجھتے ہیں انہیں یہ معلوم نہیں کہ کائنات کا خالق و مالک ہر وقت اِن کے ساتھ ہے۔ چنانچہ نبی برحق ارشاد فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۔ یہ کفار ومشرکین ان کی غربت ومسکنت کا پرچار کرتے ہیں حالانکہ ہم نے اپنے محبوبِ کریم کو کوثر یعنی خیرِ کثیر عطا فرمایا اور زمین وآسمان کے خزانوں کی چابیاں عطا کردی ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ جمالِ ذات کے مشاہدہ واستغراق نے ہمارے پیغمبرِ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیوی ناز ونعمت سے بے نیاز کردیا ہے ورنہ کائنات کی کونسی نعمت ہے جو اُن کے دامانِ لطف وکرم سے وابستہ نہیں۔ اُن کے معجزات وکمالات اور منفرد خصوصیات کو دیکھنے کیلئے تو ابوبکر وعمر، عثمان وعلی کی نگاہِ عشق ومحبت درکار ہے۔

دیدنِ چشمِ محمد از شقی ☆ کے بود چوں دید بوبکر وعلی

اے حبیبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم دل ودماغ کے اِن اندھوں کو آپ کی عظمت وجلالت کی کیا خبر، یہ آپ کے بارے میں گستاخیاں کر کے گمراہ ہو چکے ہیں اور اب اُنہیں راہِ راست پر آنے کی توفیق نہ ہوگی۔

☆☆☆☆☆

تفسیر القرآن

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم.

یَوْمَ یَرَوْنَ الْمَلٰٓئِکَۃَ لَا بُشْرٰی یَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِیْنَ وَیَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا. وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ یَوْمَئِذٍ خَیْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّ اَحْسَنُ مَقِیْلًا. وَیَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِکَۃُ تَنْزِیْلًا. اَلْمُلْکُ یَوْمَئِذِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ وَکَانَ یَوْمًا عَلَی الْکٰفِرِیْنَ عَسِیْرًا وَیَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیْهِ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِی اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِیْلًا. یٰوَیْلَتٰی لَیْتَنِیْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِیْلًا. لَقَدْ اَضَلَّنِیْ عَنِ الذِّکْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِیْ وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا. صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِیْمُ. (سورۃ الفرقان/ایت ۲۲ تا ۳۰ پارہ ۱۹)

ترجمہ: جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے تو اُس دن مجرموں کے لئے کوئی خوشی کی بات نہ ہوگی اور فرشتے کہیں گے تمہارے لئے جنت کا داخلہ قطعی طور پر بند ہے اور ہم اُن کے کاموں کی طرف متوجہ ہوں گے اور اُنہیں گردو غبار بنا کر اُڑا دینگے۔ اُس دن اہلِ جنت کا ٹھکانا بڑا اچھا ہوگا اور دوپہر گزارنے کی جگہ بڑی آرام دہ ہوگی اور یاد کرو جس دن آسمان پھٹ جائیگا اور بادل نمودار ہوگا اور گروہ درگروہ فرشتے اُتارے جائیں گے۔ اُس دن سچی بادشاہی رحمٰن کی ہوگی اور وہ دن کافروں کیلئے بڑا مشکل ہوگا۔ اور اُس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو کاٹے گا کہے گا کاش میں نے رسولِ برحق کی معیت میں راستہ اختیار کیا ہوتا۔ ہائے افسوس کاش میں نے فلاں کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا واقعی اُس نے میرے پاس اِس قرآن کے آجانے کے بعد اس سے بہکا دیا اور شیطان تو ہمیشہ انسان کو بے یارو مددگار چھوڑنے والا ہے اور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم عرض کرینگے اے میرے رب بیشک میری قوم نے اِس قرآن کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔

تلاوت کی ہوئی آیات میں مشرکین کے بے سروپا اعتراضات اور غیر معقول شرائط پر تبصرہ کیا جارہا ہے

اور بتایا جارہا ہے کہ اسلام قبول کرنے کی بجائے یہ لوگ روز بروز نئے مطالبات اور شرائط پیش کرتے ہیں کبھی کہتے ہیں فرشتے ہمارے پاس اُتر کر آئیں کبھی کہتے ہیں اللہ تعالیٰ بے حجاب ہوکر ہمارے سامنے آئے تا کہ ہم اپنی آنکھوں سے اُسے دیکھ کر تسلی کریں۔ارشاد ہوتا ہے کہ ان بد دماغ متکبرین نے اپنے آپ کو کیا سمجھ رکھا ہے۔کیا وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور رسولِ برحق کو اُن کے ایمان لانے کی بڑی ضرورت ہے اس لئے وہ جو بھی غیر معقول مطالبہ کرینگے اُسے پورا کردیا جائیگا۔ایسی کوئی بات نہیں وہ یہ غلط فہمی دل سے نکال دیں اگر اُن کی خواہش کے مطابق فرشتے اُن کے پاس اُتر کر آئیں بھی تو وہ دن اُن کی مسرت وفرحت کا دن نہیں ہوگا بلکہ فرشتے اُنہیں یہ بتائیں گے کہ توبہ کی مہلت ختم ہوگئی اور بہشت کا دروازہ تمہارے لئے مکمل طور پر بند کردیا گیا۔

ایک قول کے مطابق حِجۡرًا مَّحۡجُوۡرًا کہنے والے خود کفار ومشرکین ہونگے ،چنانچہ صاحبِ تفسیر روح المعانی اور صاحبِ تفسیرِ مظہری نے لکھا ہے کہ عرب جب کسی سخت مصیبت میں مبتلا ہوجاتے تو کہا کرتے حِـجۡـرًا مَّـحۡـجُـوۡرًا جس کا معنٰی ہائے بچاؤ ہے گویا کفار ومشرکین شدتِ عذاب کو دیکھ کر اسطرح کہیں گے پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اُن کے اعمال جو رضائے اِلٰہی سے بالکل خالی تھے اور وہ اُن پر بہت اِتراتے تھے ہم اُنہیں نیست ونابود کردینگے اور بروزِ قیامت اُنہیں کوئی بدلہ نہ دیا جائیگا کیونکہ وہ دنیا میں بہت کچھ حاصل کر چکے تھے اور ہم نے اُن کا بدلا چکا دیا تھا پھر کفار ومشرکین کے برعکس اہلِ ایمان کے انعام واکرام کا ذکر کیا جاتا ہے اور بتایا جاتا ہے کہ اُنہوں نے چونکہ اپنی زندگی اللہ تعالیٰ اور رسولِ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے گزاری تھی اِس لئے اُنکا ٹھکانا اور اُنکی آرام گاہ بہترین ہوگی۔

اِس کے بعد قیامت کا ہولناک منظر پیش کیا جاتا ہے کہ آسمان پھٹ جائیگا اور سفید رنگ کے ہلکے پتلے بادل کی صورت میں نمودار ہوگا۔فانی اور عارضی بادشاہیاں ختم ہوجائیں گی اور اُن کے دعوے دار ناپید ہوجائیں گے۔حقیقی سلطنت اور بادشاہی قادرِ ذوالجلال کی نظر آئیگی جو ہمیشہ سے ہمیشہ تک حقیقی بادشاہ ہے،حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو دستِ قدرت میں لپیٹ کر فرمائے گا ''اَنَا الۡمَلِکُ اَیۡنَ مُلُوۡکُ الۡاَرۡضِ اَیۡنَ الۡجَبَّارُوۡنَ اَیۡنَ الۡمُتَکَبِّرُوۡنَ '' میں حقیقی بادشاہ ہوں زمین کے بادشاہ کہاں ہیں اور کہاں ہیں وہ

سرکش اور متکبر و مغرور ۔ ہر طرف ایک سنّاٹا چھا جائیگا اور کسی کو دم مارنے کی مجال نہ ہوگی ۔ یہ دن اور یہ وقت کفار و مشرکین کے لئے بہت سخت ہوگا مگر اہلِ ایمان بڑے اطمینان اور سکون میں ہوں گے ۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ بارگاہِ نبوت میں عرض کیا گیا یارسول اللہ قیامت کا دن تو پچاس ہزار سال کا ہوگا اتنی طویل مدت کیسے کٹے گی، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ اِنَّہٗ لَیُخَفَّفُ عَلَی الْمُؤْمِنِ حَتّٰی یَکُوْنَ اَخَفَّ عَلَیْہِ مِنْ صَلٰوۃٍ مَّکْتُوْبَۃٍ یُّصَلِّیْھَا فِی الدُّنْیَا مجھے اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے یہ طویل مدت مؤمن کیلئے اُس فرض نماز کی ادائیگی سے بھی کم ہوگی جسے وہ دنیا میں ادا کرتا تھا۔

یٰوَیْلَتٰی لَیْتَنِیْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِیْلًا. اِس آیت کا شانِ نزول بیان کرتے ہوئے مفسّرین فرماتے ہیں کہ یہاں پر عُقبہ بن ابی مُعیط کی حالتِ زار بیان کی جارہی ہے کہ وہ قیامت کے دن سخت افسوس کرتا ہوا کہے گا کاش میں نے فلاں کو یعنی اُبی بن خلف کو دوست نہ بنایا ہوتا اور اُس کے کہنے پر گمراہی اختیار نہ کرتا ۔ جمہور علماء مفسرین لکھتے ہیں کہ عُقبہ بن ابی مُعیط جب کبھی سفر سے واپس آتا تو دعوتِ عام کرتا جس میں اہلِ مکہ شریک ہوتے ۔ یہ اکثر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا اور آپ کی باتیں سنا کرتا ایک مرتبہ حسب دستور اُس نے دعوت کا اہتمام کیا تو رسولِ پاک ﷺ کو بھی دعوت دی حضور نے فرمایا جب تک تو مشرف بہ اسلام نہ ہوگا میں تیری دعوت قبول نہ کرونگا چنانچہ اُس نے کلمہ ءِ شہادت پڑھا اور اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ اُبی بنِ خلف سے عقبہ کا بڑا یارانہ تھا اُس نے سنا تو آ کر کہا، عقبہ سُنا ہے تو مرتد ہوگیا ہے عقبہ نے کہا میں نے محض ایک غرض کیلئے ایسا کیا ہے۔ اُبی بنِ خلف نے کہا میں تم سے اُسوقت تک راضی نہ ہونگا جب تک تم پیغمبرِ اسلام کے سامنے میری پسند کی چند گستاخیاں نہ کرلو۔ عقبہ اپنے یار کو خوش کرنے کے لئے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا اور وہ ساری گستاخیاں کیں جن کی فرمائش اُس کے دوست نے کی تھی ۔ اُس بدبخت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رُخِ انور پر تھوک ڈالنے کی ناپاک جسارت بھی کی مگر اللہ تعالیٰ نے اُسکی تھوک کو آگ کا انگارا بنا کر اُس کے منہ پر دے مارا جس سے اُسکا مُنہ جل گیا اور مرتے دم تک اُس کے مُنہ پر داغ رہا۔ اِس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے عقبہ سے فرمایا کہ سرزمینِ مکہ سے باہر ایک دن میں تیرا سر قلم کردوں گا۔

عقبہ کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیش گوئی پیوست ہوگئی اور وہ یہ کہا کرتا کہ اِن کے مُنہ سے نکلی ہوئی بات پوری ہوکر رہے گی مگر کفار و مشرکین اُسے تسلی دلاتے کہ ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ غزوۂ بدر کے موقعہ پر وہ بادلِ نخواستہ باہر نکلا کفار کی شکست دیکھ کر اُونٹ دوڑاتے ہوئے بچاؤ کی کوشش کرتے ہوئے وہ وادیوں کے پیچ وخم میں اُلجھ کر رہ گیا چنانچہ اُسے گرفتار کرلیا گیا اور حضور کے حکم سے سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُس کا سر قلم کردیا، اِن آیات میں عقبہ کی شقاوت اور حالتِ زار بیان کی جارہی ہے کہ وہ بروزِ قیامت کہے گا کہ میرے دوست نے مجھے گمراہ کیا اور اُس کے مشورے سے میں ہدایت کو چھوڑ کر گمراہی میں گرفتار ہوگیا۔ اِس آیت میں تنبیہ بھی پائی جاتی ہے کہ دوستی قائم کرتے وقت انسان ذرا اِس بات کا بھی خیال رکھے کہ وہ کس سے دوستی کررہا ہے کیونکہ دوست کے نفع وضرر کا اثر انسان پر ضرور ہوتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے پس اُسے خوب غور کرلینا چاہئے کہ کس کے ساتھ دوستی کررہا ہے۔ اِسی طرح یہ بھی حدیث پاک میں آتا ہے کہ انسان کا حشر اُسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اُس کو محبت ہوگی۔

قرآن وحدیث کے واضح ارشادات کا تقاضا ہے کہ اہلِ ایمان کو چاہیئے غیر مسلموں، اسلام دشمنوں، بد مذہبوں اور دین کے منکروں سے دوستی کی پینگیں بڑھانے سے سخت احتراز کریں اور اُن کی صحبت کے نقصانات سے اپنے دین وایمان کو محفوظ کرنے کی کوشش کریں۔ حضرت شیخ فرید الدین عطّار رحمۃ اللہ علیہ نصیحت آمیز انداز میں اِس مفہوم کو بیان کرتے ہوئے کیا خوب فرماتے ہیں۔

با محباں باش دائم ہمنشیں ☆ تا توانی روئے اعداء رامبیں
تا توانی دور شو از یارِ بد ☆ یارِ بد بدتر بود از مارِ بد

پھر بیان کیا گیا کہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے قوم کے معاندانہ روّیے سے غمزدہ ہوکر بارگاہِ ربّ العزۃ میں عرض کیا میری قوم نے رشد وہدایت کے آسمانی منشور کو بالکل نظر انداز کردیا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تسلی دی اور ارشاد فرمایا کہ یہ سلسلہ پہلے انبیاء کرام کے ساتھ چلا آرہا ہے آپ غمگین نہ ہوں بالآخر کامیابی آپ کی ہوگی اور آپ کا دین غالب ہوکر رہے گا۔

☆☆☆☆☆

تفسیر القرآن

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

اَلَمْ تَرَاِلٰی رَبِّکَ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْشَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاکِنًا ثُمَّ جَعَلْنَاالشَّمْسَ عَلَیْهِ دَلِیْلًا ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَیْنَاقَبْضًایَّسِیْرًا.وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الَّیْلَ لِبَاسًا وَالنَّوْمَ سُبَاتًا وَجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا.وَهُوَالَّذِیْ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ بُشْرًا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ وَاَنْزَلْنَامِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا لِّنُحْیِیَ بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا وَّنُسْقِیَهٗ مِمَّاخَلَقْنَااَنْعَامًا وَّاَنَاسِیَّ کَثِیْرًا.وَلَقَدْصَرَّفْنٰهُ بَیْنَهُمْ لِیَذَّکَّرُوْا فَاَبٰٓی اَکْثَرُ النَّاسِ اِلَّاکُفُوْرًا.صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِیْمُ. (سورۃ الفرقان/آیت۴۵تا۵۰پ۱۹)

ترجمہ: کیا آپ نے اپنے رب کی طرف نہیں دیکھا کیسے پھیلا دیتا ہے سایہ کو اور اگر چاہتا تو اُسے ٹھہرا ہوا بنا دیتا پھر ہم نے سورج کو اس پر دلیل بنا دیا پھر ہم اُسے اپنی طرف سمیٹے جاتے ہیں آہستہ آہستہ اور وہی ہے جس نے تمہارے لئے رات کو لباس اور نیند کو باعثِ راحت بنایا ہے اور دن کو طلبِ معاش کیلئے دوڑ دھوپ کا وقت بنایا اور وہی ہے جو ہواؤں کو اپنی رحمت سے پہلے خوشخبری دینے کیلئے بھیجتا ہے اور ہم آسمان سے پاکیزہ پانی اتارتے ہیں تاکہ ہم اُس پانی سے غیر آباد شہر کو زندہ کریں اور ہم یہ پانی اپنی مخلوق میں سے کثیر تعداد مویشیوں اور انسانوں کو پلائیں اور ہم نے اُس پانی کو لوگوں کے درمیان گھما دیا تاکہ وہ غور و فکر کریں پس اکثر لوگوں نے انکار کر دیا مگر یہ کہ وہ شکر گزار نہ بنیں گے۔

تلاوت کی ہوئی آیات سے پہلے کفار و مشرکین کی گمراہی کا نقشہ بیان کیا گیا تھا اور اُن کے تعصب اور جہالت پر تبصرہ کرتے ہوئے بتایا گیا تھا کہ کفر و شرک کی ظلمات میں بھٹکنے کی انتہا کو پہنچ کر یہ لوگ اپنی صلاحیت اور اِستعداد کو برباد کر چکے ہیں اور اب یہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بھی زیادہ گمراہ ہیں کہ نہ اپنے خالق و مالک کو پہچانتے ہیں نہ اُس کے احسانات کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور نہ اُس کا حکم بجالاتے ہیں۔ اِن آیات میں قادر ذوالجلال کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کے کرشموں کو بیان کیا جا رہا ہے اور اِس حقیقت کو نمایاں

کیا جارہا ہے کہ کارخانۂ قدرت میں غوروفکر کرنے سے تو ہر طرف وحدہٗ لاشریک کی وحدانیت کے دلائل اورآثار ظاہروباہر نظر آتے ہیں ذرا مشاہدہ تو کریں کہ آپ کے پروردگار نے سایہ کو کس طرح پھیلا دیا۔ سورج کے طلوع ہونے سے پہلے ہر چیز سائے میں لپٹی ہوئی ہوتی ہے اور ہر طرف سایہ پھیلا ہوا نظر آتا ہے جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے سورج طلوع ہوتا ہے تو جیسے جیسے وہ بلند ہوتا جاتا ہے سایہ سمٹنے لگ جاتا ہے۔ اگر یہ سایہ ہمیشہ رہتا تو رات ہی رات ہوتی انسانی زندگی تو کجا حیوانی زندگی کے امکانات بھی ختم ہو جاتے۔ اِسی طرح اگر سورج کبھی غروب نہ ہوتا تو اِس کی شعاعوں کی حرارت قوتِ روئیدگی کو جلا کر رکھ دیتی لیکن اللہ تعالیٰ نے سورج کے طلوع وغروب اور سایہ کے پھیلنے اور سمٹ جانے میں بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں رکھی ہیں۔ جس طرح سایہ اس قدر پھیلنے کے باوجود فانی ہے اور ختم ہو جاتا ہے اسی طرح تمہارا عرصۂ حیات اور اُسکی دلفریب رنگینیاں اور رعنائیاں بھی فانی ہیں سایہ کے پھیلنے اور سمٹ جانے میں غور کر کے کبھی دنیائے فانی کے زوال کا نقشہ بھی ذہن میں رکھا کرو۔

مفسرین کرام اِس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ سایہ کے پھیلنے سے یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ کفروشرک کی ظلمتیں اور اندھیرے اگرچہ بہت دور تک پھیلے ہوئے ہیں اور باطل کی تاریکیوں نے ہر جگہ اپنے پنجے گاڑ دیئے ہیں لیکن آفتابِ رسالت طلوع ہو چکا ہے تھوڑی دیر انتظار کرو پھر دیکھو کہ نورِ ہدایت کس طرح پھیلتا ہے اور باطل کے طویل وعریض سائے کس طرح سمٹ کر ختم ہو جاتے ہیں۔

حضراتِ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ سایہ سے مراد زمانۂ فَترت ہے یعنی حضرتِ عیسٰی علیہ السلام کے بعد رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک کا طویل عرصہ ہے چنانچہ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہو چکا تھا یہاں تک کہ آفتابِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم روشن ہوا اور ظلمت کدۂ عالم کو بقعۂ نور بنا دیا اگر نبوت کا یہ آفتاب روشن نہ ہوتا تو مخلوق غفلت کی تاریکی میں عمریں گزار دیتی اور نورِ حق کی کوئی تجلی اُنہیں فیض یاب نہ کرتی یہ آفتابِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی فیاضیاں ہیں جن کے باعث دل کی آنکھوں کو نورِ توحید کا مشاہدہ ہوا پھر ارشاد فرمایا کہ جس طرح سائے کا پھیل جانا حکمت ومصلحت پر مبنی ہے اِسی طرح اُسکا سمٹ جانا بھی حکمت بالغہ کا آئینہ دار ہے۔ گویا نظامِ

لیل ونہار بے شمار حکمتوں اور قدرتوں پر مشتمل ہو کر لوگوں کو دعوتِ فکر دیتا ہے کہ اگر تم اِن تغیرات اور تبدیلیوں کو دیکھ رہے ہو اگر یہ آیاتِ قدرت تمہاری نظر کے سامنے ہیں اور اگر حکمتِ بالغہ کے کرشمے تمہیں نظر آ رہے ہیں تو پھر توقف کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اگر اب بھی تمہیں اُس بادشاہِ حقیقی اور خالقِ کائنات کے بارے میں شکوک وشبہات ہیں تو پھر اپنی بدقسمتی اور محرومی پر آنسو بہاؤ۔

نظامِ کائنات میں یہ ساری تبدیلیاں آناً فاناً نہیں ہو جاتیں بلکہ یہ ایک تدریجی عمل ہے تمہیں چاہیئے رات کو دیکھو دن پر غور کرو۔ رات کے سکون واطمینان اور خاموشی اور دن کی گہما گہمی، شور وغوغا اور دوڑ دھوپ کا مشاہدہ کرو۔ اِن سب اُمور میں ایک مدبر، خلّاق، قادر، حکیم وخبیر اور مقتدر کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کارفرما ہے۔ وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے رات کو لباس بنایا اور نیند کو باعثِ راحت بنایا تمہارے کام کاج کیلئے دن کو بنایا، بارانِ رحمت کی خوشخبری دینے والی ہواؤں کو بھیجا پھر بادلوں کے ذریعے آسمان سے پاک صاف پانی نازل کیا جس نے غیر آباد شہروں کو سرسبز وشاداب کر دکھایا، مویشیوں کو سیراب کیا اور انسانوں کو پانی پلایا پھر اس بارانِ رحمت کو مختلف اوقات میں مختلف مقامات پر اُتارا تاکہ تم غور وفکر کرو مگر افسوس کہ اتنی کثیر علامات اور دلائل کو دیکھنے کے باوجود اکثر لوگوں نے انکار کر ڈالا۔ نظامِ شمس وقمر، گردشِ لیل ونہار، ظلمتِ شب، دن کی روشنی، طوفانِ بادو باراں زمین کی سرسبزی وشادابی۔ یہ اُمور ایسے حقائق ہیں جو خالقِ کائنات کی معرفت کیلئے لوگوں کو دعوتِ فکر دے رہے ہیں۔ فرشِ زمین سے اُگنے والا ایک ایک پتا اور ایک ایک بوٹا بلکہ خاک کا ایک ایک ذرہ زبانِ حال سے انسان کو خلاقِ ازل کی معرفت کا درس دے رہا ہے۔ حضرتِ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ اِسی مفہوم کو بیان کرتے ہوئے کیا خوب فرماتے ہیں۔

برگِ درختانِ سبز درنظرِ ہوشیار ☆ ہر ورق دفتریست معرفتِ کردگار

عقل ودانش کا تقاضا تو یہ تھا کہ بلاتوقف ایسے حالات میں خالق ومالک کی توحید کا نعرہ لگایا جاتا مگر افسوس کہ تمام آیاتِ قدرت کو دیکھنے کے باوجود اکثر لوگ ناشکری اور کفرانِ نعمت کا اظہار کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

تفسیر القرآن

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ یُّرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَ اَخَاهُ وَ ابْعَثْ فِی الْمَدَآىٕنِ حٰشِرِیْنَ یَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِیْمٍ.فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ.وَّ قِیْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ.لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِیْنَ. صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِیْمُ.

(سورۃ الشعرآء / آیت ۳۴ تا ۴۰ پ ۱۹)

ترجمہ: فرعون نے اپنے آس پاس بیٹھنے والے درباریوں سے کہا واقعی یہ ماہر جادوگر ہے یہ چاہتا ہے کہ اپنے جادو سے تمہیں تمہارے ملک سے نکال دے بتاؤ اب تمہاری کیا رائے ہے۔ وہ بولے اِسے اور اِس کے بھائی کو مہلت دیجئے اور شہروں میں ہرکارے بھیج دو تا کہ تیرے پاس تمام ماہر جادوگر لے آئیں۔ الغرض ایک خاص دن مقررہ وقت پر سارے جادوگر جمع کر لئے گئے اور لوگوں سے کہہ دیا گیا کیا تم جمع ہو جاؤ گے؟ اگر وہ مقابلہ میں غالب آ گئے تو شاید ہم اُن کی پیروی کر لیں۔

تلاوت کی ہوئی آیات میں جلیل القدر پیغمبر حضرت موسٰی علیہ السلام کے بارے میں ظالم و جابر حکمران فرعون کے نقطہءِ نظر کو بیان کیا جا رہا ہے کہ ظاہر و باہر معجزات دیکھنے کے باوجود اُس کے غرور و تکبر نے اُسے حقائق کے ادراک سے محروم رکھا اور وہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے عبدِ مقرب کی رسالت و نبوت کا اقرار کرنے کی بجائے اُنہیں جادوگر سمجھتا رہا۔ تاریخ عالم شاہد ہے کہ جب بھی پیغمبرانِ عُظّام علیہم السلام نے طاغوتی طاقتوں کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا پیغام پہنچایا تو اُنکے دل و دماغ پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ اُن میں بعض تو اپنے آپ کو اِلٰہ سمجھنے اور تسلیم کرانے کے خبط میں مبتلا ہو گئے اور بعض بت پرستی اور کفر و شرک کے متوالے بنے رہے۔

اُلوہیت کے دعویداروں میں فرعون کے غرور و تکبر، ہٹ دھرمی اور کج فہمی کے واقعات زیادہ مشہور ہیں۔ جب حضرت موسٰی علیہ السلام نے اُسکی مصنوعی اُلوہیت کو للکارا اور برملا اُس کے ساتھ آنکھ میں آنکھ ڈال کر تلخ

حقائق سامنے رکھے تو اُسکا دماغ چکرا گیا۔فرعون کیلئے مناسب تو یہ تھا کہ اتنی زبردست روحانی اور غیبی قوت کے ساتھ ٹکر لینے کی بجائے حقائق پر ٹھنڈے دل سے غور کرتا تو پتہ چل جاتا کہ وہ کسی صورت میں معبود کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔مگر غرور وتکبر کی آلائشوں نے اُس کے دل ودماغ کو خراب کر رکھا تھا اور خوشامدی درباریوں کی چاپلوسی نے اُسکی صلاحیتوں کو تباہ کر ڈالا تھا۔چنانچہ حضرت موسٰی علیہ السلام کے عظیم الشان معجزات کے باوجود وہ اُنہیں ایک جادوگر سمجھتا رہا اور اپنے ہمنشینوں اور درباریوں سے بھی کہتا رہا کہ یہ ایک ماہر جادوگر معلوم ہوتے ہیں چونکہ اُس زمانے میں جادو کا دور دورہ تھا اور باطل پرست قوتیں جادو کے ذریعے تسلط اور غلبہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتی تھیں اِسلئے فرعون نے بھی یہی اندازہ لگایا کہ شاید معجزاتِ موسوی بھی جادو کا کرشمہ ہیں۔

سحر کا لغوی معنٰی بیان کرتے ہوئے صاحبِ تاج العروس لکھتے ہیں صَرْفُ الشَّيْئِ عَنْ حَقِيْقَتِهٖ اِلٰی غَيْرِهٖ فَكَاَنَّ السَّاحِرَ لَمَّآ اَرَی الْبَاطِلَ فِیْ صُوْرَةِ الْحَقِّ وَخَيَّلَ الشَّيْئَ عَلٰی غَيْرِ حَقِيْقَتِهٖ فَقَدْ سَحَرَ الشَّيْئَ عَنْ وَجْهِهٖ اَیْ صَرَفَهٗ کسی چیز کی حقیقت کو بدل دینے کا نام سحر ہے جب ساحر جھوٹ کو سچ کر دکھاتا ہے یا چیز اپنی حقیقت کے خلاف نظر آنے لگتی ہے تو گویا اُس نے شیٔ کی حقیقت کو بدل ڈالا۔یہ تو سحر کے لغوی معنٰی تھے اصطلاح میں ایسے الفاظ واعمال کے جاننے اور کرنے کو سحر کہا جاتا ہے جن سے انسان کو شیطانوں کا تقرب حاصل ہو جاتا ہے اور وہ شیاطین اُسکے تابع ہو جاتے ہیں اِن الفاظ اور اعمال سے کانوں اور آنکھوں پر ایسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے جس سے آواز ہوتی کچھ ہے تو سنائی کچھ دیتی ہے اور چیزیں اپنی حقیقت کے خلاف دکھائی دینے لگتی ہیں یہ بھی کہا گیا ہے یہ چیزیں اپنی حقیقت کے خلاف صرف دکھائی نہیں دیتیں بلکہ اُن کی حقیقت تبدیل ہو جاتی ہے۔امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جادوگر کی سزا یہ ہے کہ اُسے قتل کر دیا جائے اور اُسکی توبہ قبول نہ کی جائے۔

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ سحر بذاتِ خود کوئی مؤثر چیز نہیں کہ اذنِ الٰہی کے بغیر اپنا اثر دکھائے۔سحر پر مرتب ہونے والے آثار ونتائج کا بھی وہی حال ہے جیسے سبب اور مسبب کا حال ہے۔بسا اوقات اسباب کے ہوتے ہوئے آثار ونتائج ظاہر نہیں ہوتے اسی طرح سحر پر بھی بسا اوقات آثار ونتائج مرتب نہیں ہوتے۔اصل

چیز تو اذنِ الٰہی ہے اِسی لئے قرآنِ مجید نے واضح طور پر ارشاد فرمایا کہ جادوگر اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے ۔ جس طرح اور ہزاروں نقصان دہ چیزیں دنیا میں موجود ہیں مگر ضروری نہیں کہ وہ اپنے اثرات ونتائج بھی ظاہر کر دیں اسی طرح جادو بھی اِسی ضابطے کے ماتحت ہے کہ اذنِ الٰہی کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا۔ ہر قسم کی طاقت اور اختیار تو اس قادرِ ذوالجلال کی شان ہے۔ جس کے اذن پر وجود وعدم کا دارو مدار ہے۔ اسبابِ ظاہری کی موافقت اور سازگاری کے باوجود بعض اوقات نتائج برعکس سامنے آتے ہیں اور اسباب کی ناموافقت اور ناسازگاری کے باوجود بعض اوقات موافق نتائج سامنے آتے ہیں اگر چہ یہ ایک پیچیدہ اور نازک بحث ہے تاہم حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے جامع انداز میں اِسے مثنوی شریف کے چند شعروں میں بیان کر دیا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

ہست بر اسباب اسبابِ دگر ☆ در سبب منگر در آں افگن نظر

عقل در اسباب مے دارد نظر ☆ عشق میگوید مسبّبِ را نگر

از سبب سازیش من حیراں شدم ☆ وز سبب سوزیش سرگرداں شدم

جب سحر کو بھی دیگر اسباب کی طرح بعض نتائج کا سبب سمجھ لیا جائے تو پھر کوئی الجھن باقی نہیں رہتی ۔

فرعون نے جب درباریوں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اپنا نقطہءِ نظر بیان کیا تو اُنہوں نے اُسکی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے وہی مشورہ دیا جسے اُس نے پسند کیا کہ تمام جادوگروں کو ایک مقام پر جمع کیا جائے تاکہ وہ اپنی ساحرانہ مہارت کے ذریعے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آجائیں اور اسطرح فرعون کی مصنوعی خدائی کا بھرم رہ جائے ۔ اگر چہ جادوگروں کی تعداد کے بارے میں مختلف اقوال ہیں تاہم بعض روایات میں اُن کی تعداد ستر یا اسی ہزار بتائی گئی ہے۔ مقابلہ دیکھنے والوں کی تعداد اس سے کئی گنا زیادہ تھی۔ چنانچہ کثرتِ اجتماع کی وجہ سے ہزاروں لوگ بھگدڑ میں مارے گئے فرعون کے بلائے ہوئے جادوگر نہ صرف ناکام ہوئے بلکہ عصائے موسوی کے حیرت انگیز معجزات دیکھ کر سجدہ ریز ہو کر ایمان کی دولت سے مالامال ہوئے اور یوں فرعون کا غرور و تکبر خاک میں مل گیا۔

☆☆☆☆☆

تفسیر القرآن

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ وَّکُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ کَرِیْمٍ کَذٰلِکَ. وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ. فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِیْنَ. فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰی اِنَّا لَمُدْرَکُوْنَ. قَالَ کَلَّا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِیْمُ. (سورۃ الشعرآء آیت ۵۷ تا ۶۲ پ ۱۹)

ترجمہ: پس ہم نے اُنہیں باغوں، چشموں، خزانوں اور شاندار محلوں سے نکال دیا ہم نے ایسا ہی کیا اور ہم نے بنی اسرائیل کو اُن تمام چیزوں کا وارث بنادیا۔ پس وہ سورج چڑھنے کے وقت اُن کے تعاقب میں نکلے۔ پس جب دونوں گروہوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا تو حضرتِ موسٰی علیہ السلام کے ساتھی کہنے لگے ہم تو یقیناً پکڑے گئے آپ نے فرمایا ہرگز نہیں بیشک میرا رب۔ میرے ساتھ ہے وہ ضرور میری رہنمائی فرمائے گا۔

تلاوت کی ہوئی آیات میں اِسی مضمون کو بیان کیا جارہا ہے کہ ہم نے اُنہیں سرسبز و شاداب باغوں اور چشموں سے نکالا۔ چونکہ اُن کا نکالنا قدرت کے خاص انتظام اور خفیہ تدبیر سے تھا اِس لئے خروج کی بجائے اخراج کا لفظ استعمال کیا گیا جس سے یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ اُن کا اس طرح پوری جمعیت کے ساتھ نکلنا ہمارے تصرف اور حکمت کے زیرِ اثر تھا۔ ہمیں یہی منظور تھا اور ہم یہی دکھلانا چاہتے تھے کہ عذابِ الٰہی کی گرفت ایسی شدید ہو کہ ایک ہی ضرب سے ظالموں کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر دیا جائے پھر اُن کی بربادی پر افسوس کرنے کیلئے بھی کوئی باقی نہ رہے قرآنِ مجید نے بڑے مؤثر عبرت آمیز انداز میں فرعون کی ہلاکت و بربادی کا نقشہ پیش کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہم نے اِنہیں شاندار محلات اور سرسبز و شاداب باغات اور دولت سے بھرے ہوئے خزانے عطا کئے تھے مگر اِنہوں نے نعمتِ خداوندی کی قدر نہ کی، ظلم کی روش اختیار کی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہمارے خاص بندے اور رسول حضرتِ موسٰی علیہ السلام سے ٹکر لینے لگے۔ حدیثِ قدسی میں ارشادِ الٰہی ہے

''مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ ''جس نے میرے کسی دوست کے ساتھ دشمنی کی تو اُس کے ساتھ میرا اعلانِ جنگ ہے۔ یہی صورتِ حال یہاں پیدا ہوئی۔ جلالِ خداوندی جوش میں آیا، غیرتِ الٰہی کے دریا میں طوفان آ گیا اور قہار و جبار کا تازیانۂ انتقام لہرانے لگا۔ حضرتِ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اِسی مفہوم کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد ☆ تا دلے صاحبدلے نامد بدرد

پھر ارشاد فرمایا کہ ہم نے بنی اسرائیل کو اُن تمام نعمتوں کا وارث بنا دیا تا کہ دنیا کو پتا چل جائے کہ نافرمانوں کا انجام کتنا عبرت ناک ہوتا ہے اور فرمانبرداروں کو کس طرح نعمتوں سے نوازا جاتا ہے جب دن چڑھنے لگا تو فرعون اور اُس کی فوجوں نے بنی اسرائیل کا تعاقب کیا اور بڑی تیزی سے قریب آ پہنچے۔ آگے بحرِ بیکراں ہے جس کی تند و تیز موجیں ساحل سے ٹکرا رہی ہیں اور پیچھے فرعون، جوشِ انتقام میں دیوانہ وار فوجوں سمیت پہنچ چکا ہے۔ حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے جب یہ خطرناک صورتِ حال دیکھی تو گھبرا کر کہنے لگے ہم تو یقیناً پکڑے گئے حضرتِ موسیٰ علیہ السلام توکل علی اللہ کے مقام پر فائز تھے چنانچہ بڑی دلجمعی اور استقامت سے ارشاد فرمایا ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا اللہ تعالیٰ پر یقینِ کامل اور استقامت کی یہی شان ہوتی ہے کہ مشکل ترین لمحات میں ظاہری اسباب و ذرائع کی ناسازگاری کے باوجود اللہ تعالیٰ کے خاص بندے نصرت و اعانتِ خداوندی سے ناامید اور مایوس نہیں ہوتے۔ حضرتِ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میرا رب میرے ساتھ ہے وہ ضرور میری رہنمائی فرمائے گا۔ معیتِ خداوندی کا یہ خاص مقام اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کو ماسوی اللہ سے بے نیاز کر دیتا ہے اور وہ مقامِ توحید کی عظمتوں پر فائز ہو کر صرف اُسی ذات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو وحدہٗ لاشریک، علیٰ کل شیئٍ قدیر اور سمیع و بصیر ہے۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے ☆ یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

علمائے محققین فرماتے ہیں کہ حضور خاتم النبیین تاجدارِ رسالت سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ توکل اور معیت واستقامت کا مقام معیت واستقامتِ موسوی سے نہایت بلند تھا کہ جب غارِ ثور میں کفار ومشرکین دہانے پر کھڑے تھے اوراُن کے پاؤں نظر آرہے تھے تو حضرتِ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صورتِ حال عرض کرنے پر حضور نے ارشاد فرمایا اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا بیشک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔تاجدارِ نبوت نے اسمِ ذات اللہ کا ذکر فرمایا جب کہ حضرتِ موسیٰ نے اسمِ صفت ''رب'' کا ذکر فرمایا آپ نے معیت کو اسمِ ذات سے مؤخر فرمایا جبکہ حضرتِ موسیٰ علیہ السلام نے معیت کو مقدم فرمایا، آپ نے مَعَنَا فرما کر اپنے ساتھی کو معیت کی خاص بشارت وانعام میں شریک فرمایا جبکہ حضرتِ موسیٰ علیہ السلام نے معیت کو اپنے ساتھ مخصوص کیا۔

اِن آیات میں جہاں فرعون اور اُنکے ساتھیوں کے خطرناک انجام کو بیان کیا گیا وہاں تمام ظالم حکمرانوں کیلئے نصیحت آمیز انداز میں تنبیہ پائی گئی کہ ظلم کے نتائج اقتدار سے محرومی، نعمتوں کے زوال اور اجتماعی ہلاکت کی صورت میں جلد یا بدیر ظاہر ہوتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کے دین کے علمبرداروں کے ساتھ ظلم وستم کرنے والے غضب خداوندی کا نشانہ بنتے ہیں اور اُنہیں صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جاتا ہے۔اہلِ حق وصداقت تعداد کی قلت کے باوجود فتح ونصرت سے ہمکنار ہوتے ہیں اور صبر واستقامت کی بدولت حقیقی فلاح وبہبود حاصل کر لیتے ہیں۔آزمائش کے کٹھن مراحل میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھنے والے ہمیشہ کامیاب ہوتے ہیں جبکہ ظاہری اسباب وذرائع پر یقین رکھنے والے باطل کے پرستار آخرکار ناکام ہوتے ہیں۔مقبولانِ خدا کے دامانِ کرم سے وابستہ ہونیوالے لوگ حوادثاتِ زمانہ سے محفوظ رہتے ہیں اور امن وسلامتی اور سکون واطمینان سے مالا مال ہوتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

تفسیر القرآن

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

کَذَّبَتْ عَادُ ۨ الْمُرْسَلِیْنَ. اِذْ قَالَ لَھُمْ اَخُوْھُمْ ھُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ. اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ. فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ. وَمَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ. اَتَبْنُوْنَ بِکُلِّ رِیْعٍ اٰیَۃً تَعْبَثُوْنَ. وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّکُمْ تَخْلُدُوْنَ. وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِیْنَ. فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ. وَاتَّقُوا الَّذِیْٓ اَمَدَّکُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ. اَمَدَّکُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِیْنَ. وَجَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ. اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ. قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَیْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَکُنْ مِّنَ الْوٰعِظِیْنَ. اِنْ ھٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِیْنَ. وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ. فَکَذَّبُوْہُ فَاَھْلَکْنٰھُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً وَّمَا کَانَ اَکْثَرُھُمْ مُّؤْمِنِیْنَ. وَاِنَّ رَبَّکَ لَھُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ. صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ. (سورۃ الشعرآء آیت ۱۲۳ تا ۱۴۰ پ ۱۹)

ترجمہ: قومِ عاد نے رسولوں کو جھٹلایا جب اُنہیں اُن کے بھائی ہود علیہ السلام نے فرمایا کیا تم نہیں ڈرتے بے شک میں تمہارے لئے رسولِ امین ہوں پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو اور میں تم سے اس کا کوئی اجر طلب نہیں کرتا میرا اجر تو اُس پر ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے کیا تم ہر اونچے مقام پر ایک بے فائدہ یادگار تعمیر کرتے ہو اور اِس اُمید پر کہ تم ہمیشہ رہو گے اپنی رہائش کیلئے مضبوط محلات بناتے ہو اور جب تم کسی پر گرفت کرتے ہو تو بڑے ظالم و جابر بن کر گرفت کرتے ہو پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو اور اُس ذات سے ڈرو جس نے تمہاری اُن چیزوں سے مدد کی ہے جن کو تم جانتے ہو۔ اُس نے مویشیوں، فرزندوں، باغوں اور چشموں سے تمہاری مدد فرمائی میں تمہارے بارے بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ اُنہوں نے کہا آپ نصیحت کریں یا نصیحت کرنے والوں میں سے نہ ہوں ہمارے لئے برابر ہے یہ پہلے لوگوں کا دستور ہے ہمیں عذاب نہیں دیا جائیگا پس اُنہوں نے آپ کو جھٹلایا اِس لئے ہم نے اُنہیں ہلاک کر دیا بے شک اس میں نشانی ہے اور اُن میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے اور بے شک آپ کا رب ہی غالب اور بہت

رحم فرمانے والا ہے۔

تلاوت کی ہوئی آیات میں قومِ عاد کی تکذیب کا ذکر کیا گیا ہے۔قرآن مجید میں کئی مقامات پر اِس قوم کا ذکر پایا جاتا ہے جس کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ نوح علیہ السلام کی قوم کے غرق ہونے کے بعد قومِ عاد کو زبردست عروج حاصل ہوا یہ لوگ جسمانی ساخت اور طاقت و توانائی میں بڑے مضبوط تھے اور فنِ تعمیر میں بڑی مہارت رکھتے تھے دوسری گستاخ اور نافرمان قوموں کی طرح انہوں نے بھی اپنے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام کو جھٹلایا تھا۔حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی صداقت اور حقانیت پر اپنی سیرت اور کردار کو دلیل کے طور پر پیش کیا کہ میں رسولِ امین ہوں تم خود میری اخلاقی برتری اور دیانت کو تسلیم کرتے ہو حسبِ سابق میں آج بھی تمہیں سچی بات کہتا ہوں اور تمہاری بھلائی میرے پیشِ نظر ہے۔ یہ وعظ و نصیحت میں کسی معاوضے کی خاطر نہیں کر رہا کیونکہ میں اپنا اجر و ثواب رب العٰلمین سے طلب کرتا ہوں۔قومِ عاد کا دستور تھا کہ جہاں کہیں کوئی اُونچا ٹیلہ نظر آیا وہاں بطورِ یادگار عمارت تعمیر کر دی تا کہ اُن کا نام زندہ رہے نیز وہ اپنی رہائش کے لئے بڑی بڑی کشادہ حویلیاں اور شاندار محلات تعمیر کرتے اور اُن کی مضبوطی اور زیب و زینت پر پانی کی طرح روپیہ بہاتے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے اِن دونوں باتوں پر اُنہیں تنبیہ فرمائی کہ ایسی یادگاریں بنانا اور اُن پر زرِ کثیر خرچ کرنا جن کا کوئی فائدہ نہ ہو قرینِ عقل و دانش نہیں ہے۔اِسی طرح ایک دوسرے سے بازی لے جانے کے شوق میں اونچے اونچے محل تعمیر کرنا اور اپنی برتری کی نمائش کیلئے اُن پر بے دریغ دولت خرچ کرنا غیر معقول حرکت ہے۔اگر تمہارے پاس دولت کی فراوانی ہے تو اُس سے اپنے نادار اور غریب پڑوسیوں اور ہم وطنوں کی خدمت کرو اُن کی آسائش کے سامان فراہم کرو۔ اِس میں تمہارے لئے فلاحِ دارین ہے تم اِن مکانوں میں ہمیشہ نہیں رہو گے بلکہ ایک نہ ایک دن تمہیں یہاں سے کوچ کرنا ہوگا۔ جب اچانک موت کا قاصد آ پہنچے گا تو اِن عمارتوں کو چھوڑتے ہوئے تمہیں بڑی تکلیف ہوگی۔ اِن شاندار فلک بوس محلات کو دیکھ کر تمہارے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائینگے۔

قومِ عاد کے لوگ ایک طرف تو بے فائدہ یادگاروں ،شاندار عمارتوں اور مضبوط محلات پر زرِ کثیر خرچ

کر کے دریا دلی کا مظاہرہ کرتے دوسری طرف اُن کی سنگدلی اور قساوتِ قلبی کا یہ عالم کہ اُن کی زد سے اپنے محفوظ تھے نہ بیگانے ۔ جو قابو میں آ گیا اُسی کا کام تمام کر دیا کسی سے اُن کے مزاج کے خلاف کوئی بات سرزد ہوگئی تو خونخوار بھیڑیئے کی طرح اُس پر ٹوٹ پڑتے ۔ طبیعت میں اِس قدر جوشِ انتقام تھا کہ عفوو درگزر کے نام سے واقف نہ تھے ۔ قرآنِ مجید نے اُن کے جو کوائف بیان کیئے اُن سے اُن کے معاشرے اور تمدن کے حالات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اپنی نمود و نمائش پر بے دریغ خرچ کرتے مگر کسی دردمند اور محتاج کے لئے اُن کے دل میں ہمدردی سراسر مفقود تھی یہ صرف اُن کی خصوصیت نہ تھی بلکہ جاہ پسند اور دنیا پرست قوموں میں یہی ایک چیز قدرِ مشترک ہے ۔ حضرت ہود علیہ السلام نے اُنہیں خدا کا خوف دلایا اپنی فرمانبرداری کی تاکید کی اللہ تعالیٰ کے انعامات سے آگاہ فرمایا اور اِس حقیقت سے خبردار کیا کہ ایسے منعم اور محسن پروردگار کی نافرمانی اور حکم عدولی کہیں تمہیں شدید عذاب میں مبتلا نہ کر دے ۔

قومِ عاد نے حضرت ہود علیہ السلام کے وعظ و نصیحت سے کوئی فائدہ نہ اُٹھایا بلکہ اُنہیں صاف صاف کہہ دیا کہ آپ ہمیں عذاب کی دھمکیاں نہ دیں اور ہمیں اس طریق کار سے نہ روکیں ہم جو کچھ کر رہے ہیں پہلے لوگوں کا یہی دستور تھا اور ہمیں عذاب سے کوئی خطرہ نہیں ۔ اِس طرح کی یادگاریں بنانا اور اِس قسم کی عمارات تعمیر کرنا ہمارے اسلاف کا طریقہ چلا آ رہا ہے ۔ قومِ عاد احقاف کے علاقہ میں آباد تھی اُن کا دارالحکومت حضرموت تھا یہ علاقہ اُس وقت بڑا سرسبز و شاداب تھا ۔ یہاں بڑے شہر آباد تھے پُر رونق بستیاں تھیں ، درختوں کے باغات تھے اور یہ لوگ بڑی عیش و نشاط کی زندگی گزار رہے تھے مگر جس وقت اُنہوں نے پیغمبر برحق کو جھٹلایا تو اُن کی تباہی کا وقت آ گیا ۔ افق پر ایک کالی گھٹا نمودار ہوئی اُسے دیکھ کر ان لوگوں کے دل باغ باغ ہو گئے اور یہ سمجھنے لگے کہ موسلا دھار بارش ہونیوالی ہے مگر وہ گھٹا قہرِ الٰہی اور غضبِ خداوندی کا نمونہ بن کر آئی تھی آٹھ دن اور سات راتیں زہریلی گرم ہوا کا طوفان جاری رہا جس نے اُن کی مضبوط عمارتوں کو بنیادوں سے اکھاڑ کر پھینک دیا اُن کے سرسبز کھیت جل کر راکھ ہو گئے ۔ قومِ عاد کو اپنی گستاخی اور تکذیب کی سزا ملی اور انہیں صفحہ ہستی سے نیست و نابود کر دیا گیا ۔

☆☆☆☆☆

تفسیر القرآن

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ.بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

کَذَّبَ اَصْحَابُ لْئَیْکَۃِ الْمُرْسَلِیْنَ.اِذْقَالَ لَھُمْ شُعَیْبٌ اَلاَ تَتَّقُوْنَ.اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ. فَاتَّقُوااللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ.وَ مَآاَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّاعَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ.اَوْفُواالْکَیْلَ وَلاَتَکُوْنُوْامِنَ الْمُخْسِرِیْنَ.وَزِنُوْابِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ . وَلاَ تَبْخَسُوْاالنَّاسَ اَشْیَاءَ ھُمْ وَلاَ تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ .وَاتَّقُواالَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالْجِبِلَّۃَ الْاَوَّلِیْنَ. صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ.

(سورۃ الشعرآء آیت ۱۷۶تا۱۸۴ پ ۱۹)

ترجمہ: ایکہ والوں نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا جب اُنہیں شعیب علیہ السلام نے فرمایا کیا تم نہیں ڈرتے بے شک میں تمہارے لئے رسولِ امین ہوں پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو اور میں اس پر تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا میرا اجر تو اُس کے ذمے ہے جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔ پوری طرح ناپ کیا کرو اور کم ناپنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ اور صحیح ترازو سے وزن کیا کرو اور لوگوں کو اُن کی چیزیں کم نہ دیا کرو اور زمین میں فساد برپا کرتے ہوئے نہ پھرا کرو اور اُس سے ڈرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلی مخلوق کو پیدا فرمایا۔

تلاوت کی ہوئی آیات میں حضرت شعیب علیہ السلام کی اُس پند و موعظت کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جو اُنہوں نے اپنی قوم کو فرمائی تھی۔ سورۃ اعراف اور سورۃ ہود میں بھی اِس قوم کے باطل عقائد اور اخلاقی خرابیوں کا ذکر کیا گیا اور اُنہیں حضرت شعیب علیہ السلام کے مواعظ حسنہ سے روگردانی پر جو عذاب ہوا اُس کا بھی تذکرہ کیا گیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام کو خطیب الانبیاء کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے آپ نے بڑے فصیح و بلیغ اور مدلل و معقول دلنشین انداز میں اپنی قوم کو تبلیغ فرمائی۔ اِن آیات میں بھی آپ کے مواعظ حسنہ کا بیان کیا جا رہا ہے۔

بعض مفسرین کے نزدیک اہلِ مدین اور اصحاب لَئیکۃ ایک ہی قوم کے دو نام ہیں مگر صحیح قول یہ ہے کہ یہ دونوں علیحدہ علیحدہ قومیں تھیں جو الگ الگ علاقوں میں آباد تھیں۔ چونکہ اِن کے علاقے بالکل قریب قریب

تھے اور دونوں قومیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھیں اس لئے اِن دونوں کی ہدایت اور رہنمائی کیلئے ایک ہی نبی حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ یہ دونوں قومیں دو بین الاقوامی تجارتی شاہراہوں کے قرب و جوار میں آباد تھیں اور تجارت پیشہ تھیں اُسوقت تاجروں میں جو اخلاقی خرابیاں عام طور پر پائی جاتی تھیں وہ اِن میں قدرِ مشترک تھیں ۔ یہ دونوں قومیں توحید کے عقیدے سے برگشتہ ہو چکی تھیں اور شرک کی لعنت میں گرفتار تھیں اِس لئے حضرت شعیب علیہ السلام کے مواعظ ایک ہی طرح کے تھے ۔ وہ جگہ جہاں گھنے اور گنجان درختوں کا ذخیرہ ہو اُسے عربی میں ایکہ کہا جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم جس علاقے میں آباد تھی وہاں درختوں کے گھنے اور گنجان جھنڈ پائے جاتے تھے اِس لئے اُنہیں اصحاب لایکہ کہا گیا یہ کسی خاص بستی کا نام نہ تھا۔ لیکن جن لوگوں نے اُسے لیکہ پڑھا ہے اُن کا خیال ہے کہ لَیکہ ایک بستی کا نام تھا اِمامِ لغت جوہری کی رائے یہ ہے کہ اَیکہ اور لَیکہ دونوں ایک ہی بستی کے نام تھے جس طرح مکہ اور بکہ ایک ہی شہر کے نام ہیں ۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اَیکہ والوں کو خوفِ خدا کا درس دیا اور فرمایا کہ میں رسول اَمین ہوں میں تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا بات صرف اتنی ہے کہ تم اپنے خالق و مالک سے ڈرو اور میری اطاعت کرو میرا اجر و ثواب تو اُس احکم الحاکمین کے ذمہ ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ ناپ تول میں کمی بیشی کا طریقہ جو تم اختیار کر چکے ہو تمہارے لئے باعثِ نقصان ہے۔ یہ تمہاری اخلاقی گراوٹ اور بے راہ روی کا آئینہ دار ہے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ تم لوگوں سے دھوکہ بازی کرتے ہو اور اُن کی سادگی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ناپ تول میں کمی کرتے ہو۔ جب اُن سے کوئی چیز تم وصول کرتے ہو تو پوری پوری لیتے ہو یا زائد حاصل کر لیتے ہو مگر جب اُنہیں کچھ دیتے ہو تو پورا دینے کی بجائے اُن کی حق تلفی کرتے ہو۔ ستم بالائے ستم یہ کہ تم متمول اور دولتمند ہو کر یہ طریقہ اختیار کئے ہو کوئی غریب اور نادار یہ گھٹیا حرکت کرتا تو شاید اِسقدر سنگین جرم نہ ہوتا۔ لیکن تمہارے لئے تو خاص طور پر اِس طرح کرنا سخت اخلاقی خرابی اور نا قابلِ عفو جرم ہے۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ چابکدستی سے ڈنڈی مارتے ہوئے سادہ لوح غریب لوگوں کو دھوکا دے کر تم امیر کبیر اور خزانوں کے مالک بن جاؤ گے اور پھر تم امن و سلامتی اور خوشحالی کے ساتھ عیش و عشرت کی زندگی بسر کرو گے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ناجائز معاشی استحصال کا نتیجہ ہمیشہ برا ہوتا ہے۔ آخر کار اِس فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھتی ہے وہ لوگ جو آج تمہیں کمزور اور بے زبان

نظر آرہے ہیں اور جن کے متعلق تمہارا خیال یہ ہے کہ اُن کے جسم سے جتنا خون بھی نکال لیا جائے یہ اف تک نہیں کرینگے اُن میں تو احتجاج کی سکت بھی نہیں ۔ لیکن جب ظلم وتشدد کی انتہاء ہو جائے گی تو ان کے ہاتھ سے صبر کا دامن چھوٹ جائیگا اور مُہرِ خاموشی ٹوٹ جائیگی اُن کی بے نور آنکھوں سے غیظ و غضب کے انگارے پھوٹیں گے اُن کی زبان شعلہ نوا بنے گی اور تمہارے عشرت کدوں کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیگی پھر تم اُنہیں باغی اور فتنہ پرداز کہو گے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اِس فتنہ وفساد کا باعث تم خود ہو۔ یہ ایندھن تم نے خود تیار کیا جسے اُنہوں نے آگ لگا دی اور یہ ہلاکت خیز مواد تم نے خود جمع کیا جسے اُنہوں نے جوشِ انتقام میں چنگاری کا نشانہ بنایا۔

معاشی میدان میں ناجائز وسائل سے نفع اندوزی کرنے والوں کو فساد برپا کرنے والا کہہ کر ایک تلخ لیکن ناقابلِ انکار حقیقت سے پردہ اٹھایا گیا۔ تاریخ عالم کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ایسے ناگفتہ بہ حالات کس قسم کے خونی انقلابوں کا پیش خیمہ بنے اور کتنی قوموں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کا باعث بنے ۔ اِس کے برعکس عدل و انصاف اور امانت و دیانت سے تجارت اور جائز نفع کا حصول نہ صرف دنیوی خوشحالی اور معاشی فلاح کا ذریعہ ہے بلکہ آخرت میں بھی حقیقی کامیابی حاصل کرنے کا باعث ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دیانتدار تاجر قیامت کے دن انبیائے کرام کے ساتھ ہوگا قرآنِ مجید میں کئی مقامات پر ایسے تاجروں کی تعریف کی گئی جو خوفِ خدا اور دیانتداری سے کاروباری معاملات چلاتے ہیں اور اُن کے مال میں غریب اور نادار لوگوں کا بھی حصہ ہوا کرتا ہے۔

چونکہ شعیب علیہ السلام کی قوم کے لوگ ناپ تول کی کمی کے شدید مہلک مرض میں مدتوں سے گرفتار تھے اِس لئے اُنہوں نے پند و موعظت قبول کرنے کی بجائے آپ کی تکذیب کی اور وہ جواب سنایا جو ہر دور میں دولت کے پجاری اور سرمایہ دارانہ نظام کے علمبردار دیا کرتے ہیں کہ ہم اپنے ہر قسم کے اموال کے مالک ہیں اور اُن میں خود مختار ہیں اور ہم اپنے معاشی نقطہء نظر میں کوئی پابندی برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ۔ ہم معاشی اور اقتصادی ترقی میں کسی کو رکاوٹ بننے کی اجازت نہیں دے سکتے اِس تکذیب کے نتیجے میں یہ قوم عذابِ الٰہی کا شکار ہوئی اور صفحہ ہستی سے اُس کا نام ونشان مٹا دیا گیا۔

☆☆☆☆☆

تفسیر القرآن

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِیْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیْنَ. لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ. فَیَاْتِیَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ. فَیَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ. اَفَبِعَذَابِنَا یَسْتَعْجِلُوْنَ. اَفَرَءَیْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِیْنَ. ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ. مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یُمَتَّعُوْنَ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِیْمُ.

(سورۃ الشعرآء آیت ۲۰۰ تا ۲۰۴ پ ۱۹)

ترجمہ: یوں ہی ہم نے اِسے مجرموں کے دل میں داخل کر دیا ہے جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں وہ اِس پر ایمان نہیں لائیں گے پس وہ اچانک اُن پر آئیگا اور اُنہیں احساس ہی نہ ہوگا تب وہ کہیں گے کیا ہمیں مزید مہلت دی جائیگی کیا اب وہ ہمارے عذاب کیلئے جلد بازی کر رہے ہیں کیا تم نے کچھ غور کیا اگر ہم اُنہیں چند سال لطف اندوز ہونے دیں پھر اُن پر وہ عذاب آئے جس سے اُنہیں ڈرایا جاتا تھا تو کیا اُنہیں وہ نفع دیگا جس سے وہ لطف اندوز ہوتے رہتے تھے۔

تلاوت کی ہوئی آیات میں کفار و مشرکین کے اِس طرزِ عمل کا ذکر کیا جارہا ہے جو اُنہوں نے قرآنِ مجید کے نزول کے بارے میں اختیار کیا ہوا تھا۔ اس قسم کے مضمون اور مفہوم کو قرآنِ مجید میں مختلف طریقوں سے بیان کیا گیا ہے اور کفار و مشرکین کی تکذیب اور انکار کا بہت سے مقامات پر تفصیلی تذکرہ کیا گیا ہے۔ جب رشد و ہدایت کا آفتاب روشن ہوا اور اُسکی نورانی شعاعوں نے کفر و شرک کے اندھیروں کو ختم کرنا شروع کیا تو کفار و مشرکین مختلف حیلے بہانے اور افسانے تراشنے لگے کبھی صاحبِ قرآن پر اعتراضات اور تنقید اور کبھی قرآنِ مجید پر۔ کوئی ایسا حربہ اور تدبیر یا مکر و فریب کا پلندہ پیش کرنے سے وہ باز نہ آئے جو اُن کے نقطہء نظر کو تقویت پہنچاتا ہو۔ اُن کی تمام تر جدوجہد، سازشوں اور کوششوں کے باوجود ہدایت کا نور تھا جو زیادہ پھیلتا جارہا تھا۔

کفار و مشرکین کے اعتراضات میں سے ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ پیغمبر اسلام چونکہ فصیح و بلیغ عربی زبان پر قادر ہیں اِس لئے اُن کیلئے عربی کلام بنانا کیا مشکل ہے اللہ تعالیٰ نے اُن کے زعمِ باطل کی تردید کرتے

ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر ہم کسی عجمی پر بھی یہ کتاب نازل کر دیتے تب بھی تم ماننے پر آمادہ نہ ہوتے اِسی مفہوم کو آگے بڑھاتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے اِسے مجرموں کے دل میں ڈال دیا ہے۔

حضرات مفسرینِ کرام نے اِس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اِس کا مطلب یہ ہے کہ قرآنِ مجید کی صداقت وحقانیت کو ہم نے مجرموں کے دل میں ڈال دیا ہے۔اُن کے دل مان چکے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے مگر تعصب اور تکذیب میں وہ اِس قدر آگے جا چکے تھے کہ اُن کے لئے زبان سے تسلیم واقرار مشکل ہے۔قرآنِ مجید کی بہت سی دوسری آیات سے بھی اِسی مضمون کی تائید ہوتی ہے کہ کفار ومشرکین قرآن اور صاحبِ قرآن کی صداقت کو دل سے مانتے تھے اور اُن کیلئے کوئی چارہ نہ تھا مگر زبان کی تکذیب اور انکار سے وہ گمراہی کے اندھیروں میں بھٹک رہے تھے۔

اِس آیت کا ایک دوسرا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ہم نے تکذیب اور انکار کو اُن کے دلوں میں داخل کر دیا ہے۔چونکہ اُنہوں نے ادراک اور بصیرت کی تمام صلاحیتوں کو ضائع کر دیا ہے اور باطل کی تاریکی اور ظلمت سے اپنے دلوں کو ظلمت کدہ بنا دیا ہے اِس لئے قلبی انکار اور تکذیب کی بیماری میں یہ لوگ مبتلا ہو چکے ہیں۔جب دل میں انکار اور تکذیب کا اندھیرا چھایا ہوا ہو تو پھر یہ کس طرح ایمان قبول کریں۔اب تو ان کے ایمان قبول کرنے کی یہی صورت ہے کہ یہ عذابِ الیم کو دیکھیں تو پھر مجبوراً ایمان لائینگے۔پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہر وباہر معجزات، عظیم الشان سیرت وکردار اور قرآنِ مجید کی تاثیر کے حیرت انگیز واقعات سے تو یہ لوگ متأثر نہ ہوئے البتہ عذابِ الیم کی گرفت انہیں اپنا نشانہ بنائے تو پھر مجبوراً یہ ایمان لانے پر آمادہ ہونگے۔پھر عذاب کا نازل کرنا ہمارے لئے کیا مشکل ہے اِن لوگوں سے پہلے جن قوموں نے انکار وتکذیب کا طریقہ اختیار کیا تھا وہ بھی اِسی روش پر قائم تھے پھر دنیا جانتی ہے کہ اُن کا کیا اَنجام ہوا۔اُن لوگوں میں سے بعض کو ہم نے دریا میں غرق کر دیا، بعض کو زمین میں دھنسا دیا، بعض کو طوفانِ بادوباراں سے نیست ونابود کر دیا اور بعض کو پتھروں کی بارش سے صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔

کفار ومشرکین پر بھی اِسی طرح عذاب آ سکتا ہے اور جب عذاب آ جائیگا تو اِس طرح اچانک آئے گا کہ اُنہیں شعور واحساس بھی نہ ہوگا۔پھر یہ لوگ بصد حسرت کہیں گے کہ ہمیں کچھ مزید مہلت مل جائے تا کہ ہم اپنی

اصلاح کرلیں اور راہِ راست پر آجائیں۔ اقوامِ عالم کا یہی حال تھا کہ اُنہوں نے بھی نزول عذاب کے وقت مہلت مانگی تھی مگر اُس وقت عذابِ الٰہی کے قیامت خیز طوفان، خس وخاشاک کی طرح اُنہیں بہا کر لے گئے اور دنیا میں صرف اُنکی ہلاکت و بربادی کے تذکرے باقی رہ گئے۔ وہ لوگ ظاہری قوت اور مضبوطی کے لحاظ سے بھی بہت سخت تھے اور عذابِ الٰہی سے بچاؤ کی تدبیروں میں بھی بڑے ہوشیار تھے مگر جب عذاب آیا تو اُنکی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوسکی۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اُنہیں عذاب کی بڑی جلدی ہے اور یہ عذاب کے مطالبہ پر تلے ہوئے ہیں اگر انہیں مزید مہلت مل بھی جائے اور دنیوی ناز ونعمت سے چند سال یہ فائدہ اُٹھا بھی لیں تب بھی نزولِ عذاب کے وقت اِن کی ساری عیش وعشرت اُنہیں فراموش ہوجائیگی اِن کی دولت وثروت، ساز وسامان اور حشمت وجاہ انہیں کچھ بھی فائدہ نہ پہنچا سکے گی۔ پہلی اُمتوں کے مکذبین اور منکرین جب عذابِ الٰہی کے نزول میں ذرا جلدی سے کام لیتے تو اُن کا کام تمام کردیا جاتا اور اُن میں بعض لوگوں نے اپنے نبیوں کی گستاخی اور دل آزاری کا سلسلہ شروع کیا تو اُن کے پیغمبروں نے بددعا کے ہاتھ اُٹھائے اور قادر ذوالجلال سے اُن کی ہلاکت اور بربادی کا مطالبہ کیا چنانچہ عذابِ الٰہی نے فوراً اُنہیں گرفت میں لیکر نیست ونابود کردیا۔

پیغمبرِ اسلام رحمۃ للعلمین شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ عفو وکرم کا کیا کہنا کہ تکذیب وانکار کرنے والوں کیلئے ہمیشہ دعائیں فرماتے رہے کہ الٰہ العلمین اِنہیں ہدایت عطا فرما یہ مجھے نہیں پہچانتے۔ اعلانِ نبوت کے بعد صبر آزما، کٹھن لمحات اور تلخ ترین شب وروز میں دشمنوں کی مسلسل ریشہ دوانیوں اور ناقابل برداشت ایذا رسانیوں سے کبھی دل برداشتہ نہ ہوئے بلکہ ہمیشہ رُشد وہدایت کی دعائیں فرماتے رہے۔ حضور رحمۃ للعلمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اِس شان عفو ودرگزر اور خُلقِ عظیم کی وجہ سے خالقِ کائنات نے ارشاد فرمایا اے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کفار ومشرکین عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں مگر آپ کے ہوتے ہوئے ہم اِنہیں کس طرح عذاب دیں۔ کروڑوں درود وسلام ہوں اُس نبی رحمت پر جس نے پوری کائنات کو اپنے لطف وکرم اور رحمت وشفقت سے مشرف فرمایا اور اپنے خالق ومالک سے رحمۃ للعلمین کا خطاب پایا۔

☆☆☆☆☆

تفسیر القرآن

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّ حِیْم.

وَلَقَدْ اٰتَیْنَادَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ عِلْمًا وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰی کَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِہِ الْمُؤْمِنِیْنَ.وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ یٰاَیُّھَاالنَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ وَاُ وْ تِیْنَا مِنْ کُلِّ شَیْئٍ اِنَّ ھٰذَا لَھُوَ الْفَضْلُ الْمُبِیْنُ. وَحُشِرَ لِسُلَیْمٰنَ جُنُوْدُہٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّیْرِ فَھُمْ یُوْزَعُوْنَ. حَتّٰی اِذَآاَ تَوْا عَلٰی وَادِالنَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَۃٌ یّٰاَیُّھَاالنَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسَاکِنَکُمْ لَایَحْطِمَنَّکُمْ سُلَیْمٰنُ وَجُنُوْدُہٗ وَھُمْ لَایَشْعُرُوْنَ فَتَبَسَّمَ ضَاحِکًامِّنْ قَوْلِھَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰہُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِکَ فِیْ عِبَادِکَ الصّٰلِحِیْنَ. صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ. (سورۃالنمل،آیت۱۵تا۱۹پ۱۹)

ترجمہ: اور یقیناً ہم نے حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کوعلم عطا فرمایا اور انہوں نے کہا سب تعریفیں اللہ تعالی کیلئے ہیں جس نے ہمیں اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت بخشی اور حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے جانشین بنے اور کہا اے لوگو ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے اور ہمیں ہر قسم کی چیزیں عطا کی گئی ہیں بیشک یہ نمایاں بزرگی ہے ۔اور حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے جنوں اور انسانوں اور پرندوں کے لشکر فراہم کیے گئے پس وہ نظم وضبط کے پابند ہیں یہاں تک کہ جب وہ چیونٹیوں کی وادی سے گزرے تو ایک چیونٹی کہنے لگی اے چیونٹیو اپنی بلوں میں گھس جاؤ کہیں حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کے لشکر تمہیں کچل کر نہ رکھ دیں اور انہیں معلوم ہی نہ ہو پس حضرت سلیمان علیہ السلام ہنستے ہوئے مسکرادیئے اس کی اس بات سے اور عرض کرنے لگے میرے مالک مجھے توفیق دے تاکہ میں تیرا شکرادا کروں تیری اس نعمت کا جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر فرمائی اور میں نیک کام کروں جسے تو پسند فرمائے اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل فرما۔

تلاوت کی ہوئی آیات سے پہلے فرعون کی بادشاہی کا ذکر کیا گیا تھا جس نے اقتدار کے نشے میں آکر خدائی دعویٰ کرڈالا تھا،عوام الناس پر ظلم وتشدد اور جبر واستبداد کی انتہا کردی تھی،شاہی خزانے کو ذاتی ملکیت سمجھ

بیٹھا اور کلیم ربانی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرتے ہوئے دریا میں غرق ہو کر کیفر کردار کو جا پہنچا تھا، اسکے مقابلہ میں ایک ایسی جلیل القدر شخصیت کا ذکر کیا جا رہا ہے جس نے سلطنت کی وسعت، دولت کی کثرت اور شاہانہ جاہ و جلال کے باوجود عدل و انصاف اور خدا ترسی کے اعلیٰ معیار پر قائم رہتے ہوئے پوری زندگی خالق و مالک کی حمد و ثنا اور شکر میں گزار دی۔ یہ عظیم الشان نبی برحق حضرت سلیمان علیہ السلام تھے جو اپنے والد گرامی نبی برحق حضرت داؤد علیہ السلام کے جانشین بنے۔

ان دونوں نفوس قدسیہ نے فضلِ خداوندی کا اعتراف کرتے ہوئے اعلان فرمایا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت عطا فرمائی، اللہ تعالیٰ نے نعمتِ علم سے انہیں مشرف فرمایا اور انہوں نے منعم حقیقی کا شکر ادا کیا۔ اس علم سے مراد ذات و صفات الٰہی کی معرفت، قیامت پر ایمانِ کامل، دنیا کی ناپائیداری پر یقین اور مبداؤ معاد کا علم ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو علم و حکمت اور نبوت کی وراثت کے ساتھ ساتھ پرندوں کی بولیوں سے واقفیت اور دنیاؤ آخرت میں کام آنیوالی تمام چیزیں عطا کی گئی تھیں۔ انہی نعمتوں پر انہوں نے شکر کرتے ہوئے اپنے پروردگار کی حمد و ثنا بیان کی اور انعامات الٰہی کو فضل مبین سے تعبیر فرمایا۔ گویا اس حقیقت کو نمایاں طور پر بیان کیا گیا کہ جہاں بھی فضلِ خداوندی سے اس قسم کا علم عطا کیا جاتا ہے وہاں غرور و تکبر، ظلم و ستم غفلت و بدمستی، ناشکری اور نافرمانی کا نام و نشان نہیں ہوتا بلکہ عجز و نیاز، یاد الٰہی، حمد و ثنا، شکر و فرمانبرداری کا نمونۂ کامل نظر آتا ہے۔ چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام ان تمام ظاہری اور باطنی نعمتوں کو فضل و احسانِ خداوندی سے تعبیر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی عبدیت اور بندگی کا برملا اعتراف کرتے ہیں۔

آپ کی ظاہری شان و شوکت اور سطوت و جلال کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوا کہ ان کے لشکر جنوں، انسانوں اور پرندوں پر مشتمل تھے افواج کی کثرت کے باوجود بدنظمی اور انتشار کا نام و نشان تک نہ تھا بلکہ تمام لشکر نظم و ضبط اور حسنِ تربیت کے شاہکار تھے اور یہ وہ خصوصیت تھی جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے دنیوی اقتدار اور شاہی تخت و تاج کے ساتھ ساتھ ان کی زبردست روحانی عظمت کی آئینہ دار تھی۔ آپ کے لشکر جرار کو دیکھ کر چیونٹیوں کی سردار نے انہیں بلوں میں گھس جانے کا حکم دیا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں جمع غیر ذوی العقول ہونے کے باوجود چیونٹیوں کے لئے مؤنث کی بجائے مذکر کے صیغے استعمال کئے گئے جس سے اشارہ ملتا ہے کہ ایک دوسرے کی بات سمجھنے کے لحاظ سے اور باہمی نسبت سے وہ ذوی العقول ہیں اور انہیں ایسی عقل دی گئی ہے جو

کلیات کاادراک کرسکتی ہیں۔صاحب تفسیر روح المعانی نے اسی مفہوم کو بیان کیا ہے۔

اس چیونٹی کی ہدایات کوحضرت سلیمان علیہ السلام کا سن لینااور اسکےقول پر تعجب کرتے ہوئے مناجات میں مشغول ہو جانا آپ کے کمالِ علم وادراک اور جلالت شان پر شاہد ہے اور اس حقیقت کو نمایاں کرتا ہے کہ اللہ تعالی کے خاص بندوں کےعلوم ومعارف اور قوت ادراک عام انسان سے کہیں بلند و بالا ہوتے ہیں۔حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں

نطق آب ونطقِ باد ونطقِ گل ÷ ہست محسوسِ حواسِ اہل دل

فلسفی کو منکر حنّا نہ شد ÷ از حواس انبیاء بیگانہ شد

☆☆☆☆☆

تفسیر القرآن

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّ حِیْم.

وَتَفَقَّدَ الطَّیْرَ فَقَالَ مَالِیَ لَآاَرَی الْھُدْھُدَ اَمْ کَانَ مِنَ الْغَآئِبِیْنَ. لَاُعَذِّبَنَّہٗ عَذَابًا شَدِیْدًااَوْلَاَذْبَحَنَّہٗ اَوْلَیَاْتِیَنِّیْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ.فَمَکَثَ غَیْرَ بَعِیْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَالَمْ تُحِطْ بِہٖ وَجِئْتُکَ مِنْ سَبَاٍ بِنَبَاٍ یَّقِیْنٍ.اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَۃً تَمْلِکُھُمْ وَاُوْتِیَتْ مِنْ کُلِّ شَیْئٍ وَّ لَھَاعَرْشٌ عَظِیْمٌ. وَجَدْتُّھَا وَقَوْمَھَا یَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَزَیَّنَ لَھُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَھُمْ فَصَدَّھُمْ عَنِ السَّبِیْلِ فَھُمْ لَایَھْتَدُوْنَ . اَلَّایَسْجُدُوْا لِلّٰہِ الَّذِیْ یُخْرِجُ الْخَبْءَ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَیَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ.اَللّٰہُ لَآاِلٰہَ اِلَّاھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ.صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ.

(سورۃ النمل، آیت ۲۰ تا ۲۶ پ ۱۹)

ترجمہ :اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کا جائزہ لیا تو فرمانے لگے کیا وجہ ہے مجھے ہُد ہُد نظر نہیں آرہایاوہ ہے ہی غیر حاضر اگر وہ غیر حاضر ہے تو میں ضرور اسے سخت سزا دونگا یا اُسے ذبح کرڈالوں گا یا اُسے میرے پاس کوئی روشن سند لانا پڑیگی۔پس کچھ زیادہ دیر نہ گزری کہ وہ آگیا اور کہنے لگا میں ایک ایسی اطلاع لے

کرآیا ہوں جس کی آپ کو خبر نہ تھی اور ملک سبا سے آپ کے پاس ایک یقینی خبر لے کر آیا ہوں میں نے ایک عورت کو پایا جوان پر حاکم ہے اور اسے ہر قسم کی چیز سے دیا گیا ہے اور اس کا ایک عظیم الشان تخت ہے میں نے اسے اور اس کی قوم کو اس حال میں پایا ہے کہ وہ اللہ تعالی کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے ان کے لئے برے اعمال آراستہ کردیئے ہیں پس اس نے انہیں سیدھے راستے سے روک دیا ہے پس وہ ہدایت قبول نہیں کرتے وہ اللہ تعالی کو سجدہ کیوں نہ کریں جو آسمانوں اور زمینوں سے پوشیدہ چیزوں کو نکالتا ہے اور وہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو اللہ تعالی کی شان یہ ہے کہ اسکے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر جرار میں پرندوں کا ایک دستہ بھی ہوا کرتا تھا ایک بیدار مغز اور مدبر فرمانروا ہونیکی وجہ سے آپ اپنے لشکر کی کڑی نگرانی کیا کرتے تھے تا کہ کوئی اپنی ڈیوٹی سے غیر حاضر نہ ہو، اپنے فرضِ منصبی میں کوتاہی کا مرتکب نہ ہونے پائے اور نظم وضبط میں کسی قسم کی کوئی گڑبڑ پیدا نہ ہو۔ جب آپ نے پرندوں کا جائزہ لیا تو ھد ھد کو غیر حاضر پایا آپ جیسا منتظم اور مدبر یہ کب گوارا کرسکتا تھا کہ آپکی اجازت کے بغیر کوئی لشکری جدھر چاہے چلا جائے چنانچہ آپ نے ازراہِ حیرت فرمایا آج ہُد ہُد دکھائی نہیں دے رہا اگر اس نے اپنی غیر حاضری کی کوئی معقول وجہ پیش نہ کی تو فوجی ڈسپلن کی خلاف ورزی پر اسے عبرتناک سزا دی جائیگی۔

علامہ قرطبی تفسیر احکام القرآن میں اس آیت کے ماتحت لکھتے ہیں کہ حکمران کا فرض ہے کہ وہ اپنی رعایا کے حالات کا جائزہ لیتا رہے ایسا نہ ہو کہ اس کی غفلت سے طاقتور لوگ کمزوروں پر مشقِ ستم کرتے رہیں، ان کے حقوق پامال ہوتے رہیں اور وہ ظلم کی چکی میں پستے رہیں۔ حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر اللہ تعالی رحم فرمائے وہ ہمیشہ رعایا کے حالات سے باخبر رہا کرتے تھے چنانچہ انکا فرمان ہے کہ اگر دریائے فرات کے کنارے دور دراز علاقے میں کسی بھیڑ کے بچے کو کوئی بھیڑیا پکڑ لے تو قیامت کے دن اس کے لیے بھی عمر بن خطاب کو جواب دینا پڑیگا۔ اسکے بعد علامہ قرطبی حکمرانوں کی رعایا سے بے خبری اور فرض ناشناسی پر گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہیں۔

پھر ارشاد ہوا تھوڑی دیر گزرنے کے بعد ھُد ھُد حاضر خدمت ہو گیا اور کہنے لگا میں نے ملک سبا کے

حالات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے وہاں کے لوگ ایک عورت کے ماتحت ہیں اور سب کے سب شرک میں مبتلا ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت سے محروم ہیں۔ اسکا ایک بہت بڑا تخت ہے اور اسے ہر قسم کی چیزوں سے دیا گیا ہے شیطان نے انہیں راہِ راست سے روک رکھا ہے اور ان کے لئے بُرے اعمال کو آراستہ کر دیا ہے اب وہ ہدایت قبول نہیں کر سکتے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اسکے تخت کی لمبائی اسّی ہاتھ، چوڑائی چالیس ہاتھ اور اونچائی تیس ہاتھ تھی۔

امام قرطبی احکام القرآن میں اور یاقوت حموی معجم البلدان میں لکھتے ہیں کہ سبا یمن کے ایک علاقے کا نام ہے جس کا مرکزی شہر قارب تھا جو یمن کے دارالحکومت صنعا سے تین دن کے فاصلے پر تھا۔ علامہ قزوینی نے آثار البلاد میں لکھا ہے کہ یہ شہر دفاعی لحاظ سے بڑا مستحکم تھا اور اس کی آب و ہوا بڑی خوشگوار تھی اس کے اردگرد پہاڑوں کا سلسلہ تھا اور یہ بڑا صاف ستھرا علاقہ تھا جہاں باغات کی کثرت تھی، یہاں دو پہاڑوں کے درمیان ایک بڑا مضبوط بند تھا جس میں بارش کا پانی جمع ہو جاتا تھا اور بوقت ضرورت وہ پانی بند کے سوراخوں سے کھول دیا جاتا تھا جو مختلف ندی نالوں کے ذریعے علاقے کو سیراب کر دیتا یہاں کے لوگ بڑے خوشحال تھے مگر ان کی عیش و عشرت فسق و فجور کا پیش خیمہ بنی اور یہ لوگ نافرمانیوں میں حد سے تجاوز کر گئے۔ ان کا یہی بند، اُن کے لئے قہرِ الٰہی بن گیا، اچانک بند ٹوٹ گیا اور سیلاب کی کثرت سے سارا علاقہ برباد ہو گیا۔ ہُد ہُد نے اس علاقے کے تفصیلی حالات سے حضرت سلیمان علیہ السلام کو آگاہ کیا کہ وہاں کے ارباب اقتدار اور عوام الناس کفر و شرک کے اندھیروں میں مبتلا ہیں، دنیوی ناز و نعمت کی کثرت نے انہیں نافرمان بنا دیا ہے اور وہ ہدایت کے راستے سے بھٹک کر شیطان کا آلۂ کار بنے ہوئے ہیں۔

پھر ارشاد خداوندی ہوتا ہے کہ سجدہ کے لائق تو صرف وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ ہے جو آسمانوں اور زمینوں کی پوشیدہ چیزوں کو نکالتا ہے اسکے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے جسکی وسعتیں زمینوں اور آسمانوں پر محیط ہیں اس کے مقابلے میں ایک محدود، مصنوعی اور فانی تخت کیا حیثیت رکھتا ہے۔

☆☆☆☆☆

تفسیر القرآن

اَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی آللّٰهُ خَیْرٌ اَمَّا یُشْرِکُوْنَ، اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَّا کَانَ لَکُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ یَّعْدِلُوْنَ. اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِیَ وَجَعَلَ بَیْنَ الْبَحْرَیْنِ حَاجِزًا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللهِ بَلْ اَکْثَرُهُمْ لَایَعْلَمُوْنَ. صَدَقَ اللهُ الْعَظِیْمُ.

(سورۃالنمل آیت ۵۹تا۶۱پ۱۹/۲۰)

ترجمہ: اے حبیب پاک ﷺ فرمادیجئے سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اوراس کے ان بندوں پرسلام ہوجنہیں اس نے چن لیا، کیا اللہ تعالیٰ بہتر ہے یا جنہیں وہ شریک ٹھہراتے ہیں بھلا وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو بنایا اور جس نے تمہارے لئے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اس پانی سے خوشنما باغات اُگائے تمہاری طاقت نہ تھی کہ تم ان کے درخت اُگا سکتے کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود ہے بلکہ وہ ایسے لوگ ہیں جوراہِ راست سے دور ہٹ رہے ہیں بھلا کس نے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ بنایا اوراس کے درمیان نہریں جاری کردیں اورزمین کے لئے پہاڑوں کے لنگر بنادیئے اورسمندروں کے درمیان آڑ بنادی کیا اللہ تعالیٰ کیساتھ کوئی دوسرا معبود ہے بلکہ ان میں سے اکثر لوگ بےعلم ہیں۔

حضرات انبیاء کرام علیھم السلام اوران کی قوموں کے حالات بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک ﷺ سے ارشادفرمایا کہ آپ اپنی مبارک زبان سے اپنے خالق ومالک کی حمدوثنابیان کریں جس نے ہمیشہ حق کا بول بالا کیا اوراہل حق کواپنی تائیدونصرت سے سرفرازفرمایااورجسکی یہ شان ہووہی اس قابل ہے کہ انسان ہمیشہ اس کی حمدوثناکے ترانے گاتارہےاوراس کی عظمت وکبریائی کااعتراف کرتارہے۔اس حمدوثناکے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ان نفوسِ قدسیہ کوفراموش نہ کیا جائے جواپنے خالق ومالک کانام بلندکرنے کیلئے مصائب وآلام کے ہرپہاڑ سے ٹکراگئے، دنیابھرکی مخالفت کے باوجودان کے عزم واستقلال میں کبھی لچک پیدانہ ہوئی اوروہ ہمیشہ صراط مستقیم پرقائم رہے۔اللہ تعالیٰ کی رحمت بیکراں کاتقاضاہے کہ جب اس کی حمد کی جائے توان

پاک ہستیوں پر بھی ہدیہ سلام کے پھول برسائے جائیں۔ چونکہ اس آیت کے بعد توحید کا بیان شروع ہونے والا ہے اس لیئے اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد اور اسکے پاک بندوں پر ہدیہ سلام سے ہو رہا ہے یہی وجہ ہے کہ اہل علم و عرفان جب بھی تقریر و خطاب کے لئے کھڑے ہوتے ہیں یا کسی تصنیف و تالیف کا آغاز کرتے ہیں تو اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد اور اسکے نبی معظم پر درود و سلام سے افتتاح کرتے ہیں۔

پھر بت پرستوں اور مشرکوں سے سوال کیا جاتا ہے کہ تم ہی بتاؤ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا، آسمانوں سے پانی کس نے اتارا، یہ خوشنما باغات کس نے پیدا کئے۔ کیا تمہاری طاقت ہے کہ اس قسم کا کوئی درخت تم اُگا سکو؟ یقیناً اس کا ایک ہی جواب ہے کہ ان سب چیزوں کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے اور ان کے بنانے میں اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں، تم ذرا غور کرکے کارخانہ قدرت پر نگاہ ڈالو اور پھر جواب دو کہ ان مظاہر قدرت میں کون جلوہ گر ہے کس کی صنعت و حکمت اور تدبیر و تخلیق یہاں کارفرما ہے کیا ایسے واضح دلائلِ قدرت و حکمت کے باوجود تم شرک کا ارتکاب کرتے ہو اور خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبدیت سے محرومی کا طوق اپنے گلے میں ڈالتے ہو، ذرا اس زمین کو دیکھو جہاں تم سکون واطمینان سے زندگی بسر کر رہے ہو انسانی زندگی کی نشو و نما اور بقا کیلئے زمین میں جن خصوصیات کا پایا جانا ضروری ہے ان میں غور و فکر کرو کہ اگر وہ صلاحیت و استعداد جس سے انسان فائدہ حاصل کرتا ہے زمین کو عطا نہ کیجاتی تو انسانی زندگی کی بے پناہ مسرتیں اور ضروریات اسطرح پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکتیں، سائنسی تحقیق سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ زمین اپنے محور کے گرد ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چکر کاٹ رہی ہے اگر اس کی بجائے اس کی رفتار ایک سو میل ہوتی تو دن اتنے لمبے ہوتے کہ سورج کی تپش سے تمام کھیت جل کر راکھ ہو جاتے، سورج کے درجہ حرارت سے زمین کو ایک مناسب دوری پر رکھا گیا ہے اگر یہ فاصلہ اس سے کم ہوتا تو کرّۂ زمین برف کے نیچے دب جاتا۔ اسی طرح زمین سے چاند کی دوری اگر اس انداز سے نہ ہوتی تو سمندروں میں مدوجزر اس شدت سے آتا کہ پہاڑوں کو بہا کر لے جاتا، اگر زمین کی سطح موجودہ سطح سے دس بارہ فٹ زیادہ ہوتی تو یہاں آکسیجن ناپید ہوتی اور کوئی جاندار زندہ نہ رہتا، اس حکیمانہ نظام پر غور کرنے سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ کارخانہ ہستی اتفاقاً معرضِ وجود میں نہیں آ گیا بلکہ ایک حکیم و مدبر نے اس کی تخلیق فرمائی۔

زمین کو انسان کی قرارگاہ بنانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہر طرف سے پانی کی بہم رسانی کا انتظام فرمایا ظاہری سطح زمین پر دریاؤں اور چشموں کے علاوہ زیر زمین پانی کا ایک وسیع و عریض ذخیرہ پیدا فرمایا، جسے انسان

مختلف طریقوں سے اپنے مقصد کے لئے استعمال کرسکتا ہے، کرّہ زمین کو پہاڑوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے قرار بخشا اگر یہ سلسلہ نہ ہوتا تو زمین ہر وقت خوفناک جھٹکوں کا شکار رہتی جس طرح کہ بعض اوقات زلزلے کی صورت میں مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت وحکمت سے زمین میں پہاڑوں کے لنگر ڈال کر اسکے توازن کو اسطرح برقرار رکھا ہے کہ وہ اپنی طبعی حرکت سے متحرک ہونے کے باوجود کسی اضطراب کا باعث نہیں بنتی۔

خالق و مالک کی وحدانیت اور قدرت وحکمت کا ایک کرشمہ یہ بھی ہے کہ اس نے میٹھے اور کھاری پانی کو باہم ملنے سے روکا ہوا ہے اور ان کے درمیان کی رکاوٹ اس لطیف انداز پر مبنی ہے کہ تم اسکا احساس وانکشاف نہیں کرسکتے۔ اب اے مشرکین تم بتاؤ کہ یہ سب کچھ کس کی قدرت وحکمت کی جلوہ نمائی ہے کیا اب بھی تم شرک و بت پرستی سے باز نہیں آتے۔

☆☆☆☆☆

تفسیر القرآن

اَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْكُرُوْنَ. وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ. قُلْ عَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِیْ تَسْتَعْجِلُوْنَ. وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَشْكُرُوْنَ. وَاِنَّ رَبَّكَ لَیَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا یُعْلِنُوْنَ. وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ. صَدَقَ اللهُ الْعَظِیْمُ.

(سورۃ النمل، آیت ۷۰ تا ۷۵، پ ۲۰)

ترجمہ: اے حبیب پاک ﷺ آپ ان پر غمزدہ نہ ہوں اور ان کے مکر و فریب سے تنگ دل نہ ہوا کریں اور وہ کہتے ہیں یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو آپ فرما دیجئے قریب ہے کہ تمہارے پیچھے آلگا ہو اس عذاب کا کچھ حصہ جس کے لئے تم جلدی کر رہے ہو اور بیشک آپ کا رب لوگوں پر بہت فضل فرمانے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے اور یقیناً آپ کا رب خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے سینوں نے چھپا رکھا ہے اور وہ جو ظاہر کرتے ہیں اور آسمان اور زمین میں کوئی پوشیدہ چیز نہیں مگر اسکا بیان کتاب مبین میں موجود ہے۔

تلاوت کی ہوئی آیات سے پہلے یہ بیان کیا گیا تھا کہ کفار ومشرکین بعث ونشر کا انکار کرتے ہوئے ہمیشہ یہ کہا کرتے تھے کہ مرنے کے بعد مٹی ہوکر پھر ہم کس طرح زندہ کئے جائینگے اور سوال وجواب کے لئے میدانِ محشر میں لائے جائیں گے ان کے اس قسم کے خیالات سے پیغمبر اسلام ﷺ کو بڑی کوفت ہوتی تھی چونکہ آپ رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ تھے اس لئے بتقاضائے عفو وکرم ایسی باتیں سن کر آپکی طبیعت مبارکہ غمگین ہوتی اور کفار و مشرکین کے انکار وتکذیب پر آپ تنگ دل ہوتے ۔ جب اس قسم کے حالات شدت اختیار کرجاتے اور کفار و مشرکین کی ایذا رسانی حد سے تجاوز کرجاتی آپ کے مزاج اقدس پر گہرا اثر ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ پاک ﷺ سے ارشاد فرمایا آپ تو بطریق احسن اپنی ذمہ داری سنبھالے ہوئے ہیں اور تبلیغ وارشاد کے منصب پر فائز ہوکر بھلائی اور خیر خواہی کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں آپکو غمزدہ ہونے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی ان کے مکرو فریب سے آپ دل تنگ ہوا کریں۔ رشد وہدایت کا آفتاب روشن ہے اور اس کی شعاعیں دن بدن کائنات کے گوشے گوشے میں پہنچتی جارہی ہیں اگر کفار ومشرکین آنکھیں بند کرکے اسکے انوار وتجلیات سے روگردانی کررہے ہیں تو ان کی اپنی بدقسمتی آپ ان کی اس حالت پر نہ تو غمزدہ ہوں اور نہ ہی تنگ دل ہوں بلکہ پوری دلجمعی سے اپنے فرضِ منصبی کی تبلیغ واشاعت میں سرگرم عمل رہیں۔

کفار ومشرکین کی یہ پرانی عادت ہے آپ انبیائے سابقین کے حالات پر نظر ڈالیں ان کی قوموں کے لوگ بھی یہی اعتراض اٹھایا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ جس عذاب کا وعدہ ہم سے کیا گیا ہے وہ کب آئیگا پھر دنیا نے دیکھا کہ وہ غفلت وبدمستی کے خواب میں سرشار تھے کہ عذابِ الٰہی کی گرفت نے انکا نام ونشان مٹادیا۔ جس طرح کفار ومشرکین آپ سے عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں ان سے پہلی قوموں نے بھی انکار وتکذیب کا یہی طریقہ اختیار کیا تھا پھر ان کے حالات آپکے سامنے ہیں تاریخ عالم شاہد ہے کہ انبیائے کرام علیھم السلام کو جھٹلانے والے لوگوں کا کیا حشر ہوا۔ آپ ان سے فرما دیجئے جس عذاب کی تمہیں جلدی ہے وہ تمہارے پیچھے لگا ہوا ہے، اس دنیا میں جب میدانِ کارزار میں تم اہل ایمان کے مقابلہ میں آؤ گے تمہیں کچھ اندازہ ضرور ہوجائیگا کہ اس عذاب موعود کا کچھ حصہ تمہیں پہنچ رہا ہے اور باقی بھی پہنچ کر رہیگا۔ عقلِ سلیم اور تدبر کا طریقہ تو یہ تھا کہ اقوام عالم کے حالات سے یہ لوگ عبرت حاصل کرتے اور اپنے آپکو عذابِ الٰہی کی گرفت سے بچانے کی کوشش کرتے

مگر اسکے برعکس یہ اگر کچھ سوچتے ہیں تو صرف یہی کہ عذاب کس طرح آئیگا۔ آیت میں لفظِ عسیٰ کے متعلق علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ عسیٰ اور اس قسم کے دوسرے الفاظ یعنی لَعَلَّ اور سَوْفَ وغیرہ جب کلام الٰہی میں وعدو وعید کے ساتھ آتے ہیں تو ان سے جزم ویقین مراد ہوتا ہے۔ نیز اس آیت میں ''یَکُون ''اور''رَدِفَ'' دونوں فعلوں کا فاعل بعض ہے تنازع فعلین کی وجہ سے ایک کا فاعل اسم ظاہر ہوگا اور دوسرے کا اسم ضمیر جسکا مرجع وہ اسمِ ظاہر ہوگا۔

پھر ارشاد فرمایا کہ کفار ومشرکین کے عذاب کے مطالبے پر ان کی فوری گرفت کوئی مشکل بات نہیں اصل وجہ یہ ہے کہ آپکا پروردگار بہت فضل وکرم فرمانے والا ہے منکرین اور مکذبین کو مہلت دے دیتا ہے کہ کسی طرح وہ اپنے لائحہ عمل پر نظر ثانی کریں اور عذاب سے بچنے کی کوئی تدبیر ان سے ظاہر ہو ورنہ جسطرح ان کا طریق کار ہے اور جس طرز عمل کو یہ اپنائے ہوئے ہیں حالات کا تقاضا یہی تھا کہ انہیں فوری طور پر عذاب کی گرفت میں لیا جاتا۔ یہ لوگ ناشکری کا ارتکاب کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم اور عفو ودرگزر سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ کفار ومشرکین کی سب کارگردگی اللہ تعالیٰ کے پیشِ نظر ہے بلکہ وہ ان کے سینوں اور دلوں کی پوشیدہ باتوں کو بخوبی جانتا ہے۔ آسمان وزمین کی کوئی پوشیدہ چیز اس سے مخفی نہیں وہ ان کے اعمال وافعال اور نیتوں اور ارادوں سے واقف ہے۔

امام فخر الدین رازی اس آیت کے ماتحت لکھتے ہیں ''مَامِنْ شَيْءٍ شَدِيْدُ الْغَيْبُوْبَةِ وَالْخِفَاءِ اِلَّا اَثْبَتَـهُ اللّٰهُ فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ'' ہر پوشیدہ ترین چیز کو اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں ثابت کردیا ہے، علامہ شہاب الدین الوسی بغدادی نے تفسیر روح المعانی میں کتاب مبین سے مراد لوح محفوظ لیا ہے اور وہ لکھتے ہیں کہ ارباب کشف وشہود نے اس قرآنی آیت سے بہت سے اسرار ورموز کا استخراج کیا ہے۔

ان آیات میں پیغمبر اسلام ﷺ کے اعزاز واکرام کا خاص خیال رکھا گیا اور آپکو تسلی دی گئی کہ کفار ومشرکین کی ریشہ دوانیاں آپ کے مؤقف پر استقامت کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتیں۔ یہ لوگ اپنے کیفر کردار کو پہنچنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی سازشوں سے بخوبی واقف ہے آپ پورے اطمینان اور دلجمعی سے اپنی جدوجہد کو جاری رکھیں اور اپنے خالق ومالک پر بھروسہ کریں۔

☆☆☆☆☆

تفسیر القرآن

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم.

فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ یَّبْطِشَ بِالَّذِیْ ھُوَعَدُوٌّلَّھُمَاقَالَ یٰمُوْسٰی اَتُرِیْدُاَنْ تَقْتُلَنِیْ کَمَاقَتَلْتَ نَفْسًا بِالْاَمْسِ اِنْ تُرِیْدُ اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَ جَبَّارًا فِی الْاَرْضِ وَ مَاتُرِیْدُ اَنْ تَکُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِیْنَ. وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَی الْمَدِیْنَۃِ یَسْعٰی قَالَ یٰمُوْسٰی اِنَّ الْمَلَاَ یَاْتَمِرُوْنَ بِکَ لِیَقْتُلُوْکَ فَاخْرُجْ اِنِّیْ لَکَ مِنَ النّٰصِحِیْنَ. فَخَرَجَ مِنْھَاخَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ. صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ. (سورۃالقصص آیت۱۹تا۲۱پ۲۰)

ترجمہ :پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ اس شخص پر جھپٹ پڑیں جوان دونوں کا دشمن تھاوہ کہنے لگا اے موسیٰ کیا آپ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں جس طرح آپ نے کل ایک شخص کوقتل کیا تھا آپ تو ملک میں صرف ایک بڑا جابر بننا چاہتے ہیں اور آپ اصلاح کرنے والوں میں نہیں ہونا چاہتے ۔اور ایک آدمی شہر کے آخری گوشے سے دوڑتا ہوا آیااس نے بتایا اے موسیٰ بیشک سردار لوگ سازش کررہے ہیں آپ کے بارے میں تاکہ آپ کوقتل کرڈالیں پس آپ یہاں سے نکل جائیں بیشک میں آپکا خیر خواہ ہوں ۔پس آپ وہاں سے ڈرتے ہوئے انتظار کرتے ہوئے نکل پڑے۔آپ نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا اے میرے پروردگار مجھے ظالموں کی قوم سے بچالے۔

تلاوت کی ہوئی آیات سے پہلے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا جارہا تھااوران آیات میں بھی اسی واقعہ کا بیان جاری ہے،قرآنِ مجید میں متعدد مقامات پرحضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرعون کے ساتھ مقابلہ اورمحاذ آرائی کاتفصیلی بیان کیا گیا حضرات مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ انبیائے کرام علیھم السلام کے قصص و حکایات میں سب سے زیادہ طویل بیان حضرت موسیٰ علیہ السلام سے متعلق ہے ۔بنی اسرائیل کی تاریخ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وقت کے ظالم وجابراورسرکش ،متکبرحکمران فرعون کے ساتھ جس انداز سے مقابلہ کیااورکلمۂ حق سناکراس کی مصنوعی خدائی کوچیلنج کیابلاشبہ وہ آپکاطرّہ ٔامتیاز تھا۔

فرعون کے ساتھ تاریخی مقابلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جہاں دشمنوں کے مصائب وآلام برداشت کرنا پڑے وہاں اپنی قوم کی عجلت، عاقبت نااندیشی اور بے راہروی سے آپ سخت تنگ دل ہوئے ایسے ناسازگار حالات میں طویل محاذ آرائی اور جبر وخوف کی انتہائی شدید کیفیت آپ کے لئے پریشانی کا باعث تھی مگر آپ نے ہمیشہ اپنے خالق ومالک پر یقینِ کامل رکھا اور عزم واستقامت کی راہ پر قائم رہے۔ بنی اسرائیل کے ساتھ آئے دن قومِ فرعون نئے انداز سے برسرپیکار رہتی چنانچہ بعض مواقع ایسے بھی آجاتے کہ مظلوم کی فریاد وپکار پر دادرسی کرتے ہوئے آپ ظالموں سے الجھ کر اپنے لئے مزید خطرہ مول لیتے۔

ایسے ہی ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے قرآن مجید نے ارشاد فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مظلوم کی امداد کرتے ہوئے قومِ فرعون کے ایک آدمی کو گھونسا مار دیا۔ اسی مظلوم نے پھر دوسرے دن فریاد کی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے ڈانٹ پلادی کیا میں روزانہ تیری لڑائی اور جھگڑے میں شریک ہوتا رہوں۔ اتنا کہنے کے بعد پھر آپکو خیال آیا بہرحال یہ شخص مظلوم تو ہے پس اس کی امداد کرنا چاہیئے آپ اس خیال سے آگے بڑھے تو اس مظلوم نے سمجھا شاید مجھے زدوکوب کرنے کے لئے آگے بڑھ رہے ہیں۔ چنانچہ وہ کہنے لگا کیا آپ مجھے بھی اُسی طرح قتل کرنا چاہتے ہیں جس طرح کل ایک شخص کو آپ نے قتل کردیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ملک میں جابر بننا چاہتے ہیں اور آپ کو لوگوں کی اصلاحِ احوال سے کوئی دلچسپی نہیں یہ اس مظلوم کا جواب تھا جس کی آپ نے حمایت کی تھی کہ اس نے فتنہ وفساد کا طوفان کھڑا کردیا۔

کل کا واقعہ جو بالکل اتفاقی تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصد وارادہ کا اُس میں کوئی دخل نہ تھا اس شخص کے بیان سے باقاعدہ منصوبہ بندی قرار دیا گیا فرعون کے پیروکار قبطیوں نے شور وغوغا مچادیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جان بوجھ کر فتنہ وفساد کی آگ بھڑکا کر حالات کو خراب کرنا چاہتے ہیں اور فرعون کی حکومت کو غیر مستحکم کرنے کی سازش کر رہے ہیں فرعون کے وزراء اور اعیان مملکت نے اپنی نااہلی اور خامیوں پر پردہ ڈالنے کی خاطر ملکی عدمِ استحکام اور تشویشناک حالات کی ذمہ داری حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ڈال دی اور بڑے شدومد سے اس بات کا چرچا کیا کہ حالات کی خرابی کے ذمہ دار صرف اور صرف موسیٰ علیہ السلام ہیں، اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر کلیم ربانی حضرت موسیٰ علیہ السلام تو ظلم کی چکی میں پسنے والے بنی اسرائیل کو نجات دلانے کے لئے

میدان میں نکلے تھے اور انکا واحد مقصد توحیدِ خداوندی کا علم بلند کر کے عدل وانصاف کا بول بالا کرنا تھا۔ ایسے ناسازگار حالات میں بھی آپ جادۂ استقامت سے منحرف نہ ہوئے اور فتنہ وفساد کی بھڑکتی ہوئی آگ سے کنارہ کشی میں مصلحت دیکھ کر مصر کے علاقے سے سفر اختیار کرنے لگے۔

قرآن مجید نے اسی واقعہ کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف کارروائی اور آپکی گرفتاری کے بارے میں اقدامات کیئے جانے لگے تو شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اطلاع دی کہ اے موسیٰ قومِ فرعون کے سردار تو کسی تحقیق وتفتیش کے بغیر آپ کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ انکا جذبۂ انتقام اتنی شدت اختیار کر چکا ہے کہ وہ عدل وانصاف کے تقاضوں کو پامال کرنا چاہتے ہیں وہ اپنے مخالفین کو صفائی اور وضاحت کا کوئی موقعہ نہیں دینا چاہتے اور انکا منصوبہ ہے کہ آپکو صفحۂ ہستی سے مٹادیا جائے۔ میں آپکو مخلصانہ مشورہ دیتا ہوں کہ ایسے حالات میں آپکا مصر میں رہنا قطعاً مناسب نہیں اس لئے آپ یہاں سے روانہ ہو جائیں۔ اگرچہ آپکو حمایت خداوندی پر یقینِ کامل تھا اور اس سے پہلے آپ نصرتِ الٰہی کے عجیب وغریب کرشمے دیکھ چکے تھے پھر بھی عالمِ اسباب کی تدبیروذرائع کے مطابق آپ نے مصر سے سفر کرنے میں مصلحت سمجھی اور ظالموں کا خوف محسوس کرتے ہوئے حالات کا انتظار کرنے لگے۔ اتنے زبردست جابروظالم دشمن کے خطرناک عزائم کے باوجود آپ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں عجزونیاز کا اظہار کرتے ہوئے عرض پرداز ہوئے، اے میرے پروردگار! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے ان ظالموں کے ظلم سے نجات عطا فرما۔

یہ ہے ایک سچے موحد اور خداپرست کا جذبۂ توحید کہ زندگی کے کٹھن ترین منازل میں قدم قدم پر خطرات ومصائب کے پہاڑوں سے ٹکرا جاتے ہیں مگر باطل کے پرستاروں سے کوئی سودے بازی کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ دنیا کی ہوس اور اقتدار کا لالچ آپ کے پائے استقلال کو متزلزل نہیں کرسکتا اور نہایت جرأت وپامردی سے اپنے موقف پر قائم رہتے ہوئے فرعون کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر کلمہ حق بلند کرتے ہیں۔ علامہ اقبال مرحوم نے اسی حقیقت کو بیان کرتے ہو کیا خوب کہا ہے ۔

آئینِ جواں مرداں حق گوئی وبیباکی ☆ اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

☆☆☆☆☆☆

تفسیر القرآن

اَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ. وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ. وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِنَا وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ. وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتَاهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ. صَدَقَ اللهُ الْعَظِيْمُ.

(سورۃ القصص، آیت ۴۳ تا ۴۶ پ ۲۰)

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی اس کے بعد کہ ہم نے پہلی قوموں کو ہلاک کر دیا تھا یہ کتاب لوگوں کے لئے بصیرت افروز اور ہدایت و رحمت تھی تا کہ وہ نصیحت قبول کریں اور آپ طور کی مغربی سمت نہیں تھے جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف حکم بھیجا اور نہ آپ گواہوں میں شامل تھے لیکن ہم نے کئی قومیں پیدا فرمائیں اور ان پر کافی لمبا عرصہ گزر گیا اور آپ اہلِ مدین میں مقیم نہ تھے تا کہ آپ اُنہیں ہماری آیات پڑھ کر سناتے ہوں لیکن ہم ہی رسول بنا کر بھیجنے والے تھے اور آپ طور کے کنارہ پر بھی نہ تھے جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ندا فرمائی لیکن یہ سب آپ کے رب کی محض رحمت ہے تا کہ آپ اس قوم کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تا کہ وہ نصیحت قبول کریں۔

تلاوت کی ہوئی آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی کتاب توراۃ کا ذکر کیا جا رہا ہے اور اسکی خصوصیات بیان کی جا رہی ہیں۔ بصائر بصیرت کی جمع ہے اور بصیرت کی یہ تعریف کی گئی ہے ،،هِيَ نُوْرٌ فِي الْقَلْبِ يُبْصِرُ بِهِ قُلُوْبُهُمْ حَقَائِقَ الْاَشْيَاءِ بِقَدْرِ الطَّاقَةِ الْبَشَرِيَّةِ،، دل کی وہ روشنی جس سے انسانی طاقت کے مطابق حقائق اشیاء پر آگاہی حاصل ہوتی ہے بصیرت کہلاتی ہے۔ پھر بتایا گیا کہ بہت سی نافرمان قوموں کی ہلاکت کے بعد یہ کتاب نازل کی گئی اور اس کو سراپا ہدایت و رحمت بنا دیا گیا تا کہ ایسی کتاب سے لوگ رہنمائی حاصل کریں۔

توراۃ میں اقوامِ سابقہ کے حالات کو بیان کیا گیا، فرمانبرداروں کے انجام اور حقیقی کامیابی کا ذکر کیا گیا جبکہ نافرمان لوگوں پر عذابِ الٰہی کے نزول کا تذکرہ کیا گیا اور اس حقیقت کو نمایاں انداز میں اجاگر کیا گیا کہ وہی

لوگ حقیقی فلاح و بہبود حاصل کرتے ہیں جو آسمانی کتابوں کی تعلیمات پر عمل کرتے ہیں اور پیغمبر برحق کی تصدیق کرتے ہوئے میدان عمل میں جد و جہد کرتے ہیں۔ رسول پاک ﷺ کفار و مشرکین کے سامنے تفصیل سے بنی اسرائیل کے واقعات کو بیان فرمایا کرتے تھے بظاہر یہ بات قرینِ قیاس معلوم نہ ہوتی تھی کہ اس قدر ماضی بعید کے واقعات کو اتنی تفصیل سے بیان کیا جائے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کے علوم نبوت و رسالت کی وسعتوں کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا یہ بجا ہے کہ آپ اس وقت کوہِ طور کی مغربی جانب نہ تھے نہ آپ اہل مدین میں تھے مگر ہم نے اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمت بالغہ سے آپکو نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا اور وحی کے ذریعے اُن تمام حالات سے آگاہ کردیا یہ آپ کی صداقت و حقانیت کی بہت بڑی دلیل ہے کہ سینکڑوں سال پہلے رونما ہونے والے واقعات کو آپ اتنی تفصیل سے بیان کررہے ہیں۔

امام قرطبی تفسیر احکام القرآن میں لکھتے ہیں ''اَیْ اِذْقَضَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰی اَمْرَکَ وَذَکَرْنَاکَ بِخَیْرِ ذِکْرٍ'' اے حبیب پاک ﷺ اگرچہ آپ اسوقت وہاں تشریف فرما نہیں تھے مگر ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے سامنے آپ کی تشریف آوری کا ذکر خیر کیا تھا۔ پھر ارشاد فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد کئی نسلیں گزر گئیں لوگوں نے توراۃ کی تعلیمات کو فراموش کردیا، توراۃ میں لفظی و معنوی تحریف کرڈالی اور دینِ موسیٰ کو بگاڑ کر رکھ دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے پیغمبر آخر الزمان ﷺ کے متعلق اپنی قوم کو خبر دی تھی اور آپ پر ایمان لانے کی تاکید بھی کی تھی مگر یہ باتیں انہوں نے جان بوجھ کر بھلادیں۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی موجودگی میں امت محمدیہ کو ندا فرمائی اور یوں ارشاد فرمایا ''یَااُمَّةَ مُحَمَّدٍ قَدْ اَجَبْتُکُمْ قَبْلَ اَنْ تَدْعُوْنِیْ وَاَعْطَیْتُکُمْ قَبْلَ اَنْ تَسْئَلُوْنِیْ وَغَفَرْتُ لَکُمْ قَبْلَ اَنْ تَسْتَغْفِرُوْنِیْ وَرَحِمْتُکُمْ قَبْلَ اَنْ تَسْتَرْحِمُوْنِیْ'' اے حبیب پاک ﷺ کی جلیل القدر امت تمہارے دعا کرنے سے پہلے میں نے تمہاری دعا کو قبول کرلیا تمہارے مانگنے سے پہلے میں نے تمہیں دیدیا تمہارے مغفرت طلب کرنے سے پہلے میں نے تمہیں بخش دیا اور طلبِ رحمت سے پہلے میں نے تمہیں اپنی رحمتوں سے مشرف فرمادیا۔ پھر ارشاد فرمایا، کہ ہم نے آپ کو ایسے لوگوں میں مبعوث فرمایا جن کے پاس عرصہ دراز سے کوئی نبی تشریف نہیں لائے تھے۔ ہدایت کی روشنی ختم ہوچکی تھی اور کفر و شرک کے اندھیرے چھائے جارہے تھے آپ کی تشریف آوری کا مقصد یہ تھا کہ یہ لوگ نصیحت قبول کریں۔

☆☆☆☆☆

تفسیر القرآن

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

الٓمّٓ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ. وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِیْنَ. اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّسْبِقُوْنَا سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ. صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِیْمُ.

(سورۃ العنکبوت آیت ا تا ۴ پ ۲۰)

ترجمہ: کیا لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ انہیں صرف اتنی بات پر چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ کہیں ہم ایمان لے آئے اور انہیں آزمایا نہیں جائے گا اور بیشک ہم نے ان لوگوں کو آزمایا تھا جو ان سے پہلے گزرے پس اللہ تعالیٰ ضرور انہیں دیکھے گا جو سچے تھے اور ضرور دیکھے گا انہیں جو جھوٹے تھے۔ جو لوگ برے کام کر رہے ہیں انہوں نے خیال کر رکھا ہے کہ وہ ہم سے آگے نکل جائینگے بڑا بُرا فیصلہ ہے جو وہ کر رہے ہیں۔

تلاوت کی ہوئی آیات سے سورۂ عنکبوت کا آغاز ہو رہا ہے یہ سورت مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی اور یہ انہتر آیات پر مشتمل ہے۔ رسولِ پاک ﷺ کی بعثت اور دعوت توحید سے کفار و مشرکین سخت غیظ وغضب کا شکار ہو گئے تھے اور انہوں نے اسلام کی شمع کو بجھانے کا پختہ ارادہ کر رکھا تھا۔ وہ سلیم الطبع لوگ جو کفر و شرک کی نجاست سے دل برداشتہ ہو گئے تھے اور ایمان و اسلام کے دامن میں پناہ لیکر توحید و رسالت کی خوشبو سے مشام جاں کو معطر کرنا چاہتے تھے ان پر ظلم وستم کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے اور انہیں تکلیف و اذیت پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا جاتا بعض لوگ اسلام کی صداقت کے معترف تو تھے لیکن ان میں مظالم برداشت کرنے کی ہمت نہ تھی اس لئے ایسے نازک حالات میں اپنی قسمت اسلام کے ساتھ وابستہ کرنا قرینِ دانشمندی نہیں سمجھتے تھے۔ بعض ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے اسلام قبول تو کر لیا مگر مصائب وآلام کی تند و تیز آندھیوں میں شمع ایمان روشن نہ رکھ سکے۔

سورۂ عنکبوت میں ان سب کو بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں صرف وہی لوگ سرفراز ہوتے ہیں جو آزمائش کی کٹھن گھڑیوں میں ثابت قدم رہتے ہیں اور ہر امتحان میں کامیاب ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ جو زبان سے تو اسلام کا نام لیتے ہیں، ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن آزمائش کے وقت صبر و استقامت کا مظاہرہ نہیں

کر سکتے وہ قابل اعتبار نہیں سنت الٰہی اسی طرح جاری ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو آزمائش کی کسوٹی پر پرکھ کر امتیازی شان عطا فرماتا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا کیا لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کے زبانی جمع خرچ پر اعتبار کرلیں گے اوران کی آزمائش نہ کریں گے۔ہم نے پہلے لوگوں کو بھی آزمایا تھا اوراب بھی جو ایمان کا دعوٰی کریگا اسے آزمائیں گے حضرت خباب بن الارت سے روایت ہے کہ ایک دن رسول پاک ﷺ کعبہ شریف کے سائے میں اپنی چادر کا تکیہ لگائے تشریف فرما تھے ہم نے حاضر خدمت ہوکرعرض کی یارسول اللہ ہم پرمصائب و آلام کی حد ہوگئی ہے آپ ہمارے لئے دعا نہیں فرماتے حضور ﷺ نے یہ سن کرارشاد فرمایا یہ مصیبتیں صرف تم ہی برداشت نہیں کررہے بلکہ تم سے پہلے ایمان والوں نے بھی یہ تکلیفیں برداشت کیں ، کفارومشرکین اُن ایمان والوں کو کمر تک ایک گڑھے میں گاڑ دیتے پھران کے سر پر آری چلائی جاتی اوران کے دوٹکڑے کر دیئے جاتے بعض ایمان والوں پرلوہے کی کنگھیاں چلائی جاتیں ان کے گوشت اور ہڈیوں کوادھیڑ کرر کھ دیا جاتا، اسکے باوجود وہ ایمان پر ثابت قدم رہتے۔اے خباب اللہ تعالیٰ کی قسم دینِ اسلام ہرطرف پھیلے گا اوراسکے دامن میں اتنا امن و امان ہوگا کہ صنعائے یمن سے لیکر حضر موت تک کا طویل سفر اکیلا شخص اسطرح طے کریگا کہ اسے خدا کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا،مگرتم لوگ جلد بازی سے کام لیتے ہو۔

اگر چہ اللہ تعالیٰ اپنے علمِ ازلی کے ذریعے ہر شخص کے تمام احوال کو جانتا ہے مگراس علم قدیم وازلی پر جزاوسزا مرتب نہیں ہوتی ، جزاوسزا اسوقت مرتب ہوتی ہے جب کوئی شخص خیر وشر کا ارتکاب کرتا ہے اورثواب و عذاب کا مستحق قرار پاتا ہے۔چنانچہ آیت میں جان لینے یا دیکھ لینے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ جب تک بندہ فعل نہ کرے اللہ تعالیٰ کو معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیا کرے گا بلکہ یہاں مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ علمِ ازلی کے باوجود اللہ تعالیٰ بندے کے خیر وشر کے ارتکاب کے تحقق کے بعد علمِ حالی کے ساتھ جزاوسزا کا ترتب فرماتا ہے۔علامہ قرطبی اور صاحبِ تفسیرِ مظہری نے اسی مفہوم کو بیان کیا ہے۔

بعض مفسرین حضرات یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے حالات دوسروں کو بتائے گا اوردکھائے گا تاکہ نیک وبداور سچے جھوٹے کی تمیز ہوجائے۔اگرصرف زبانی دعووں سے حق وصداقت کی سندمل جاتی توپھرمنافقین اسکے زیادہ مستحق قرار پاتے کیونکہ وہ باربار اسلام وایمان کے ساتھ وابستگی کا اظہار کرتے اور بعض اسلامی احکام کی تعمیل میں بھی اہل ایمان سے پیش پیش نظر آتے مگر جب اسلام پر کوئی آزمائش یا کٹھن مرحلہ

آجاتا تو وہ چپکے سے ایک طرف ہوجاتے اور مسلمانوں کو مصائب وآلام کے طوفان کے حوالے کرکے اپنی جان بچالیتے، پھر جس طرح اس دنیا میں وہ مکروفریب کے ذریعے آزمائش سے نکل جاتے اور مسلمانوں کی تکلیفوں پر خوشی کا اظہار کرتے اسی طرح ان کا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بھی ہم بچ نکلیں گے اور وہاں پر بھی شاطرانہ چال کام دکھا جائیگی۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے نفاق کا پردہ چاک کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ غلط فہمی دل سے نکال دو کیا تمہارا خیال ہے کہ تم ہماری گرفت سے بچ جاؤ گے اور ہمارے عذابِ عظیم کا نشانہ بننے سے تم راہ فرار اختیار کرلو گے۔ ہم تو اس دنیا میں بھی تمہاری پہچان کرادینگے اور تمہارے نفاق کی سزا تمہیں دیکر رہیں گے پھر میدانِ حشر میں تو ہم ہر طرف سے تمہارا احاطہ کرینگے اور تمہاوے لئے بچ جانے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔

ان آیات میں جہاں منافقین کو ان کے ناپاک عزائم اور ناپسندیدہ طرزِ عمل پر سخت تنبیہ کی گئی وہاں اہل ایمان کو بھی اس تلخ حقیقت سے آگاہ کیا گیا کہ ایمان واسلام کے دامن سے وابستہ ہونے کے بعد وہ مطمئن نہ ہوجائیں کہ ہم ہر قسم کی آزمائش اور امتحان سے بلند وبالا ہوگئے اور ہم کسی قسم کی پریشانی سے دوچار نہ ہونگے۔ ایمان واسلام کے سچے خادم کیلئے ہر وقت میدان عمل کی جدوجہد اور خیر وشر کی کشمکش کا سلسلہ جاری ہے اسے باطل قوتوں سے ٹکرا کر حق وصداقت کا بول بالا کرنا ہوگا اور اس رزمگاہ حیات میں مجاہدانہ کردار ادا کرنے کیلئے تیار رہنا ہوگا۔ علامہ اقبال مرحوم اسی مفہوم کو بیان کرتے ہوئے کیا خوب کہتے ہیں۔

چو میگویم مسلمانم بلرزم ☆ کہ دانم مشکلاتِ لا الٰہ را

☆☆☆☆☆

تفسیر القرآن

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظَالِمُوْنَ. فَاَنْجَيْنَاهُ وَاَصْحَابَ السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنَاهَا اٰيَةً لِّلْعَالَمِيْنَ. وَاِبْرَاهِيْمَ اِذْقَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُ وااللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ذَالِكُمْ خَيْرٌلَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. اِنَّمَا تَعْبُدُ وْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُ وْنِ اللّٰهِ لَايَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًافَابْتَغُوْاعِنْدَاللّٰهِ الرِّزْقَ

وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْالَهُ اِلَيْهِ تُرْجَعُونَ، وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ وَمَاعَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّاالْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ. صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ (سورۃالعنکبوت آیت ۱۴تا۱۸پ۲۰)

ترجمہ: اور بیشک ہم نے نوح علیہ السلام کوان کی قوم کی طرف بھیجا تو وہ ان میں ساڑھے نوسو سال ٹھہرے رہے آخر کار انہیں طوفان نے گرفت میں لے لیا اس حال میں کہ وہ ظالم تھے پس ہم نے انہیں اور کشتی والوں کونجات دی اور ہم نے اس کشتی کو سارے جہان والوں کے لئے ایک نشانی بنادیا اور حضرت ابراھیم علیہ السلام کو یاد کیجئے جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرواوراس سے ڈرتے رہا کرو اگر تم جانتے ہوتو یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔تم اللہ تعالی کو چھوڑ کر بتوں کی پوجا کرتے ہو اور تم جھوٹ گھڑا کرتے ہو بے شک اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کو تم پوجتے ہو وہ تمہارے رزق کے مالک نہیں پس اللہ تعالیٰ سے رزق طلب کیا کرو اوراس کی عبادت کیا کرو اور اسکا شکرادا کیا کرواسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔اگر تم جھٹلاتے ہوتو تم سے پہلی امتوں نے بھی جھٹلایا اور رسول پر فرض نہیں سوائے اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا حکم صاف صاف پہنچادیں۔

تلاوت کی ہوئی آیات میں حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خیر کیا گیا اوران کی تبلیغ وارشاد پران کی قوم نے جوردعمل ظاہر کیا اسکا بیان کیا گیا حضرات انبیائے کرام علیھم السلام کے قصص اورواقعات قرآن مجید نے بڑی تفصیل سے متعدد مقامات پر بیان فرمائے۔قرآن مجید نے ایسے واقعات کو بیان کرنے کی مصلحت وحکمت کونمایاں کرتے ہوئے رسولِ پاک ﷺ سے ارشادفرمایا کہ اس طرح آپ کے قلبِ اطہرکواطمینان اورسکون حاصل ہوگا،آپ کی ثابت قدمی اوراستقامت کی شان زیادہ جلوہ گرہوگی،حق وصداقت کا درس روزِروشن کی طرح واضح ہوگا نیز اہلِ ایمان کیلئے پندوموعظت اورتبلیغ وارشاد کا مؤثر نظام سامنے آئیگا۔

چونکہ اس قسم کے واقعات اوران کے تکرار سے یقیناً بہت بڑے مقاصد وابستہ ہیں اس لئے پیغمبر اعظم ﷺ نے ایسے واقعات کوتفصیل سے بیان فرمایا اور حضرات انبیائے کرام کے کردار کی عظمت کواپنے ارشادات اورعمل سے اجاگر کیا جب انسان کوکسی اچھے کام کیلئے شدائدومصائب برداشت کرنے کی تلقین کی جارہی ہواور پھراسکے سامنے ایک ایسے شخص کی مثال بیان کردی جائے جس نے آزمائشوں اور تکلیفوں میں صبرواستقامت کا بہترین نمونہ پیش کیا ہوتوانسان بڑی تسکین محسوس کرنے لگتا ہے،اس کی ہمت بلند ہوجاتی ہے اوروہ یہ بات اچھی طرح سمجھ لیتا ہے کہ مجھ

سے پہلے بھی مردانِ خدا پر امتحان کی گھڑیاں آئیں اور انہوں نے اپنے ایمان اور یقین کی پختگی کا شاندار مظاہرہ کیا۔

اسی مقصد کے پیشِ نظر اس موقعہ پر حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر فرمایا کیونکہ جس قوم کے ساتھ ان کو واسطہ پڑا تھا اور پھر ساڑھے نو سو سال کا طویل عرصہ مسلسل تلخی اور اضطراب کے مراحل کی صورت میں انہوں نے جس صبر و استقامت سے گزارا تھا اس کے تناظر میں ایک بہترین مثال تھی بلکہ قیامت تک آنے والے ارباب حق وصداقت کیلئے اس میں صبر و ہمت اور عزم و استقامت کا بہترین درس ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے مسلسل تکذیب، بے راہروی، تعصب اور گھٹیا روش کا مظاہرہ کیا جس کی پاداش میں عذاب الٰہی نے انہیں گرفت میں لے لیا۔ طوفان کا عذاب اچانک نہ آیا بلکہ انہیں مطلع کیا گیا کہ اگر تم اپنی روش سے باز نہ آئے تو ایسا عذاب نازل ہو جائے گا پھر سفینۂ نوح تیار ہونے کا سلسلہ بھی ان کے سامنے جاری رہا مگر ان تمام باتوں کے باوجود قوم نوح کو احساس تک نہ ہوا۔ عقل و دانشمندی کا تقاضا تو یہ تھا کہ تقریباً ہزار سال کی بے داغ زندگی گزارنے والی عظیم الشان شخصیت کی تنبیہ اور جگر سوزی سے تبلیغ و ارشاد کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ سامنے آتا مگر اسکی بجائے پیغمبر اور ان کے گنتی کے چند پیروکاروں کا مذاق اڑایا گیا ان کے ساتھ ظلم و تشدد کی انتہا کر دی گئی اور انہیں آزمائش اور اضطراب کے کٹھن مراحل سے ہمکنار کر دیا۔ بالآخر حضرت نوح علیہ السلام کی پیشگوئی کے مطابق عذاب کا طوفان آیا اور قوم نوح کو صفحہ ہستی سے نیست و نابود کر ڈالا۔

چونکہ اہل حق کی امداد اور ان کی فتح و نصرت اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے متعلق ہے اور اس نے اہل ایمان سے وعدہ کر رکھا ہے کہ میں تمہاری مدد کروں گا اس لیئے سفینۂ نوح کے ذریعہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں نے ایسے بڑے طوفان سے جسکی موجیں پہاڑوں سے اوپر گزر گئیں نجات پائی اور ان کی کشتی صحیح سلامت لنگر انداز ہوئی جسے اللہ تعالیٰ نے جہان والوں کیلئے اپنی خاص نشانی قرار دیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کا تفصیلی ذکر سورۂ اعراف، سورۂ ہود، سورۂ مؤمنون اور سورۂ شعراء میں اس سے پہلے گزر چکا ہے۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ انہوں نے بھی اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کا درس دیا اور بتوں کی پرستش سے منع فرمایا۔ ان کے کردار کی عظمت، سیرت کی بلندی اور ہمت و استقامت دیکھیں کہ بت پرستی کے انتہائی شدید اندھیروں میں توحید کی شمع کو روشن کیا اور اسکے تحفظ کیلئے ہر قسم کی قربانی پیش کر دی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے ارشاد فرمایا عبادت کے لائق تو اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ تم اس کی عبادت کو شعار بناؤ اور اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے بتوں کی پوجا کر کے انسانیت کی تحقیر وتذلیل کے مرتکب نہ بنو۔ تمہاری یہ کارکردگی تو سراسر جھوٹ پر مبنی ہے اور حقیقت کے ساتھ اسکا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ویسے تو بت پرست اقوام بے شمار بُرے اعمال وعقائد کے شکنجے میں گرفتار ہوتی ہیں مگر یہاں ان قوموں کی مخصوص ذہنیت کو واضح کیا جارہا ہے کہ انہوں نے پتھر اور مختلف دھاتوں سے بنے ہوئے ان بتوں کو معبود بنا رکھا تھا تو اسکی یہ وجہ نہ تھی کہ یہ بت انہیں راہ ہدایت پر چلنے کی تلقین کرتے تھے یا معاشرے کو فسق وفجور سے پاک کرنے کے اصول بتاتے تھے یا ان کی روحانی قوتیں ان کی توجہ سے نشو نما پاتی تھیں سچ تو یہ ہے کہ ان چیزوں کی ان کے نزدیک کوئی وقعت نہ تھی اور نہ کبھی ان کے حصول کی طلب کا خیال ان کے ذہن میں آیا تھا ان کے سر پر تو صرف ایک ہی بھوت سوار تھا یعنی حصول دولت جو انکا مقصد حیات بھی تھا اور منزلِ مراد بھی۔ وہ ان بتوں کے سامنے اس لئے سجدہ ریز ہوتے کہ انکا کاروبار ترقی کرے، ان کی دولت میں اضافہ ہو چنانچہ ان کی ذہنی سطح کے مطابق انہیں سمجھایا جارہا ہے کہ یہ بیچارے اندھے، بہرے، گونگے بے جان مجسمے تمہیں کچھ نہیں دے سکتے۔ اگر رزق طلب کرنا ہے تو اس معبودِ حقیقی کی بارگاہ میں حاضر ہو کر دامن پھیلاؤ جس کے قبضۂ قدرت میں زمین وآسمان کے خزانے ہیں۔ جو بڑا کریم ہے اور یہ گوارا نہیں فرماتا کہ اس کے دروازۂ کرم سے کوئی خالی ہاتھ لوٹ جائے جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ بھی سب اسی کا دیا ہوا ہے اور اگر مزید درکار ہے تو یہ بھی وہاں سے ہی ملے گا۔

اگر تم معبودِ برحق سے دور رہے تو یاد رکھو ایک دن تمہیں اس کی بارگاہ میں ضرور پیش کیا جائے گا پھر تمہیں یاد آئیگا کہ پیغمبروں کا فرمان سچا تھا مگر ایسی تصدیق اس وقت تمہیں کوئی فائدہ نہ پہنچائیگی۔ پیغمبروں نے اللہ تعالیٰ کے واضح احکام پہنچا کر اپنا فریضہ ادا کر دیا اب تمہاری مرضی فرمانبرداری کر کے دین ودنیا کی نعمتیں حاصل کر و یا نافرمانی کر کے ہمیشہ کے عذاب میں مبتلا رہو۔

☆☆☆☆☆

تفسیر القرآن

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم.

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا اِبْرَاھِیْمَ بِالْبُشْرٰی قَالُوْآ اِنَّا مُھْلِکُوْآ اَھْلِ ھٰذِہِ الْقَرْیَۃِ اِنَّ اَھْلَھَا کَانُوْا ظَالِمِیْنَ. قَالَ اِنَّ فِیْھَا لُوْطًا قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِیْھَا لَنُنَجِّیَنَّہٗ وَاَھْلَہٗٓ اِلَّا امْرَاَتَہٗ کَانَتْ مِنَ الْغَابِرِیْنَ. وَلَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِھِمْ وَضَاقَ بِھِمْ ذَرْعًا وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ اِنَّا مُنَجُّوْکَ وَاَھْلَکَ اِلَّا امْرَاَتَکَ کَانَتْ مِنَ الْغَابِرِیْنَ. اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓی اَھْلِ ھٰذِہِ الْقَرْیَۃِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا کَانُوْا یَفْسُقُوْنَ. وَلَقَدْ تَّرَکْنَا مِنْھَآ اٰیَۃًۢ بَیِّنَۃً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ. صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ.

(سورۃالعنکبوت، آیت۳۱ تا ۳۵ پ۲۰)

ترجمہ: اور جب ہمارے فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس خوشخبری لیکر آئے۔انہوں نے کہا ہم اس گاؤں کے باشندوں کو ہلاک کرنے والے ہیں بیشک یہاں کے رہنے والے بڑے ظالم تھے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اس گاؤں میں تو حضرت لوط علیہ السلام بھی رہتے ہیں فرشتے کہنے لگے ہم وہاں کے رہنے والوں کو خوب جانتے ہیں۔ہم انہیں اور ان کے گھر والوں کو سوائے ان کی عورت کے ضرور بچالیں گے وہ پیچھے رہ جانیوالوں میں سے ہے۔اور جب ہمارے فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے تو وہ ان کی آمد سے بڑے غمزدہ اور تنگ دل ہوئے اور فرشتوں نے کہا آپ خوفزدہ اور رنجیدہ خاطر نہ ہوں ہم آپکو اور آپکے گھر والوں کو سوائے آپ کی بیوی کے نجات دینے والے ہیں وہ پیچھے رہ جانیوالوں میں سے ہے۔بیشک ہم اس گاؤں کے باشندوں پر آسمان سے عذاب اتارنے والے ہیں اس وجہ سے کہ وہ نافرمانیاں کیا کرتے تھے۔اور بیشک ہم نے اس گاؤں کے کچھ واضح آثار باقی رہنے دیئے ان لوگوں کیلئے جو عقلمند ہیں۔

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر انبیائے سابقین اور ان کی امتوں کے حالات تفصیل سے بیان کئے گئے۔ان تفصیلی اور تاریخی حالات بیان کرنے کا مقصد امت مسلمہ کو خیر وشر کے عناصر کی باہمی کشمکش کا جامع اور نتیجہ خیز تبصرہ پیش کرنا ہے۔اسی سلسلہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خیر کیا گیا اور اسی طرح اللہ تعالٰی کے خاص بندوں کے تذکرے اور حالات کے بیان کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا کہ بارگاہِ الٰہی کے مقربین حضرات کی

عظمت کا یہ عالم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید اور دوسری آسمانی کتابوں میں انکا ذکرِ خیر محفوظ کر دیا تا کہ قیامت تک آنے والے لوگ ان کے پاکیزہ اور پُرنور حالات وواقعات سے لطف اندوز ہوتے رہیں اور کائنات کے گوشے گوشے میں ان کا ذکر جاری رہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جنہوں نے وقت کے ظالم و جابر مطلق العنان حاکم نمرود سے ٹکر لی اور آنکھ میں آنکھ ڈال کر اُسے برملا کلمۂ حق سنایا بلاشبہ مقام توحید کی عظمتوں کے محافظ تھے اور توکل علی اللہ کے میدان میں جلیل القدر شہسوار تھے۔ وہ اپنے خالق و مالک قادر ذوالجلال کی قدرت وحکمت کے پیش نظر رحمت کے منتظر تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بڑھاپے میں انہیں اولادِ نرینہ کی بشارت دی یہ بشارت لانے والے فرشتے تھے فرشتوں نے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ بشارت سنائی وہاں حضرت لوط علیہ السلام کی نافرمان قوم کی فاسقانہ روش پر عذاب کا تذکرہ بھی کر ڈالا چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑے شفیق اور مہربان تھے، فوراً بول اٹھے کہ اس گاؤں میں تو اللہ تعالیٰ کے خاص بندے اور نبی حضرت لوط علیہ السلام بھی ہیں اس جذبۂ اخوت ومحبت کو جس قدر خراج تحسین پیش کیا جائے کم ہے کہ وہ اپنی مسرت وانبساط کے لمحات میں اپنے فرض منصبی میں شریک جلیل القدر بھائی حضرت لوط علیہ السلام کے بارے کس قدر شدت سے متاثر ہوئے۔ دراصل مرد مؤمن کے عظیم کردار کی معراجِ کمال یہی پاکیزہ عنصر ہے اور یہی جذبۂ محبت واخوت، وحدت انسانی کے جوہر کو نمایاں کرتا ہے رسول پاک ﷺ نے اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا، ,لَايُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَايُحِبُّ لِنَفْسِهٖ،، تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کمالِ ایمان کو نہیں پا سکتا جب تک کہ دوسرے مسلمان بھائی کیلئے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس استفسار پر فرشتے کہنے لگے حضرت کیا آپ یہ خیال فرما سکتے ہیں کہ ایسے مقبولان بارگاہ سے ہم بے خبر ہیں ہم اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کو اچھی طرح جانتے ہیں ہماری طرف سے انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا بلکہ وہ امن وعافیت اور صحت وسلامتی سے بدستور ہمکنار رہیں گے۔ ہم تو ان نافرمانوں کی گرفت کیلئے آئے ہیں اور ہم صرف انہیں کیفرکردار تک پہنچائیں گے۔ حضرت لوط علیہ السلام تو برگزیدہ پیغمبر ہیں ہم ان کے پیروکاروں کا بھی تحفظ کرینگے اور ان کے خُدّام اور مخلصین کی نگہبانی کا فریضہ بھی ادا کرینگے۔ فرشتوں کے اس جواب سے مقبولانِ حق اور ان کے متعلقین کی عظمت وشرف کا پہلو نمایاں طور پر سامنے آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے ان کے تحفظ پر مامور ہوتے ہیں اور ان کی عافیت اور سلامتی کی ضمانت دیتے ہیں۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ اسی مفہوم کو بیان کرتے ہوئے کیا خوب فرماتے ہیں۔

اگر گیتی سراسر باد گیرد ÷ چراغ مقبلاں ہرگز نمیرد

اگر سارا جہاں طوفان کی زد میں آجائے پھر بھی اللہ والوں کا چراغ روشن رہتا ہے۔ پھر بیان کیا گیا کہ حضرت لوط علیہ السلام متفکر اور خوفزدہ ہوئے یہ آپ کے کمال معرفت کی دلیل ہے کیونکہ جس قدر قرب و معیت کے درجات بلند ہوتے ہیں اسی قدر قادر ذوالجلال کی بے نیازی اور عظمت و کبریائی کا احساس زیادہ ہوجاتا ہے۔ مردِ عارف حضرت حق میں جس قدر تقرب حاصل کرتا ہے اسی قدر تحیر اور خوف اسے دامنگیر ہوتا جاتا ہے۔ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

مخلصاں ہستند دائم درخطر ÷ امتحانہا ہست درراہ اے پسر

چنانچہ رزمگاہِ حیات کی اس کشمکش میں اور خیر و شر کے اس معرکہ میں اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے امید اور خوف کے حسین امتزاج کی عملی صورت بن کر منزلِ مقصود کی طرف رواں دواں رہتے ہیں بالآخر خالق و مالک کا فضلِ عظیم ان کی دستگیری فرماتا ہے اور وہ یقین و اطمینان کی سرمدی قیام گاہ میں فروکش ہو کر اعزاز و اکرام سے مشرف ہوتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

تفسیر القرآن

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتَابِ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ. وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ. وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ. وَلَاتُجَادِلُوْٓا اَھْلَ الْکِتَابِ اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ اِلَّاالَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْھُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَاُنْزِلَ اِلَیْکُمْ وَاِلٰھُنَا وَاِلٰھُکُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ. وَکَذٰلِکَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتَابَ فَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتَابَ یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ وَمِنْ ھٰٓؤُلَآءِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِہٖ وَمَایَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَآ اِلَّاالْکٰفِرُوْنَ. وَمَاکُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِہٖ مِنْ کِتَابٍ وَّلَا تَخُطُّہٗ بِیَمِیْنِکَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ. بَلْ ھُوَ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَمَایَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَآ اِلَّا

الظّٰلِمُوْنَ. صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ. (سورۃ العنکبوت، ایت ۴۵ تا ۴۹ پ ۲۱)

ترجمہ : آپ اس کتاب کی تلاوت کیجئے جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اور نماز صحیح صحیح ادا کیجئے بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے اور واقعی اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑا ہے اور جو تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور اہل کتاب سے بحث ومباحثہ نہ کیا کرو مگر شائستہ طریقہ سے مگر وہ جنہوں نے اُن میں سے ظلم کیا اور تم کہو ہم ایمان لاتے ہیں اس پر جو اتارا گیا ہماری طرف اور اتارا گیا تمہاری طرف اور ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اس کے سامنے گردن جھکانے والے ہیں اے حبیبِ پاک ﷺ اسی طرح ہم نے آپکی طرف کتاب نازل کی پس وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب دی اس پر ایمان لے آتے ہیں اور اہل مکہ سے بھی کئی لوگ اس پر ایمان لا رہے ہیں اور نہیں انکار کرتے ہماری آیتوں کا مگر کفار۔ اور آپ اس سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے اور نہ اسے اپنے دائیں ہاتھ سے لکھ سکتے تھے اگر آپ لکھ پڑھ سکتے تو اہل باطل ضرور شک کرتے بلکہ وہ روشن آیتیں ہیں جو ان کے سینوں میں محفوظ ہیں جنہیں علم دیا گیا اور ظالموں کے بغیر ہماری آیتوں کا کوئی انکار نہیں کرسکتا۔

تلاوت کی ہوئی آیات میں اللہ تعالیٰ نے رسولِ پاک ﷺ کو اور آپکے ذریعے ساری امت کو دو باتوں کا حکم دیا ہے۔ پہلا حکم قرآنِ مجید کی تلاوت کا ہے اور دوسرا صحیح صحیح نماز ادا کرنے کا۔ تلاوتِ قرآن کے روحانی، اخلاقی، اصلاحی اور پھر لازمی اور متعدی اتنے فوائد وبرکات ہیں جن کا شمار ممکن نہیں جب انسان اللہ تعالیٰ کا کلام پڑھتا ہے تو اس پر انوار وتجلیات کی بارش ہوتی ہے اسکا زنگ آلود دل صاف ہوجاتا ہے اور وہ ایک تازگی اور شگفتگی محسوس کرنے لگتا ہے یہ ایک ایسی واضح کیفیت ہے جس سے قرآن مجید کا ہر پڑھنے والا اپنی صلاحیت اور اپنے ظرف کے مطابق سرشار ہوتا ہے۔ وہ قرآنِ مجید میں حضراتِ انبیائے کرام اور مؤمنین کاملین کے حالات کا مطالعہ کرتا ہے ان کی عالی ظرفی، بلند حوصلگی اور جذبۂ خیر خواہی کو دیکھتا ہے۔ مسرت وکامیابی کے لمحوں میں انکا انداز تشکر اور عجز ونیاز، مصائب وشدائد کے ہجوم میں انکا صبر وتحمل دیکھ کر اس میں ان کی راہ پر چلنے کا شوق اور ولولہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ کوشش کرتا ہے کہ ایسے لوگوں کی روش سے احتراز کرے جو نافرمانی کا ارتکاب کرکے عذابِ الٰہی کا نشانہ بنے اور اپنی عارضی زندگی میں دائمی حیات کے تقاضوں سے غافل رہے۔

خیر وشر کے مختلف نتائج وثمرات کا تجزیہ کرنے سے انسان منزلِ مقصود تک پہنچنے کا پاکیزہ راستہ تلاش

کرلیتا ہے اور اپنے مقصدِ تخلیق میں رواں دواں رہتا ہے۔ پھر نماز کو ظاہری اور باطنی آداب کے ساتھ ادا کرنے کی تاکید کی گئی کیونکہ نماز دین کا ستون ہے، مؤمن کی معراج ہے، کفر و اسلام کے درمیان حدِ فاصل ہے اور اللہ تعالیٰ کے قرب کا اعلیٰ ترین ذریعہ ہے قرآن مجید نے اقامتِ صلوٰۃ کی طرف رغبت دلائی جس نماز کی ابتدا اور انتہا غفلت سے ہو اور درمیان میں بھی بے توجہی اور بے خبری کی حالت ہو اسے اقامت صلوٰۃ سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ نماز کے ظاہری آداب اسکے فرائض، واجبات، سنن اور مستحبات کا خیال رکھنا ہے جبکہ باطنی آداب میں حضور قلب عجز و نیاز، اخلاص، خشوع و خضوع اور جذبۂ عبدیت کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ جب انسان ان تمام امور کو مدِ نظر رکھ کر نماز ادا کرتا ہے تو پھر ایسی نماز یقیناً بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔

پھر ذِکرِ الٰہی کی اہمیت کو نمایاں کیا گیا اور بتایا گیا کہ یہ بہت بڑی سعادت ہے۔ جو لوگ یادِ الٰہی میں مصروف رہتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے پاس بیٹھنے والوں کو بھی اپنی خاص رحمت سے مشرف فرماتا ہے بخاری شریف کی حدیث ہے "هُمْ قَوْمٌ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ" ذکرِ الٰہی کرنے والے لوگ اس عظمت کے مالک ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بد بخت نہیں رہ سکتا۔ عارف روم رحمۃ اللہ علیہ ذکر الٰہی کی عظمتوں کو بیان کرتے ہوئے کیا خوب فرماتے ہیں۔

یاد او سرمایۂ ایماں بود ÷ ہر گدا از یاد او سلطاں بود

پھر اہل ایمان کو تاکید کی گئی کہ اہل کتاب کو سمجھانے کے وقت تمہارا اسلوبِ تبلیغ بڑا شائستہ ہونا چاہیئے، دلیل کی قوت اور برہان کی پختگی کے ساتھ ساتھ گفتگو میں خشونت اور غیظ و غضب نہ ہو بلکہ عقیدہ کی حقانیت اور دین کی صداقت کے اظہار میں سنجیدگی، نرمی اور بردباری کا پہلو غالب رہے۔ پھر قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے کی ایک اور روشن دلیل پیش کی جا رہی ہے کہ اعلان نبوت سے پہلے کا چالیس سالہ دور پیغمبر علیہ السلام نے کافروں کے سامنے گزارا ہے ان کو اچھی طرح معلوم ہے کہ آپ نے نہ کسی کتاب کا مطالعہ کیا اور نہ کبھی کچھ لکھا اگر ایسی بات ہوتی تو یہ لوگ کہہ سکتے تھے کہ آپ نے یہ سب کچھ ان کتابوں سے اخذ کیا ہے مگر اب اس اعتراض کی قطعاً گنجائش نہیں یقیناً آپ جو کلام تلاوت کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے صرف ظالم لوگ ہی اس حقیقت کا انکار کر سکتے ہیں یہ ان کی بدقسمتی اور شقاوت ہے کہ قرآن اور صاحبِ قرآن کے بارے میں وہ ایسی بیہودہ قیاس آرائی کر کے اپنی دنیا اور عاقبت کو برباد کر رہے ہیں۔

☆☆☆☆☆

تفسیر القرآن

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ. اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۚ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ. وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ. صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ. (سورۃ العنکبوت، آیت ۶۱ تا ۶۳ پ ۲۱)

ترجمہ: اگر آپ ان مشرکوں سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور کس نے سورج اور چاند کو فرمانبردار بنادیا تو وہ ضرور کہیں گے اللہ تعالیٰ نے، پھر وہ کہاں پھرائے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے لیئے چاہتا ہے رزق کشادہ کردیتا ہے اور جس کیلئے چاہتا ہے رزق تنگ کردیتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان سے پانی کس نے اتارا پھر اس کے ساتھ زمین کو بنجر بن جانے کے بعد زندہ کردیا تو وہ ضرور کہیں گے اللہ تعالیٰ نے۔ آپ فرمادیجئے تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نادان ہیں۔

قرآنِ مجید میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے ایسے دلائل اور شواہد پیش کئے گئے جنکے بعد مشرکین کیلئے مجبوراً توحید کے اعتراف کے سوا کوئی تدبیر باقی نہ رہی۔ مشرکین کو پیغمبر اعظم ﷺ نے اپنے ابتدائی دور نبوت میں یہ دعوت فکر دی کہ تم ٹھنڈے دل سے غور کرو اور تعصب سے ایک طرف ہوکر منصفانہ انداز میں سوچ لو کہ یہ مظاہر قدرت اور تمہارے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بت معبود نہیں ہوسکتے۔ یہ تو عارضی اور فانی ہیں اور پھر کسی مقتدر اور مدبر کے حکم کے پابند ہیں کوئی بھی عقلمند یہ نہیں سوچ سکتا کہ پتھر اور دھات سے بنائے ہوئے مجسمے اس قابل ہوں کہ ان کے سامنے اشرف المخلوقات انسان سجدہ ریز ہوکر عاجزی اور بے بسی کا اظہار کرے۔ اس حقیقت کو نمایاں طور پر دلنشین کرانے کیلئے قرآن مجید نے مختلف انداز اختیار فرمائے کبھی اسطرح فرمایا کہ اے مشرکین ذرا یہ بتاؤ تمہیں اور تمہارے آباؤ اجداد کو بھلا کس نے پیدا کیا کیونکہ جن بتوں کی پوجا تم کررہے ہو انہیں تو خود تم نے بنایا ہے۔

ان آیات میں بھی مشرکین کونہایت سادہ اور کھلے انداز میں حقیقت پسندانہ طریقے سے درس توحید دیا جارہا ہے۔اور پیغمبر اسلام ﷺ سے ارشاد کیا جارہا ہے کہ اے حبیبِ پاک ﷺ آپ کے درس توحید پر مشرکین اس قدر شور مچار ہے ہیں اور بتوں کی پرستش میں سرشار ہوکر اللہ تعالیٰ کی عبدیت اور عبادت سے محروم ہوتے چلے جارہے ہیں ان سے دریافت تو فرمائیں کہ آسمانوں اور زمین کوکس نے پیدا کیا۔سورج اور چاند کو کس نے حکم کا پابند بنایا آسمان وزمین اور شمس وقمر کی تخلیق کا حیران کن نظام کس نے ترتیب دیا ہے۔آسمان سے چاندکی ضیاباری، چمکتے ہوئے ستاروں کی زیب وزینت،شب وروز اور صبح وشام کے تغیرات،موسم کی تبدیلی،فرشِ زمین پر لہلہاتے ہوئے کھیت اور سبزہ زار، پھلدار درخت،خوشنما پھول،دن کی روشنی،چاند کی چاندنی اور انسانی زندگی اورضروریات کا ان سے مربوط عمل تو اس حقیقت کونمایاں کرتا ہے کہ سب کچھ ایک قادر مطلق،حکیم وخبیر، متصرف ومقتدراور خالق ومالک کے قبضۂ اختیار میں ہے اگرتم اسکے علاوہ کوئی اور معقول عقیدہ رکھتے ہوتو پھر بتاؤ آسمان وزمین اور شمس وقمرکوکس نے پیدا کیا۔ان کے پاس یقیناً اسکا ایک ہی جواب ہوگا جوحقیقت ہے جس کے تسلیم کرنے میں انہیں تردد رہتا ہےاور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انکا پیدا کرنے والا ہے۔جب بات وہی ہے جس کے تسلیم کرنے کے سواتمہارے پاس کوئی چارہ نہیں تو پھرتم کیوں روگردانی کرکے شرک کی ظلمتوں میں ٹھوکریں کھارہے ہو،توحید کا آفتاب روشن ہے کفروشرک کی ظلمتیں ختم ہورہی ہیں،اسلام کا نور پھیل رہاہے،پیغمبر اسلام ﷺ کی دعوتِ توحید عروج پر ہے،پتھر کے بت سر کے بل گرکر توحید کا اعتراف کررہے ہیں،مظاہر قدرت نبی برحق کی تصدیق کرتے ہوئے ان کے اشارے پرتوحید کا اعلان کررہے ہیں،تم بھی مجبور ومقہور ہوکر پیغام نبوت کی صداقت کو پہچان چکے ہو۔

پیغمبر اسلام کی سیرت طیبہ اور عظیم الشان کردارتمہارے سامنے ہےتم ان کی دیانت اور امانت اوران کی حقانیت اورصداقت کا اعتراف کرتے ہواوران کی چالیس سالہ عملی زندگی کے شب وروز کا ایک ایک لمحہ تمہارے سامنے ہے، بدترین دشمن اورمخالف ہونے کے باوجودان کی سیرت طیبہ کا کوئی بھی قابل اعتراض پہلو پیش کرنے پرتم قدرت نہیں رکھتے بلکہ انہیں صادق وامین کے لقب سے یاد کرتے ہو پھرتم بتاؤ کہ توحید کے اقرار میں تمہارے لئے کونسی رکاوٹ ہے۔کفارومشرکین کمزوراور غریب اہل ایمان کوغربت اور مسکنت کا طعنہ دینے لگے اوردنیا کی کثرت اور مادی قوت کوفوقیت کا باعث جتلانے لگےتو ارشادفرمایارزق کی وسعت اورتنگی تو اللہ تعالیٰ کی

مشیت سے ہے وہ اپنے بندوں کی مصلحتوں کو خوب جانتا ہے۔ دولت کی قلت و کثرت حق و باطل کی شناخت کا معیار نہیں، دولت کی تقسیم اور رزق کی کمی بیشی حکمت الٰہی سے متعلق ہے جس کو وہ خود بہتر جانتا ہے اسلام صرف دنیوی معاش کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ دنیا کے ساتھ ہمیشہ رہنے والے عالم آخرت کی زندگی کو سنوارنے کا درس بھی دیتا ہے۔

پھر ارشاد فرمایا کہ ان مشرکین سے پوچھیں آسمان سے بارش کون برساتا ہے بنجر زمین کو اس کے پانی سے کون سرسبز و شاداب کرتا ہے تو پھر بھی مشرکین یہی کہیں گے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے اس کے بغیر تو کوئی بھی یہ کام نہیں کرسکتا اے حبیب پاک ﷺ چونکہ آپ کے پیغام توحید کو مشرکین مجبوراً بے بس ہو کر تسلیم کر رہے ہیں اور اسکو جھٹلانے کیلئے ان کے پاس کسی قسم کی کوئی دلیل نہیں تو آپ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کریں اس نے آپ پر کتنا فضل عظیم فرمایا کہ بدترین دشمن بھی آپ کے پیغام کو جھٹلانے کی قدرت نہیں رکھتے اصل بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ بیوقوف ہیں اور ان کی بیوقوفی میں کوئی بھی شک نہیں کہ جس چیز کو جھٹلاتے ہیں اس کا اقرار کرتے ہیں یہ شکوک و شبہات کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں، یقین کی نعمت سے محروم ہیں، ان کے موقف میں کوئی پختگی نہیں اور بدحواسی کے عالم میں یہ خیر و شر اور نیک و بد کی تمیز سے قاصر ہیں۔

☆☆☆☆☆

تفسیر القرآن

اَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْیَانًا فَاَلْقُوْهُ فِی الْجَحِیْمِ. فَاَرَادُوْا بِهٖ كَیْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِیْنَ. وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ. صَدَقَ اللهُ الْعَظِیْمُ. (سورۃ الصافات، آیت ۹۷ تا ۹۹ پ ۲۳)

ترجمہ: انہوں نے کہا اس کے لئے وسیع آتشکدہ بناؤ پھر اسے بھڑکتی آگ میں پھینک دو انہوں نے تو چاہا کہ ان کے ساتھ مکر کریں لیکن ہم نے انہیں ذلیل کر دیا اور آپ نے کہا میں اپنے پروردگار کی طرف جارہا ہوں وہ میری راہنمائی فرمائیگا۔

تلاوت کردہ آیات میں حضرت ابراھیم علیہ السلام کا ذکر خیر کیا جارہا ہے۔ قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے حالات و واقعات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ ان نفوسِ

قدسیہ کے پاکیزہ حالات کو بیان کرنے کی مصلحت وحکمت پر روشنی ڈالتے ہوئے خود قرآن مجید نے اس طرح وضاحت فرمائی ۔اے حبیب پاک ﷺ ہم آپ پر انبیاء سابقین کے حالات وواقعات کو اس مصلحت وحکمت کے پیش نظر بیان کرتے ہیں تا کہ آپ کے قلبِ اطہر کو ثبات ،استقامت اور اطمینان حاصل ہو اور حق وصداقت روز روشن کی طرح واضح ہو کر آپکے سامنے آجائے ۔نیز اہلِ ایمان کیلئے ان واقعات وحالات کا بیان پند ونصیحت کا کام دے ۔اسی حکمت ومصلحت کے پیشِ نظر قرآنِ مجید میں حضرات انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیھم السلام کے قصص و احوال کو بیان کیا گیا ۔حضرت ابراھیم علیہ السلام جن کی نسل پاک سے حضور خاتم النبیین ﷺ جلوہ گر ہوئے اور آپ کو اپنے جدِ امجد حضرت ابراھیم علیہ السلام کی ملتِ حنفی کی موافقت کا حکم دیا گیا اُن کا ذکرِ خیر بھی بڑی تفصیل کے ساتھ قرآن مجید میں کیا گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے لوگ صرف بت پرست نہیں تھے بلکہ بت تراش بھی تھے اور بتوں کی پرستش ان کے رگ وریشے میں سما چکی تھی ۔ایسے حالات میں انہیں توحید خداوندی کا درس دینا کوئی آسان کام نہ تھا مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نہایت جرأت واستقامت سے انہیں توحید کا پیغام سنایا اور ان کے معبودان باطلہ کی پرزور تحقیر وتردید کی ۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صرف برادری ،قوم اور اہلِ علاقہ کی مخالفت کا سامنا نہ تھا بلکہ وقت کا ظالم و جابر حکمران بھی آپکا سخت مخالف تھا ۔ایسے حالات میں جہاں کلمۂ حق کہنے کی پاداش میں مصائب وآلام کے پہاڑ ٹوٹ پڑنے کا قیامت خیز منظر سامنے تھا اور کسی طرف سے پیغام توحید کو قبول کرنے کی کوئی ظاہری صورت نظر نہ آتی تھی نیز مادی وافرادی قوت کے سراسر فقدان کے تناظر میں حالات کی سنگینی اپنے عروج پر تھی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید خداوندی کا پیغام پہچانے کا اہتمام فرمایا۔

آپ نے بڑے حوصلے اور بردباری کے ساتھ ان کے کافرانہ اور مشرکانہ عقائد کو دلائل کی روشنی میں بے وقعت ثابت کیا توحید خداوندی کے اٹل اور ٹھوس ثبوت بہم پہنچا کر انہیں لاجواب کیا اور ان کی ہر بے سروپا دلیل کو تار تار کر دیا ۔انصاف واعتدال کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ لوگ آپکے پیغام کو دل وجان سے قبول کر لیتے اور اپنے باطل عقائد سے باز آجاتے مگر اہل باطل دلائل اور حقائق پر غور کرنے سے محروم رہتے ہیں اور جب دلائل وحقائق کے مقابلے میں لاجواب اور بے بس ہو جاتے ہیں تو پھر سینہ زوری اور بدمعاشی پر اتر آتے ہیں۔

قرآن مجید نے حضرات انبیائے کرام علیھم السلام کے منکرین ومکذبین کی تاریخ بیان کرتے ہوئے

اس صورتحال کا تفصیلی جائزہ پیش کیا۔ یہی معاملہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا۔ نمرود کی مصنوعی خدائی کو چیلنج کرتے ہوئے جب آپ نے یہ برہان مبین پیش کی کہ میرا رب تو مشرق سے سورج نکال لاتا ہے اگر تم الوہیت کے دعوے میں سچے ہو تو مغرب سے سورج کو نکال کر دکھاؤ یہ سن کر نمرود مبہوت اور لاجواب ہو گیا اور ڈرانے دھمکانے کی سیاست پر اتر آیا چنانچہ کلمۂ حق کہنے کی پاداش میں آپکو آگ میں ڈالنے کا حکم جاری کر دیا۔ نمرود اور اسکے حواریوں کو معلوم نہ تھا کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام مقام توحید کی کن بلندیوں پر فائز ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقینِ کامل اور عزم واستقامت کے انوار وتجلیات سے معمور قلبِ ابراھیمی پر آتشکدہ میں ڈالنے کی دھمکی بھلا کیا حیثیت رکھتی تھی۔ آپ نہایت جرأت واستقامت اور عزم واستقلال سے اپنے موقف پر قائم رہے اور باطل کے تند وتیز طوفان کی لہروں کا مقابلہ کرنے کیلئے مضبوط چٹان بن کر سینہ سپر ہو گئے۔ توحید خداوندی کا یہ ذوقِ عبدیت اور توکل علی اللہ کی یہ دولت وثروت پھر عزم واستقامت اور جرأت وشجاعت کے اظہار کی یہ غیرت وحمیت خالقِ کائنات کا وہ انعامِ عظیم تھا جو حضرت ابراھیم خلیل اللہ علیہ السلام کے مقدر میں ثبت ہو چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے عبدِ خالص اور ذوقِ توحید سے سرشار نبی برحق کو سرفراز فرمایا، دشمنوں کے منصوبے ناکام ہو گئے، باطل کی ریشہ دوانیاں دم توڑ گئیں، کفر وشرک کے بادل چھٹ گئے اور توحید کا آفتاب پوری آب وتاب سے جلوہ گر ہوا۔

اسی عظیم الشان واقعہ کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ''فَاَرَادُوْا بِہٖ کَیْدًا فَجَعَلْنٰھُمُ الْاَسْفَلِیْنَ'' انہوں نے تو چاہا کہ ہمارے بندے کے ساتھ مکر کریں مگر ہم نے مخالفین کو ذلیل وخوار کر دیا۔ تاریخ عالم کے اس عظیم الشان واقعہ میں اہلِ حق اور اربابِ صداقت کیلئے عزم واستقامت کا درس موجود ہے۔ نصرت خداوندی پر یقین کا پیغام جلوہ افروز ہے اور حقیقی فلاح وبہبود سے ہمکنار ہونے کی بشارت پائی جاتی ہے۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام نے حق وباطل کے امتیاز کو نمایاں کر دیا اور باطل کے پرستاروں کیلئے افہام وتفہیم کے تمام مواقع فراہم کر دیئے مگر ان کی ہٹ دھرمی اور تعصب میں کوئی فرق نہ پڑا تو آپ نے انہیں صاف الفاظ میں فرما دیا کہ تم جیسے لوگوں کے معاشرے میں دعوت وارشاد کا سلسلہ جاری رکھنا وقت ضائع کرنے کے مترادف ہے اس لیئے میں تمہارے مشرکانہ ماحول سے رخصت ہو کر ایسی جگہ جانا چاہتا ہوں جہاں پوری دلجمعی سے میں اپنے رب کو یاد کر سکوں اور اسکے بندوں کو اسکے قریب لا سکوں۔ چنانچہ آپ وہاں سے مصر تشریف لے گئے اور وہاں سے ہوتے ہوئے شام میں قیام پذیر ہوئے۔

☆☆☆☆☆

تفسیر القرآن

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم.

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰی مُوْسٰی وَھٰرُوْنَ. وَنَجَّیْنَاھُمَا وَقَوْمَھُمَا مِنَ الْکَرْبِ الْعَظِیْمِ. وَنَصَرْنَاھُمْ فَکَانُوْا ھُمُ الْغَالِبِیْنَ. وَاٰتَیْنَاھُمَا الْکِتَابَ الْمُسْتَبِیْنَ. وَھَدَیْنَاھُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ. صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ.

(سورۃ الصّافات، آیت۱۱۴ تا ۱۱۸ پ۲۳)

ترجمہ: اور ہم نے حضرت موسیٰ اور حضرت ھارون پر احسان فرمایا اور ہم نے ان دونوں کو اور ان کی قوم کو بڑے دردناک غم سے بچالیا اور ہم نے ان کی مدد فرمائی پس ہو گئے وہی غلبہ پانے والے اور ہم نے ان دونوں کو ایسی کتاب عطا فرمائی جو نہایت واضح ہے اور ہم نے ان دونوں کو سیدھے راستے کی ہدایت فرمائی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تفصیلی حالات کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ھارون علیہ السلام کا ذکرِ خیر کیا جارہا ہے قرآن مجید میں حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے قصص و حالات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات کو تفصیل و تطویل سے بیان کیا گیا ہے۔ تلاوت کردہ آیات میں ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ھارون علیہ السلام دونوں پر احسان فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا، کلیمِ ربانی ہونے کا شرف عطا فرمایا، تختیوں پر لکھی ہوئی توراۃ عطا فرمائی، ید بیضا کا معجزہ دیا اور عصائے موسوی سے عجیب و غریب واقعات کا اظہار کرایا۔

آپ کی وجہ سے بنی اسرائیل کو صدیوں کی غلامی سے نجات ملی، ان پر آسمان سے پکے پکائے تازہ کھانوں سے آراستہ دسترخوان اترے غرضیکہ بے شمار احسانات و انعامات سے آپ کو نوازا گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت، پرورش اور جوانی کے سارے حالات انعامِ خداوندی کی ایک تاریخی دستاویز ہے جس کا تذکرہ قرآن مجید میں ثبت ہے۔ ظالم سرداروں کی گرفت سے بچ کر حضرت شعیب علیہ السلام کی صحبت سے مستفید ہونا، پھر درخت سے ,, اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ،، کی دلکش آواز سماع کرنا اور انوار و تجلیات سے لطف اندوز ہونا، اسی طرح طورِ سینا

پر حسنِ ازل کی تجلی سے مدہوش ہونااور نبوت ورسالت کے عظیم الشان مقامات سے مشرف ہونا یہ سب وہ انعامات ہیں جن کا ذکر تفصیل سے کیا گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی استدعا پر حضرت ھارون علیہ السلام کا معاون و مددگار رہونا اور تبلیغ وارشاد کے سلسلے میں آپ کا دست وباز وہونا یہ سب کچھ انعامات خداوندی کی ذیل میں آتا ہے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ھارون علیہ السلام کو اپنے معاونین سمیت فرعون اور اس کے حواریوں کے ظلم وستم سے نجات عطا کرنے کے احسان کو خاص طور پر بیان کیا گیا۔فرعون جو اقتدار اور حکومت کے نشے میں بدمست ہوکر خدائی کا دعویٰ کر بیٹھا تھا بنی اسرائیل کو اپنے ظلم وستم کا نشانہ بناتا رہا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی فرعون کے جبرو استبداد اور ظلم وتشدد سے براہ راست واسطہ پڑا آپ کو مغلوب کرنے کی خاطر فرعون نے کئی حربے استعمال کئے۔

جب حقائق کی روشنی میں فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نہ جھٹلا سکا تو آپ کو اور آپ کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو جادوگر مشہور کر دیا،اپنی قوم کے جذبات کو ابھارنے کے لئے آپ پر حکومت کا تختہ الٹنے کا الزام عائد کیا اور اپنے خاندانی اور قومی تہذیب وتمدن کو بگاڑنے کا ذمہ دار آپکو ٹھہرایا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بڑے حوصلے اور اعتدال سے فرعون کے الزام کا جواب دیا اور دلائل کی روشنی میں مطمئن کرنے کی پوری کوشش کی مگر دن بدن فرعون تکبر،سرکشی،ظلم وتشدد اور ناانصافی میں بڑھتا چلا گیا۔ بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام جلال میں آ گئے اور بارگاہِ رب ذوالجلال میں عرض کرنے لگے،الٰہ العالمین یہ ظالم کب تک تیرے بندوں پر ظلم وستم کرتا رہیگا تو نے اسے مال ومتاع اس لئے عطا فرمایا ہے کہ یہ گمراہی پھیلاتا رہے،الٰہ العالمین تو اس کے اقتدار اور مال ودولت کو اپنی گرفت میں لے اور اسے دردناک عذاب میں مبتلا فرما دے۔

آپ کی دعا قبول ہوئی،نصرتِ خداوندی کا وقت آ گیا،فرعون نے ہزاروں کے لشکر کو آپ کے پیچھے لگا دیا وہ تلخ ساعت آ پہنچی کہ آگے دریا اور پیچھے فرعون کا لشکر،ساتھی گھبرانے لگے تو کلیم خداوندی نے نہایت اطمینان سے انہیں تسلی دی،گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں میرا رب اسوقت بھی میرے ساتھ ہے اور میری رہنمائی فرما رہا ہے۔ ارشاد خداوندی ہوا دریا پر عصائے موسوی سے ضرب لگائیں اور پھر قدرت خداوندی کے کرشمے دیکھتے جائیں۔

وہ عصائے موسوی جو ہزاروں جادوگروں کے بنائے ہوئے خطرناک سانپوں کو ہڑپ کر گیا تھا دریا پر اثر انداز ہوا، درمیان میں راستہ بن گیا، موسیٰ علیہ السلام اپنے پیروکاروں سمیت دریا میں داخل ہوئے، امن وامان سے گزرے اور سلامتی سے کنارے پہنچ گئے۔

فرعون نے دریا میں راستہ بنا ہوا دیکھ کر فوج کو دریا میں اترنے کا حکم دیا اور خود بھی داخل ہوا، اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا تو دریا کے دونوں کنارے آپس میں مل گئے اور یوں بڑی ذلت ورسوائی کے ساتھ فرعون غرق ہونے لگا، ہلاکت کو دیکھ کر فرعون ایمان کا اظہار کرنے لگا میں اس خدا پر ایمان لاتا ہوں جو حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کا پروردگار ہے۔ مگر اس حالت میں اسکا ایمان قبول نہ ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ کے جلال واحتساب کا نشانہ بن کر دریا میں غرق ہو گیا البتہ اس کی لاش سلامت رہی تاکہ لوگ اسے دیکھ کر عبرت حاصل کریں اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کیساتھ وعدۂ خداوندی پورا ہوا۔ پھر ارشاد فرمایا کہ ہم نے انہیں ایسی کتاب عطا فرمائی جو نہایت واضح ہے۔ اس کتاب سے مراد توراۃ ہے جس میں تفصیل سے احکامِ الٰہی کا بیان تھا۔ پھر فرمایا کہ ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ھارون علیہ السلام کو سیدھے راستے کی طرف ہدایت فرمائی۔

ان آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ھارون علیہ السلام پر انعامات واحساناتِ خداوندی کا تذکرہ کیا گیا، آپکو اپنے پیروکاروں سمیت فرعون اور اسکے حواریوں کے ظلم وستم سے نجات کی بشارت دی گئی، نصرت الٰہی سے آپکی معاونت کا تذکرہ ہوا اور دشمنوں پر آپ کے غلبہ پانے کا اعلان کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک رحمتِ دوعالم نورِ مجسم ﷺ کے وسیلے سے ہمیں قرآنی تعلیمات پر عمل کرنیکی توفیق عطا فرمائے۔ اٰمِیْنْ، وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

☆☆☆☆☆

دوسرا باب...... درسِ حدیث

تکبر کی مذمت

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْم- بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم.

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ اَحَدٌ فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ کِبْرٍ (رواہ مسلم)

صحیح مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوا تو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ ایسی بُری خصلتیں جو ایک انسان کو خالق ومخلوق دونوں کے سامنے ناپسندیدہ قرار دیکر اس کے حق میں نفرت اور ناپسندیدگی کا باعث بنتی ہیں بلاشبہ انسانیت کے دامن پر ایک بدنما داغ ہوتی ہیں۔ ان بری خصلتوں میں تکبر کے مفاسد اور نقصانات سب سے زیادہ ہیں اور یہ کئی دوسری بری صفات کو جنم دیتا ہے۔ تکبر انسان کو خود پسندی، ریاکاری اور خود بینی کے مہلک امراض میں مبتلا کر کے اصلاح نفس سے محروم کر دیتا ہے اور دوسروں کی عیب جوئی ،نکتہ چینی ، تحقیر وتذلیل اور تنقید کا خوگر بنا دیتا ہے۔

تکبر کے تباہ کن مہلک اثرات کے پیش نظر رسول پاک ﷺ نے اپنے ارشادات اور عمل کے ذریعے اس سے بچنے کی سخت تاکید فرمائی اور اس کی مذمت پر کافی زور دیا۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ وہ انسان کس قدر برا ہے جو اللہ تعالیٰ کے جلال اور کبریائی کو فراموش کر دیتا ہے اور تکبر وغرور سے کام لیتا ہے۔ قیامت کے دن تکبر کرنے والوں کو چیونٹیوں کی شکل میں اٹھایا جائے گا تا کہ ان کی ذلت وحقارت نمایاں ہو جائے۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ تکبر کرنے والا اپنے خیال میں تو بڑا ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ اسے ذلت سے ہمکنار کرتا ہے اور وہ لوگوں کی نگاہوں میں پست ہو جاتا ہے۔ تکبر دل میں ہو یا اسکا قول وفعل اور حال کے ذریعے اظہار کیا جائے ہر لحاظ سے قابلِ مذمت ہے۔

وضعداری، سنجیدگی، تعزز اور وقار وتمکنت کو تکبر نہیں کہا جاسکتا۔ اسی طرح یکسوئی، گوشہ نشینی، کم آمیزی کو بھی تکبر سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا، حدیث پاک میں آتا ہے کہ رسول پاک ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ کیا اچھا لباس پہننا بھی تکبر ہے آپ نے فرمایا نہیں تکبر کا مفہوم تو یہ ہے کہ انسان حق کو ٹھکرا دے اور لوگوں کو

حقیر سمجھے۔اس ارشاد نبوی سے واضح ہوتا ہے کہ ہر وہ قول وفعل اور حال جو دوسروں کی تحقیر اور حق کا مقابلہ اور انکار کرنے کا باعث بنے تکبر کہلائے گا۔رسول پاک ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ آنجناب ﷺ تکبر کو کسی صورت میں بھی پسند نہیں فرماتے تھے۔زندگی کے ہر شعبے میں آپ تواضع ، انکسار اور عاجزی کو پسند فرماتے۔آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ ایک دوسرے کو سلام کرنے میں جلدی کیا کرو کیونکہ پہلے سلام کرنے والا تکبر سے بَری ہوتا ہے،آپ مجلس میں عام لوگوں کے ساتھ مل بیٹھنے کو پسند فرماتے اور ایک نمایاں تشخص قائم کر کے اپنی برتری جتلانے کیلیئے امتیازی طور پر نشست کو پسند نہ فرماتے تاکہ تکبر کا شائبہ تک نہ پایا جائے۔آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص دل سے یہ چاہتا ہے کہ اسکے آنے پر لوگ کھڑے ہو جائیں تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے اور کسی کیلیئے یہ مناسب نہیں کہ دوسرے شخص کو مجلس سے اٹھا کر خود اس کی جگہ پر بیٹھ جائے بلکہ جہاں بھی جگہ مل جائے وہاں بیٹھ جائے۔

تکبر چونکہ ابلیس کا شیوہ ہے اس لیئے وہ اس جرم کے پھیلانے سے زیادہ خوش ہوتا ہے، جو شخص تکبر میں مبتلا ہے گویا عملاً وہ شیطان کی خوشنودی حاصل کرنے میں مصروف ہے حالانکہ شیطان انسان کیلیئے عدو مبین ہے۔جن اسباب وذرائع کی بنا پر انسان تکبر کرتا ہے وہ تمام عارضی اور فانی ہیں اور ان کے باقی رہنے کا کوئی یقین نہیں اس لیئے تکبر انسان کیلیئے آخر افسوس اور پریشانی کا باعث بنتا ہے۔تکبر کرنے والا صرف اللہ اور رسول کی بارگاہ میں قابل مذمت نہیں بلکہ پورے معاشرے میں اسے نفرت اور بغض کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

حالات کے بدلنے میں کوئی دیر نہیں لگتی تکبر کرنیوالا جب گردش دوراں اور حوادثِ زمانہ کا شکار ہوتا ہے تو اس کی ذلت اور رسوائی کو دیکھ کر کوئی آنکھ اشکبار نہیں ہوتی وہ اپنے آپکو بے یار ومددگار پا کر سخت اذیت محسوس کرتا ہے اور موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا ہوتا ہے۔تکبر کا انجام بہت برا ہے اور تکبر کے خطرناک نتائج انسان کی تباہی کا باعث بنتے ہیں۔تاریخ عالم کا مطالعہ کرنے سے پتا چلتا ہے کہ اس قبیح جرم کے مرتکب ہمیشہ غضبِ خداوندی کا نشانہ بنے اور انکا نام ونشان مٹ گیا۔شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ تکبر کی مذمت میں کیا خوب فرماتے ہیں۔

؎ تکبر عزازیل را خوار کرد　　　بزندانِ لعنت گرفتار کرد

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک ﷺ کے وسیلے سے ہمیں تکبر سے محفوظ فرمائے۔آمین، وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن.

☆☆☆☆☆

غیر مسلموں سے سلوک

نَحۡمَدُ ہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡکَرِیۡم. بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم.

عَنۡ صَفۡوَانَ بۡنِ سُلَیۡمٍ عَنۡ عِدَةٍ مِّنۡ اَبۡنَاءِ اَصۡحَابِ رَسُوۡلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ عَنۡ آبَـآئِهِمۡ عَنۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَا مَنۡ ظَلَمَ مُعَاهِدًا اَوِ انۡتَقَصَهٗ اَوۡ كَلَّفَهٗ فَوۡقَ طَاقَتِهٖ اَوۡ اَخَذَ مِنۡهُ شَیۡئًا بِغَیۡرِ طِیۡبِ نَفۡسٍ فَاَنَا حَجِیۡجُهٗ یَوۡمَ الۡقِیَامَةِ. (رواہ ابوداؤد)

صفوان بن سلیم، حضرات صحابہ کرام کے چند صاحبزادوں سے روایت کرتے ہیں انہوں نے اپنے آبائے کرام سے روایت کی کہ رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا خبردار جس شخص نے کسی غیر مسلم ذمی یا مستامن سے ظلم کیا یا اسکے حق میں کمی کی یا اس کی طاقت سے زائد اس پر ذمہ داری عائد کی یا اسکی خوشی کے بغیر اس سے کچھ لے لیا تو میں قیامت کے دن اسکا مدعی ہونگا۔ یہ حدیث صحاح ستہ کی مشہور کتاب سنن ابی داؤد میں روایت کی گئی ہے۔

پیغمبر اسلام ﷺ کے ارشادات اور عملی زندگی کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ اسلام نے غیر مسلموں کے ساتھ ہمیشہ ہمدردانہ رویہ اختیار کیا ہے۔ دین اسلام امن و عافیت، سلامتی اور سکون واطمینان کا علمبردار ہے اس لئے اس نے اپنے مخالفین اور معاندین کے ساتھ بھی جبر و تشدد اور ظلم و ستم کو پسند نہیں کیا۔ رسول پاک ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کو اسلام کے ابتدائی دور میں غیر مسلموں نے جو اذیتیں پہنچائیں اور جن مصائب و آلام سے ہمکنار کیا وہ تاریخِ اسلام کے انتہائی کٹھن اور ناقابل برداشت حالات ہیں۔ ایسے نازک حالات میں بھی غیر مسلموں کے ساتھ وہ رویہ اختیار نہ کیا گیا جسکے وہ مستحق تھے۔

ہجرت کے بعد مکہ میں قحط پڑا اور یمامہ کے مسلمان سردار ثمامہ بن اثال نے اناج کی برآمد روک دی تو پیغمبر اسلام ﷺ نے غیر مسلموں کی سفارش فرمائی اور انہیں قحط کی مصیبت سے نجات ملی۔ آپ نے ہمیشہ غیر مسلموں کے ساتھ عفو و درگزر، چشم پوشی، روا داری اور مروت کا طریقہ اختیار کیا۔ غیر مسلم اہل کتاب کی عبادت گاہوں اور خانقاہوں سے تعرض کی ممانعت فرمائی، ان کے ذبیحہ کو حلال قرار دیا اور اہل کتاب عورتوں سے نکاح کی اجازت فرمائی۔ کاروباری معاملات اور لین دین میں عدل و انصاف کے اصول و ضوابط غیر مسلموں کے

ساتھ بھی اسی طرح مدنظر رکھے گئے جس طرح مسلمانوں کیلئے ۔ غیر مسلموں کے ساتھ کئے گئے عہد و پیمان کو نبھانے کی تاکید کی گئی اور ان کی جان و مال، عزت وآبرو کی حفاظت اہل اسلام کیلئے ضروری قرار دی گئی۔

اسلامی فتوحات کے سلسلے میں رسول پاک ﷺ نے خاص طور پر تاکید فرمائی کہ غیر مسلموں پر تشدد نہ کیا جائے، وہ صلح پر آمادہ ہوں تو ان کے ساتھ مصالحت کر لی جائے، ان کے درختوں، جانوروں، بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کا خیال رکھا جائے، اگر وہ اسلام قبول نہ کریں، مصالحت پر بھی آمادہ نہ ہوں اور اسلام کے خلاف برسر پیکار ہو جائیں تو دفاعی انداز میں ان کا مقابلہ کیا جائے اور عدل وانصاف کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے وہ غیر مسلم جو اسلامی حکومت میں مقیم ہوں اور جزیہ قبول کر لیں تو ان کے متعلق سختی سے یہ حکم نافذ کیا گیا کہ ان کا خون مسلمان کے خون کے برابر ہے اگر کوئی مسلمان ایسے غیر مسلم کو قتل کر ڈالتا ہے تو اسے قصاص میں قتل کیا جائیگا اور اسکے ساتھ کوئی رعایت نہیں برتی جائیگی۔ اسلامی قانون کے لحاظ سے غیر مسلموں کے ساتھ مساوی اور منصفانہ سلوک کی بے حد تاکید کی گئی اور رسول پاک ﷺ نے یہاں تک ارشاد فرمایا جو شخص اسلامی مملکت میں بسنے والے غیر مسلم اہل ذمہ پر زیادتی کرے یا اسکے حق میں کمی کرے یا طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ ڈالے یا اس کی مرضی کے بغیر اسکے مال پر قابو پالے تو میں قیامت کے دن اسکا مدعی ہونگا۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ان کی غیر مسلم ماں ان سے ملنے کیلئے آئیں اور مالی امداد طلب کی انہوں نے پیغمبر اسلام ﷺ کی خدمت میں عرض کیا تو آپ نے فرمایا تمہیں اپنی ماں کی خدمت کرنی چاہیئے ۔ حضرت ام المؤمنین صفیہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ایک غیر مسلم رشتہ دار کیلئے کچھ زمین وقف کرنا چاہی تو حضور ﷺ نے انہیں اجازت فرمادی ۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ رسول پاک ﷺ ایک یہودی لڑکے کی بیمار پرسی کیلئے تشریف لے گئے اس کے ساتھ شفقت فرمائی تو اسکے والدین نے اسے کہا کہ ابو القاسم ﷺ کی اطاعت کرو چنانچہ وہ بخوشی مسلمان ہو گیا۔ نجران کے عیسائی وفد کی صورت میں آئے تو حضور ﷺ نے مسجد نبوی میں ان کو جگہ دی، ان کی مہمان نوازی فرمائی اور انہیں اپنے طریقے کے مطابق عبادت کی اجازت فرمائی۔

پیغمبر اسلام ﷺ کے مشفقانہ سلوک کی بنا پر غیر مسلم اپنے مقدمات بارگاہ نبوت میں پیش کرتے اور عدل وانصاف کے حصول سے مطمئن واپس لوٹتے ۔ اسی طرح خلافت راشدہ کے دور میں بھی غیر مسلموں کے

مقدمات اسلامی عدالتوں میں پیش کیے جاتے اور ان کے ساتھ عدل وانصاف کے تقاضے پورے کیے جاتے۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے حکم فرمایا کہ غیر مسلم غریبوں اور یتیموں کو نفلی صدقات سے محروم نہ رکھو بلکہ ہر مذہب وملت کے افراد کو نفلی صدقات سے فائدہ پہنچاؤ۔ ابوبصرہ غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مسلمان ہونے سے پہلے وہ رسول پاک ﷺ کے ہاں ٹھہرے تو حضور نے گھر کی تمام بکریوں کا دودھ ان کے حوالے کیا اور خود فاقہ برداشت کیا۔

حدیث پاک میں ایسے بے شمار واقعات ہیں جن سے غیر مسلموں کے ساتھ ہمدردی، رواداری، عدل و انصاف، حسنِ اخلاق، مروّت اور امن وعافیت کی واضح ہدایات پائی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک ﷺ کے وسیلے سے ہمیں اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

☆☆☆☆☆

دنیا کی بے ثباتی

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كُنْ فِي الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ (رواہ البخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا دنیا میں یوں رہو جیسے کہ تم ایک مسافر ہو بلکہ راستے سے گزرنے والے۔ دنیا اور اسکا مال ومتاع کثرت اور وسعت کے باوجود عارضی اور فانی ہے۔ دنیا کی بے ثباتی اسکے نظام پر نظر ڈالنے سے نمایاں ہو جاتی ہے۔ بے شمار تغیرات اور تبدیلیاں اہل عقل ودانش کو ہر آن دعوت فکر دیتی ہیں کہ دنیا کو بقائے دوام میسر نہیں۔ سورج، چاند، ستارے، گرمی، سردی، ہوا، بادل، بارش، خوشی، غمی اور مختلف حوادثات اپنے تغیر وتبدل کی بنا پر برملا درسِ عبرت دے رہے ہیں کہ دنیا عارضی اور فانی ہے۔ چونکہ کسی بے ثبات چیز کو دائمی اور ابدی خیال کر لینے سے بہت سے مفاسد اور مضر نتائج برآمد ہوتے ہیں اسی لئے ہادئ برحق، محسنِ انسانیت، رسول معظم ﷺ نے دنیا کی بے ثباتی کے متعلق واضح ارشادات

اور عملی نمونے پیش کیے تاکہ امت مسلمہ اس کے دامِ فریب میں مبتلا نہ ہو۔ آپ نے دنیا کی بے ثباتی کو رہبانیت اختیار کرنے کا ذریعہ ہرگز قرار نہیں دیا بلکہ دنیوی ذمہ داریوں کو سنبھالتے ہوئے اور ان سے پوری طرح عہدہ برآ ہوتے ہوئے اس مفہوم کو قلب و دماغ میں مرکوز کر نیکی تعلیم دی کہ دنیا بے ثبات ہے اور آخرت کی زندگی دائمی اور ابدی ہے۔ رسول پاک ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں منصبِ نبوت کی عظیم ذمہ داریوں کو سرانجام دیتے ہوئے دنیا کی بے ثباتی کو ہمیشہ مدِ نظر رکھا۔

ایک دفعہ سرورکونین کا شانۂ نبوت میں تشریف فرما تھے حجرہ اقدس کا سارا اثاثہ چٹائی کے فرش، پانی کے مشکیزے اور قلیل مقدار جو کے دانوں پر مشتمل تھا، جسم اطہر پر چٹائی کے نشانات پڑے ہوئے تھے، پروانۂ شمع رسالت فاروق اعظم نے رو کر عرض کیا اے اللہ کے برگزیدہ رسول ''قیصر و کسریٰ کو دنیوی شان و شوکت حاصل ہو اور اللہ کا محبوب متاع دنیا کی اتنی شدید قلت سے ہمکنار ہو'' ارشاد فرمایا اے عمر ''اَمَا تَرضٰی اَنْ تَکُوْنَ لَهُمُ الدُّنْیَا وَلَنَا الْآخِرَۃُ'' کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں کہ ان کے لئے دنیائے فانی ہو اور ہمارے لئے آخرت کی دائمی زندگی۔

ایک مرتبہ حضرات صحابہ کرام نے خدمت اقدس میں التماس کیا اگر اجازت ہو تو آپ کیلئے نرم گدا تیار کرالیا جائے تاکہ آپ آرام سے بیٹھ سکیں ارشاد فرمایا مجھے دنیوی مال و متاع سے کیا غرض میری اور دنیا کی مثال تو اس سوار کی طرح ہے جو تھوڑی دیر کسی سایہ دار درخت کے نیچے ٹھہر جائے اور پھر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جائے۔ حیات دنیوی کو مستقل خیال کر لینے سے آخرت سے غفلت اور جزاؤ سزا سے بے پروائی لاحق ہوتی ہے، انسان حرص اور لالچ کے جال میں گرفتار ہو جاتا ہے اور حلال و حرام، جائز و ناجائز کے امتیاز سے قاصر رہتا ہے، اسکی جدو جہد دنیوی لوازمات کے حصول تک محدود ہو جاتی ہے اور وہ میدان عمل میں قدم رکھ کر منزل مقصود تک پہنچنے سے محروم رہتا ہے۔ اسکے برعکس دنیا کی بے ثباتی انسان کو انجام کار پر غور کرنے کی دعوت فکر دیتی ہے۔ انسان اپنی جدو جہد کا دائرہ وسیع کرتا ہے اور انسانیت کے اجتماعی مفادات کی خاطر کام کر کے اجر و ثواب حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ اس بے ثبات دنیا میں رہ کر دائمی اور ابدی زندگی کو سنوارتا ہے اور اس محبوب حقیقی کو راضی کرنے کی کوشش کرتا ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

دنیا کی بے ثباتی کا یقین کامل پیدا کرنے کیلئے رسول پاک ﷺ نے اپنے ارشاد اور عمل کے وہ تاریخی شواہد پیش کیے جن کی روشنی میں اہل ایمان اس متاع غرور سے بچنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ سیرت نبوی کو

قلمبند کرنے والے محدثین کرام نے آپکے ارشادات اور عمل کی روشنی میں دنیا کی بے ثباتی کے متعلق آپ کی تعلیمات کا جونقشہ پیش کیا ہے وہ ایسا لائحہ عمل ہے جو انسانیت کی فلاح و بہبود کی ضمانت دیتا ہے اور قیامت تک آنیوالے لوگوں کو اس حقیقت سے آگاہ کرتا ہے کہ دنیا عارضی، فانی اور بے ثبات ہے اسکا مال و متاع دھوکے کا سامان ہے اور اس کے دامِ فریب میں پھنسنے والے غفلت کے حجابات میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ تعلیمات نبوی کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ حکیمانہ انداز میں کیا خوب فرماتے ہیں۔

ز سعدی ہمیں یک سخن یاد دار منہ دل بریں دیر نا پائدار

اللہ تعالیٰ ہمیں ارشادات نبوی پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمِیـنْ، وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

☆☆☆☆☆

اعتماد میرا خزانہ ہے

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

رسول پاک ﷺ کا ارشاد گرامی ہے اعتماد میرا خزانہ ہے۔ حدیث پاک کے یہ مختصر الفاظ بے پناہ معنوی وسعتوں کے امین ہیں۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انسانی کردار کی تکمیل اور حقیقی فلاح و بہبود کے حصول میں اعتماد کو بڑی اہمیت حاصل ہے، فطری صلاحیتوں کو بھرپور طور پر بروئے کار لانے میں اعتماد کو بڑا دخل ہے اور رزمگاہ حیات میں قدم قدم پر خیر و شر کی کشمکش میں اعتماد کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کا جامع طریق کار اعتماد کا مرہونِ منت ہے اور اجتماعی مفادات کے تحفظ اور معاشرے کی تعمیر و ترقی میں اعتماد مؤثر اور نتیجہ خیز حیثیت رکھتا ہے۔

اعتماد کی زبردست اہمیت کے پیش نظر پیغمبر اسلام ﷺ نے اسے خزانے کے ساتھ تعبیر فرما کر اس کے حصول، افادیت اور جامعیت کو نمایاں انداز میں پیش فرمایا اور اس کی ضرورت کو اُجاگر کیا۔ رسول پاک ﷺ کی

پوری زندگی اعتماد کی عملی تفسیر ہے۔ شمع اسلام کے روشن ہوتے ہی کفر وشرک کی طاغوتی طاقتوں نے اجتماعی انداز میں مخالفت اور عداوت کا جو طوفان کھڑا کیا اور قدم قدم پر رکاوٹیں ڈالنے کی جو زبردست سازشیں کیں ایسے ناسازگار حالات میں آنجناب ﷺ کا خزانہ اعتماد ہی تھا جس نے وقارِ نبوت اور عزم ربانی کی صورت میں دشمنوں کے عزائم کو خاک میں ملا دیا۔ جدوجہد کا تسلسل اور مقصد پر یقین، اعتماد ہی کا کرشمہ ہوتا ہے چنانچہ رسول پاک ﷺ نے اعتماد کی معراج کمال پر فائز ہو کر مخالفین اسلام کو دوٹوک الفاظ میں نقطہ نظر سناتے ہوئے ارشاد فرمایا اگر تم لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دو تب بھی میں اعلانِ حق سے باز نہیں آؤں گا۔ دنیا کی تاریخ اعتماد کی ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

آپ نے کبھی تعداد کی قلت اور مادی قوت کے فقدان کو اہمیت نہ دی بلکہ ہمیشہ اعتماد، توکل اور یقین پر کاربند رہے۔ ہجرت کی شب پورے اعتماد اور وثوق سے جناب علی المرتضی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر اقدس پر محو استراحت ہونے کی تاکید فرمائی۔ غار ثور میں جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو معیت خداوندی کی بشارت دیکر اعتماد کا عظیم الشان مظاہرہ فرمایا۔ غزوہ حنین میں جب چاروں طرف سے دشمنوں نے آپکی سواری کو گھیر لیا اور تلواریں سونت کر للکارا تو اعتماد نبوت کا آفتاب پوری آب وتاب سے چمکنے لگا۔ آپ نے پورے اطمینان و دلجمعی اور سکون سے استقامت کا جو منظر پیش کیا کائنات میں اس کی نظیر نہیں ملتی، ایسے خطرناک اور ناسازگار مرحلے پر بھی زبان مبارک پر یہ رجز جاری تھا ''اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِب ...... اَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِب'' میں اللہ تعالی کا سچا نبی ہوں اور میں عبدالمطلب کا فرزند ہوں۔

ایک مرتبہ جہاد سے واپسی پر لشکرِ اسلام درختوں کے سائے میں آرام کر رہا تھا، پیغمبر اسلام ﷺ ایک درخت کے نیچے تن تنہا لیٹے ہوئے تھے آپکی تلوار درخت سے لٹک رہی تھی، ایک دشمن نے موقعہ پا کر تلوار ہاتھ میں لے لی اور کہنے لگا اب آپ کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ ایسے لمحات دلیری، جرأت وشجاعت اور پامردی کے امتحان کیلئے انتہائی کٹھن تھے۔ کروڑوں درود وسلام ہوں اس تاجدارِ نبوت پر جس نے بھرپور اعتماد، عزم راسخ اور استقامت کا بے مثال مظاہرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا میرا اللہ مجھے بچا سکتا ہے۔ زبانِ نبوت کے باوقار الفاظ

سنتے ہی دشمن پر لرزہ طاری ہو گیا اور تلوار ہاتھ سے گر گئی۔

کفار و مشرکین کی ریشہ دوانیوں اور فتنہ و فساد کے تنگ و تاریک ماحول سے اکتا کر بعض لوگوں نے شکایت کی تو اعتماد اور یقین کا پرچم بلند کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گھبرانے کی ضرورت نہیں وہ وقت ضرور آئیگا جب صنعائے یمن سے لیکر حضر موت تک اکیلا آدمی سفر کریگا اور اسے خدائے بزرگ و برتر کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا۔

حضرات صحابہ کرام جنہوں نے اعتماد نبوت کے خزانے سے براہ راست فیض حاصل کیا اور آپکی شانِ اعتماد کا مشاہدہ کیا، فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے ہر حالت میں رسول پاک ﷺ کو اعتماد کی عظمتوں کا امین پایا اور آپکے مضبوط اور مستحکم ارادوں کو ہمیشہ ایک نئے جوش اور ولولے سے ہمکنار پایا۔

آپکے تربیت یافتہ مجاہدینِ اسلام آپ کی شانِ اعتماد کا نمونہ کامل تھے یہی وجہ ہے کہ میدان بدر و حنین ہو یا ریگزار کربلا، اسلام کے بہادر سپاہیوں اور جیالے نوجوانوں نے اعتماد کے وہ نقوش ثبت کئے کہ حوادثات زمانہ انہیں مٹانے پر قادر نہ ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک رحمت دو عالم ﷺ کے وسیلے سے اہل ایمان کو اعتماد کی دولت سے مالا مال فرمائے۔ آمین، وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن.

☆☆☆☆☆

علم میرا ہتھیار ہے

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْم. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم.

رسول پاک ﷺ کا ارشاد گرامی ہے علم میرا ہتھیار ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انسان کی عظمت اور فضیلت کا دارومدار علم پر ہے، علم کی بدولت ہی انسان مسجودِ ملائکہ ٹھہرا اور علم ہی کی وجہ سے خلافت الٰہی کا امین قرار پایا، نیک و بد، خیر و شر اور حلال و حرام کا امتیاز علم کا مرہونِ منت ہے اور علم کے بغیر حقیقی منزل مقصود تک رسائی محال ہے۔ علم کی افادیت، ضرورت اور اہمیت ہر مکتبِ فکر کے نزدیک ہر دور میں مسلّم رہی ہے۔

پیغمبر اسلام ﷺ کی بعثت کا مقصد ہی جہالت و گمراہی کو دور کرنا ہے اسی بنا پر آپ نے حصولِ علم کے بارے میں اپنے ارشادات و عمل سے ہمیشہ اہل ایمان کو توجہ دلائی۔ علم کو اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان نعمت قرار دیکر شکر

کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ''مجھے اولین و آخرین کے علوم عطا کیے گئے''۔ امت مسلمہ کے ہر فردِ بشر کو حصول علم کی تاکید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہر مسلمان مرد اور مسلمان عورت کیلئے علم حاصل کرنا فرض ہے۔ علم کی تلاش میں تمہیں کتنا ہی دور جانا پڑے سفر اختیار کرو۔ آپ نے علم کو ہتھیار سے تعبیر فرما کر اس کی شدید ضرورت، ثمرات و نتائج کی وسعت اور لازمی حیثیت کو اُجاگر کیا۔ کارزارِ حیات میں قدم قدم پر نفس اور شیطان جادۂ شریعت سے بھٹکانے کے لئے گھات لگائے بیٹھے ہیں۔ انسان کے ان روحانی دشمنوں کی مسلسل جدوجہد محض اس لئے ہے کہ کسی طرح یہ ہمارے مکروفریب کے دام میں گرفتار ہو جائے اور صراطِ مستقیم سے بھٹک جائے۔ جس طرح ایک بے ہتھیار سپاہی مسلح دشمن کے عزائم کو خاک میں ملانے پر قادر نہیں ہوسکتا اسی طرح بے علم انسان نفس اور شیطان کا مقابلہ کرنے کی قدرت نہیں رکھتا اور اس کے دام فریب میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ اگر انسان علم کے ہتھیار سے آراستہ ہو تو یہ موذی دشمن اس سے کتراتے ہیں اور مرعوب ہو کر بھاگنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ رسول پاک ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ ایک ہزار عبادت گزاروں کی نسبت ایک عالم شیطان پر زیادہ غالب ہے۔ یہ حدیث اس مفہوم کی مزید وضاحت کر دیتی ہے کہ واقعی علم زبردست ہتھیار ہے۔

حصول علم کی اہمیت کا کچھ اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ رسول پاک ﷺ علوم نبوت و رسالت سے مشرف ہونے کے باوجود ہمیشہ دعا فرماتے ''رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا'' الٰہی میرا علم اور زیادہ کر دے۔ علم حاصل کرنے والوں کے ساتھ محبت و شفقت کا یہ عالم کہ ایک دفعہ حضور ﷺ مسجد نبوی میں تشریف لائے تو کچھ لوگ یادِ الٰہی میں مصروف تھے اور کچھ پڑھنے پڑھانے میں مشغول تھے دونوں جماعتوں کو دیکھ کر خوشنودی کا اظہار فرمایا مگر تشریف فرما ان لوگوں میں ہوئے جو حصول علم میں محو تھے پھر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مجھے معلّم بنا کر بھیجا گیا ہے۔ نفسِ امارہ اور شیطان کے وہم اور وسوسے انسان کی جدوجہد میں رکاوٹ بنتے ہیں اور ان کے باطل خیالات حقائق کی راہ میں روڑے اٹکاتے ہیں ان سے بچنے کے لئے علم ہی وہ نسخۂ شافی ہے جو تمام روحانی اور باطنی امراض کیلئے مفید ثابت ہوتا ہے۔ انسانی زندگی کا کوئی گوشہ ہو علم کی رہنمائی کے بغیر پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا اور علم کے بغیر عمل بے روح جسم کی طرح رہ جاتا ہے۔

رسولِ پاک ﷺ کے صحابہ کرام جو براہ راست علوم نبوت سے فیضیاب ہوئے ہمیشہ علم کے ہتھیار سے آراستہ رہے، گھر کی چار دیواری سے لیکر میدانِ کارزار تک کسی بھی موقع پر علم کے تقاضوں سے غافل نہ ہوئے اور علم کی نشر و اشاعت میں پوری زندگی گزار دی۔ اس بات کا علم کہ جنت تلواروں کے سائے میں ہے

اور شہید دیدارِ الٰہی سے مشرف ہوگا، حضرات صحابہ کرام کو عزم و ہمت کی اس منزل پر لے گیا کہ بے خوف و خطر ہو کر چند نفوسِ قدسیہ لشکر جرار کے سامنے ڈٹ جایا کرتے۔ حصول علم نے انہیں اس دولتِ سرمدی سے ہمکنار کیا کہ قیصر و کسریٰ کے خزانے بھی ان کی چشمِ استغناء کو اپنی طرف مائل نہ کر سکے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے۔

؎ رَضِینَا قِسْمَةَ الْجَبَّارِ فِیْنَا لَنَا عِلْمٌ وَّ لِلْجُهَّالِ مَالٌ

ہم اس تقسیم خداوندی پر جان و دل سے راضی ہیں کہ اس نے ہمیں علم کی دولت عطا فرمائی جبکہ جاہلوں کو صرف دنیوی مال و متاع دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں احادیث نبویہ پر عمل کی توفیق عطا فرمائے، اٰمِیْنَ۔

☆☆☆☆☆

اسلامی جذبہء اخوت

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُهٗ وَلَا یُسْلِمُهٗ. (متفق علیہ)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اسے چاہیئے کہ اپنے بھائی پر ظلم نہ کرے اور اسے ہلاکت میں نہ ڈالے۔ امتِ مسلمہ کی حقیقی فلاح و بہبود میں اسلامی جذبہء اخوت کو جو مقام حاصل ہے اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا یہی وہ جوہر کامل ہے جس کی بناء پر قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے اقوام عالم پر برتری حاصل کی، اپنے تشخص کو برقرار رکھا اور وحدت اسلامی کو بام عروج تک پہنچایا۔

رسول پاک ﷺ نے اپنے ارشادات اور عمل سے ہمیشہ اسلامی اخوت کے جذبے کو اجاگر کیا اور امت مسلمہ کو اس کے حصول کی تاکید فرمائی اسلامی اخوت کی اہمیت، ضرورت اور افادیت کا اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے تمام مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں جب جسم کے کسی حصہ میں

تکلیف ہوتو سارا جسم بیقرار رہتا ہے اسی طرح ملت اسلامیہ کا کوئی فرد کسی خطہ ارض میں ہو دوسرے مسلمانوں کو اس کی تکلیف کا احساس ہونا چاہیے۔آپ کا ارشاد گرامی ہے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن کامل نہیں بن سکتا جب تک دوسرے مسلمان بھائی کیلئے وہ پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے اور مسلمان وہی ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، جو شخص کسی مسلمان بھائی کی امداد میں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرماتا ہے جو شخص مسلمان کی تکلیف کو دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی تکلیف دور فرمائے گا۔اور جس نے کسی مسلمان بھائی کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔

اسلامی اخوت کا تعلق کسی قوم، طبقہ یا علاقہ تک محدود نہیں بلکہ ملت اسلامیہ سے تعلق رکھنے والا ہر فرد بشر اسکے حلقہ میں داخل ہے اور اس کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا اس کے لئے ضروری ہے رسول پاک ﷺ نے عامۃ المسلمین کے حق اخوت کو نمایاں کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں کے ساتھ خلوص نیت اور بھلائی کا نام دین ہے اور تم میں سے بہتر وہی ہے جو دوسرے مسلمان بھائیوں کو فائدہ پہنچائے۔آپ مسلمانوں کی باہمی کدورت، اختلافات اور جھگڑوں کو ناپسند فرماتے تھے آپ کا ارشاد گرامی ہے شیطان اس بات سے تو ناامید ہو چکا ہے کہ بتوں کی پوجا کی جائے البتہ وہ مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کی کوشش جاری رکھے گا۔آپ نے ارشاد فرمایا خبردار میرے بعد دین سے انحراف نہ کرنا اور ایک دوسرے کو قتل کرنے پر آمادہ نہ ہو جانا۔

رسول پاک ﷺ نے عملی طور پر مہاجرین مکہ اور انصار مدینہ کے درمیان بھائی چارہ قائم کر کے اسلامی اخوت کو مضبوط بنیادوں پر استوار کیا اور ہمیشہ اسلامی اخوت کے تقاضوں کو پورا کرنے کی تاکید فرمائی۔یہ اسلامی اخوت ہی کا جذبہ تھا کہ انصار مدینہ نے مہاجرین کو اپنی جائیداد، مکانات، باغات، مال مویشی اور دوسری ضروریات میں برابر کا شریک ٹھہرایا یہ اسلامی اخوت کا کرشمہ تھا کہ حضرات صحابہ کرام ایثار اور قربانی کے جذبے سے سرشار تھے۔غریب، مفلس، نادار، یتیم، مسافر، پڑوسی اور بیماروں کی امداد اور اعانت میں ہر وقت کمربستہ رہتے اور مصیبت کی گھڑیوں میں ملت اسلامیہ کی اجتماعی ہمدردی اور خیر خواہی کا مظاہرہ فرماتے یہ اسلامی جذبہ اخوت کے بارے میں تعلیمات نبوی کا اثر تھا کہ میدان جنگ میں زخمی سپاہی پیاس کی شدت کے باوجود لبوں تک پہنچا ہوا پانی کا پیالہ دوسرے پیاسے مسلمان بھائی کی طرف بڑھا دیتے اور خود تشنہ لب جان دیدیتے۔

مادیت کے اس دور عروج میں جب کہ خود غرضی اور انفرادی مفادات، اسلامی اخوت کی روح پر ضرب کاری لگا رہے ہیں۔ اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ پھر سے مسلمان وحدت اسلامی کا بول بالا کریں۔ اسلامی اخوت کے موروثی جذبہ کو برانگیختہ کریں، ملک وملت کے اجتماعی مفادات کو مدنظر رکھیں اور اسلام دشمن طاقتوں کے مقابلہ میں متحد ہو کر سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کیلئے ÷ نیل کے ساحل سے لیکر تا بخاک کاشغر

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک ﷺ کے وسیلہ سے اہل ایمان کو اسلامی اخوت کے جذبے سے مالا مال فرمائے۔ اٰمِیْنَ، وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

☆☆☆☆☆☆☆

بڑھاپے میں والدین کی خدمت

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَغِمَ اَنْفُهٗ رَغِمَ اَنْفُهٗ رَغِمَ اَنْفُهٗ قِیْلَ مَنْ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ مَنْ اَدْرَکَ وَالِدَیْهِ عِنْدَ الْکِبَرِ اَحَدُهُمَا اَوْ کِلَاهُمَا ثُمَّ لَمْ یَدْخُلِ الْجَنَّةَ (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا اس آدمی کی ناک خاک آلود ہو۔ آپ سے پوچھا گیا کون اے اللہ کے رسول آپ نے فرمایا وہ آدمی جس نے اپنے ماں باپ کو یا دونوں میں سے ایک کو بڑھاپے میں پایا پھر بھی وہ جنت میں داخل نہ ہوا۔

ایک خوشحال اسلامی معاشرے میں والدین کی عظمت واہمیت روز روشن کی طرح واضح ہے، انسانی اوصاف وکمالات کو پایہ تکمیل تک پہچانے اور اسلامی تہذیب وتمدن کی خصوصیات کو اجاگر کرنے کیلئے والدین کی خدمات اور ان پر مترتب ہونے والے ثمرات ونتائج کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا والدین کی تعلیم وتربیت، دیکھ بھال اور رہنمائی سے ہی اولاد فلاح وبہبود کے راستے پر گامزن ہوسکتی ہے اور ان ہی کی محبت وشفقت اولاد کے لئے معلم اوّل اور ابتدائی درسگاہ کا درجہ رکھتی ہے رسول پاک ﷺ نے ماں باپ کے مقام کی عظمت واہمیت کے پیش نظر اپنے ارشادات اور عمل سے ان کی خدمت، تعظیم وتکریم کی ضرورت اور افادیت کو خاص طور پر نمایاں کیا، اگرچہ

ماں باپ کی خدمت ان کے پورے عرصہ حیات میں بڑی اہمیت کی حامل ہے مگر جس وقت وہ بڑھاپے کو پہنچ جائیں اور خدمت کے محتاج ہو جائیں اس وقت ان کی خدمت خاص طور پر زیادہ اہمیت رکھتی ہے بڑھاپے میں والدین کی خدمت خوش نصیب اور فرض شناس اولاد کو میسر آتی ہے کیونکہ جب تک والدین خود اولاد کی خدمت کے قابل ہوتے ہیں اور اسکے ساتھ تعاون کر سکتے ہیں اس وقت ان کی خدمت کرنا ایک معمول اور رواج ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے مفادات کی وابستگی کے پیش نظر بھی ہوسکتا ہے اسی لئے والدین کی صحت وتندرستی کے دوران ان کی خدمت، اجر وثواب کا باعث ہونے کے باوجود اس خدمت کا مقابلہ نہیں کرسکتی جو بڑھاپے میں کی جائے۔

رسول پاک ﷺ نے بڑھاپے میں والدین کی خدمت کی اسی اہمیت وضرورت کا احساس دلاتے ہوئے ایسے لوگوں کے طرز عمل پر ناخوشی اور ناگواری کا اظہار فرمایا جو اس سعادت سے محروم رہتے ہیں۔ رسول پاک ﷺ نے بڑھاپے میں ماں باپ کی خدمت کو جنت میں داخلے کا ضامن قرار دیتے ہوئے ان لوگوں پر تعجب فرمایا کہ جنہیں یہ سنہری موقعہ میسر آیا مگر انہوں نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا اور ماں باپ کی خدمت کر کے جنت میں داخل نہ ہوئے۔ قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق اہل ایمان کیلئے جنت میں داخل ہونے کو عظیم الشان کامیابی اور اللہ تعالیٰ کے فضل عظیم سے تعبیر کیا گیا۔ اسی نعمتِ عظمیٰ کے حصول کو والدین کی خدمت کا مرہونِ منت قرار دیکر رسول پاک ﷺ نے اہل ایمان کو اس سعادت کے حصول کا احساس دلایا۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ رسول پاک ﷺ نے بہت سے ایسے لوگوں کو جہاد کا فریضہ انجام دینے سے روک دیا تھا جن کے ماں باپ بڑھاپے میں ان کی خدمت کے محتاج تھے اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ تمہارے لئے ماں باپ کی خدمت ہی جہاد ہے۔ آپ کا فرمان ہے کہ ماں باپ کی فرمانبرداری اور خدمت کرنے والوں کیلئے جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں جبکہ ان کی نافرمانی کرنے والوں کیلئے اور خدمت نہ کرنے والوں کیلئے جہنم کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

رسول پاک ﷺ کا فرمان گرامی ہے کہ محبت بھری نگاہوں سے ماں باپ کو صرف دیکھ لینے سے حج مقبول کا اجر وثواب ملتا ہے اور اگر کوئی شخص سو مرتبہ اس طرح دیکھے تو اسے سو حج کا ثواب ملے گا اس حدیث پاک سے والدین کی خدمت کے اجر وثواب کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور یہ حقیقت روز روشن کی طرح کھل کر سامنے آتی ہے کہ بڑھاپے میں والدین کی خدمت عنداللہ کس قدر مقام رکھتی ہے اور رضائے الٰہی کے حصول میں اس پاکیزہ عمل کو کتنی اہمیت حاصل ہے ۔ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو والدین کی خدمت کے جذبے سے مالا مال فرمائے اور اس سعادت کے حصول کی توفیق عطا فرمائے۔ اٰمِیْن، وَ آخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

☆☆☆☆☆

رزقِ حلال کا حصول

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ طَلَبُ کَسْبِ الْحَلَالِ فَرِیْضَةٌ. بَعْدَ الْفَرِیْضَةِ. (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا رزق حلال طلب کرنا بھی دوسرے فرائض کی طرح فرض ہے۔ اس حدیث پاک کو امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

رسول پاک ﷺ نے اپنے فرمان اور عمل سے رزق حلال کی ضرورت اور اہمیت کو بیان فرمایا، رزقِ حلال کمانے والے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے خاص لطف وکرم کی بشارت سنائی اور رزق حلال کے حصول کو تمام اعمال صالحہ کی بنیاد قرار دیا حضور پاک ﷺ نے رزق حلال کمانے کو فرض کا درجہ دیکر اس حقیقت کو واضح فرمادیا کہ جس طرح نماز، روزہ، حج، زکوۃ اور دوسرے فرائض کی پابندی لازمی ہے اور ان کی ادائیگی میں احتیاط ضروری ہے اسی طرح رزق حلال کا اہتمام بھی ضروری ہے۔ حضور علیہ السلام نے اہل ایمان کو رزق حلال کے حصول پر رغبت دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیائے کرام اور مرسلین علیھم السلام کو رزق حلال کی تاکید فرمائی تاکہ ان کی امتوں کے لوگ رزق حلال کی اہمیت کو پہچانیں۔

آپ نے ایک مثال کے ذریعے حضرات صحابہ کرام کو سمجھاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص طویل سفر اختیار کرے، سفر کی صعوبت برداشت کرے اسکا لباس اور جسم گرد آلود ہو، پھر بڑی عاجزی سے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر پروردگار کو بار بار پکارے اور دعا کرے، مگر اسکا حال یہ ہو کہ اسکا کھانا پینا اور لباس حرام کی کمائی سے ہو تو وہ کتنی عاجزی کرلے مگر اس کی دعا قبول نہ کی جائے گی حضور ﷺ نے اعمال صالحہ کی قبولیت کیلئے رزق حلال کو ضروری قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص ایسے لباس میں نماز ادا کرے جس میں دسواں حصہ مال حرام ہو تو اس کی نماز قبول نہ کی جائے گی۔

ایک مرتبہ حضرات صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ سب سے اچھا رزق حلال کیا ہے تو آپ نے فرمایا

انسان کے ہاتھ کی کمائی اور یہ پیغمبروں کا طریقہ ہے حضور نبی کریم ﷺ نے ناجائز ذرائع سے رزق کمانا ممنوع قرار دیا بلکہ جائز ذرائع کے ساتھ کسی ناجائز ذریعے کو شامل کرنے سے بھی منع فرمایا حضور علیہ السلام نے ناجائز طریقوں سے کمائے ہوئے مال میں سے صدقہ وخیرات کے متعلق ارشاد فرمایا کہ اس قسم کا صدقہ وخیرات اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا کیونکہ وہ پاک ہے اور پاک چیز ہی کو قبول فرماتا ہے۔

حضور علیہ السلام نے پیشگوئی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ایک وقت ایسا آئیگا کہ لوگ رزق کماتے وقت یہ خیال نہیں کرینگے کہ اس کے ذرائع حلال ہیں یا حرام، رسول پاک ﷺ کے ارشادات اور عملی زندگی کو مدنظر رکھا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ ایمان کامل، اعمال صالحہ اور قرب الٰہی کے حصول میں رزقِ حلال کو زبردست اہمیت حاصل ہے اعمال صالحہ کے نتائج اور ثمرات اور ان کے فیوض وبرکات کا حصول رزقِ حلال پر موقوف ہے اور اسکے بغیر انسان حقیقی فلاح وبہبود سے ہمکنار نہیں ہوسکتا۔ حرام کی کمائی تو درکنار حضور علیہ السلام تو سوال کرنے اور دوسروں پر بوجھ بننے کو ناپسند فرماتے تھے اور محنت ومزدوری کی تاکید فرماتے تھے کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ غریب اور نادار لوگ آپ کی خدمت میں سوال کی غرض سے آئے مگر آپ نے انہیں محنت کر کے رزق حلال کمانے کی تاکید فرماتے ہوئے سوال سے بچنے کی تلقین فرمائی جس طرح دوسرے فرائض کی ادائیگی کا اہتمام ضروری سمجھا جاتا ہے اگر اسی طرح رزق حلال کے حصول کی فرضیت کا خیال رکھا جائے تو معاشرے سے بہت سے خطرناک جرائم ختم ہوسکتے ہیں، جھوٹ، فریب، دھوکہ بازی، ذخیرہ اندوزی، چور بازاری، رشوت اور دوسرے ناجائز ذرائع آمدنی کی حوصلہ شکنی ہوسکتی ہے اور رزق حلال کے فیوض وبرکات معیشت کی اصلاح، خود انحصاری، قناعت، خود اعتمادی اور معاشرے پر خوشگوار اثرات مترتب کرنے والے دوسرے نتائج کی صورت میں سامنے آسکتے ہیں حدیث پاک کی روشنی میں رزق حلال کی اہمیت، افادیت اور فرضیت کا تقاضا ہے کہ اہل ایمان رزق حلال کے حصول میں پورا اہتمام کریں اسکے اثرات ونتائج سے مستفید ہوں اور اس فریضے کی ترویج و اشاعت میں پوری ذمہ داری سے حصہ لے کر تعلیمات نبوی پر عمل کی سعادت حاصل کریں۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک ﷺ کے وسیلے سے ہمیں احادیثِ نبویہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اٰمِیْنْ، وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

☆☆☆☆☆

قُرَّةُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم. بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم.

قَالَ رَسُوْلُ اللہِ ﷺ قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ. حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات ﷺ نے ارشاد فرمایا میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے دین اسلام کی بنیاد جن پانچ ارکان پر رکھی گئی ہے نماز ان میں ایک عظیم الشان رکن ہے رسول پاک ﷺ کا یہ ارشاد گرامی نماز کی عظمت وفضیلت اور خصوصی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے اور اس کی جلالت شان اور رفعت مقام کو بیان کرتا ہے حدیث پاک کے اس مضمون کی تائید ایک اور حدیث پاک سے بھی ہوتی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول پاک ﷺ اپنے مؤذن اور عاشق صادق حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ سے عموماً فرمایا کرتے تھے ''قُمْ یَا بِلَالُ اَرِحْنَا بِالصَّلٰوۃِ'' اے بلال اٹھو اور نماز سے ہمیں آرام پہنچاؤ یعنی اقامت صلوۃ کا انتظام کرو! مزاج نبوت کی لطافت اور طہارت معراج کمال پر ہوتی اور رسول پاک ﷺ نماز کے اہتمام اور اس میں مشغولیت کو اپنے لئے سکون واطمینان قلب اور آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دیتے۔

حدیث پاک میں یہ بھی آتا ہے کہ جب رسول پاک ﷺ کسی معاملہ میں پریشانی اور اضطراب محسوس فرماتے تو فوراً نماز میں مشغول ہو جاتے اور اپنے پاکیزہ عمل سے اس حقیقت کو نمایاں فرماتے کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سکون نماز میں ہے جس چیز کے ساتھ کمال درجہ کی محبت ہو اور اس کے ساتھ حقیقی اطمینان و مسرت وابستہ ہو عربی محاورے میں اسے قرۃ العینین کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔ رسول پاک ﷺ کو نماز کے ساتھ انتہائی قلبی محبت اور طبعی مسرت تھی آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ نماز دین کا ستون ہے جس نے اسے قائم رکھا اس نے دین کی عمارت کو قائم رکھا اور جس نے اسے نظر انداز کیا اس نے دین کی عمارت کو گرا دیا۔

نماز کی خاص اہمیت کے پیش نظر آپ نے نماز کے انتظار میں رہنے کو نماز سے تعبیر فرمایا اور نماز کو ایمان اور اسلام کی خاص علامت قرار دیا آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ مؤمن اور کافر میں سب سے بڑا فرق نماز ہے۔

حضور سرورِ کونین علیہ السلام کا نماز سے وابستگی کا یہ عالم تھا کہ حضرات صحابہ کرام کو ہمیشہ نماز کی تاکید فرماتے نماز کے آداب اور احکام تفصیل سے بیان فرماتے اور نماز کی ادائیگی کا صحیح طریقہ سکھاتے ،آپ نماز کیلئے طہارت اور پاکیزگی کی اہمیت کو خاص طور پر بیان فرماتے اور نماز میں صاف ستھرا لباس استعمال کرنے کی تلقین فرماتے نماز کے ذریعے گناہوں کی آلائش کے ختم ہونے اور لطافت ونظافت کے حاصل ہونے کے بارے میں ارشاد فرمایا تمہارا کیا خیال ہے اگر کوئی شخص دن میں پانچ مرتبہ دریا میں غسل کرے تو کیا اس کے جسم پر کوئی کثافت باقی رہ جائے گی؟ عرض کیا گیا نہیں یارسول اللہ آپ نے ارشاد فرمایا پھر اسی طرح اگر کوئی شخص دن رات میں پانچ نمازیں ادا کرے تو وہ بھی گناہوں کے میل سے صاف ستھرا ہو جاتا ہے۔

ایک مرتبہ موسم خزاں میں درختوں کے پتے جھڑ رہے تھے تو ارشاد فرمایا کہ نماز سے مؤمن کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح موسم خزاں میں درختوں سے پتے جھڑ جاتے ہیں۔آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کے بارے میں پوچھا جائے گا۔آپ نماز باجماعت مسجد میں ادا کرنے کو بہت ہی پسند فرماتے تھے اور اس کے اجر وثواب کو بہت زیادہ بیان فرمایا کرتے آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ وہ شخص جس کا دل مسجد سے لگا رہتا ہے اور نماز پڑھ کر پھر نماز کے انتظار میں رہتا ہے قیامت کے دن عرش عظیم کے سائے میں ہوگا۔

رسول پاک علیہ السلام نماز کے فرائض واجبات اور اس کی سنتوں کو پورا پورا ادا کرنے کا خاص خیال فرماتے آپ رکوع میں جھکنے، رکوع سے سیدھا کھڑا ہونے اور سجدے سے صحیح اٹھ بیٹھنے کی خاص طور پر تاکید فرماتے۔آپ بڑے اطمینان سے نماز ادا کرتے اور دوسروں کو اس کی تاکید فرماتے البتہ اگر جماعت میں مریض اور کمزور لوگ یا کام کاج سے تھکے ہوئے افراد ہوتے تو آپ نماز میں تخفیف فرماتے مگر ارکان کی ادائیگی پھر بھی صحیح ہوتی۔رسول پاک علیہ السلام نماز کے مسنون وقت میں تاخیر کو ناپسند فرماتے اور نماز کی ادائیگی میں جلد بازی سے احتراز کی تاکید فرماتے ،نماز باجماعت کی ادائیگی کا اس قدر اہتمام رسول پاک علیہ السلام سے ثابت ہے کہ بیماری کی حالت میں صحابہ کرام کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر بھی آپ مسجد میں تشریف لے جاتے اور نماز ادا فرماتے۔جب کبھی کسی صحابی کو تبلیغ دین کے لئے روانہ فرماتے تو سب سے زیادہ تاکید نماز کے بارے میں فرمایا کرتے ، جب کبھی جہاد کیلئے

تشریف لے جاتے یا کوئی لشکر روانہ فرماتے تو ارشاد فرمایا کرتے جس آبادی سے اذان کی آواز سن لو وہاں پر حملہ نہ کرو اور وہاں کی حفاظت کا خاص خیال رکھو۔ نماز کی ادائیگی کیلئے مسجد کی تعمیر اور اس کی دیکھ بھال کا آپ نے بہت ثواب بیان فرمایا ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے رضائے الٰہی کیلئے مسجد تعمیر کی تو اللہ تعالیٰ جنت میں اس کیلئے گھر تعمیر فرمائیگا۔

آپ نے جان بوجھ کر نماز چھوڑنے پر سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا اور اسے کفار و مشرکین کا فعل قرار دیا۔ نماز کے بارے میں رسول پاک ﷺ کے جلیل القدر ارشادات اور عمل کے پیش نظر حضرات اہل بیت اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہمیشہ نماز کی عظمت و اہمیت کا خاص خیال رکھا اور زندگی کے کٹھن ترین مراحل میں بھی اس کی پابندی کو برقرار رکھا کفار و مشرکین کے ساتھ برسر پیکار ہوتے ہوئے میدان جہاد میں تیروں، تلواروں، پتھروں اور نیزوں کے زخم کھاتے ہوئے بھی یہ نفوس قدسیہ نماز کی عظمتوں کا تحفظ کرتے رہے اور سجدے کی حالت میں جان دیکر نماز کی عظمت و جلالت کا حق ادا کر دیا۔

سیرت و تعلیمات نبوی کے آئینہ میں نماز کی اہمیت روز روشن کی طرح واضح ہے۔ اہل ایمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود نماز کی ادائیگی کو شعار بنائیں، نماز کی پابندی کو لازم سمجھیں اور نماز کے آداب و شرائط کو ملحوظ خاطر رکھیں تمام مسلمان ایک دوسرے کو نماز کی تاکید کریں، نماز باجماعت کی عادت بنائیں اور نماز کے ذریعے آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سکون حاصل کر کے اجر و ثواب کی دولت کمائیں۔ رسول پاک ﷺ سے محبت و عقیدت کا تقاضا ہے کہ اہل ایمان نماز کے عظیم الشان رکن کا تحفظ کریں، اس کے فروغ و ترویج میں بھرپور کردار ادا کریں اور نماز کے ظاہری و باطنی فیوض و برکات حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں رحمت دو عالم نورِ مجسم ﷺ کی سیرتِ طیبہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اٰمِیْنْ، وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

☆☆☆☆☆

تیسرا باب...... سیرت و تعلیمات سید المرسلین ﷺ

رسول پاک ﷺ بحیثیت مصلح (سیمینار)

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

کسی چیز کو درست کرنا اصلاح کا لغوی معنی ہے ہر قسم کے نقص اور فساد کو رفع کر کے صحت اور درستی کے معیار کمال تک چیز کو پہنچانا اصلاح کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔ نقائص اور مفاسد کا دائرہ جس قدر وسیع ہوگا اسی قدر اصلاح کی اہمیت اور افادیت زیادہ ہوگی۔ رسول پاک ﷺ بحیثیت مصلح کے عنوان پر اظہار خیال کرنے کیلئے ضروری ہے کہ ہم اس چیز کا جائزہ لیں کہ آپ کی اس اہم ذمہ داری کا دائرہ کار کس قدر وسیع تھا۔

قرآن مجید نے آپکی نبوت اور رسالت کو کسی خاص قوم وقت اور علاقے کا پابند قرار نہیں دیا اور آپ کی اصلاحی جدوجہد کو بھی کسی خاص شعبے تک محدود نہیں رکھا آپ کو تمام جہانوں کیلئے نبی ورسول اور بشیر ونذیر بنا کر بھیجا گیا۔ چنانچہ قرآن مجید نے آپکو" نَذِيْرًا لِّلْعَالَمِيْنَ" اور رحمۃ للعالمین کے القاب سے مشرف کر کے اس اعلان کیلئے دعوت دی" اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا" یوں تو آپ ساری کائنات کے رسول ہیں مگر جس خطہء ارض یعنی سرزمین عرب کو آپ کی بعثت کیلئے منتخب کیا گیا اس کے ناگفتہ بہ حالات خاص طور آپ کے منصب اصلاح کو نمایاں کرتے ہیں اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان کے متعلق کچھ عرض کیا جائے ویسے تو پوری دنیا آپ کی بعثت سے پہلے ناسازگار حالات کا شکار تھی عقائد، اعمال، اخلاق، معاشرت، معیشت اور تہذیب وتمدن یہ تمام امور بگڑ چکے تھے مگر تمام برائیوں اور خرابیوں کے عروج کی بنا پر سرزمین عرب پوری دنیا میں زیادہ مشہور تھی توحید خداوندی کا تصور مفقود تھا، کفر اور شرک کی ظلمتیں چھائی ہوئی تھیں، انسانیت تنزل کی انتہائی منزلوں پر تھی فکری انحطاط اور احساس کمتری کا تسلط اس حد تک پہنچ چکا تھا کہ لوگ اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بتوں کے سامنے سجدہ ریز ہوتے بہت سے دوسرے مظاہر قدرت کی بھی پوجا کی جاتی قتل وغارت کا بازار گرم تھا، جبر وتشدد اور ظلم وستم پورے عروج پر تھا، اخلاقی اقدار پامال ہو چکی تھیں، طبقاتی کشمکش کا طوفان برپا تھا، وحشت وبربریت

اور قساوت قلبی کا یہ عالم کہ بچیوں کو زندہ در گور کیا جاتا، جنگ وجدال کی ذرا سی چنگاری کہیں بھڑک اٹھتی تو پورا عرب اس کے شعلوں کی لپیٹ میں آجاتا، بدکاری، شراب نوشی، فحاشی اور عریانی کو قابل فخر کارنامہ سمجھا جاتا جھوٹ، فریب، دھوکے بازی، بہتان تراشی، قمار بازی اور سود خوری عادت ثانیہ بن چکی تھی، وحدت انسانی کا شیرازہ منتشر ہو چکا تھا اور انسانیت اختلافات کی زنجیروں میں بری طرح جکڑی ہوئی تھی۔

تاریخی حقائق کا مطالعہ کرنے سے پتا چلتا ہے کہ پوری دنیا عموماً اور سرزمین عرب خاص طور پر زبردست اصلاحی جدوجہد کی محتاج تھی ایسے ناسازگار حالات میں اصلاحی ذمہ داری کو سنبھالنا کوئی معمولی کام نہ تھا اور ایک عالمگیر اصلاحی انقلاب لانا کسی عام مصلح کے بس کا روگ نہ تھا۔ خالق کائنات نے عظیم الشان عالمگیر اصلاحی کارناموں کیلئے سرورِ کائنات جیسے عظیم الشان مصلح کو منتخب فرمایا اور سرزمین عرب کو آپ کے وجود مسعود سے شرف بخشا اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ منصب اصلاح کی اہمیت اور افادیت کا زیادہ تر دارومدار اس پر فائز ہونے والے کے کردار پر ہوتا ہے رسول پاک ﷺ چونکہ عالمین کی اصلاح کے علمبردار تھے اس لئے آپ کے کردار کی عظمت کیلئے ضروری تھا کہ اس کا معیار کمال منفرد مقام رکھتا ہو، جب ہم آپ کی سیرت طیبہ پر نظر ڈالتے ہیں تو قرآن وحدیث اور تاریخی حقائق کے آئینے میں یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اصلاحی جدوجہد کی راہ میں حائل ہونے والی سنگین دیواروں پر جس چیز نے سب سے زیادہ کاری ضرب لگائی وہ آپ کی عظمتِ کردار ہے۔

چونکہ اعمال کی اصلاح عقائد کی اصلاح پر موقوف ہے اس لئے آپ نے اصلاحی جدوجہد کا آغاز عقائد کی اصلاح سے کیا آپ نے ارشاد فرمایا اے لوگو تم سب اس خالق و مالک کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تمہارے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بت اور دوسرے مظاہر قدرت ہرگز اس قابل نہیں کہ تم ان کی عبادت کرو، اطراف کائنات میں گونجنے والا یہ اعلان اس مصلح اعظم نے کیا جسکی صداقت، امانت اور دیانت ضرب المثل تھی، آپ کے بدترین دشمن بھی آپ کو صادق وامین کہہ کر پکارتے، کفار ومشرکین کیلئے یہ اعلان بڑا لمحہ فکریہ تھا انہوں نے تمام حقائق اور شواہد کو بالائے طاق رکھتے ہوئے صرف اور صرف انکار کیا آپ نے جس

برہان مبین اور دلیل یقین سے انہیں لاجواب کیا قرآن مجید نے اس کا یوں نقشہ پیش کیا "فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ" میں اس سے پہلے تمہارے درمیان عمر کا کافی حصہ گزار چکا ہوں کیا تم عقل وفہم سے سراسر محروم ہو چکے ہو میرے کردار کی کوئی ایک قابل اعتراض بات تو پیش کر کے دکھاؤ۔ تاریخ اسلام شاہد ہے کہ کفار ومشرکین اسکا کوئی معقول جواب نہ دے سکے۔

اصلاحی جدو جہد کا منفی ردعمل ایک مصلح کیلئے صبر وتحمل کا امتحان ہوتا ہے کروڑوں درود وسلام ہوں اس نبی رحمت پر جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں، خون کے پیاسوں کو قبائیں دیں سختی کا جواب نرمی سے دیا ظلم کرنے والوں کے ساتھ انصاف سے پیش آئے اور کانٹے بچھانے والوں پر پھول برسائے، صبر وتحمل، بردباری، حوصلہ اور نرمی کا اصلاحی جدو جہد کی کامیابی میں گہرا دخل ہے۔ رسول پاک ﷺ نے ان اوصاف کاملہ کا عظیم الشان نمونہ پیش کیا اور تمام مصائب وآلام خندہ پیشانی سے برداشت کئے، تفرقہ بازی جو اصلاح کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے اسے دور کرنے کیلئے آپ نے وحدت انسانی کا درس دیتے ہوئے ارشاد فرمایا "وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا" آؤ سب مل کر اللہ کے دین کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو کسی گورے کو کالے پر اور کسی عربی کو عجمی پر تقویٰ کے بغیر کوئی فضیلت نہیں بیشک اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہی ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔

رسول پاک ﷺ نے اصلاح کا عظیم الشان فریضہ جس خوش اسلوبی سے سرانجام دیا اس کے نتائج اور اثرات اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں اور دراصل کسی جدو جہد کی کامیابی کی سب سے بڑی دلیل یہی چیز ہوا کرتی ہے اس سلسلے میں جب ہم تاریخ اسلام پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں عالمگیر تبدیلیاں، حیران کن تغیرات اور عظیم الشان مفید نتائج مستقل حقائق کی صورت میں نظر آتے ہیں یہ رسول پاک ﷺ کی مصلحانہ جدو جہد کی برکت تھی کہ کفر وشرک کے متوالے توحید کے جذبے سے سرشار ہو گئے بتوں کی پوجا کرنے والے خدائے وحدہ لاشریک کے سامنے یوں سجدہ ریز ہوئے کہ تیر برستے رہے، تلواریں چلتی رہیں، پتھر گرتے رہے مگر ذوقِ عبادت میں سرِ مُو فرق نہ آیا۔

معبودِ حقیقی سے محبت کا یہ عالم دیکھا گیا کہ توحید کے پرستار گھر بار مال ودولت عزیز واقارب کو چھوڑ کر کفن بردوش میدان جہاد میں قدم رکھتے تو تمام طاغوتی طاقتوں کے اجتماع کے باوجود ان کے عزم واستقامت کا پرچم

بلند رہتا آپکی اصلاح اور تربیت کا اثر تھا کہ عرب کے صحراء نشین مسند سلطنت پر فائز ہوئے اور دنیا کو آداب جہانبانی سکھانے لگے عرصہ دراز کی عصبیت اور نفرت، اخوت اور محبت میں تبدیل ہوگئی، جنگ وجدال کے خوگر امن وآشتی کا پیغام سنانے لگے جہالت کی تاریکیوں میں بھٹکنے والے علم وحکمت کے انوار سے منور ہوئے۔ سرزمین عرب تہذیب وتمدن کا گہوارہ بن گئی اور اسلامی اقدار کو فروغ حاصل ہوا، طبقاتی کشمکش کا خاتمہ ہوا، امیر و غریب، محتاج وغنی، بندہ ومولا، عربی وعجمی، گورے اور کالے سب ایک قادر ذوالجلال کی بارگاہ میں صف بستہ ہوکر مساوات کے پیکر بن گئے۔

مصلحِ اعظم پیغمبر اسلام ﷺ کی اصلاح کے پاکیزہ نتائج، فکری، ذہنی، قلبی، روحانی انفرادی اور اجتماعی انقلاب کی صورت میں ظاہر ہوئے تو پورے معاشرہ کی کایا پلٹ گئی یہ آپ کی اصلاح کی برکت تھی کہ لوگوں کے دل خوفِ خدا سے لبریز تھے، وہ ظلم وتشدد کے تصور سے کانپ جاتے اور کسی کے لئے برائی سوچنے پر بھی آمادہ نہ ہوتے، ان کے لئے سب سے بڑا محاسب تقویٰ تھا جس کی بنا پر وہ اپنے قول وعمل کو رضائے الٰہی کے معیار پر پورا اتارتے۔ لوگوں کی جان و مال، عزت، آبرو کو پورا تحفظ تھا اور امن واطمینان کا یہ عالم تھا کہ صنعائے یمن سے حضر موت تک کا دور دراز سفر تنہا آدمی طے کرتا تو اسے خدا کے سوا کسی کا خوف نہ ہوتا۔ بدکاری اور شراب نوشی جو اہل عرب کے رگ وپے میں رچی ہوئی تھی پورے معاشرے سے اس کی جڑیں اکھاڑ کر پھینک دی گئیں۔

کوئی عورت پردے کے بغیر نظر نہ آتی اور کسی کو غیر محرم پر نظر ڈالنے کی جرأت نہ ہوتی۔ شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو لوگوں نے شراب کا ایک قطرہ باقی نہ رکھا فرش زمین پر اس کثرت سے شراب گرائی گئی کہ گلیوں میں بارش کے پانی کی طرح بہہ رہی تھی۔

یہ آپ کی جامع اصلاح کا مؤثر نتیجہ تھا کہ دنیوی مشاغل کے باوجود لوگوں کے دل یاد الٰہی میں محو رہتے اذان ہوتی تو لوگ مسجد میں ٹوٹ پڑتے اور اجتماعی طور پر ادائے عبادت سے وحدت اسلامی کو اجاگر کرتے۔ دن کو انہیں بازار میں دیکھا جاتا تو رزق حلال کمانے میں مصروف ہوتے مگر رات کی تاریکی میں وہ ذوق عبادت اور مناجات میں مشغول پائے جاتے۔ یہ آپ کی اصلاح کے اثرات تھے کہ باہمی اخوت اور بھائی چارہ بام عروج پر

پہنچا۔لوگ ایک دوسرے کے غم میں برابر کے شریک ہوتے ،بھوکوں کو کھانا کھلایا جاتا ،پیاسوں کی پیاس بجھائی جاتی ،بیماروں کی طبع پرسی اور تیمارداری ہوتی ،دردمندوں کو سہارا ملتا،غریبوں کی امداد کی جاتی محتاجوں کے ساتھ تعاون کیا جاتا اور یتیموں کے سر پر دست شفقت پھیرا جاتا۔

آپ نے اصلاحی اقدامات سے جو پاکیزہ معاشرہ قائم کیا اور اپنے ارشادات اور عمل سے جو مقدس ماحول تیار کیا اس کی خوبیوں اور بھلائیوں کا کیا کہنا یہ رسول پاک ﷺ کی اصلاحی درسگاہ تھی جس میں ابو بکر داخل ہوئے تو صدیق اکبر بن گئے ،عمر بن خطاب آئے تو فاروق اعظم کہلائے ،عثمان غنی آئے تو ذوالنورین قرار پائے اور علی ابن ابی طالب حیدر کرار بن گئے ،یہ درسگاہ نبوت کی اصلاحی کاوش تھی کہ یہاں پر تعلیم حاصل کرنے والوں میں ابن عباس جیسے مفسّر ،ابو ہریرہ جیسے محدّث ،ابن عمر جیسے مجتہد،ابی بن کعب جیسے قاری ،ابوذر غفاری جیسے مجاہد،ابوموسیٰ اشعری جیسے درویش ،معاذ بن جبل جیسے قاضی اور سلمان فارسی جیسے مدبر پیدا ہوئے ، یہ درسگاہ نبوت کی روحانی اصلاح تھی کہ یہاں بلال جیسے عاشق ،صہیب جیسے عارف ،ابن مسعود جیسے عالم ، خالد بن ولید جیسے جرنیل ،ابوقتادہ جیسے شہسوار ،سعد بن ابی وقاص جیسے تیر انداز اور حسان بن ثابت جیسے ادیب پیدا ہوئے۔

رسول پاک ﷺ نے اقتصادی حالت کی اصلاح کے طور پر سودی کاروبار کو ممنوع قرار دیا۔تجارت کی بنیادوں کو اسلامی اصول پر استوار کیا،ذخیرہ اندوزی ،چور بازاری ،ناجائز منافع خوری ختم ہوگئی،معاشی حالات سدھر گئے ،آجر اور مزدور امانت و دیانت کے پابند ہو گئے ،غریب محنت کرنے لگے ،امیران کے صحیح حقوق دینے لگے اور ان کے درمیان حائل خلیج ختم ہوگئی ،کاروبار میں برکت ہوئی ،تجارت کو ترقی ملی ،کسب حلال کو رواج ملا اور معاشی حالات اس قدر خوشگوار ہوئے کہ غربت وافلاس کا خاتمہ ہوگیا ،لوگ زکوۃ کا مال لیکر پھر رہے ہوتے مگر اسے قبول کرنے کیلئے کوئی تیار نہ ہوتا۔یہ آپ کی اصلاح کا کرشمہ تھا کہ لوگ محنت ومشقت کے عادی بن گئے اور کسی پر بار خاطر بننے سے نفرت کرنے لگے ،رزق حلال کیلئے کوئی کاشتکاری میں مصروف ہوتا تو کوئی ریوڑ چرا رہا ہوتا ،کوئی مزدوری کرتا تو کوئی باغبانی میں مشغول رہتا اور ہر شخص کے کانوں میں یہ صدائے نبوت گونج رہی ہوتی

"اَلْکَاسِبُ حَبِیْبُ اللّٰہِ" حلال کمانے والا اللہ تعالیٰ کا دوست ہے۔

دنیوی مشاغل کے باوجود لوگ علم دین حاصل کرتے، وعظ ونصیحت سنتے، مسائل پوچھتے اپنا علمی شعور بیدار رکھتے اور قلب ودماغ کی گہرائیوں میں اس فرمان نبوی کو جگہ دیتے "طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَۃٍ" ہر مسلمان مرد اور عورت پر علم دین حاصل کرنا فرض ہے، اصلاحی جدوجہد کی کامیابی اور اسکا حلقہ اثر وسیع کرنے میں ایسے لوگوں کا گہرا دخل ہوتا ہے جو اس سلسلے کو آگے بڑھائیں اور اس کی افادیت کے لیئے رات دن کوشش کریں۔ رسول پاک ﷺ کا طریق اصلاح اس قدر مؤثر تھا کہ ایسے لوگ کثرت سے پیدا ہوئے جنھوں نے تبلیغ وارشاد کے ذریعے اصلاحی عمل کو چار چاند لگا دیئے۔

سرزمین عرب کے وسیع وعریض علاقے تک اصلاح نبوی کے اثرات محدود نہ رہے بلکہ تھوڑے ہی عرصہ میں اطراف عالم اس سے فیضیاب ہوئے اور ہر طرف سے اصلاحی جدوجہد کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا، آپ کے صحابہ کرام تبلیغ وارشاد کے لئے مختلف علاقوں میں پھیل گئے اور اس فریضے کو بطریق احسن سرانجام دینے میں کامیاب ہوئے۔ رسول پاک ﷺ نے اصلاح کا عظیم فریضہ جس حسن وخوبی سے نبھایا قرآن مجید نے کئی مقامات پر اس کی تعریف کے ضمن میں آپ کے عالمگیر اصلاحی ضوابط اور مؤثر اصلاحی عناصر کا تذکرہ کیا نیز اس کے نتائج اور دیرپا اثرات پر بھی روشنی ڈالی۔

آپ کی شان اصلاح کو نمایاں کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ان قرآنی شواہد کو پیش کیا جائے، ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے "فَبِمَا رَحْمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ لِنْتَ لَھُمْ وَلَوْ کُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِکَ" یہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے کہ آپ ان کے لئے نرم خو ہیں بالفرض آپ درشت خو اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ سے دور بھاگ جاتے۔ اس آیت میں آپ کی اصلاحی کامیابی میں آپکی نرم طبعی اور دلجوئی کا مؤثر کردار پیش کیا گیا اور اصلاح کی افادیت کے لئے اس عنصر کی اہمیت کو بیان کیا گیا۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہوا "اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ" لوگوں کو رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھے وعظ ونصیحت کے ذریعے بلائیں۔ اس آیت میں حکمت تدبر، مصلحت اندیشی اور پند وموعظت کے

معتدلانہ رویہ کی دعوت الی الحق میں تاثیر بیان کی گئی اور آپ کے طریق اصلاح کو پیش کیا گیا۔ ''فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ'' آپ کو جو حکم دیا گیا ہے اسے کھلم کھلا بیان کر دیں۔ اس آیت میں بھی اصلاح کی افادیت میں مؤثر ایک عنصر کا ذکر کیا گیا ہے جس سے آپ کے طریق اصلاح پر روشنی ڈال دی گئی کہ حق کو صاف صاف بیان کرنا آپکا شیوہ تھا۔ ''وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ'' اپنے قریبی رشتہ داروں کو خاص طور پر ڈرائیں۔ اس آیت میں اصلاحی عمل کی کامیابی کا نہایت مؤثر طریق بیان کرتے ہوئے آپکے طریق اصلاح کے کٹھن مراحل کو بیان کیا گیا۔

قرآن مجید میں اس قسم کی اور بہت سی آیات میں رسول پاک ﷺ کے طریق اصلاح کی جامعیت، تاثیر اور افادیت کو ثابت کیا گیا ہے جو اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ اصلاح نبوی وحی الٰہی کے ضوابط کی آئینہ دار تھی۔ اس طرح قرآن مجید نے مصلح اعظم کی تشریف آوری اور منصب اصلاح کے وسیع نتائج اور تبدیلیوں کو جامع انداز میں پیش کر کے آپکو بحیثیت مصلح خاص طور پر نمایاں کیا ہے۔ اہل ایمان کو خطاب ہوتا ہے'' وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا'' اور اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے۔ اس قدر عظیم تبدیلی اور اتنا بڑا انقلاب کہ عرصۂ دراز کی دشمنی اور عداوت اخوت اور محبت میں تبدیل ہوگئی یہ پیغمبر اسلام ﷺ کی اصلاحی جدوجہد کا نمونۂ کامل ہے کہ آپ نے دشمنوں کو دوست بنایا مخالفت اور نفرت کو محبت اور اخوت میں تبدیل کر ڈالا۔

''لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ'' اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر خاص احسان فرمایا ہے کہ ان میں سے رسول بھیجا ہے جو انہیں آیات الٰہی سناتا ہے ان کی اصلاح فرماتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کے علوم سے فیضیاب فرماتا ہے حالانکہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے۔ کفر و شرک سے نجات پا کر لوگوں کا ایمان قبول کرنا، اصلاح سے مشرف ہونا اور علم و حکمت سیکھنا کتنا بڑا انقلاب ہے اسی بنا پر اہل ایمان کو احسان عظیم سے جتلایا گیا اور اصلاح نبوی کی افادیت کو جامع انداز میں پیش کیا گیا۔

رسول پاک ﷺ کے اپنے ارشادات گرامی بھی آپ کی اصلاحی وسعت و افادیت کو نمایاں کرتے ہیں

ارشاد فرماتے ہیں ''بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ '' مجھے اخلاقی اقدار کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ظاہر ہے کہ یہ منصب اسی مقدس ہستی کو نصیب ہوسکتا ہے جسکی اصلاحی جدوجہد معیار کمال پر فائز ہو۔ ''اُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَافَّةً'' مجھے سب مخلوق کی طرف ہادی اور رہبر بنا کر بھیجا گیا ہے۔کسی خاص قوم اور علاقے کی نبوت ورسالت کا اصلاحی دائرہ تو محدود ہوسکتا ہے مگر جس شخصیت کو تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا یقیناً اس کا اصلاحی نظام وسعتوں کا امین ہوگا۔ایک مقام پر ارشاد فرمایا کہ تمام اہل جنت کا دوتہائی حصہ میری امت کے لوگ ہوں گے۔ظاہر ہے آپکے وسیع منصب اصلاح اور اس کے وسیع نتائج کی بنیاد پر ہی ایسا ہوسکتا ہے۔

قرآن وحدیث اور تاریخ عالم کے تمام شواہد آپ کی اصلاح کی وسعتوں کو نمایاں کرتے ہیں جن کی بنا پر پورے وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ رسول پاک ﷺ نے اصلاح کا جو نظام نافذ کیا تاریخ عالم میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔آپ نے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے کوئی ایسا شعبہ نہیں چھوڑا جس کے متعلق اصلاحی ضوابط نہ ملتے ہوں بلکہ آپ نے بحیثیت مصلح اصلاح کا ایسا جامع نظام ترتیب دیا جس نے عبادات، معاملات، حقوق اللہ اور حقوق العباد کا احاطہ کر کے ایک ایسا پاکیزہ معاشرہ قائم کیا جس میں بسنے والا ہر فرد بشر دین ودنیا کے ہر معاملے میں کامل رہنمائی حاصل کرسکتا ہے۔چودہ سو سال گزرنے کے باوجود قرآن وسنت کی شکل میں آپکی اصلاحی دستاویزات کا محفوظ رہنا اور ان کے اصول وضوابط کا زمانے کے جدید تقاضوں پر پورا اترنا بذات خود اس بات پر قوی دلیل ہے کہ آپ نے بحیثیت مصلح جو اصلاحی کارنامے سرانجام دیئے وہ کسی خاص وقت اور علاقے تک محدود نہ تھے بلکہ دنیا کے مختلف حصّوں میں پھیلے ہوئے ایک ارب سے زائد مسلمانوں کے لئے آج بھی اسی طرح مفید اور کارآمد ہیں۔

مادیت کے اس دور عروج میں اگر آج مسلمان پیغمبر اسلام ﷺ کے لازوال نقوش اصلاح کو اپنے لئے لائحہ عمل بنالیں تو کوئی بعید نہیں کہ پھر سے وحدت اسلامی کا تصور عروج کو پہنچے،اقوام عالم ہماری برتری کو تسلیم کریں اور ہم اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر ملک وملت کی حفاظت،تعمیر وترقی اور اقوام عالم کے نونہالوں کی اصلاحی نشوونما کا فریضہ انجام دے سکیں۔اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک رحمت دوعالم نورِ مجسم ﷺ کے وسیلے سے ہمیں اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔اٰمِیْن،وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

☆☆☆☆☆

حضور ﷺ کے فیصلوں کی اہمیت

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

رسول پاک ﷺ چونکہ خاتم النبیین ہیں، اسلام آخری دین اور قرآن آخری کتاب الٰہی ہے اس لئے پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت طیبہ، اسلام کا جامع نظام اور قرآن مجید کے عالمگیر ضوابط اپنی افادیت، اہمیت اور جامعیت کے لحاظ سے مسلمہ حقائق ہیں۔ دین اسلام کے دائمی اور ابدی اصول، قرآن مجید کی جامع تعلیمات اور سیرت نبوی کے انوار ہدایت قیامت تک آنیوالے تمام مسلمانوں کیلئے حقیقی فلاح و بہبود کے ضامن ہیں۔ رسول پاک ﷺ کی عظمت شان کو اجاگر کرتے ہوئے امت مسلمہ کو اس حقیقت سے آگاہ کیا گیا کہ دین و دنیا کے تمام امور میں آپ کا فیصلہ قطعی، یقینی اور ناقابل تردید ہوگا۔

حضور سرورِ کونین ﷺ کے فیصلوں کو تسلیم کرنے، ان پر جان ودل سے راضی ہونے اور کسی قسم کی گرانی محسوس کئے بغیر ان پر عمل کرنے کو حقیقت ایمان سے تعبیر کرتے ہوئے ارشاد ربانی ہوتا ہے "فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا" اے حبیب پاک ﷺ آپ کے رب کی قسم یہ لوگ ہرگز مؤمن نہیں ہوسکتے یہاں تک کہ آپکو ہر اس جھگڑے میں حاکم بنائیں جوانکے درمیان پھوٹ پڑا ہو پھر جو فیصلہ آپ نے کردیا اس سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور دل وجان سے تسلیم کرلیں۔ اس آیت میں واضح طور پر رسول پاک ﷺ کی غیر مشروط اطاعت اور فرمانبرداری کا حکم دیا گیا اور اس حقیقت کو مؤثر انداز سے دل نشین کرایا گیا کہ دین و دنیا کے تمام معاملات میں آپ کے فیصلے کو زبردست اہمیت حاصل ہے اسلام اور ایمان کا کوئی بھی دعویٰ اس وقت تک قبول نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ آپ کے فیصلوں کو جان ودل سے تسلیم نہ کرلیا جائے۔

امام ابن جریر اور بعض دیگر مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت کا شانِ نزول کے لحاظ سے اس واقعہ سے تعلق ہے جس میں بعض منافقوں نے یہودیوں کے ساتھ تنازعہ کے فیصلے کیلئے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہونے کی بجائے علماء یہود کے پاس جانا پسند کیا چونکہ رسول پاک ﷺ کی حقانیت، صداقت اور دیانت روز روشن کی طرح واضح تھی اس لئے یہودی نے منافق سے کہا کہ وہ پیغمبر اسلام ﷺ سے ہی فیصلہ کرائے گا بالآخر یہودی اس منافق کو

بارگاہ نبوت میں لے آیا آپ نے فریقین کے دلائل سن کر یہودی کے حق میں فیصلہ دیا منافق کو یہ بات پسند نہ آئی اور وہ یہودی کو ساتھ لیکر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس فیصلے کیلئے پہنچ گیا مگر وہاں یہ ذکر نہ کیا کہ رسولِ پاک ﷺ اس معاملہ کا فیصلہ فرما چکے ہیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی فیصلہ یہودی کے حق میں دیا منافق پھر بھی راضی نہ ہوا اور اسلام کے زبانی دعویٰ کا فائدہ اٹھانے کی غلط فہمی میں مبتلا ہو کر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس جا پہنچا اس موقعے پر یہودی نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے یہ عرض کر دیا کہ اس سے پہلے رسول پاک ﷺ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میرے حق میں فیصلہ فرما چکے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ذرا ٹھہر جاؤ میں ابھی آتا ہوں، گھر میں داخل ہوئے اور بے نیام تلوار لیکر آتے ہی منافق کا سر قلم کر دیا پھر فرمایا ''ھٰکَذَا اَقْضِیْ عَلٰی مَنْ لَّمْ یَرْضَ بِقَضَاءِ اللّٰہِ وَقَضَاءِ رَسُوْلِہٖ'' جو شخص اللہ تعالیٰ اور رسول پاک ﷺ کے فیصلے کو تسلیم نہیں کرتا میرے نزدیک اس کا یہی فیصلہ ہے۔ اس موقعہ پر رسول پاک ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فاروق کے لقب سے سرفراز فرمایا۔

رسول پاک ﷺ کے احکام وارشادات کے سامنے سر تسلیم خم کرنے اور آپ کے فیصلوں کو جان و دل سے قبول کرنے کی اہمیت کو نمایاں کرتے ہوئے قرآن مجید نے ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا ''وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَۃٍ اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَھُمُ الْخِیَرَۃُ مِنْ اَمْرِھِمْ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا'' کسی مؤمن مرد اور مؤمنہ عورت کو ہرگز یہ اختیار نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ اور رسول برحق کے فیصلے کو تسلیم کرنے میں تردد کریں اور جس نے اللہ تعالیٰ اور رسول برحق کی نافرمانی کی تو وہ کھلم کھلا گمراہی میں ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ رسول پاک ﷺ نے زید بن حارثہ کیلئے عبداللہ بن جحش کو پیغام بھجوایا کہ وہ اپنی بہن زینب کا ان سے نکاح کر دے انہوں نے اپنی خاندانی عظمت اور شرافت کے منافی سمجھتے ہوئے آمادگی کا اظہار نہ کیا تو اس موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی اور انہوں نے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر معذرت کی اور آپ کے فرمان کو عملی جامہ پہنایا۔

رسول پاک ﷺ کے فیصلوں کو جان و دل سے تسلیم کرنے کا حکم آپ کی ظاہری حیات سے مخصوص نہیں بلکہ قیامت تک آنے والے ہر اس فرد کیلئے واجب الاطاعت ہے جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہوا اسلام اور ایمان کو برقرار رکھنے کی واحد صورت یہی ہے کہ آنجناب کے حکم کو جان و دل کی گہرائیوں سے تسلیم کیا جائے۔

قرآن مجید نے اس بات کی بھی وضاحت فرمادی کہ یہ اطاعت کسی مجبوری، مصلحت اندیشی اور وقتی ضرورت کے پیش نظر نہ ہو بلکہ برضاورغبت دلجمعی اور صداقت سے بارگاہِ نبوت کے فیصلے کو تسلیم کیا جائے، خدانخواستہ اگر اس سلسلہ میں انکار، تردد، تنگ دلی اور گرانی کا شائبہ پایا گیا تو ایمان کی دولت سے محروم ہونا پڑے گا۔

شان نزول کے لحاظ سے اگرچہ قرآن کا یہ حکم منافقین کی تنبیہ کیلئے ہے مگر اس کا مفہوم اسلامی آئین کی روح اور شرعی احکام کیلئے اصل الاصول ہے اس مفہوم کا اطلاق اسلامی نظام حیات کے ہر گوشے پر ہوتا ہے اور اس کی جامعیت قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے تمام حالات پر حاوی ہے۔ قرآن پاک کے ان احکام کی تشریح فرماتے ہوئے رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا ''لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِہٖ '' تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہشات میرے ارشادات اور عمل کے تابع نہ ہو جائیں۔

رسول پاک ﷺ کے فیصلوں سے روگردانی دنیا اور آخرت دونوں کے عذاب کا باعث ہے اور اللہ تعالیٰ کے غضب کو چیلنج دینے کے مترادف ہے قرآن مجید نے سخت تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ''فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِہٖٓ اَنْ تُصِیْبَھُمْ فِتْنَۃٌ اَوْ یُصِیْبَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ '' وہ لوگ جو رسول برحق کے فرمان کی مخالفت کرتے ہیں انہیں سخت خوف رکھنا چاہیئے کہ دنیا میں وہ فتنہ وآزمائش میں مبتلا ہونگے اور آخرت میں عذاب الیم سے ہمکنار ہونگے۔ قرآن مجید کے واضح ارشادات اور اٹل ہدایات اس بات پر شاہد ہیں کہ رسول پاک ﷺ کا فیصلہ قطعی یقینی اور ناقابل تردید ہوا کرتا ہے، ایمان سے دستبردار ہوئے بغیر اس فیصلے سے گریز کی کوئی صورت نہیں، مسلمان ہونے کا مفہوم ہی یہی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ اور رسول برحق کے آگے اپنے آزادانہ اختیارات کے استعمال سے باز آجائے، مطلقاً آزادی اور من مانی کا دعویٰ مسلمان کو زیب نہیں دیتا، کیونکہ وہ بندہ ہونے کا مدعی ہے اور بندگی کا تقاضا ہے کہ مولیٰ کی رضا اور خوشنودی پیش نظر ہو ہاں اگر کفر وشرک کی ظلمتوں میں بھٹکنے والا اپنی نفسانی خواہشات اور طبعی عوارض کی گرفت میں آکر خودساختہ اصول وضوابط پر عمل کرے تو محل تعجب نہیں۔

پیغمبر اسلام ﷺ نے عدل وانصاف، حق وصداقت، امانت ودیانت کا جو اعلیٰ نمونہ پیش کیا ہے بذات خود وہ ایسی برہان مبین ہے جو آپ کی اطاعت، فرمانبرداری اور اتباع پر آمادہ کرنے میں نہایت مؤثر کردار ادا کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ جب کفار ومشرکین نے نبوت کے دعوے میں آپ کو جھٹلانے کی کوشش کی تو آپ نے انہیں اپنی پاکیزہ زندگی پر نظر ڈالنے کی دعوتِ فکر دی اور اپنی صداقت کے شاہد کے طور پر اپنا اعلیٰ کردار پیش کیا

ارشاد فرمایا "فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْکُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ" اے قریش مکہ میں تمہارے سامنے زندگی کا طویل عرصہ اس سے پہلے گزار چکا ہوں کیا تم عقل ودانش سے محروم ہو چکے ہو میری کوئی ایک قابل اعتراض بات تو پیش کرو تاریخ شاہد ہے کہ آپ کے بدترین متعصب دشمنوں کو بھی جرأت نہ ہوئی کہ وہ آپ کے چیلنج کا جواب دے سکیں۔ جس ذات والاصفات کا کردار اتنا بلند ہو جسے اولین وآخرین کے علوم عطا کئے گئے ہوں اور جس کا قلب اطہر وحی الٰہی کا امین ہو اس کے فیصلے اور احکام اپنی افادیت اور جامعیت کے پیش نظر بلاشبہ واجب العمل ہونگے۔

صحیح فیصلہ کرنے کی راہ میں جو بھی عوارض حائل ہوا کرتے ہیں پیغمبر کی ذات ان سے بلند وبالا ہوا کرتی ہے، دنیا کی کوئی طاقت، کوئی لالچ اور کوئی دباؤ پیغمبر کو حق بات سے ہرگز نہیں روک سکتا پھر جناب رسولِ پاک ﷺ کی شان استقامت، عزم واستقلال اور جرأت وشجاعت کا کیا کہنا جنہوں نے سخت ناسازگار حالات میں جبکہ ریگستان عرب کا ذرہ ذرہ چٹان بن کر مقابلہ کیلئے نبرد آزما تھا کلمہ حق بلند کر کے دکھایا اور قریش مکہ سے واشگاف الفاظ میں فرمایا تمہارا کوئی لالچ، کوئی دباؤ اور کوئی حربہ مجھ پر اثر انداز نہیں ہو سکتا اگر تم میرے دائیں ہاتھ پر چاند اور بائیں ہاتھ پر سورج رکھ دو تب بھی میں اعلان حق سے باز نہیں آ ؤنگا۔

منصب قضا کیلئے سب سے زیادہ اہم عنصر حق گوئی، راست بازی اور حق پرستی ہے۔ حضور سرورکونین ﷺ حقانیت کی عظمتوں کے امین اور صداقت کی عظمتوں کا پرچم بلند کرنے والے تھے اس لئے ہمیشہ ایسے فیصلے فرمائے جو حق وصداقت کا روشن مینار ثابت ہوئے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ قریش کے قبیلہ بنو مخزوم کی فاطمہ نامی عورت نے چوری کی تو قریش کو یہ بات سخت ناگوار گزری کہ اسے سزا دی جائے۔ انہوں نے بڑی کوشش کی اور حضرت اسامہ بن زید کو سفارش کے لئے بارگاہِ نبوت میں پیش کیا رسول پاک ﷺ کا چہرۂ اقدس غصہ سے سرخ ہو گیا اور آپ نے فرمایا اے اسامہ کیا تم حدود الٰہی میں سفارش کی جرأت کرتے ہو؟ میں ایسا ہرگز نہیں ہونے دوں گا "لَوْ کَانَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ لَقَطَعْتُ یَدَهَا" یہ تو بنو مخزوم کی فاطمہ ہے اگر بالفرض فاطمہ بنت محمد ﷺ ہوتیں تب بھی میں انکا ہاتھ کاٹ ڈالتا۔

پیغمبر اسلام ﷺ کے احکام وارشادات اور آپ کے فیصلے قرآن وسنت کے شواہد کی بنا پر اہل ایمان کیلئے واجب الاطاعت اور ناقابل تردید ہیں۔ ہر اہل ایمان کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے تمام معاملات میں رسول پاک ﷺ کے فیصلے کو حجت الٰہی، قانون خداوندی اور ایمان کی بنیاد یقین کرے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں رسول پاک ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری سے سرفراز فرمائے۔ اٰمین، وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

☆☆☆☆☆

میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

خالق کائنات نے مخلوق کی ہدایت کے لئے حضرات انبیائے کرام و مرسلین علیھم السلام کو مبعوث فرمایا سب سے آخر میں حضور خاتم النبیین سید المرسلین ﷺ تشریف لائے اور اپنی شان رسالت کی عظمتوں کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ''اَنَا قَآئِدُ الْمُرْسَلِیْنَ وَلَافَخْرَ'' میں تمام رسولوں کا سردار ہوں مگر فخر نہیں کرتا ''کُنْتُ نَبِیًّا وَّاٰدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ ''میری نبوت اس وقت جلوہ گر تھی جب آدم علیہ السلام کا جسم تیار کیا جا رہا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو سید المرسلین بنا کر بھیجا اور تمام انبیاء و مرسلین سے عالم ارواح میں یہ عہد لیا کہ اگر تمہارے زمانے میں وہ عظیم الشان رسول جلوہ افروز ہو جائیں جو تم سب کیلئے سردار ہیں تو پھر تمہیں ان کی رسالت پر ایمان لانا ہوگا اور ان کی امداد و اعانت تمہاری ذمہ داری ہوگی۔ سب انبیائے کرام نے آپ کی عظمت و برتری کو تسلیم کیا اور میثاقِ خداوندی کا اقرار کیا، رب ذوالجلال نے ارشاد فرمایا ''فَاشْھَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِنَ الشّٰھِدِیْنَ'' اے انبیاء و مرسلین کی مقدس جماعت تم سب سید المرسلین کی عظمت پر گواہ بن جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہی دینے والوں میں ہوں۔ کروڑوں درود و سلام ہوں گلشن رسالت کے اس گل خنداں پر جسکی رسالت کی عظمتوں پر خالق کائنات اور اس کے برگزیدہ نبی اور رسول مل کر گواہی دے رہے ہیں۔

سید المرسلین کی اسی عظمت کے پیش نظر حضرات انبیائے کرام نے اپنے دور نبوت میں آپکی تشریف آوری کے لئے دعائیں کیں، ان کی آسمانی کتابوں نے آپ کے فضائل و کمالات بیان کئے اور ان نفوس قدسیہ نے آپکی آمد کے اعلان جانفزا کو باعث شرف سمجھا۔ قرآن مجید نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی ترجمانی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ''وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗ اَحْمَدُ'' اے لوگو میں اس عظیم الشان رسول کی بشارت دینے آیا ہوں جو میرے بعد تشریف لائیں گے اور انکا اسمِ گرامی احمد مجتبیٰ ہوگا۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے حکم خداوندی سے کعبے کو تعمیر کیا تو بارگاہ رب العزت میں عرض کیا ''رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلاً مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیَاتِکَ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ وَیُزَکِّیْھِمْ''

الٰہ العالمین تیرے حکم سے کعبہ تو میں نے بنا دیا اب اس کعبے کو آباد کرنے کے لئے اس کی عظمتوں کو دوبالا کرنے کے لئے اور اپنی عبادت کا مرکز بنانے کے لئے ان میں وہ عظیم الشان رسول بھیج جو ان پر آیات کی تلاوت کرے انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور انہیں تزکیہ نفس کی منزل تک پہنچادے۔ انبیائے کرام کی دعا قبول ہوئی، ان کی بشارت منظر شہود پر آئی اور ان کے عہد و میثاق کا مرکزی نقطہ خلاصہ، وجود بن کر سریر آرائے مسندِ رسالت ہوا ارشاد فرمایا "اِنِّی رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا" میں پوری کائنات کیلئے اللہ کا رسول ہوں "اَنَا حَامِلُ لِوَآءِ الْحَمْدِیَوْمَ الْقِیَامَۃِ" قیامت کے دن میں حمدِ خداوندی کا جھنڈا بلند کرنے والا ہوں "اٰدَمُ وَمَنْ دُوْنَہٗ تَحْتَ لِوَآئِیْ" حضرت آدم اور ان کے علاوہ تمام انبیاء ومرسلین میرے جھنڈے کے نیچے ہونگے "اَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَّمُشَفَّعٍ" سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائیگی "اَقُوْمُ عَنْ یَّمِیْنِ الْعَرْشِ لَیْسَ اَحَدٌ مِّنَ الْخَلَآئِقِ یَقُوْمُ ذَالِکَ الْمَقَامَ غَیْرِیْ" میں عرش کی دائیں جانب شفاعت کے لئے مقامِ محمود پر کھڑا ہونگا اور یہ وہ مقام ہے جہاں میرے بغیر کوئی کھڑا نہیں ہوسکتا۔

سید المرسلین کی شان سیادت کا اظہار قیامت کے دن خاص طور پر ہوگا جس وقت حضرت آدم، حضرت عیسیٰ، حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہم السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر رب ذوالجلال کی بارگاہ میں شفاعت کرنے سے معذرت کریں گے اور تمام امتیں سید المرسلین کی بارگاہ میں شفاعت کے حصول کیلئے حاضر ہوں گی آپ ارشاد فرمائیں گے "اَنَا لَھَا" اس عظیم الشان کام کیلئے تو مجھے منتخب کیا گیا ہے۔ سید المرسلین شفاعت کا تاج سر پر رکھ کر مقامِ محمود پر سجدے میں جا کر رب کی وہ حمد کریں گے جو اولین وآخرین میں سے کسی نے بھی نہ کی ہوگی۔

ربِ ذوالجلال ارشاد فرمائے گا "سَلْ تُعْطَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ، وَارْفَعْ رَأْسَکَ یَامُحَمَّدُ (ﷺ)" آپ طلب کریں آپکو عطا کیا جائے گا آپ شفاعت کریں آپکی شفاعت قبول کی جائیگی اے حبیب پاک ذرا سجدے سے سر تو اٹھائیں۔

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم ÷ خدا چاہتا ہے رضائے محمد

اللہ تعالیٰ سید المرسلین ﷺ کے وسیلے سے ہمیں آپ کی سچی محبت اور اطاعت نصیب فرمائے اور تمام عالم اسلام کو حقیقی فلاح وبہبود سے ہمکنار فرمائے۔ اٰمِیْنْ، وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

☆☆☆☆☆

نورِ مجسّم صلی اللہ علیہ وسلم

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

ربیع الاول شریف کا مہینہ ہر سال اپنے دامن میں پوری کائنات کے لئے حقیقی مسرت کا پیغام جانفزا لیکر آتا ہے کہ اس میں حضور رحمتِ دو عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم آب وگل میں جلوہ افروز ہوئے آپ کی تشریف آوری سے کفر وشرک کے اندھیرے ختم ہو گئے اور اسلام کے انوار وتجلیات نے دنیا کو منور کر دیا، ظلم وستم کی سیاہ رات ختم ہوگئی، اور عدل وانصاف کا سورج چمکنے لگا نورِ مجسم کی تشریف آوری کی خوشخبری دیتے ہوئے قرآن مجید نے مختلف مقامات پر مختلف انداز میں اعلان فرمایا کہیں اس طرح ارشاد فرمایا ''قَدْ جَآءَ كُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْنٌ. تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے عظیم الشان نور اور کتاب مبین آ پہنچی۔

نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعلان خداوندی کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ''اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ'' سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا فرمایا ''كُنْتُ نَبِيًّا وَّ اٰدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ'' میری نبوت اس وقت بھی جلوہ گر تھی جب آدم علیہ السلام تخلیق کے مراحل طے کر رہے تھے۔ قرآن مجید نے نور نبوت کی شان بیان کرتے ہوئے فرمایا ''وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی'' اُس نورانی ستارے کی قسم جب وہ جھک جاتا ہے۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس ستارے سے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مقدس مراد ہے، صحیح روایات میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل سے ان کے عرصہ حیات کے بارے دریافت فرمایا تو انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ایک نورانی ستارہ ستر ہزار سال کے بعد طلوع ہوتا تھا اور پھر ستر ہزار سال تک غائب رہتا، میں اس ستارے کو ستر ہزار مرتبہ دیکھ چکا ہوں۔ حضور نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے جبریل! جسے آپ دیکھتے رہے وہ میرے نور کا ستارہ تھا۔

صحیح روایات میں آتا ہے کہ وہ نور مقدس کا ستارہ ستر ہزار سال قیام میں رہتا اور پھر ستر ہزار سال سجدے میں رہتا جب وہ قیام کی حالت میں ہوتا تو نظر آتا اور جب وہ سجدے کی حالت میں ہوتا تو پھر غائب ہو جاتا۔

قرآن مجید کے آئینے میں نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار وتجلیات کا مشاہدہ کیا جائے تو اسکی شان مختلف انداز سے جلوہ گر نظر آتی ہے۔ کہیں ارشاد فرمایا ''وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ'' کہیں اعلان فرمایا

''يَآاَيُّهَاالنَّبِيُّ اِنَّااَرْسَلْنَاکَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًاوَّنَذِيْرًا'' کہیں یوں خطاب ہوا'' وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِيْمٍ'' ہم نے آپ کوتمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے،ہم نے آپ کوشاہد،مبشراورنذیر بنا کر بھیجا ہے،اور آپ خلق عظیم کے اعلیٰ شان مقام پر فائز ہیں ۔آ پکی نبوت ورسالت کی عالمگیر وسعتوں کو بیان کرتے ہوئے قرآن مجید نے اعلان فرمایا ''اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا'' اے حبیب پاک ﷺ آپ اعلان فرمادیں کہ میری نبوت ورسالت زمان ومکان کی قیود سے بلندوبالا ہے، میں فرش زمین پر رہنے والوں کا بھی رسول ہوں اور عرش پر تسبیح پڑھنے والوں کا بھی رسول ہوں میں اپنی امت کا بھی رسول ہوں اور دوسری ساری امتوں کا بھی رسول ہوں بلکہ میں سب نبیوں کا نبی اورسب رسولوں کا رسول ہوں میری نبوت ورسالت کا پیغام پوری کائنات کے لئے ہے۔

قرآن مجید کے آئینے میں جہاں بھی دیکھونور مجسم کی جلوہ گری نظر آتی ہے ۔اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کیا خوب جواب عطا فرمایا جب ان سے حضور کے اخلاق کے بارے سوال کیا گیا ارشاد فرمایا ''كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآن'' پورا قرآن حضور کے اخلاق کا بیان ہے قرآن پڑھتے جاؤ اور نور مجسم کے انوار وتجلیات کو دیکھتے جاؤ۔

نورِ مجسم ﷺ کی عظمتِ شان دراصل وہ لوگ جانتے تھے جنہوں نے براہ راست آفتاب رسالت کو جلوہ گر دیکھا اور ماہتاب نبوت کی ضوفشانی کا مشاہدہ کیا۔حضرت جابر بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات میں بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا فرش زمین پر آفتاب نبوت جلوہ گر تھا ادھر چودھویں کی رات تھی اور آسمان پر بدر منیر پوری آب وتاب سے روشن تھا میں ایک نظر چاند کو دیکھتا اور ایک نظر نور مجسم کو دیکھتا خدا کی قسم حضور چودھویں کے چاند سے زیادہ خوبصورت تھے ۔اسی نور مجسم کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے شاعرِ بارگاہِ رسالت حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ عرض کرتے ہیں۔

وَاَحْسَنَ مِنْکَ لَمْ تَرَقَطُّ عَيْنِیْ   وَاَجْمَلَ مِنْکَ لَمْ تَلِدِ النِّسَآءُ

آپ سے زیادہ خوبصورت میری آنکھ نے نہیں دیکھا اور آپ جیسا صاحب حسن وجمال کسی ماں کے بطن سے پیدا نہیں ہوا۔

☆☆☆☆☆

سادگی (اسوۂ حسنہ)

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم.

رسول پاک ﷺ کی سیرت طیبہ وہ اسوۂ حسنہ ہے جو دین اور دنیا کے تمام امور میں بنی نوع انسان کو فلاح و بہبود کی ضمانت دیتا ہے انسانی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس میں آپ کے ارشادات اور عمل رہنمائی نہ کرتے ہوں ایک خوشحال معاشی نظام اور ایک خود کفیل معاشرے کے قیام میں سادگی کو جو اہمیت حاصل ہے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ سادگی معاشی ترقی، مستحکم اقتصاد اور باوقار طرز معاشرت میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ انفرادی اور اجتماعی ضروریات میں سادگی کی بدولت ہی کوئی قوم وضع داری اور تشخص کو برقرار رکھ سکتی ہے اور دست طلب دراز کرنے کی بجائے اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر خود اعتمادی اور استغنا کا معیار قائم رکھ سکتی ہے۔

سادگی کی اسی افادیت اور اہمیت کے پیش نظر سرورِ کونین ﷺ نے اپنے ارشادات اور عمل کے ذریعے ملتِ اسلامیہ کو اس پاکیزہ جوہر کے حصول پر آمادہ کیا تصنع، تکلف، زیب و زینت، عیش و عشرت اور آرام پسندی سے اجتناب کا درس دیتے ہوئے آپ نے خوراک، لباس، رہائش، شادی غمی اور دیگر معاملات میں ہمیشہ سادگی کو پسند فرمایا اور اپنی عملی زندگی کے ہر گوشے میں اس کا نمایاں ثبوت پیش کیا۔ سلطان الانبیاء ہونے کے باوجود فرش زمین پر چٹائی بچھا دی جاتی اور عام لوگوں کے ساتھ بلا امتیاز آپ تشریف فرما ہوتے رات کو آرام کرنے کیلئے چمڑے کا ایک گدا خواب گاہ نبوت میں ڈال دیا جاتا اور سرور کونین ایک چھوٹے سے حجرے میں کچھ دیر آرام فرماتے جسکی چھت کھجور کے تنے اور شاخوں سے بنائی گئی تھی، کاشانہ نبوت کی زیارت کرنے والے متعدد حضرات صحابہ کرام سے روایت ہے کہ عموماً حجرۂ اقدس میں ایک مشکیزہ ایک مصلیٰ اور مٹھی بھر جو کے دانے دکھائی دیتے، لباس میں کبھی تکلف نہ فرمایا بلکہ ہمیشہ سادگی کے معیار کو برقرار رکھا، صحابہ کرام کے اصرار کے باوجود اس بات کی اجازت نہ فرمائی کہ بادشاہوں کے قاصدوں اور سفیروں سے ملاقات کے وقت قیمتی لباس استعمال کیا جائے ارشاد فرمایا کرتے کہ پیوند لگانے سے پہلے کبھی لباس کو پرانا خیال نہ کرو اور پھٹا پرانا سادہ لباس استعمال کرنا ایمان کی علامت ہے۔

آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ تین چیزوں کا حساب نہ لیا جائے گا ایسی غذا جس سے حیات قائم رہ سکے، ایسا لباس جس سے بدن کو ڈھانپ لیا جائے اور ایسا مکان جس میں رہائش رکھی جا سکے۔ ایک مرتبہ حضرت سیدۃ النساء

خاتون جنت نے کھانے کیلئے آپکو دعوت دی آپ تشریف لائے تو دیکھا کہ گھر کی دیواروں پر کچھ پردے لٹکے ہوئے ہیں آپ واپس تشریف لے گئے سیدنا علی المرتضیٰ نے دریافت کیا یا رسول للہ آپ کس لئے واپس ہو رہے ہیں ارشاد فرمایا پیغمبر کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ کسی ایسے گھر میں جائے جہاں زیب وزینت کا سامان ہو، جہیز میں نمود ونمائش اہل عرب کی پرانی عادت تھی سرور کونین ﷺ نے اپنی لخت جگر کے جہیز میں سادگی کا جو اعلیٰ نمونہ پیش کیا تاریخ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے ایک مشکیزہ، ایک چکی اور ایک چمڑے کا گدا دولت کدہ نبوت کا وہ اثاثہ تھا جو جہیز کی صورت میں دختر رسول سیدہ بتول کو عطا کیا۔

امہات المؤمنین سے روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ نے متواتر چند دن جو کی روٹی بھی سیر ہو کر نہ کھائی بسا اوقات کئی دنوں تک کھجور اور پانی پر گزارا ہوتا اور گھر میں آگ نہ جلائی جاتی، بلا ضرورت مکانات اور ان کی زیب وزینت آپکو ناپسند تھی مکانوں میں کپڑے کے پردے لگے ہوئے دیکھے تو فرمایا اللہ تعالیٰ نے مال و دولت اس لئے نہیں دیا کہ دیواروں کو لباس پہنایا جائے آپکا ارشاد گرامی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کے مال میں سے برکت اٹھانا چاہتا ہے تو اسے بلا ضرورت تعمیر میں خرچ کیا جاتا ہے اسلامی مملکت کی وسعت اور فتوحات کے ذریعے اگرچہ آپ کی حیاتِ اقدس میں مالی فراوانی ہوگئی تھی مگر اس کے باوجود فقر محمدی ہمیشہ سادگی کی صورت میں جلوہ گر رہا، کاشانۂ اقدس میں کبھی زیب وزینت کا سامان، تکلف اور تصنع کے لوازمات، سیم وزر اور متاع دنیوی کا نمونہ دیکھنے میں نہ آیا، کروڑوں درود وسلام ہوں اس تاجدار فقر وقناعت پر جس نے ہمیشہ دولت پر غربت، تکلف پر سادگی، اسراف پر میانہ روی اور سلطنت پر مسکنت کو ترجیح دی۔

سلام اس پر کہ جس کے گھر میں چاندی تھی نہ سونا تھا　　سلام اس پر کہ ٹوٹا بوریا جسکا بچھونا تھا

یہ آپ کی پاکیزہ سادہ زندگی اور سادگی کے بارے میں ارشادات کا کرشمہ تھا کہ آپکے تربیت یافتہ حضرات صحابہ کرام نے سادگی کے وہ عملی نمونے پیش کئے جو اسلامی معیشت کے صفحات میں سنہری باب کی حیثیت رکھتے ہیں یہ تعلیمات نبوی کا فیضان تھا کہ وہ جلیل القدر خلفائے راشدین جنکی ہیبت وعظمت سے قیصر وکسریٰ بھی کانپتے تھے لباس میں چمڑے کے پیوند لگاتے، فرشِ زمین پر اینٹ سرہانے رکھ کر آرام کرتے اور قصر حکومت کے بغیر نہایت سادگی سے خلافت کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوتے، مادیت کے اس دور عروج میں اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ امت مسلمہ اپنے تمام معاملات میں سادگی کو شعار بنائے، معیشت میں میانہ روی کو اپنائے اور اپنی ضروریات میں خود کفیل ہو کر اغیار کے سامنے دست طلب دراز کرنے سے محفوظ رہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اٰمِیْنْ، وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

ماضی، حال اور مستقبل کا رہبر (سیمینار)

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

رسول پاک ﷺ کی نبوت اور رسالت کسی خاص قوم، علاقے اور وقت کے ساتھ محدود نہیں بلکہ زمان و مکان کی حدود اور قیود سے بلند و بالا ہے۔ خالقِ کائنات نے آپ کی نبوت کی وسعتوں کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا" تَبَارَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا" وہ مقدس ذات بہت برکتوں والی ہے جس نے اپنے خاص بندے پر حق و باطل میں امتیاز کرنے والی کتاب نازل فرمائی تاکہ وہ تمام جہانوں کے لئے خدا کے عذاب سے ڈرانے والا ہو۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا" وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ" اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس مقدس رسول کی نبوت اور رسالت عالمین کے لئے ہو وہ ماضی، حال اور مستقبل کا رہبر قرار پائے گا۔ رسول پاک ﷺ نے نبوت و رسالت کی اسی شان جامعیت اور عظیم وسعت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا "كُنْتُ نَبِيًّا وَّاٰدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ" میری شان نبوت اس وقت بھی جلوہ گر تھی جبکہ آدم علیہ السلام تخلیق کے مراحل طے کر رہے تھے۔

ماضی، حال اور مستقبل کے اس عظیم الشان رہبر کو ہی یہ اعزاز نصیب ہوا کہ تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام سے عہد لیا گیا کہ آپ کی تشریف آوری پر وہ آپ ہی کی اطاعت اور فرمانبرداری کو شعار بنائیں اور آپکی نصرت و اعانت میں ہمہ تن مصروف رہیں۔ رشد و ہدایت، رہبری اور رہنمائی کے لئے ضروری ہے کہ اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونیوالا صفات کمال کے اعلیٰ معیار پر فائز ہو، خاص طور پر وہ رہبر اور رہنما جسکا حلقۂ ارشاد ماضی، حال اور مستقبل کو محیط ہو اس کے اوصاف اور فضائل کو بھرپور صلاحیتوں کا آئینہ دار ہونا چاہیے، اسکا علم ایسا ہو جو عالمین کے تشنگان علوم کو سیراب کرے، اس کا تقویٰ ایسا ہو کہ پوری زندگی میں رضائے الٰہی پیش نظر رہے، اسکا کردار اتنا بلند ہو کہ کسی بدترین متعصب دشمن کو بھی اعتراض کا موقعہ نہ ملے اور وہ اخلاقی اقدار کی ان عظمتوں پر فائز ہو کہ حسنِ اخلاق کا اعلیٰ نمونہ قرار پائے۔ ایسے عظیم الشان رہبر کیلئے ضروری ہے کہ وہ عزم

واستقامت کی مضبوط چٹان ہو، حق وصداقت کا علمبردار ہو اور جرأت و بے باکی میں بے مثال ہو۔ ایسے جلیل القدر رہبر کیلئے ضروری ہے کہ اس کی تعلیمات ہر دور کے تقاضوں کی تکمیل کریں، وہ کائناتی قوانین اور ضوابط کا نفاذ کرے اور اس کے مقرر کردہ اصول اٹل اور عام فہم ہوں۔ ایسے آفاقی رہبر کیلئے ضروری ہے کہ اس کی سیرت کا ایک ایک عنوان محفوظ ہو، اس کا پیغام ردوبدل سے پاک ہو اور اس کے ارشادات زندگی کے ہر گوشے میں مشعل راہ ثابت ہوں۔ بلا شک وشبہ ان اوصاف وکمالات کا معیار کامل رسول پاک ﷺ کی ذات گرامی ہے۔

ماضی، حال اور مستقبل کے اس عظیم الشان رہبر کو عالمین کی ہدایت کے لئے منتخب کیا گیا تو اعلان فرمایا ''اُوْتِیْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ'' مجھے اولین اور آخرین کے علوم عطا کئے گئے ''بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ'' مجھے اخلاقی اقدار کی تکمیل کیلئے بھیجا گیا ''مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَی اللّٰہَ'' جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ ماضی، حال اور مستقبل کا گہرا رابطہ ہے، چنانچہ ماضی حال پر اور حال مستقبل پر اثر انداز ہوتا ہے، جو رہبران تینوں زمانوں میں اپنے اصلاحی کارناموں کی افادیت اور اہمیت کا مدعی ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ اسکا ماضی بے داغ ہو، حال سراپا حسن عمل کا شاہکار ہو اور مستقبل ماضی اور حال کے وسیع اثرات کا آئینہ دار ہو۔

پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت طیبہ کے اس عنوان کو اُجاگر کرنے کیلئے ضروری ہے کہ آپ کی بعثت سے قبل کے حالات کا کچھ جائزہ پیش کیا جائے۔ آپ کی تشریف آوری سے پہلے پوری دنیا ناسازگار حالات کا شکار تھی، تحریف وتبدیل کے ذریعے سابقہ آسمانی تعلیمات کا نام ونشان مٹ چکا تھا، عقائد، اعمال، اخلاق، معاشرت معیشت اور تہذیب وتمدن کا نقشہ بدل چکا تھا کفر وشرک کی ظلمتیں چھائی ہوئی تھیں، انسانیت تنزل کی انتہائی منزلوں پر تھی فکری انحطاط اور احساس کمتری کا یہ عالم کہ لوگ اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بتوں کے سامنے سجدہ ریز ہوتے، بہت سے دوسرے مظاہر قدرت کی پرستش کی جاتی، قتل وغارت کا بازار گرم تھا، جبر وتشدد اور ظلم وستم پورے عروج پر تھا، طبقاتی کشمکش کا طوفان برپا تھا، اخلاقی اقدار پامال ہو چکی تھیں، وحدت انسانی کا شیرازہ منتشر ہو چکا تھا اور انسانیت اختلافات کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی، سرزمین عرب جسے آپ کی بعثت کیلئے

منتخب کیا گیا خاص طور پر برائیوں اور خرابیوں کا مرکز ہونے کے لحاظ سے پوری دنیا میں مشہور تھی، قرآن مجید نے بعثت نبوی سے پہلے کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ''وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ'' بے شک اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے ''اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ'' وہ لوگ چوپایوں کی طرح تھے بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ''وَكُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ'' اور تم جہنم کے گڑھے کے کنارے پر تھے ''صُمٌّ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ'' وہ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں جو حق کی طرف نہیں لوٹتے۔

ایسے ناسازگار حالات میں ماضی، حال اور مستقبل کے عظیم الشان رہبر نے یہ اعلان عام فرما کر اپنی جد وجہد کا آغاز کیا ''اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا'' میں تم سب کیلئے اللہ کا رسول ہوں تم سب اس خالق و مالک کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تمہارے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بت اور دوسرے مظاہر قدرت ہرگز اس قابل نہیں کہ ان کی پرستش کی جائے، اطراف کائنات میں گونجنے والا یہ اعلان اس عظیم رہبر نے کیا جس کی صداقت اور حقانیت ضرب المثل تھی، کفر وشرک کے پرستاروں نے تجاہل عارفانہ کا مظاہرہ کرتے ہوئے تمام حقائق اور شواہد کو بالائے طاق رکھتے ہوئے صرف اور صرف انکار کیا اس موقعہ پر آپ نے جس برہانِ مبین اور دلیلِ یقین سے انہیں لاجواب کر دیا وہ آپکا ماضی تھا آپ نے زمانہ حال میں دعوے کی صداقت پر ماضی کو شاہد بناتے ہوئے ارشاد فرمایا ''فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ'' میں اس سے پہلے عمر کا کافی حصہ تمہارے درمیان گزار چکا ہوں کیا تم عقل وفہم سے سراسر محروم ہو چکے ہو میرے کردار کی کوئی ایک قابل اعتراض بات تو پیش کر دکھاؤ۔

تاریخ اسلام شاہد ہے کہ کائنات کے رہبر کے سامنے کفار ومشرکین کوئی معقول جواب نہ دے سکے، آپ نے توحید اور الوہیت کا کائناتی ضابطہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں، کائنات کے تمام انسانوں، فرشتوں اور جنات کا معبود صرف وحدہ لاشریک ہے۔

تفرقہ بازی، باہمی انتشار اور افتراق کا خاتمہ ایک رہبر اور رہنما کیلئے جس قدر ضروری ہے محتاج بیان نہیں۔ آپ نے اتحاد اور اتفاق کا کائناتی قانون بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا بیشک تمہارے وطن مختلف ہوتے

رہیں تمہارے لباس جداگانہ ہوں، تمہاری بولیاں علیحدہ ہوں، تمہارے رنگ آپس میں نہ ملتے ہوں، تم کسی بھی خطۂ ارض میں رہتے ہو مگر یاد رکھو تم سب کا خالق و مالک ایک ہے تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو تمہاری آسمانی کتاب ایک ہے تمہارا دین اسلام ایک ہے اور تمہارا رسول ایک ہے۔ وحدت کے اتنے قریبی رشتوں میں منسلک ہو کر تم آپس میں کیوں اختلاف رکھتے ہو "وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا" آؤ سب مل کر اللہ کے دین کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ کسی گورے کو کالے پر اور کسی عربی کو عجمی پر تقویٰ کے بغیر کوئی فضیلت نہیں۔

عقائد کی اصلاح اور اتحاد و اتفاق کے قیام کے ساتھ ساتھ عبادات اور معاملات کا جو مؤثر اور حسین امتزاج آپ نے پیش کیا اور اسلام کے کائناتی اصول جس خوش اسلوبی سے نافذ فرمائے ان کی بدولت ایک وسیع اسلامی معاشرہ قائم ہوا جس میں عدل و انصاف کو فروغ حاصل ہوا اور مساوات کا بول بالا ہوا۔ طبقاتی کشمکش کے علمبردار وحدت کے رشتے میں منسلک ہو گئے، رنگ و نسل، زبان اور لباس کے اختلافات میں جکڑے ہوئے انسان ایک وقت میں ایک قبلے کی طرف متوجہ ہو کر ایک معبود کے سامنے سجدہ ریز ہوئے، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دیگر اسلامی فرائض میں پوری دنیا کے مسلمانوں کیلئے ایک ہی ضابطہ اور ایک ہی قانون نافذ کیا گیا، جرائم کی حدود اور سزاؤں میں طبقاتی اختلاف کی بنا پر امتیاز کو ختم کر دیا گیا۔ قتل، چوری، ڈاکہ، شراب نوشی، قمار بازی، بہتان تراشی، مکر و فریب اور دوسرے جرائم کی باز پرس میں اسلام کا کائناتی ضابطہ بلا تفریق سب پر نافذ ہوا۔

ماضی، حال اور مستقبل کے عظیم رہبر کی انقلابی جدوجہد بار آور ثابت ہوئی اور اسکے نتیجے میں بت پرست بت شکن بن گئے، کفر و شرک کے پرستار توحید کے جذبے سے سرشار ہو گئے، عرب کے بادیہ نشین تہذیب و تمدن کے علمبردار بن گئے، جنگ و جدال کے خوگر امن و آشتی کا پیغام سنانے لگے، جہالت میں بھٹکنے والے علم و حکمت کے امین بن گئے، عرصہ دراز کا غبار وحشت و بربریت باران لطف و رحمت میں تبدیل ہو گیا، عصبیت اور منافرت کا خاتمہ ہوا اور اخوت و محبت کو فروغ نصیب ہوا، سرزمین عرب تہذیب و اخلاق کا گہوارہ بن گئی اور وہ فکری، ذہنی قلبی، روحانی، انفرادی اور اجتماعی انقلاب آیا جس نے معاشرے کی کایا پلٹ دی۔

چونکہ آپ عالمین کیلئے ہادی و رہبر ہیں اس لئے رب العالمین نے آپ پر وہ مقدس کتاب نازل فرمائی

جس کے کائناتی قوانین اور بین الاقوامی ضوابط دائمی اور ابدی رہنمائی کی ضمانت دیتے ہیں کسی رہبر کی جدوجہد کامیاب ہونے کیلئے یہ بات اشد ضروری ہوتی ہے کہ اس کے نافذ کردہ قوانین اور ضوابط اپنی جامعیت اور افادیت کے لحاظ سے مسلم ہوں بلا شک وشبہ قرآن مجید وہ قانونی دستاویز ہے جس کے اصول وضوابط ماضی، حال اور مستقبل کے تمام تقاضوں کی تکمیل کرتے ہیں۔

تیئیس سالہ دورِ نبوت میں ان تینوں زمانوں کے لحاظ سے دیکھا جائے تو واضح ہوجاتا ہے کہ دن بدن قرآن مجید کے اصول وضوابط اپنی وسعت، اہمیت اور افادیت کے لحاظ سے نمایاں ہوتے گئے اور بالآخر وہ وقت آیا کہ ارشاد خداوندی ہوا ''اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا '' آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمت مکمل کردی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔ قرآنِ مجید کے کائناتی قوانین کی صرف تکمیل ہی نہ ہوئی بلکہ ان کے تحفظ اور بقائے دوام کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے ارشادِ خداوندی ہوا ''اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ '' بیشک ہم نے قرآن اتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں دنیا کی تاریخ میں کسی بھی قانونی دستاویز کے تحفظ اور بقائے دوام کی ایسی پختہ ضمانت کی نظیر نہیں ملتی۔ تاریخ اسلام شاہد ہے کہ چودہ سو سال کا طویل عرصہ گذرنے کے باوجود دین اسلام کے قوانین اور ضوابط کا یہ مقدس مجموعہ بغیر کسی تحریف وتبدیل کے بعینہٖ موجود ہے اور پوری دنیا میں کثرت اشاعت کا معیار کمال قائم کئے ہوئے ہے۔

ماضی، حال اور مستقبل کے رہبر کا مجموعۂ قوانین اپنی بقائے دوام میں صرف اوراق کے صفحات کا مرہونِ منت نہیں بلکہ قلب ودماغ کی ہزاروں الواح اس کے مقدس نقوش کو ثبت رکھنے پر اور اس کے معانی اور مطالب کے تحفظ پر کمربستہ ہیں۔ اسلام کے یہ کائناتی قوانین مزید شرح وبسط کے ساتھ سنت رسول کی صورت میں بھی جلوہ گر ہیں رسول پاک ﷺ کی سیرت طیبہ، آپ کی عملی زندگی اور آپکا اسوۂ حسنہ قرآن مجید کی وہ تفسیر اور تعبیر ہے جو زندگی کے ہر گوشے میں فلاح وبہبود کی ضمانت دیتی ہے، قرآن مجید نے آپکی سیرت کو اسوۂ حسنہ قرار دیا اور آپکے ارشادات اور عمل کو کائناتی قوانین کی حیثیت سے متعارف کرایا۔

ارشاد خداوندی ہے ''مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ'' جس نے رسول پاک ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ''مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا '' رسول پاک

ﷺ جس چیز کا حکم دیں اس پر عمل کرو اور جس چیز سے روکیں اس سے رک جاؤ۔ چونکہ قرآن مجید میں ہر چیز کا بیان ہے اور پھر سنت رسول اس کی مزید تشریح وتفصیل ہے اس لئے پورے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ اس مقدس کتاب اور صاحب کتاب کا پیغام کسی خاص زمانے سے مخصوص نہیں بلکہ ربُّ العالمین کے بھیجے ہوئے رحمۃ لِلعالمین کی کتاب ھدًی لِلعالمین ہے۔ یہی وجہ ہے کہ چودہ سو سال گذرنے کے باوجود آج تک اس کے قوانین اور ضوابط اپنی جامعیت، افادیت اور ہدایت کا معیار کمال برقرار رکھے ہوئے ہیں، مادیت اور سائنس کے اس دور عروج میں بھی قرآن کا پیغام مستقبل بعید کی ارتقائی منازل کے حصول کی نشاندہی کرتا ہے، ارضی، سماوی اور آفاقی مظاہر قدرت کی حکمتوں سے آگاہی حاصل کرنے کی دعوت فکر دیتا ہے، تخلیق کائنات میں غور وخوض کر کے خالق کی معرفت اور شناسائی کیلئے آمادہ کرتا ہے اور ترقی پسند اقوام کو اس حقیقت سے خبردار کرتا ہے کہ جن مظاہر کی تسخیر کے بارے میں وہ زور آزمائی کر رہے ہیں وہ اسلامی تعلیمات کے ابتدائی مراحل کی باتیں ہیں۔

ماضی، حال اور مستقبل کے جس رہبر نے اسلام پیش کیا اس نے آج سے چودہ سو سال پہلے شق القمر کا معجزہ دکھایا اور ڈوبے ہوئے سورج کو نبوت کی طاقت سے دوبارہ چمکا دیا۔ مستقبل بعید پر آپکی گہری نظر کا یہ عالم کہ ایک ہی دن میں صبح سے لیکر ظہر تک پھر ظہر سے عصر اور عصر سے مغرب تک قیامت تک کے واقعات بلکہ حشر ونشر، حساب، کتاب اور جنت ودوزخ کے داخلے کے علاوہ ابدالآباد کے اسرار ورموز بیان فرما دیئے۔ اسی فصیح و بلیغ خطبہ نبوت کے متعلق صحابہ کرام فرمایا کرتے تھے کہ ہم میں سے زیادہ عالم وہی ہے جسے وہ خطبہ زیادہ یاد ہے۔

وہ نبی برحق جو ابتدائے آفرینش سے منتہائے تخلیق کے حالات پر گہری نظر رکھتا ہو، جس کی مقدس کتاب عالمین کی ہدایت اور فلاح و بہبود کی ضمانت دے جسکا اسوۂ حسنہ ہر دور میں اپنی افادیت کو تسلیم کرائے اور جس کے کائناتی اصول اور آفاقی ضوابط دین ودنیا کے تمام امور پر حاوی ہوں بلاشک وشبہ ماضی، حال اور مستقبل کا رہبر ہے۔ اُمت مسلمہ کی حقیقی فلاح و بہبود کا راز اسی میں مضمر ہے کہ اہل اسلام آپکی جامع تعلیمات اور اسوۂ حسنہ کو لائحہ عمل بنائیں، میدان عمل میں جدوجہد کریں، اقوام عالم پر برتری حاصل کریں اور باہمی اتحاد واتفاق سے حقیقی منزل مقصود پر پہنچنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں رحمت دو عالم نورِ مجسم ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اٰمِیْن، وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

☆☆☆☆☆

سلام میں پہل

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡکَرِیۡم. بِسۡمِ اللهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم.

حضور سرور کائنات فخر موجودات ﷺ کی سیرت طیبہ کو قرآن مجید نے اسوۂ حسنہ سے تعبیر کیا اور دین ودنیا کی حقیقی فلاح و بہبود کے حصول کا ضامن قرار دیا۔ آپکی پاکیزہ سیرت حسن عمل کا معیارِ کمال ہے اور آپ کی تعلیمات مکمل ضابطہ حیات ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ دین اسلام کے معاشرتی آداب میں سلام کو بڑی اہمیت حاصل ہے، سلام ہی باہمی امن وسلامتی کے جذبات کا آئینہ دار ہے، اسلامی اخوت ومحبت کے اظہار کا طریق کار ہے اور ایک دوسرے سے رابطہ قائم رکھنے کا اسلامی شعار ہے۔

پیغمبر اسلام ﷺ نے سلام کی اہمیت وافادیت کو اُجاگر کرتے ہوئے اپنے ارشادات اور عمل سے اس قدر تاکید فرمائی کہ اسے اسلام کی شناخت قرار دیا، اس میں پہل کرنے کو عجز وانکسار کے اعلیٰ درجے سے تعبیر کیا، امت مسلمہ کے باہمی حقوق میں اسے خاص مقام عطا فرمایا، اخوت ومحبت کے جذبات کو فروغ دینے میں مدد ومعاون قرار دیا اور اجر وثواب کے حصول میں اس کی اہمیت کو خاص طور پر بیان فرمایا۔ یوں تو خیر اور بھلائی کے ہر کام میں پہل اور سبقت پسندیدہ بات ہے مگر سلام میں پہل بہت سی خوبیوں اور مصلحتوں پر مبنی ہے اور خیرات و برکات کے حصول میں خاص اہمیت رکھتی ہے۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ سلام کو واقفیت اور تعارف کا پابند نہ بناؤ بلکہ ہر مومن مسلمان کو سلام کرو کیونکہ یہ بات کمال اسلام کی علامت ہے۔ سلام کو آپس میں رواج دو اور سلام کرنے میں پہل کا خیال رکھو کیونکہ سلام میں پہل کرنے والا غرور وتکبر سے بچ جاتا ہے۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ سلام کرنے سے ایک دوسرے کے ساتھ محبت پیدا ہوتی ہے اور سلام میں پہل کرنے والا اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کے قریب ہوتا ہے۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ جب کسی مجلس میں پہنچو تو سلام میں پہل کرو اور سلام سے پہلے گفتگو شروع نہ کرو۔ رسول پاک ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ گھر تشریف لاتے تو سب سے پہلے سلام فرماتے، راستے میں کسی سے ملاقات ہوتی تو سلام میں پہل فرماتے اور سلام میں پہل کو اس حد تک اہمیت دیتے کہ ارشاد

فرماتے جو شخص سلام میں پہل کئے بغیر کسی مجلس میں آنا چاہے تو اسے آنے کی اجازت نہ دی جائے۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ مجلس میں آتے وقت اور جاتے ہوئے دونوں حالتوں میں سلام کرنے میں پہل کرو۔ رسول پاک ﷺ سلام کی ترویج اور اشاعت میں اس حد تک کوشش فرماتے کہ ہمیشہ خود سلام میں پہل فرماتے، سلام میں پہل کرنیوالوں کی حوصلہ افزائی فرماتے، سلام میں تاخیر کو ناپسند فرماتے، سلام کے اجر و ثواب کو بیان فرماتے، سلام کو اخوت و محبت کا موثر ذریعہ قرار دیتے اور سلام میں پہل کیے بغیر کلام کرنے سے منع فرماتے۔ سلام میں پہل کی اہمیت کو آپ نے اپنے ارشادات و عمل سے اسقدر نمایاں کیا کہ صحابہ کرام اس بارے میں خاص خیال رکھتے۔ ہمیشہ سلام میں پہل کو مدنظر رکھتے، سلام کی ترویج و اشاعت میں دلچسپی کا اظہار کرتے اور باہمی اخوت و محبت کو فروغ دینے میں سلام کی افادیت کا اعتراف کرتے۔ رسول پاک ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ سلام کرنے والا "السلام علیکم" کہے اور جواب دینے والا "وعلیکم السلام" کہے، سوار کو چاہیئے پیادہ پر سلام کرنے میں پہل کرے، چلنے والا بیٹھنے والے کو، چھوٹا بڑے کو اور تھوڑے آدمی زیادہ کو سلام کریں۔ آپکا ارشاد گرامی ہے کہ صرف ہاتھ اور سر کے اشارے سے سلام نہ کیا جائے۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ کہنے سے چالیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ ایک آدمی سے اگر کچھ وقفے کے بعد بار بار ملاقات ہو تو پھر بھی سلام کرنا چاہیئے۔ حضور ﷺ کے صحابی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما عموماً صبح سویرے بازار تشریف لے جاتے اور خرید و فروخت کے بغیر کافی وقت وہاں چلنے پھرنے میں گزار دیتے، جب روزانہ اس طرح جانے کی وجہ دریافت کی گئی تو ارشاد فرمایا ہم بازار میں سلام کے لئے جاتے ہیں وہاں کافی لوگوں سے ملاقات ہو جاتی ہے اس طرح کثرت سے سلام کا موقع مل جاتا ہے۔ احادیث نبویہ کی روشنی میں سلام کی ترویج و اشاعت کے فوائد و برکات کی اہمیت کے پیش نظر اہل اسلام کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس سعادت کو حاصل کرنے کی کوشش کریں اور ثواب کی دولت سے مالا مال ہوں۔

☆☆☆☆☆

شفقت و محبت (اسوۂ حسنہ)

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ. بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

تاجدار انبیاء سرور کونین ﷺ کی سیرت طیبہ محاسن و کمالات کا وہ جامع نمونہ ہے جسے قرآن مجید نے اسوۂ حسنہ سے تعبیر کیا وہ اوصاف اور فضائل جو انفرادی طور پر شرف و امتیاز رکھتے ہیں آپکی ذات والا صفات کو اجتماعی طور پر عطا کیے گئے انسانی کردار کی تکمیل میں شفقت و محبت کو جو گہرا دخل ہے اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، اس عظیم الشان اور جلیل القدر وصف کے لحاظ سے اگر رسول پاک ﷺ کی سیرت طیبہ پر نظر ڈالی جائے تو آپکی مقدس شخصیت شفقت و محبت کا معیار کامل قرار پاتی ہے۔ خالق ارض و سما نے رؤف و رحیم کے القاب سے مشرف فرما کر آپ کے مقامِ شفقت و محبت کو اجاگر کیا۔

آپ عالم آب و گل میں تشریف لائے تو شفقت و محبت کے امین بن کر اور اعلان رسالت فرمایا تو رحمۃٌ لِلعالمین بن کر" ارشاد خداوندی ہے "لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَاعَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُفٌ رَّحِيْمٌ" بیشک تمہارے پاس تم میں سے وہ عظیم الشان رسول تشریف لائے جنہیں تمہاری ہر تکلیف ناگوار ہے وہ تمہاری خیر خواہی کے بہت ہی طلبگار ہیں اور اہل ایمان کیلئے نہایت مشفق و مہربان ہیں امت کے ساتھ شفقت و محبت کا یہ عالم کہ ہر وقت اس کی بھلائی، کامیابی اور خیر خواہی کیلئے بے قرار رہتے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ اپنی امت کیلئے بہت فکر مند تھے حضرت جبریل امین حاضر خدمت ہوئے اللہ تعالی کا سلام پہنچایا اور پریشانی کی وجہ دریافت کی آپ نے فرمایا مجھے گنہگار امت کا غم ہے اس کی مغفرت کس طرح ہوگی جبریل امین نے بارگاہ رب العزت میں یہ پیغام پہنچایا تو ارشاد ہوا "وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى" اے حبیب پاک ﷺ آپ کا رب آپکو اس قدر لطف و کرم سے نوازے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ یہ مژدۂ جانفزا سن کر چہرہ اقدس خوشی سے چمکنے لگا اور ارشاد فرمایا "وَاللهِ لَآ اَرْضٰى وَوَاحِدٌ مِّنْ اُمَّتِىْ فِى النَّارِ" خدا کی قسم میرا ایک امتی بھی جہنم میں ہوا تو میں راضی نہیں ہونگا۔

کفار و مشرکین آپکو ایذا دیتے آپ انہیں راحت پہنچاتے، آپ دور بھاگنے والوں کو پاس بلاتے اور کانٹے بچھانے والوں پر پھول برساتے آپ سختی کے بدلے میں نرمی، جفا کے بدلے میں وفا، عداوت کی بجائے

محبت، تشدد کے جواب میں رحمت اور دشمنی کے جواب میں مروت سے پیش آتے۔ شفقت آپکی فطرت اور محبت آپ کی عادت تھی آپ کی شفقت کا یہ عالم کہ کمزوروں کی دستگیری فرماتے، بیماروں کی عیادت فرماتے، غمزدوں کو سہارا دیتے، بے کسوں کی دلجوئی کرتے، جوانوں کی رہنمائی فرماتے، بچوں کو خود سلام فرماتے ان کے سر پر دستِ شفقت پھیرا کرتے اور ان سے ملنے کیلئے ٹھہر جاتے آپ کی شفقت و محبت سے بنی نوع انسان ہی نہیں بلکہ حیوانات بھی فیضیاب ہوتے، جانور آپکی بارگاہ میں حاضر ہو کر بھوک اور پیاس کی شکایت کرتے، آپ ان کے مالکوں کو ان کی دیکھ بھال کا حکم فرماتے، کسی پرندے کو بیقرار دیکھتے تو اس کے بچوں کو آشیانے تک پہنچانے کی تاکید فرماتے آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ جانوروں کے معاملے میں خاص طور پر خوف خدا رکھو۔

جس طرح اپنی عملی زندگی میں آپ نے شفقت و محبت کا بے مثال نقشہ پیش کیا اسی طرح اپنے ارشادات سے بھی اس کی اہمیت کو نمایاں کیا آپکا ارشاد گرامی ہے "اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ اَلْحُبُّ فِی اللّٰہِ" اللہ تعالیٰ کیلئے کسی سے محبت رکھنا تمام اعمال سے افضل ہے آپ کا فرمان ہے کہ آپس میں محبت رکھنے والے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے خاص سایۂ رحمت میں ہونگے اور جس کو کسی سے محبت ہوگی وہ آخرت میں اسی کے ساتھ ہوگا جو شخص رضائے الٰہی کیلئے شفقت و محبت کا اظہار کرتے ہوئے کسی دوست کو ملنے کیلئے جاتا ہے تو ستر ہزار فرشتے اس کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے بغض و حسد اور نفرت سے پرہیز کرو اور آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ وہی شخص ہے جو اس کی مخلوق سے محبت رکھتا ہے آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ تمام اہل ایمان ایک جسم کی طرح ہیں جسم کا کوئی حصہ تکلیف سے ہو تو پورا جسم بیقرار ہوتا ہے اسی طرح ملتِ اسلامیہ کا کوئی فرد کسی خطۂ ارض میں تکلیف سے ہو تو تمام مسلمانوں کو اس کا احساس رکھنا ضروری ہے۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ قیامت کے دن کچھ لوگ نورانی منبروں پر جلوہ افروز ہونگے ان کے مقام کی عظمت اور ان کے چہروں پر انوار الٰہی کی کثرت کو دیکھ کر انبیائے کرام بھی ان پر رشک کریں گے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ وہ کون سے خوش نصیب ہونگے ارشاد فرمایا جو لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے آپس میں محبت رکھیں گے۔ ایک شخص نے آپ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ جو لوگ میرے ساتھ شفقت و محبت سے پیش نہ آئیں تو کیا میں بھی ان سے ویسا ہی سلوک کروں آپ نے فرمایا "صِلْ مَنْ قَطَعَکَ وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَکَ وَاَحْسِنْ اِلٰی مَنْ اَسَآءَ اِلَیْکَ" جو تم سے تعلق قطع کرے تم اسے ساتھ ملاؤ جو تم سے زیادتی کرے

اسے معاف کر دو اور جو تم سے برا سلوک کرے تم اس سے اچھا سلوک کرو۔

آپ کا اسوۂ حسنہ اہل ایمان کو اس بات کی دعوتِ فکر دیتا ہے کہ وہ اختلافات کو مٹا کر باہمی شفقت و محبت پیدا کریں اور مل جل کر ملک و ملت کی تعمیر و ترقی کیلئے کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں رسولِ پاک ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اٰمِینْ، وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

☆☆☆☆☆

قناعت (اسوۂ حسنہ)

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. خالق کائنات نے رسول پاک ﷺ کی سیرت کو نمایاں کرتے ہوئے ارشاد فرمایا "لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ" تمہارے لئے پیغمبر اعظم ﷺ کی ذات والا صفات میں حسن عمل کا بہترین نمونہ موجود ہے آپکی حیات مبارکہ دین و دنیا کے اجتماعی اور انفرادی امور میں خیر و برکت کا معیار کمال ہے اور آپ کی پاکیزہ تعلیمات حقیقی فلاح و بہبود کے حصول کا بہترین ذریعہ ہیں۔

آپ کی مقدس سیرت میں دوسرے اوصاف و کمالات کے ساتھ ساتھ قناعت کا وصف نمایاں طور آپ کی عظمت کو اجاگر کرتا ہے۔ آپکی پوری زندگی قناعت کی عملی تفسیر ہے اور آپکے ارشادات قناعت کی اہمیت اور افادیت پر شاہد ہیں۔ ایک مرتبہ جبریل امین خالق کائنات کا پیغام لیکر آئے کہ اے حبیب پاک ﷺ اگر آپ چاہیں تو بطحائے مکہ کو آپ کے لئے سونا بنا دیا جائے۔ رسول پاک ﷺ نے جواباً عرض کیا الٰہ العالمین! میں تو چاہتا ہوں ایک وقت مجھے کھانا ملے تو دوسرا وقت فاقے سے بسر کروں، جب کھانا ملے تو تیرا شکر ادا کروں اور جب فاقہ ہو تو تیری بارگاہ میں عجز و نیاز کا اظہار کروں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ آپ کے پاس جس قدر مال آتا کبھی ذخیرہ نہ فرماتے بلکہ سب کچھ فی سبیل اللہ خرچ کر کے قناعت فرماتے۔ آپکا ارشاد گرامی ہے کہ تین چیزوں کے متعلق قیامت کے دن انسان سے حساب نہیں لیا جائے گا، اتنی غذا جس سے حیات قائم رکھ سکے، ایسا لباس جس سے بدن کو ڈھانپ لیا جائے اور ایسا مکان جس میں زندگی بسر کر سکے۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ انسان زیادہ مال پسند کرتا ہے حالانکہ مال کی قلت اس کیلئے بہتر ہے۔

ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو سرور کائنات ﷺ چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے چمڑے کا گدا سرہانے تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی حجرۂ اقدس کے کونے میں مٹھی بھر جو کے دانے پڑے تھے جسم اطہر پر چٹائی کے نشانات دیکھ کر فاروق اعظم رو کر عرض کرنے لگے یا رسول اللہ قیصر و کسریٰ اللہ تعالیٰ کے منکر ہو کر ناز و نعمت میں ہوں اور آپ اس کے محبوب ہو کر غربت و افلاس میں ہوں! آپ نے ارشاد فرمایا اے عمر کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں کہ انہیں دنیا ملے اور ہمارے لئے آخرت ہو۔ آپکا ارشاد گرامی ہے کہ جو نعمت تمہارے پاس ہو اسے کافی سمجھو اس پر شکر کرو اور قناعت اختیار کرو اگر کسی شخص کے پاس دنیوی نعمتیں تمہیں زیادہ نظر آئیں تو ایسے شخص کو دیکھ لیا کرو جس کے پاس تم سے کم نعمتیں ہوں۔

آپ نے اپنی پوری زندگی میں لباس، خوراک، رہائش اور دوسری ضروریات میں قناعت کا اعلیٰ معیار قائم فرمایا اور امت مسلمہ کو حرص اور لالچ سے بچنے کی تاکید کی۔ رسول پاک ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ انسان کبھی مال و دولت سے سیر نہیں ہوتا اگر اس کے لئے سونے چاندی کے دو کھلے میدان بھر دیئے جائیں تو پھر بھی تمنا کریگا کہ ایک میدان اور بھی سونے چاندی سے بھرا ہوا مل جائے، انسان کے حریص پیٹ کو صرف قبر کی مٹی ہی بھر سکتی ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ نے چند دن متواتر جو کی روٹی بھی سیر ہو کر نہ کھائی کاشانۂ نبوت پر کئی دنوں تک آگ ہی نہ جلائی جاتی صرف کھجور اور پانی پر گزارا ہوتا آپ کے زمانۂ اقدس میں اگرچہ اسلامی فتوحات سے مال غنیمت کثرت سے حاصل ہوا، دنیوی اسباب کی فراوانی ہوگئی اور معاشی خوشحالی کی صورت ظاہر ہوئی مگر آپکی شان قناعت ہمیشہ فقر محمدی کی صورت میں جلوہ گر رہی۔

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں ÷ دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

آپ کی سیرت طیبہ اہل ایمان کو دعوت فکر دیتی ہے کہ وہ حرص اور طمع سے کنارہ کش ہو کر قناعت کو شعار بنائیں۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر بجالائیں اور غنائے قلب کی دولت سے مالا مال ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک رحمت دو عالم نور مجسم ﷺ کی سیرت طیبہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اٰمِیْنْ، وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

☆☆☆☆☆

خیر المرسلین ﷺ اور معاشرتی امن وسلامتی (سیمینار)

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

خیر المرسلین رحمۃ للعالمین ﷺ کی سیرت طیبہ کوقرآن مجید نے اسوۂ حسنہ سے تعبیر کرتے ہوئے دنیا وَ آخرت کی حقیقی فلاح و بہبود کا ضامن قرار دیا آپ نے زمان ومکان کی قیود سے بلند و بالا ہوکر اعلان فرمایا مجھے پوری کائنات کیلئے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے اور میں مکارم اخلاق کی تکمیل وترویج کیلئے مبعوث کیا گیا ہوں وہ نبی برحق، وہ رسول معظم جو سیرت و کردار کی عظمتوں کا امین ہو اور جسکا پیغام ہدایت عالمین کی وسعتوں پر محیط ہو یقیناً ایک ایسے معاشرے کے قیام کا داعی ہوگا جس میں انسانیت کی تعمیر وترقی اور کامیابی وکامرانی کے تمام شعبہ جات کو بھر پور طریقے سے فعال بنایا جاسکے اور حسن معاشرت کا وہ معیار کامل پیش کیا جائے جسکی عالمگیر وسعت وافادیت اور جامعیت وانفرادیت روز روشن کی طرح نمایاں ہو۔

اس حقیقت سے انکارنہیں کیا جاسکتا کہ معاشرتی امن وسلامتی کوایک معاشرے کی تشکیل وتکمیل میں زبردست اہمیت حاصل ہے اور معاشرتی کامیابی کا کوئی بھی پہلو اسکے بغیر منزل مقصود سے ہمکنارنہیں ہوسکتا۔ معاشرتی امن وسلامتی وہ نعمتِ عظمٰی ہے جسکی بدولت معاشرے میں بسنے والا ہر فرد بشر اپنی صلاحیتوں اورتوانائیوں کو بروئے کار لاکر ملک وملت کی خدمت کرسکتا ہے معاشرتی امن وسلامتی کے ذریعے انسانیت کے اجتماعی مسائل کوحل کیا جاسکتا ہے، ملکی اور قومی تعمیر وترقی کو پایہ تکمیل تک پہنچایا جاسکتا ہے اور ہر قسم کی اندرونی وبیرونی خلفشار سے اطمینان حاصل کیا جاسکتا ہے۔ پیغمبر اسلام خیر المرسلین ﷺ نے اپنی عملی زندگی اور ارشادات کے ذریعے معاشرتی امن وسلامتی کو بام عروج تک پہنچانے کا جو اہتمام فرمایا تاریخ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

سرزمین عرب جسے آپکی بعثت کیلئے منتخب کیا گیا آپکی تشریف آوری سے پہلے فتنہ وفساد، جنگ وجدال، ہنگامہ آرائی، قتل وغارت اور دہشت گردی کے لحاظ سے پوری دنیا میں مشہور تھی، عدل وانصاف کا نام ونشان مٹ چکا تھا، ظلم وتشدد اور جبر واستبداد کا بازار گرم تھا، وحدت انسانی کا تصورختم ہو چکا تھا، طبقاتی کشمکش اور باہمی

اختلافات کا سلسلہ عروج پر تھا، امن وسلامتی، سکون واطمینان اور دلجمعی کے عوامل ناپید ہو چکے تھے، اضطراب وانتشار اور شر وفساد کی طاغوتی طاقتیں سرگرم عمل تھیں، فتنہ وفساد کی بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلوں نے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا، وحشت و بربریت نے انسانی اقدار کو مرعوب ومقہور کر دیا تھا اور دنیا سکون کا سانس لینے کیلئے ترس رہی تھی ایسے ناسازگار حالات میں قدرت خداوندی نے انسانیت کی حالت زار پر لطف وکرم فرمایا حکمت ایزدی نے خیر المرسلین کی بعثت کا تقاضا کیا اور قادر ذوالجلال نے پوری کائنات پر احسان عظیم فرماتے ہوئے خیر المرسلین، خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین ﷺ کی ذات گرامی کو مبعوث فرمایا۔

رسول پاک ﷺ نے معاشرتی امن وسلامتی کو تہ وبالا کرنے والے عناصر کو وحدت انسانی کا درس دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تم ایک ہی باپ حضرت آدم کی اولاد سے ہو، آپس میں کیوں جھگڑتے ہو، ایک دوسرے سے کیوں لڑتے ہو، باہمی اختلافات کیوں رکھتے ہو، فتنہ وفساد کیوں برپا کرتے ہو اور کس وجہ سے برسر پیکار نظر آتے ہو۔ تاریخ اسلام شاہد ہے کہ معاشرتی امن وسلامتی کے نفاذ کا یہ مؤثر ضابطہ بڑے دوررس نتائج کا حامل بنا اور اس کی افادیت وجامعیت نے سرزمین عرب کا نقشہ بدل دیا۔

خیر المرسلین ﷺ کی سیرت وتعلیمات کا معجزہ رونما ہوا، باران لطف ورحمت نے نفرت وکدورت کے گرد وغبار کو ختم کر دیا سکون واطمینان کی فصل بہار خیمہ زن ہوئی، امن وعافیت کا آفتاب روشن ہوا، اخوت ومحبت کے جذبات کو فروغ ملا اور خوفزدہ انسانیت نے امن وسلامتی کا پیغام جانفزا سنا۔ خیر المرسلین ﷺ نے ارشاد فرمایا معاشرتی امن وسلامتی کے بنیادی ٹھوس اقدامات کے نتائج کو میں نگاہ نبوت سے دیکھ رہا ہوں۔ امن وسلامتی اور اطمینان وعافیت کا وہ وقت آئیگا کہ صنعائے یمن سے حضرموت تک کا طویل سفر اکیلا سوار اس طرح طے کرے گا کہ اسے خدا کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا۔

معاشرتی امن وسلامتی قائم کرنے اور اسے برقرار رکھنے کیلئے رسول پاک ﷺ کے ارشادات اور عملی اقدامات خصوصی اہمیت رکھتے ہیں آپ کا ارشاد گرامی ہے لوگوں پر تلوار اٹھانے والا، قتل وغارت کا بازار گرم کرنیوالا اور عوام الناس کو ڈرانے دھمکانے والا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتا اور اسکا ٹھکانہ جہنم ہے۔ معاشرتی

امن وسلامتی کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کیلئے آپ نے ڈاکوؤں، بدمعاشوں، دہشت گردوں اور فتنہ پرور طاغوتی طاقتوں کیلئے حدود وقصاص اور تعزیرات کے ضابطوں کا نفاذ کیا اوران کے ساتھ کسی قسم کی رعایت کوروا نہ رکھا، قبیلہ عرینہ کے سفاک ڈاکوؤں نے جب بیت المال کے اونٹ چوری کیے اور چرواہوں کے اعضائے جسمانی کاٹتے ہوئے بیدردی سے قتل کیا تو رسول پاک ﷺ نے انہیں فوری طور پر گرفتار کرنے کا حکم دیا جب وہ ڈاکو آپکے سامنے لائے گئے تو آپ نے حکم دیا کہ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں، لوہے کی سلاخوں کو آگ میں گرم کر کے ان کی آنکھوں میں ڈالا جائے اور گرم ریت پر انہیں تڑپتا چھوڑ دیا جائے تا کہ عبرت ناک موت سے ہمکنار ہوں۔

معاشرتی امن وسلامتی کو برباد کرنے والے جرائم پیشہ افراد کے بارے میں آپ کسی کی سفارش قبول نہ فرماتے اور انہیں کیفر کردار تک پہنچانے میں پس وپیش کو برداشت نہ فرماتے ایسے موقعہ پر آپکا چہرہ اقدس غصہ سے سرخ ہو جاتا اور ارشاد فرماتے کیا تم لوگ حدود الٰہی میں رخنہ اندازی کرتے ہو تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے عذاب الٰہی کا شکار ہوئے کہ وہ جرائم پیشہ افراد پر حدود الٰہی نافذ نہیں کرتے تھے۔ معاشرتی امن وسلامتی کو تہ وبالا کرنے پر خیر المرسلین ﷺ کا شدید ردعمل قرآن مجید کے ان اصول وضوابط کی تفسیر ہے جن پر عملدرآمد معاشرے میں حقیقی سکون واطمینان کی ضمانت دیتا ہے ارشاد خداوندی ہے "اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ" بیشک وہ لوگ جو اللہ اور اسکے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے یا سولی پر چڑھا دیا جائے یا انکے ہاتھ اور پاؤں مختلف اطراف سے کاٹ دیئے جائیں یا انہیں جلا وطن کر دیا جائے یہ ذلت ورسوائی تو ان کے لئے دنیا میں ہے اور آخرت میں ان کے لئے عذاب عظیم ہے۔

رسول پاک ﷺ کی سیرت طیبہ کی روشنی میں معاشرتی امن وسلامتی کے قیام اور تحفظ کی اہمیت نمایاں ہو جاتی ہے اور یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ معاشرتی امن وسلامتی کے ساتھ کھیلنے والے کسی بھی رعایت کے

مستحق نہیں وہ اللہ تعالیٰ اور رسول پاک ﷺ کے ساتھ برسر پیکار ہیں اور خلق خدا کی ایذا رسانی کے مرتکب ہو کر گھناؤنا کردار ادا کر رہے ہیں۔ اس حقیقت سے کون واقف نہیں کہ کسی ملک اور قوم کی ترقی اور خوشحالی کا تمام تر انحصار اس بات پر ہے کہ وہاں امن وامان ہو، راستے پُرامن ہوں، تجارتی اور کاروباری ادارے محفوظ ہوں، لوگ طلب معاش اور دوسری ضروریات کیلئے آزادانہ جہاں چاہیں جاسکیں، دن کو محنت مزدوری، کام کاج کرنے والے لوگ رات کو آرام کرسکیں، لوٹ مار، دہشت گردی، چوری، ڈاکہ، نقب زنی، قتل وغارت اور خوف وہراس نہ ہو۔ اسکے برعکس اگر شقی القلب جرائم پیشہ افراد قتل وغارت، اغوا برائے تاوان، ڈکیتی، رہزنی اور قومی املاک کو نقصان پہنچانے جیسی وارداتوں کو معمول بنالیں تو پھر نہ معاشرتی امن وسلامتی برقرار رہ سکتی ہے اور نہ کوئی قوم ترقی کی راہ پر گامزن ہوسکتی ہے۔

معاشرتی امن وسلامتی کو برقرار رکھنے کیلئے خیر المرسلین ﷺ کی سیرت طیبہ کو مدنظر رکھتے ہوئے ان احکامات اور ضوابط کا نفاذ ضروری ہے جن کو آپ نے اپنے ارشادات اور عمل کے ذریعے نافذ کر کے دکھایا، فتنہ وفساد اسی طرح دوسرے انسانیت سوز جرائم کی روک تھام کیلئے اسلام نے حدود اور تعزیرات کا جو نظام قائم کیا اسے ظالمانہ اور وحشیانہ سزاؤں سے تعبیر کرتے ہوئے مستشرقین یورپ نے یا تو حقائق پر پردہ ڈالنے کی ناکام کوشش کی ہے یا پھر تجاہل عارفانہ سے کام لیا ہے عقلِ سلیم ہرگز اس منطق کو تسلیم نہیں کرتی کہ معاشرتی امن وسلامتی کو تباہ کرنے والے فتنہ پرور عناصر کی ہمدردی، حوصلہ افزائی اور خوشنودی کو انسان دوستی کا عنوان دیا جائے اور انسانی ہمدردی کا لبادہ اوڑھ کر انسانی اقدار کو پامال کرنے کی ناپاک جسارت کی جائے، کس قدر تعجب کی بات ہے کہ قتل وغارت، دہشت گردی، لوٹ مار، ڈکیتی، رہزنی اور بردہ فروشی جیسے سفاکانہ جرائم کو ظالمانہ اور وحشیانہ عمل قرار دینے کی بجائے ان گھناؤنے سنگین جرائم کے مرتکب لوگوں کو دی جانے والی سزاؤں کو ظالمانہ اور وحشیانہ اقدام سے تعبیر کیا جائے اگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو بلاتوقف یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ اس قسم کے فتنہ انگیز خیالات ونظریات کسی طرح بھی انسانی ہمدردی کے ترجمان نہیں بن سکتے یہ اسلام دشمن عناصر کے خود ساختہ مفروضات ہیں جنہیں وہ لوگوں کو اسلام سے متنفر کرنے کیلئے ہتھکنڈوں کے طور پر استعمال کیا کرتے ہیں

اسلام کا دعویٰ کرنے والے ہر فرد بشر کا فرض ہے کہ وہ مستشرقین کی اقتداء میں ایسے بے سر و پا اعتراضات کو دہرانے سے احتراز کرے اور معاشرتی امن و سلامتی کے قیام میں اسلامی احکام کی افادیت کا پرچار کرے۔

خیر المرسلین ﷺ کی سیرت کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ بات نمایاں طور پر سامنے آتی ہے کہ اسلام کے بدترین مخالف بھی اس کا انکار نہیں کر سکتے کہ معاشرتی امن و سلامتی کے تحفظ کیلئے پیغمبر اسلام ﷺ نے جنگ کے ہنگامی حالات میں بھی اس بات کی سخت تاکید فرمائی کہ کفار و مشرکین کی عورتوں، بچوں اور بوڑھوں سے تعرض نہ کیا جائے، ان کے کھیتوں، باغوں، درختوں اور پھلوں کو نقصان نہ پہنچایا جائے، ان کے مویشیوں اور چراگاہوں پر قبضہ نہ کیا جائے اور ان کی عبادت گاہوں، راہبوں اور گوشہ نشینوں کا خیال رکھا جائے، مادیت کے اس دور عروج میں انسانیت کو جس چیز کی سبُ سے زیادہ تلاش ہے وہ معاشرتی امن و سلامتی ہے۔ اس گرانقدر سرمایہ حیات کے حصول کے لئے آج بھی انسانیت سرگرداں ہے اور انسانی ہمدردی کے دعویداروں سے جفائے وفا نما کا شکوہ کرتے ہوئے زبان حال سے یوں فریاد کر رہی ہے۔

؎ بہتر ہے مہ و مہر پہ ڈالو نہ کمندیں ÷ انساں کی خبر لو کہ وہ دم توڑ رہا ہے

معاشرتی امن و سلامتی انسانی زندگی کا اہم تقاضا ہے اور معاشرے کی تعمیر و ترقی میں سنگ میل کی حیثیت رکھنے کے ساتھ ساتھ وقت کی اہم ضرورت ہے۔ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی طرح اگر آج امت مسلمہ کے اربابِ اقتدار اور عوام الناس خیر المرسلین ﷺ کی تعلیمات پر کاربند ہو جائیں اور آپ کی سیرت طیبہ کو لائحہ عمل بنانے کی مخلصانہ کوشش کریں تو کوئی بعید نہیں کہ باہمی تعاون سے وہ ایک وسیع و عریض معاشرے کو امن و سلامتی کا گہوارہ بنانے میں کامیاب ہو جائیں اور پوری دلجمعی کے ساتھ ملک و ملت کی اجتماعی تعمیر و ترقی اور فلاح و بہبود میں بھرپور کردار ادا کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں خیر المرسلین ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اٰمِیْنُ، وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

☆☆☆☆☆

ضعیفوں کا ماویٰ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. خالق کائنات نے رسول پاک ﷺ کی سیرت طیبہ کو اسوۂ حسنہ سے تعبیر فرما کر اس کی جامعیت اور عظمت وجلالت سے آگاہ فرمایا۔ آپ کی پاکیزہ زندگی کا ایک ایک لمحہ اعلیٰ اخلاق واقدار اور حسن عمل کی عظمتوں کا آئینہ دار ہے اور آپ کی تعلیمات مبارکہ کا ایک ایک حرف عظیم الشان مثالی سیرت وکردار کا گوہر تابدار ہے۔ آپ انسانیت کو معراج کمال کی منزل مقصود سے ہمکنار کرنے کیلئے تشریف لائے اور آپ نے انسانیت کے اوصاف وکمالات کو پایۂ تکمیل تک پہنچا کر ان کے فیوض وبرکات کو اجاگر کیا۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بنی نوع انسان کے اصناف واقسام میں ضعیفوں، غریبوں، ناداروں، کمزوروں، بے کسوں اور بے بسوں کی حالت زار تاریخ عالم کے حوالے سے ہمیشہ قابل رحم رہی ہے۔

ضعیفوں کو معاشرے میں کبھی خاطر خواہ مقام نہ مل سکا اور ایک طویل پس منظر کے آئینے میں وہ ہمیشہ نظر انداز کئے جاتے رہے۔ ارباب جاہ وحشم اور طاقتور لوگوں نے ہمیشہ انکا استحصال کیا اور ان کی وقعت وحیثیت کا کبھی کوئی تشخص قائم نہ ہوسکا۔ ضعیف ہمیشہ مشقِ ستم بنتے رہے اور شعوری طور طریقوں سے ہمیشہ ان کے احساس کمتری میں اضافے کا عمل جاری رہا بالآخر خالقِ کائنات کا دریائے رحمت موجزن ہوا، مشیت ایزدی نے ضعیفوں کی بے بسی اور بے کسی پر نظر کرم فرمائی اور اس نبی برحق، رسول معظم، پیغمبر اعظم، خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین ﷺ کو مبعوث کیا جن کے تشریف لانے سے طبقاتی کشمکش کا خاتمہ ہوا، ضعیفوں کو توانائی ملی، کمزوروں کو طاقت نصیب ہوئی، بے سہاروں کو سہارا ملا، ناداروں کو دولت وثروت حاصل ہوئی، مظلوموں کو انصاف ملا اور محکوموں کو حکمرانی عطا کی گئی۔

پیغمبر اعظم ﷺ نے اپنے ارشادات وعمل سے ضعیفوں کے حقوق کا تعین فرمایا معاشرے میں انکا تشخص قائم کیا ان کی حیثیت اور اہمیت کو بیان فرمایا اور ان کی عزت افزائی کرتے ہوئے فرمایا "اِبْغُوْنِيْ فِيْ ضُعَفَآئِكُمْ" اگر میری رضا جوئی اور خوشنودی چاہتے ہو تو یہ نعمت عظمیٰ تمہیں ضعیفوں کے خیال رکھنے سے حاصل ہوگی۔ ان کی خوشی میں میری خوشی ہے اور ان کی رضا جوئی میں میری اطاعت ہے۔ رسول پاک ﷺ نے

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے حصول کو ضعیفوں کا مرہون منت قرار دیتے ہوئے یہاں تک ارشاد فرمایا "هَلْ تُنْصَرُوْنَ وَ تُرْزَقُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَآئِكُمْ" تمہارے رزق اور تمہاری فتح ونصرت کا حصول ضعیفوں ہی کے وسیلے سے ہوتا ہے۔

کروڑوں درود وسلام ہوں اس نبی رحمت پر جس نے ضعیفوں کے اعلیٰ مقام کو نمایاں کیا، ضعیفوں کی اہمیت کا احساس دلایا اور ان کی حیثیت کو قابل رشک انداز میں پیش کرتے ہوئے ارشاد فرمایا، الٰہ العالمین مجھے کمزوروں، ضعیفوں اور مسکینوں کے ساتھ زندہ رکھنا، میں اس جہاں سے رخصت ہوں تو ان ضعیفوں کے ساتھ اور میدان حشر میں اٹھوں تو بھی ان ضعیفوں کے ساتھ۔ بلاشبہ پیغمبر اسلام ﷺ کے یہ مبارک الفاظ، ضعیفوں کی عزت افزائی کے بارے میں وہ دائمی اور ابدی لازوال نقوش ہیں جو ہمیشہ صفحہ ہستی پر قائم ودائم رہینگے اور قیامت تک آنے والا ہر فرد بشر اس حقیقت کا اعتراف کرے گا کہ محمد عربی ﷺ ضعیفوں کا ماویٰ ہیں۔

تاریخ اسلام کا مطالعہ کریں تو سیرت نبوی کے آئینے میں یہ حقیقت روز روشن کی طرح صاف نظر آتی ہے کہ رسول پاک ﷺ نے ہمیشہ ضعیفوں، کمزوروں، ناداروں اور غریبوں کو اپنے قریب مقام عطا فرمایا اور اپنی نگاہ کرم سے نوازا۔ حبشہ سے آنے والے بلال، روم سے آنے والے صہیب اور فارس سے آنیوالے سلمان جیسے ضعیف اور درویش بارگاہ نبوت میں منظور ومقبول قرار پائے۔ مقداد بن اسود، ابوذر غفاری، ابوھریرہ اور ابوموسیٰ اشعری جیسے ناداروں، غریبوں اور ضعیفوں کو آفتابِ نبوت سے براہ راست فیض یاب ہونے کا موقع ملا اور یہ خوش نصیب ضعیف قرب نبوت کی دولت سے مالا مال ہوئے۔

رسول پاک ﷺ نے ضعیفوں کے حقوق کی ادائیگی کا احساس دلایا ان کی خوراک، لباس اور رہائش مہیا کرنے کی تاکید فرمائی ارباب ثروت کو ضعیفوں کی خوشنودی اور رضا جوئی کے حصول کی ترغیب فرمائی اور انہیں اپنی خوشیوں میں شریک کرنے کا حکم دیا۔ رسول پاک ﷺ نے اپنی ذات والا صفات کو ضعیفوں کا ملجأ وماویٰ قرار دیکر ان کی عظمتوں کے تصور کو معراج کمال تک پہنچایا اور ان کی اہمیت کو نمایاں کرکے ان کی قدر ومنزلت کو فروغ عطا کیا اور ان کے حقوق کے تحفظات فراہم کرکے ان کی حیثیت کو مضبوط اور مستحکم کیا۔

رسول پاک ﷺ کی سیرت طیبہ اور ارشادات عالیہ کا تقاضا ہے کہ اہل اسلام مادیت کے اس تنگ و تاریک دور میں پھر سے ضعیفوں کی ہمدردی کا جذبہ پیدا کریں، ان کی رضا اور خوشنودی کے حصول میں دلچسپی لیں، ان کے حقوق کی ادائیگی میں پوری کوشش کریں اور ان کی ضروریات واحساسات کا خیال رکھتے ہوئے ان کی ہر ممکن امداد واعانت کرکے سعادت دارین حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں تعلیمات نبوی پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

مساوات (اسوۂ حسنہ)

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

رسول پاک ﷺ کی سیرت طیبہ حسن عمل کا وہ شاہکار ہے جسے قرآن مجید نے اسوۂ حسنہ سے تعبیر کیا۔ آپ کے عظیم الشان اوصاف وکمالات میں مساوات کو ایک امتیازی مقام حاصل ہے۔ایک خوشحال اور صحتمند معاشرے کے قیام میں مساوات کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔مساوات کی بدولت طبقاتی کشمکش اور معاشرتی عدم توازن ختم کیا جاسکتا ہےاور مساوات ہی وحدت انسانی، اتفاق واتحاد، اخوت اور یکجہتی کی ضمانت دیتی ہے۔

سرور کائنات فخر موجودات ﷺ کی پوری زندگی مساوات کا وہ چمکتا ہوا سورج ہے جسکی شعاعوں نے اطراف عالم کو منور کردیا، آپ تشریف لائے تو اعلان فرمایا کسی عربی کو عجمی پر اور کسی گورے کو کالے پر تقویٰ کے بغیر کوئی فضیلت نہیں۔اے لوگو تم سب اولادآدم ہو اور آدم کو مٹی سے بنایا گیا۔آپ نے شاہ وگدا، امیر وغریب، حاکم ومحکوم، بندہ ومولا، طاقتور اور کمزور، عربی اور عجمی، گورے اور کالے کے ساتھ برابر کا سلوک کیا۔اگر خاندان قریش کے مقتدر صحابہ کرام ابوبکر وعمر، عثمان وعلی قرب نبوت کی دولت سے مالامال ہوئے تو بلال وصہیب اور سلمان وخبیب جیسے درویش صفت آزاد کردہ غلام بھی بارگاہ نبوت میں منظور ومقبول قرار پائے۔

احکام الٰہی کے نفاذ میں مساوات کا یہ عالم کہ جب قریش اسامہ بن زید کو ساتھ لیکر بنی مخزوم قبیلے کی ایک عورت کی سفارش کیلئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چوری کی سزا معاف کرنے کی درخواست کی تو زبان نبوت سے ارشاد فرمایا ''اے اسامہ کیا تم حدود الٰہی میں سفارش کرتے ہو؟ تم سے پہلے لوگ اسی لئے ہلاک ہو گئے کہ وہ بڑے لوگوں کو حدود سے مستثنیٰ کرتے اور غریبوں کو سزا دیا کرتے۔

غزوۂ بدر کے قیدیوں کو جب فدیہ لیکر چھوڑا جارہا تھا تو انصار مدینہ عرض کرنے لگے اگر اجازت ہو تو آنجناب کے چچا حضرت عباس کا فدیہ معاف کردیا جائے آپ نے مساوات کے پیش نظر فرمایا ہرگز نہیں ایک درہم بھی معاف نہ کرو۔روزمرہ کے عام معمولات میں بھی مساوات آپ کی عادت کریمہ تھی عام لوگوں کے ساتھ فرش زمین پر بیٹھنا، ایک دسترخوان پر کھانا تناول کرنا، ہر چھوٹے بڑے کی بات سننا اور ہر ایک کی طرف توجہ کرنا

آپکا دستور تھا۔قریش مکہ اپنا امتیازی شرف جتلانے کیلئے حج کے موقعہ پر مزدلفہ میں ایک خاص جگہ پر قیام کرتے اور وہاں کسی دوسرے کو ٹھہرنے کی اجازت نہ ہوتی ۔رسول پاک ﷺ نے مساوات کے پیش نظر اس خصوصیت کو ختم کر ڈالا اور عام لوگوں کے ساتھ قیام کو پسند فرمایا۔

آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب کوئی چیز تقسیم فرماتے تو دائیں جانب سے شروع فرماتے ایک مرتبہ دودھ تقسیم فرمانے لگے تو دایاں جانب ایک بدو بیٹھا ہوا تھا جبکہ صدیق اکبر بایاں جانب اور فاروق اعظم سامنے تھے، کروڑوں درود وسلام ہوں اس نبی رحمت پر جنھوں نے مساوات محمدی کو اجاگر کرتے ہوئے دایاں جانب بیٹھے ہوئے بدو کو ترجیح دی اور دودھ کا پیالہ اس کی طرف بڑھا دیا۔

مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی کی تعمیر شروع ہوئی تو صحابہ کرام کے ساتھ ساتھ تعمیر کے کام میں برابر کے شریک رہے اور دست مبارک سے اینٹیں اور گارا اٹھا کر لاتے رہے۔صحابہ کرام عرض کرتے ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں زحمت نہ فرمائیں مگر رسول پاک ﷺ مساوات کی عملی جدوجہد میں مصروف رہتے۔جب مدینہ طیبہ کے اردگرد خندق کھودی جارہی تھی تو رسول پاک ﷺ خدام اور مخلصین کے ساتھ کام کرنے میں برابر کے شریک نظر آتے، یہاں تک کہ آپ کے جسم اطہر پر مٹی کی تہ جم گئی۔

ایک سفر میں تشریف لے گئے کھانے کا انتظام ہونے لگا تو لکڑیاں اکٹھی کرنے کا کام اپنے ذمے لیا، جہاد میں سواریوں کی کمی کی وجہ سے باری باری سوار ہونے کی نوبت آئی تو خدام کو سوار کیا اور خود پیدل روانہ ہوئے۔

واہ کس شان سے امت کا امام آتا ہے ÷ خود تو پیدل ہے سواری پہ غلام آتا ہے

آپ کے اسوۂ حسنہ کی بدولت اسلام میں مساوات کو وہ عظیم الشان مقام حاصل ہوا کہ تاریخ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔اگر آج مسلمان پھر سے مساوات محمدی کو عملی جامہ پہنائیں تو طبقاتی کشمکش اور معاشرتی عدم توازن ختم ہوجائے اور ہر طرف وحدت انسانی کے پاکیزہ جذبات کو فروغ حاصل ہو۔اللہ تعالیٰ ہمیں اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔اٰمِیْنْ،وَ آخِرُ دَعْوَانَااَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

☆☆☆☆☆

اسلام میں پہل

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

رسول پاک ﷺ کی سیرت طیبہ کو قرآن مجید نے اسوۂ حسنہ سے تعبیر کیا اور اس کی اتباع کو دین و دنیا کی فلاح و بہبود کا ضامن قرار دیا آپ کی مقدس زندگی حسن عمل کا وہ کامل معیار ہے جو ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور انسانی زندگی کے ہر گوشے میں رہنمائی کا ذمہ دار ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ نیکی اور بھلائی کے کاموں میں پہل کرنا بہت ہی پسندیدہ عمل ہے، خاص طور پر اسلام لانے میں پہل کرنا تو بہت ہی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اسلام تمام خیرات و برکات کا مجموعہ ہے، جس شخص نے اسلام قبول کرنے میں سبقت اور پہل کو اختیار کیا تو گویا اس نے نیکی اور بھلائی کے تمام امور کو سرانجام دینے کیلئے تمہید کے طور پر اپنی آمادگی کا پر جوش مظاہرہ کیا اور اس عزم و استقلال کا برملا اظہار کیا کہ خیر اور بھلائی کے میدانوں میں پیشقدمی اور پہل کیلئے وہ اپنی تمام قوتوں کو بروئے کار لانے کی جدوجہد کرے گا۔

رسول پاک ﷺ چونکہ نیکی اور بھلائی کو فروغ دینے اور اس کی عملی جدوجہد کو معراج کمال تک پہنچانے کیلئے تشریف لائے اس لئے اس سلسلہ میں پہل کرنے کی اہمیت کو اپنے ارشادات اور عمل سے اجاگر کیا اور امتِ مسلمہ کو اس بات کی دعوت فکر دی کہ وہ خیرات وحسنات کے اپنانے میں سبقت کریں، اسلام میں پہل کرنے کی اہمیت کو نمایاں کرتے ہوئے رسول پاک ﷺ نے ان جلیل القدر صحابہ کرام کی خاص طور پر تعریف و توصیف فرمائی جنہوں نے اسلام قبول کرنے میں پہل کی، سابقین اوّلین کے خطاب سے مشرف ہوئے، ہجرت کی فضیلت حاصل کی اور غزوۂ بدر میں شمولیت کی۔

اسلام میں پہل کی بدولت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رفیق نبوت، یار غار اور خلیفۂ رسول ہونے کی سعادت عظمیٰ سے مشرف ہوئے اور رسول پاک ﷺ نے صحابہ کرام کو آپ کے مقام سے آگاہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ابوبکر نے اسوقت میری تصدیق کرنے میں پہل کی جبکہ لوگ مجھے جھٹلاتے تھے، ہر شخص نے اسلام قبول کرنے میں کچھ نہ کچھ تامل کیا مگر ابوبکر صدیقؓ نے بلا تامّل اسلام لانے میں سبقت کی۔ رسول پاک ﷺ

ان صحابہ کرام سے خاص شفقت فرماتے تھے جنہوں نے اسلام قبول کرنے میں پہل کی، اسلامی احکام کی نشر واشاعت میں سبقت کی اور اسلام کی خاطر مصائب وآلام برداشت کرنے میں پیش پیش رہے۔

اسلام میں پہل کی اہمیت کے پیش نظر رسول پاک ﷺ ہمیشہ اس بات کا خیال فرماتے کہ مال غنیمت کے خاص حصہ کی تقسیم میں اسلام میں پہل کرنے والوں کو مقدم سمجھا جائے اور ان کی امداد واعانت کا خاص اہتمام کیا جائے۔ رسول پاک ﷺ اسلام میں پہل کو اس قدر پسند فرماتے کہ نماز کی صفِ اول میں قدیم الاسلام صحابہ کرام کو ٹھہراتے، اپنی مجلس میں انہیں قریب جگہ دیتے، مشورہ طلب کرنے میں ان کو اہمیت دیتے اور دوران گفتگو انہیں مخاطب فرما کر عزت افزائی اور قدردانی فرماتے۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ جس شخص نے نیکی اور بھلائی کے معاملے میں پہل کی پھر اسے دیکھ کر دوسرے لوگوں نے بھی وہی نیکی اور بھلائی اپنالی تو قیامت تک نیکی کرنے والوں کے ثواب کے برابر اسے ثواب ملے گا اور نیکی کرنے والوں کے اجر وثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

اسلام میں پہل کی اہمیت اور قدر ومنزلت کو اجاگر کرتے ہوئے رسول پاک ﷺ نے کوہ صفا پر کھڑے ہو کر اپنے قریبی رشتہ داروں سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تمہارا خالق ومالک وحدہٗ لاشریک ہے، وہی عبادت کا مستحق ہے جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا، تمہارے ہاتھ کے بنائے ہوئے بت ہرگز اس قابل نہیں کہ ان کی عبادت کی جائے اسلام قبول کرنے میں جلدی کرو، میری مثال اس شخص کی ہے جو کسی قوم کو حملہ آور لشکر سے ڈرا رہا ہو کہ ابھی وہ تم پر حملہ کرنے والا ہے جو اس کی بات قبول کرنے میں جلدی کریگا دشمن سے بچ جائے گا۔

رسول پاک ﷺ اسلام میں پہل کو اجرِ عظیم کا باعث قرار دیتے اور اپنی رضا اور خوشنودی کے حصول کا بہترین مؤثر ذریعہ بیان فرماتے۔ ایک مرتبہ جہاد میں صف آرائی کے دوران ایک شخص حاضر خدمت ہوا آتے ہی اسلام قبول کیا اور جہاد میں شریک ہو کر دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گیا، رسول پاک ﷺ بڑی توجہ سے اسے دیکھتے رہے اور ارشاد فرمایا ''عَمِلَ قَلِیْلًا وَاُجِرَ کَثِیْرًا'' یہ وہ خوش نصیب ہے جس نے تھوڑا عمل کیا مگر بہت زیادہ اجر لے گیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں رسول پاک ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اٰمِیْنْ، وَآخِرُ دَعْوَانَااَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

☆☆☆☆☆

ایثار (اسوۂ حسنہ)

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ. بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

رسول پاک ﷺ کی سیرت طیبہ اوصاف وکمالات کا وہ جامع نمونہ ہے جسے قرآن مجید نے اسوۂ حسنہ سے تعبیر کیا۔ آپ کی پاکیزہ سیرت میں ایثار کا وصف نمایاں خصوصیت رکھتا ہے۔ آپ نے اپنے ارشادات اور عمل سے ایثار کی اہمیت کو اجاگر کیا اور اہل ایمان کو اس وصف کے حصول کی تاکید فرمائی۔ ایثار ہی وہ جذبہ ہے جس کے تحت انسان خدمت کیلئے کمربستہ ہوتا ہے، دوسروں کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر ترجیح دیتا ہے اور دوسروں کو راحت پہنچانے کیلئے خود تکلیف برداشت کرتا ہے۔

سیرت نبوی کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ سرور کونین ﷺ کی پوری زندگی ایثار کی عملی تفسیر ہے۔ اعلان نبوت سے پہلے بھی آپ کا طویل عرصۂ حیات ایثار کے دل افروز حقائق کا آئینہ دار تھا اور مخلوق سے خیر خواہی، ہمدردی، دلجوئی آپکا شعار تھا۔ دوسروں کو آرام پہنچانے کیلئے خود تکلیف اٹھانا آپ کا طریقِ کار تھا، دوسروں کی ضروریات اور احساسات کو مقدم رکھنا آپکی عادت مبارکہ تھی اور دوسروں کے معاملات کو ذاتی امور پر ترجیح دینا آپکا خاص وصف تھا۔ آپکا ارشاد گرامی ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک کہ دوسرے مسلمان بھائی کیلئے وہ پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

معاشرے کے غریب ونادار افراد کے ساتھ ایثار کا سلوک جو اہمیت رکھتا ہے اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا پیغمبر اعظم ﷺ نے ہمیشہ غریبوں، یتیموں، بیواؤں اور مسکینوں کو تمام معاملات میں ترجیح دیکر ایثار کی عظمتوں کو بلند کیا، بلال حبشی، سلمان فارسی، صہیب رومی اور ابوذر غفاری جیسے غریب اور درویش صحابہ کرام سے امتیازی سلوک اور شان کرم کا مظاہرہ آپ کے کمالِ ایثار کو نمایاں کرتا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے خدمت اقدس میں عرض کیا کہ چکی پیسنے کی وجہ سے ہاتھوں میں چھالے پڑے ہوئے ہیں اور پانی کی مشق اٹھانے سے جسم پر نیل پڑ گئے ہیں اگر بیت المال سے ایک خادمہ عطا فرمائیں تو سہولت ہو جائیگی۔ رسول پاک ﷺ نے کمال شفقت کے باوجود ارشاد فرمایا ابھی اصحاب صفہ جیسے غریبوں کا انتظام نہیں ہو سکا اس حال میں دوسری طرف کیا توجہ کروں۔ ایک مرتبہ خاندانِ نبوت کی کئی صاحبزادیوں نے مل

کر خادمہ طلب کرنے کی عرض داشت پیش کی تو فرمایا غزوۂ بدر کے یتیم زیادہ مستحق ہیں۔

کاشانۂ نبوت پر حاضر ہونے والے محتاجوں کے ساتھ ایثار کا یہ عالم کہ تھوڑا سا دودھ یا معمولی آٹا گھر رکھنا پسند نہ تھا اٹھا کر سائل کو عطا فرماتے اور گھر میں فاقہ رہتا کئی دن مسلسل گھر میں آگ نہ جلائی جاتی بلکہ کھجور اور پانی پر اکتفا کیا جاتا۔ اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہونے کی بنا پر تحفے تحائف کثرت سے آنے لگے مگر آپ کے جذبۂ ایثار میں کوئی فرق نہ آیا سب کچھ غرباء و مساکین میں تقسیم کرنے کے بعد گھر تشریف لے جاتے۔

جنگ کے ناسازگار حالات میں اور بعض دوسرے مواقع پر کئی مرتبہ مختصر سا کھانا آپکی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے سب ساتھیوں کو اس میں شریک کیا اور ایثار کو مدنظر رکھا۔ جہاد میں سواریوں کی قلت کے پیش نظر تین آدمیوں کے حصے میں ایک اونٹ آیا تو رسول پاک ﷺ اپنی باری پر سوار ہوتے اور ساتھیوں کی باری پر پیدل سفر فرماتے جب وہ اصرار کرتے تو فرماتے میں تم سے کمزور نہیں اور مجھے بھی اللہ تعالیٰ سے اجر وثواب کی ضرورت ہے۔ رسول پاک ﷺ کی تعلیمات اور عملی زندگی میں ایثار کو جو مقام حاصل تھا اس کی بدولت آپ کے صحابہ کرام اور اہل بیت عظام نے ایثار کے جو عظیم الشان عملی ثبوت پیش کیے تاریخِ عالم ان کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ مکہ سے ہجرت کر کے بے سروسامان مہاجرین جب مدینہ عالیہ پہنچے تو انصار نے اپنے مکانوں، زمینوں اور باغوں میں انہیں برابر کا شریک کیا اور ان کی ضروریات کو اپنی ضرورتوں پر ترجیح دیکر ایثار کا وہ عملی مظاہرہ پیش کیا جس پر قرآن مجید نے دادِ تحسین دی۔ جہاد کے دوران زخمی مجاہدین میں سے کسی نے پانی کا پیالہ ہونٹوں کے قریب کیا تو دوسرے ساتھی کی آواز سن کر پیالے کو لبوں سے ہٹا لیا اور اسے پلانے کی تمنا کی اس کے پاس پانی پہنچا تو دوسرے کی آواز سن کر اس نے بھی پانی پینے سے انکار کر دیا یہ صورت حال طویل ہوتی گئی اور بالآخر سب نے تشنہ لب جام شہادت نوش کیا۔

اگر آج مسلمان پھر سے جذبۂ ایثار پیدا کریں تو معاشرے میں خیر خواہی، ہمدردی اور خلوص کے پاکیزہ اوصاف کو فروغ حاصل ہو سکتا ہے، دکھی انسانیت کو سکون و اطمینان پہنچ سکتا ہے، ایک انسان دوسرے انسان کے کام آ سکتا ہے اور اسلامی اخوت اور وحدت کا عملی مظاہرہ کیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سیرت نبوی پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ اٰمِیْنْ، وَآخرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

☆☆☆☆☆

ظہورِ قدسی (اسوۂ حسنہ)

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

ربیع الاول کا مقدس مہینہ اہل ایمان کیلئے حقیقی مسرت اور خوشی کا پیغام جانفزا لیکر آتا ہے۔ خالق کائنات نے مخلوق پر احسان عظیم فرماتے ہوئے حضور خاتم النبیین رحمۃ للعالمین ﷺ کو مبعوث فرمایا آپ سے پہلے بہت سے انبیائے کرام تشریف لائے اور اپنے انوارِ ہدایت سے لوگوں کو مشرف فرمایا مگر جب آپ کا آفتاب رسالت طلوع ہوا اور ماہتابِ نبوت جلوہ گر ہوا تو گلشنِ ہدایت میں بہار جاودانی آئی اور پوری کائنات آپکے فیوض و برکات سے مستفیض ہوئی، آپ کی تشریف آوری کی عظمت اور اہتمام شان کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے عہد لیا کہ جب حضور خاتم النبیین ﷺ تشریف لائیں تو ان کی اطاعت وفرمانبرداری کو شعار بنائیں اور ان کی نصرت واعانت کا فریضہ ادا کریں یوں تو آپ سب انبیائے کرام سے آخر میں تشریف لائے مگر تخلیق کے لحاظ سے آپ سب سے اول مخلوق ہیں، حدیث پاک میں آتا ہے کہ رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا "اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ" اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور نبوت کو پیدا فرمایا۔

آپ سے پہلے آنے والے تمام انبیائے کرام نے آپکی تشریف آوری کی بشارت سنائی۔ چنانچہ قرآن مجید حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے ارشاد فرماتا ہے "وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗ اَحْمَدُ" میں خاص طور پر اس رسول برحق کی بشارت دینے آیا ہوں جو میرے بعد تشریف لائیں گے اور انکا اسم گرامی احمد ﷺ ہوگا، حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کعبہ کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوتے ہوئے دعا مانگتے ہیں "رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِکَ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَیُزَکِّیْھِمْ" اے ہمارے رب ان لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول معظم مبعوث فرما جو انہیں تیری آیات سنائے، انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کے باطن کو پاک کردے، قرآن مجید سے پہلے نازل ہونے والی تمام آسمانی کتابوں میں آپ کی تشریف آوری اور آپ کے فضائل وکمالات کے متعلق تفصیل سے بیان کیا گیا، قرآن مجید نے آپ کی تشریف آوری کے احسان عظیم کو بہت سے مقامات پر اجاگر کیا کہیں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ

نے اہل ایمان پر آپ کی بعثت سے بہت بڑا احسان فرمایا، کسی جگہ اعلان کیا گیا تمہارے پاس رب کی طرف سے نور اور برھان مبین، نذیر اللعالمین اور رحمۃ للعالمین تشریف لائے، کسی مقام پر ارشاد ہوا کہ اہل ایمان کی طرف وہ رسول تشریف لائے جو ان کی خیر خواہی کا بہت زیادہ شوق رکھتے ہیں، اہل ایمان کی تکلیف انہیں ناگوار گزرتی ہے اور وہ ایمان والوں کے ساتھ رؤف رحیم ہیں۔

آپ تشریف لائے تو خالق کائنات نے اعلان فرمایا ''وَرَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ'' اے حبیب پاک ﷺ ہم نے آپکے ذکر اقدس کو بلند کر دیا۔ سید المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس سے اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی تو فرمایا ''اِنَّمَا ذُکِرۡتُ ذُکِرۡتَ مَعِیۡ'' اے حبیب پاک جہاں میرا ذکر ہوگا وہاں آپ کا ذکر بھی ساتھ ہوگا بیشک اس وعدۂ خداوندی کے آثار و شواہد کائنات میں جلوہ گر ہوئے عرش عظیم پر اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی کے ساتھ آپکا اسم گرامی، کلمہ، توحید، کلمہ، شہادت، اذان اور اقامت غرضیکہ ہر مقام پر ذکر الٰہی کے ساتھ ذکرِ مصطفوی پوری آب و تاب سے جلوہ گر ہے۔

قرآن مجید نے آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کو رضائے خداوندی کا معیار کامل قرار دیکر واضح کر دیا کہ اہل ایمان کی فلاح و بہبود کا راز اسی میں مضمر ہے کہ وہ آپکی اطاعت کریں، آپ سے محبت رکھیں اور آپ کے ارشادات اور عمل کو صراط مستقیم سمجھیں ارشاد خداوندی ہوتا ہے ''مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡهُ وَمَا نَهٰکُمۡ عَنۡهُ فَانۡتَهُوۡا'' جس چیز کا رسول پاک ﷺ حکم دیں اس پر عمل کرو اور جس چیز سے آپ روکیں اس سے رک جاؤ آپ نے معرفتِ الٰہی، خوفِ خداوندی، تقویٰ پرہیزگاری اور حسن عمل کا درس دیا۔ اخوت و ہمدردی، مروت، ایثار، توکل، اخلاص اور محبت کی تعلیم دی، آپ نے حقوق اللہ اور حقوق العباد کا حسین امتزاج پیش کر کے اہل ایمان کو اپنے کردار کے ذریعے اس حقیقت سے آگاہ کیا کہ وہ اس حیات دنیوی کے لمحات کو غنیمت سمجھیں اور انہیں رضائے الٰہی کے مطابق گزار کر اپنی عاقبت سنوار لیں۔

ربیع الاول کا مقدس مہینہ خاص طور پر اہل ایمان کو دعوت فکر دیتا ہے کہ وہ تعلیمات نبوی پر عمل پیرا ہو کر دین و دنیا کی سعادتیں حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اٰمِیۡن، وَآخِرُ دَعۡوَانَا اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ۔

☆☆☆☆☆

اطاعتِ مصطفوی (اسوۂ حسنہ)

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْم. بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم.

خالق کائنات نے اپنی اور اپنے حبیب پاک علیہ السلام کی اطاعت کو اہل ایمان کیلئے حقیقی فلاح و بہبود کا ضامن قرار دیا ارشاد خداوندی ہے "وَمَنْ یُّطِعِ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا"، جس نے اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول برحق کی اطاعت کی تو اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی قرآن مجید نے متعدد مقامات پر اللہ اور رسول برحق کی اطاعت کے متعلق تاکید کی اور اس کی بدولت دنیا و آخرت کی نعمتوں کے حصول کا مژدہ جانفزا سنایا اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رسول پاک علیہ السلام کی اطاعت دو مختلف عنوان نہیں بلکہ در حقیقت ایک ہی چیز ہیں۔ اطاعت خداوندی کی واحد عملی صورت رسول پاک علیہ السلام کی اطاعت ہے اور اطاعت رسول کے بغیر اطاعت خدا کی کوئی صورت پیش نہیں کی جاسکتی، قرآن مجید نے اسی مفہوم کو بیان کرتے ہوئے واضح ارشاد فرمایا "مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللهَ"، جس نے رسول پاک کی اطاعت کی در حقیقت اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ رسول پاک علیہ السلام نے ارشاد خداوندی کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا "مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللهَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَی اللهَ"، جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی گویا اطاعت خدا اور اطاعت رسول دو لفظ ہیں جن کا معنیٰ ایک ہی ہے۔

یہود و نصاریٰ جب محبت خداوندی کے بلند بانگ دعوے کرنے لگے تو قرآن مجید نے انہیں ایک معیارِ کامل پیش کرتے ہوئے ارشاد فرمایا "قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللهُ"، اے حبیب پاک علیہ السلام یہود و نصاریٰ سے فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی محبت کا دم بھرتے ہو تو پھر میری فرمانبرداری کر کے دکھاؤ، میری اطاعت سے صرف تم محبت الٰہی میں سچے نہیں سمجھے جاؤ گے بلکہ اللہ تعالیٰ بھی تم سے محبت فرمائے گا۔

ہر کسے کو شد محبِّ مصطفیٰ ...... در حقیقت گشت محبوب خدا

اطاعت خدا و رسول کے بے شمار ثمرات و نتائج کی بشارت دیتے ہوئے قرآن مجید نے کئی مقامات پر اس سعادت عظمیٰ کے حصول پر توجہ دلائی اور اہل ایمان کو اطاعت کے جذبے سے سرشار ہونے کی دعوت فکر دی حدیث پاک میں آتا ہے رسول پاک علیہ السلام کے ایک مخلص غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے رسول پاک علیہ السلام نے نظر اٹھائی تو عاشق صادق کو نحیف اور کمزور پایا لطف و کرم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا! ثوبان اس قدر

کمزور کیوں ہو گئے ہو؟ تمہیں کیا پریشانی لاحق ہے؟ حضرت ثوبان رو کر عرض کرنے لگے میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یا رسول اللہ رہ رہ کے یہی غم کھائے جا رہا ہے کہ اس دنیا میں تو آپ کی زیارت نصیب ہو جاتی ہے اور جب دل بے قرار ہوتا ہے آپ کے چہرۂ اقدس پر نظر ڈالنے سے سکون واطمینان سے مالا مال ہو جاتے ہیں مگر آخرت میں حضور کا اعلیٰ وارفع مقام کہاں اور ہم جیسے غریب کہاں؟ معلوم نہیں زیارت نصیب ہوتی ہے یا نہیں۔

رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا "یَاثَوْبَانُ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ" اے ثوبان انسان کو جس سے محبت ہوگی اسی کے ساتھ ہوگا ادھر آپ نے یہ تسلی دی اور ادھر جبریل امین یہ آیت لیکر نازل ہوئے "وَمَنْ یُطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا" اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور رسول برحق کی اطاعت کریگا تو وہ ان مقدس لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے خاص انعام واکرام فرمایا ہے یعنی انبیائے کرام، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوگا اور یہ کیسے بہترین ساتھی ہیں۔

رسول پاک ﷺ نے اطاعت گزار اہل ایمان کو اپنے قرب ومعیت کی بشارت دی اور ان کے ساتھ محبت کا اظہار فرمایا ارشاد فرمایا "اِنَّ اَوْلِیَآئِیَ الْمُتَّقُوْنَ حَیْثُ کَانُوْا وَمَنْ کَانُوْا" بیشک اہل تقویٰ جس قوم سے تعلق رکھیں اور جہاں بھی ہوں وہ میرے قریب ہیں۔ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا میں وہ دین مبین لیکر آیا ہوں جو روز روشن کی طرح واضح ہے جس نے میری اتباع کی اس نے حقیقی فلاح وبہبود حاصل کی اور جس نے میری نافرمانی کی وہ ہلاک ہو گیا۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ رسول پاک ﷺ نے ایک صحابی کو صبح سویرے کہیں جانے کا حکم فرمایا اتفاقاً جمعہ کا دن تھا اس نے دل میں سوچا کہ اگر میں آنجناب کے پیچھے جمعہ پڑھ لوں اور پھر جلدی سے روانہ ہو جاؤں تو دو فضیلتیں حاصل کر لونگا۔ نماز میں حضور نے اسے دیکھ کر پوچھا تو اس نے صورت حال عرض کی اس پر آنجناب نے ارشاد فرمایا میرے حکم کے مطابق تمہارے لئے چلا جانا جمعہ ادا کرنے سے بہتر تھا۔

حضرات صحابہ کرام جذبۂ اطاعت کے اس مقام پر فائز تھے کہ ہر معاملہ میں رسول پاک ﷺ کی اطاعت کو مقدم سمجھتے اور دین ودنیا کی تمام سعادتوں کا دارومدار آپکی اطاعت کو یقین کرتے، اطاعت رسول کے بیشمار واقعات اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ حضرات صحابہ کرام آپکی اطاعت میں جان، مال، اولاد سب کچھ قربان کرنے کیلئے تیار رہتے اگر آج اہل اسلام اطاعت رسول کے جذبے سے سرشار ہو جائیں تو پھر وہ اقوام عالم پر برتری حاصل کر سکتے ہیں اور دین ودنیا کی حقیقی فلاح وبہبود سے ہمکنار ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اپنی اور اپنے حبیب پاک ﷺ کی اطاعت سے مشرف فرمائے۔ اٰمِیْنْ، وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

☆☆☆☆☆

خاتم النبیین ﷺ (اسوۂ حسنہ)

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ ، بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

حضور سرورِ کائنات فخر موجودات ﷺ کے ارفع و اعلیٰ کمالات میں سے ایک عظیم الشان کمال یہ ہے کہ آپ خاتم النبیین بن کر تشریف لائے۔ تمام انبیاؑ و مرسلین نے اپنے دور میں یہ اعلان کیا کہ ہمارے بعد سب سے آخر میں جو رسولِ برحق مبعوث ہونگے وہ خاتم النبیین ہونگے، ان کی تشریف آوری سے قصرِ نبوت کی تکمیل ہو جائیگی اور کسی دوسرے نبی کے آنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ انبیائے کرام علیہم السلام کا یہ اعلان دراصل اس میثاق الٰہی کی ترجمانی تھی جس میں ان سے عہد لیا گیا تھا کہ جب حبیب پاک صاحب لولاک کا دورِ نبوت ہوگا تو آپ سب کو ان پر ایمان لانا ہوگا اور ان سے تعاون کرنا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو ماہتابِ نبوت اور آفتابِ رسالت بنا کر جلوہ گر کیا تو اعلان فرمایا میری نبوت و رسالت زمان و مکان کی پابندیوں سے بلند و بالا ہے اور میں پوری کائنات کے لئے اللہ کا رسول ہوں، میں صرف اپنی امت ہی کا رسول نہیں بلکہ تمام امتوں کا رسول ہوں اور تمام انبیاؑ و مرسلین کا تاجدار بن کر آیا ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا "كُنْتُ نَبِیًّا وَّ آدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ" میری نبوت اس وقت بھی جلوہ گر تھی جب آدم علیہ السلام کا جسم تیاری کے مراحل میں تھا۔ "اَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ" میں اللہ تعالیٰ کا آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں آسکتا۔ خاتم النبیین ﷺ کے ظہور قدسی کی بشارت آسمانی کتابوں کے ذریعے دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچ چکی تھی اور اہل نظر گلشنِ رسالت میں بہار جاودانی کا منظر دیکھنے کے لئے مدتوں سے بے قرار اور محو انتظار تھے۔ فطرت کا ذوقِ سلیم رکھنے والے "اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ" کی صدائے دلنواز سے سرشار ہو کر زبان حال سے ذوقِ تمنا کا یہ نعرۂ مستانہ لگا رہے تھے۔

کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں میری جبین نیاز میں

عین اس عالم میں رحمت الٰہی کا سمندر موجزن ہوا، خلاق ازل نے اپنی تخلیق کا شاہکار پیش کیا، ماہتاب رسالت طلوع ہوا، آفتاب نبوت جلوہ گر ہوا، کفر و شرک کے اندھیرے ختم ہو گئے اور توحید و رسالت کے انوار چمکنے لگے، ظلم و ستم کا نام و نشان مٹ گیا اور عدل و انصاف کا بول بالا ہوا، عرصۂ دراز کا غبار وحشت جاہلیت ختم ہو گیا اور بارانِ لطف و رحمت کا نزول ہوا۔ کوہ فاران کی چوٹیوں پر کھڑے ہو کر آپ نے اعلان فرمایا عبادت کے لائق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور میں اس کی طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ تمہارے ہاتھوں کے بنائے ہوئے بت ہرگز اس قابل نہیں کہ ان کی عبادت کی جائے۔ یہ چاند، سورج، ستارے اور دوسرے مظاہرِ قدرت عبادت کا کوئی استحقاق نہیں رکھتے اور تمہاری طرح یہ بھی اس قادر ذوالجلال کی مخلوق ہیں جو ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا سبق حاصل کرو، میری رسالت کی گواہی دو اور جہنم کے عذاب سے بچ جاؤ۔

عالم آب و گل کی فضاؤں میں گونجنے والا یہ اعلان کوئی معمولی اقدام نہ تھا۔ اس کے نشر ہوتے ہی قیصر و کسریٰ کے ایوانوں میں تزلزل آ گیا۔ کفر و شرک کی طاغوتی طاقتیں ایک محاذ پر جمع ہو گئیں اور باطل پرستوں کی طرف سے شدید ردِ عمل کا اظہار کیا گیا۔ کروڑوں درود و سلام ہوں اولوالعزم پیغمبر کی شانِ استقامت پر جس نے کفر کے پرستاروں کو لاجواب کر ڈالا، ارشاد فرمایا میرا چالیس سال کا طویل دور حیات تمہارے سامنے ہے کیا تم میرے اخلاق اور کردار کی کوئی قابل اعتراض بات پیش کر سکتے ہو؟ کیا تم مجھے صادق و امین کے لقب سے یاد نہیں کرتے؟ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر غور کرو جب میں نے مخلوق کے ساتھ صدق و امانت کے تقاضے پورے کئے تو پھر خالق و مالک کے بارے میں کیسے جھوٹ بول سکتا ہوں۔ تاریخِ اسلام شاہد ہے کہ حق و صداقت کا یہ اعلان سن کر مخالفینِ اسلام پر سکتہ طاری ہو گیا، فرطِ ندامت سے ان کے سر جھک گئے اور وہ کوئی جواب نہ دے سکے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اٰمِیْنُ، وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

☆☆☆☆☆

رسول پاک ﷺ بحیثیت سپہ سالار

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ ، بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حضور سرور کونین فخر موجودات ﷺ کی ذات گرامی کو اللہ تعالیٰ نے فضائل وکمالات کا اعلیٰ معیار اور کامل نمونہ بنایا۔ آپ کی سیرت طیبہ میں تمام پاکیزہ صفات پوری آب وتاب سے جلوہ گر ہیں اور آپ وہ عظیم الشان جلیل القدر رسول ہیں جنکی پوری زندگی انسانیت کی ہدایت کیلئے چمکتا ہوا آفتاب ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جہاد فی سبیل اللہ کو اسلام کی تاریخ میں زبردست اہمیت حاصل ہے۔ جہاد کے ذریعے فوجی طاقت، عسکری صلاحیت اور جنگی مہارت کو بام عروج تک پہچانے میں اسلامی اصول وضوابط خاص اہمیت کے حامل ہیں رسول پاک ﷺ جنہوں نے اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی اور اعلان نبوت کے بعد مسلسل جہاد فی سبیل اللہ کی ذمہ داری کو بطریق احسن نبھایا بلا شبہ ایک عظیم الشان بے مثال سپہ سالار کی حیثیت سے مجاہدین اسلام کی قیادت فرماتے رہے۔

دفاعی انتظام، حفاظتی اقدامات، بھرپور اعتماد، زبردست استقامت، بلند حوصلہ اور مضبوط قوت فیصلہ یہ وہ عناصر ہیں جو ایک عظیم الشان سپہ سالار کی شخصیت کو نمایاں کرنے کے ساتھ ساتھ اسکے اقدامات کو فتح ونصرت سے ہمکنار ہونے کی ضمانت دیتے ہیں۔ رسول پاک ﷺ نے سرزمین عرب کے ناسازگار حالات میں جس کامیاب انداز سے اسلام کے جاں نثار مجاہدین کی تربیت فرمائی اور ان کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کا اہتمام کیا وہ آپکے عظیم الشان سپہ سالار ہونے کا تاریخی ثبوت ہے۔ کفر واسلام کی پہلی جنگ غزوۂ بدر میں رسول پاک ﷺ نے تین سو تیرہ مجاہدین اسلام کی صف بندی ایسے طریقے سے فرمائی کہ دشمن حیران رہ گئے ان کی منصوبہ بندی ناکام ہوئی اور وہ ذلت آمیز شکست سے دوچار ہوئے۔ غزوۂ احد میں میدان جنگ کا انتخاب، پہاڑی درے پر فوجی دستے کی تعیناتی اور اسے ہر حال میں وہاں پر ثابت قدم رہنے کی تاکید آپ کے جنگی تدبر، فوجی مہارت اور عسکری حکمت عملی کا واضح ثبوت ہے اسلام کی تاریخ میں تقریباً اٹھائیس غزوات میں رسول پاک ﷺ نے بہ نفس نفیس شرکت فرمائی اور اسلامی لشکر کو ایسے انداز میں منظم فرمایا کہ مادی وافرادی قلت کے باوجود جنگ کے نتائج

میں اللہ تعالیٰ کا سچا نبی ہوں اور میں حضرت عبدالمطلب کا فرزند ہوں۔

کفار آپ کی اس جرأت و استقامت سے مرعوب ہو کر پیچھے ہٹ گئے رسول پاک ﷺ کی عسکری مہارت، فوجی تدبر، جنگی نظم و نسق اور بروقت ضروری اقدامات کا کرشمہ تھا کہ بہت سے مقامات پر دشمن کی فوج جنگ سے گھبرا کر ہتھیار ڈالنے پر آمادہ ہوئی اور جزیہ دینا قبول کیا۔

رسول پاک ﷺ کی فوجی تربیت کا عظیم الشان کارنامہ تھا کہ اسلام کی تاریخ میں ایسے مجاہدین پیدا ہوئے جنہوں نے اپنی جرأت و شجاعت اور عزم و استقامت سے میدان جنگ کا نقشہ بدل دیا۔ مادی وافرادی قلت کے باوجود جذبہ، جہاد سے سرشار یہ جاں نثار جب میدان میں قدم رکھتے تو ان کی عظمت و جلالت اور ہیبت و تمکنت سے کفر و شرک کے لشکر جرار کانپ جاتے، فتح و نصرت ان کے قدم چومتی تھی اور وہ اسلام کی تاریخ میں جرأت و شجاعت کا سنہری باب رقم کر دیتے۔ اسلام کی تاریخ میں بدر و حنین اور خیبر و خندق کے معرکے اور حیدر کرار، خالد بن ولید، امیر حمزہ، جعفر طیار، عمر بن خطاب، عبداللہ بن رواحہ اور سعد بن ابی وقاص کے جنگی کارنامے رسول پاک ﷺ کے عظیم الشان سپہ سالار ہونے کے وہ زندہ جاوید ثبوت ہیں جن کی داستانیں تاریخِ عالم کا سنہری باب ہیں۔

☆☆☆☆☆

سخاوت (اسوۂ حسنہ)

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ ، بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

انسانی عظمت و کردار میں سخاوت کو جو مقام حاصل ہے اس کی اہمیت کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن مجید نے جہاں بھی ایمان کامل کی صفات کو بیان فرمایا وہاں سخاوت کو خاص طور پر مدنظر رکھا اور اس پاکیزہ وصف کے حصول پر خصوصی توجہ دلائی۔ معاشرے کی فلاح و بہبود اور اسلامی اخوت کے فروغ میں بھی سخاوت کی افادیت مسلّم ہے۔ حضور خاتم النبیین رحمۃ للعالمین ﷺ کی سیرت طیبہ جسے قرآن مجید نے اسوۂ حسنہ سے تعبیر فرمایا تمام اوصاف کمال اور صفاتِ حمیدہ کا جامع ترین نمونہ ہے۔ سخاوت آپ کی فطرت تھی، جود و سخا آپ کی سیرت کا اہم باب

اولاد کی تربیت (اسوۂ حسنہ)

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ. بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ.

حضور سرور کائنات فخر موجودات ﷺ کا اسوۂ حسنہ دین اور دنیا کی تمام خوبیوں کا بہترین مجموعہ ہے۔ آپ کی پاکیزہ سیرت حسن عمل کا اعلیٰ معیار ہے اور آپ کی حیات طیبہ قیامت تک آنیوالے لوگوں کیلئے رشد و ہدایت کا چمکتا ہوا آفتاب ہے۔ قرآن مجید نے آپکی صفات حسنہ کو پوری تفصیل سے بیان کیا، آپکے اخلاق عالیہ کی جامعیت کو اجاگر کیا اور آپکی مقدس زندگی کے ایک ایک لمحہ کو حسن تربیت کا آئینہ دار قرار دیا۔ یہ بھی حضور رسالت مآب ﷺ کی خصوصیت ہے کہ آپ کی زندگی کے مدارج، واقعات، سوانح، اخلاقیات، عبادات اور معاملات کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو حدیث پاک کی صورت میں جلوہ گر نہ ہو۔

آپ کی سیرت کے انفرادی اور اجتماعی اوصاف و کمالات کا اس نظم و ضبط اور حسن ترتیب سے قلم بند کیا جانا بذات خود اس بات کی قوی دلیل ہے کہ آپ کی سیرت قیامت تک آنیوالے تمام لوگوں کے لئے دین و دنیا کی رہنمائی کی ضمانت دیتی ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اولاد انسان کیلئے قیمتی سرمایہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت کی نمایاں صورت ہے۔ ہر انسان طبعی طور پر اولاد سے محبت رکھتا ہے اور اس کی خیر خواہی، کامیابی اور ترقی کا طلبگار رہتا ہے۔ اولاد کی زندگی سنوارنے میں حسن تربیت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ گھریلو ماحول بچے کی ابتدائی درسگاہ ہوتی ہے، گھر کے مکتب سے ہی قوم کے نونہالوں کی تربیت کا آغاز ہوتا ہے اور پاکیزہ فطرت بچوں کی لوح قلب پر ابتدائی نقوش گھر سے ہی ثبت کئے جاتے ہیں۔

اولاد کے حسن تربیت کے مفادات صرف والدین کو ہی حاصل نہیں ہوتے بلکہ پورے معاشرے اور آنیوالی نسلوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اولاد کی تربیت کی انتہائی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر پیغمبر اعظم ﷺ نے اس سلسلے میں اپنے ارشادات اور اقوال سے خاص طور پر رہنمائی فرمائی ہے۔ آپ نے زمانہ جاہلیت میں بچیوں کو زندہ درگور کرنے کی بری رسم کو ہمیشہ کیلئے ختم کیا اور ان کے ساتھ شفقت و محبت سے پیش آنے کی تاکید فرمائی۔ اگرچہ آنجناب ﷺ کی اولاد نرینہ بچپن ہی میں داغ مفارقت دے گئی تاہم آپ نے ان سے محبت

اور شفقت کا بھرپور اظہار فرمایا، اور ان کی جدائی پر غم و حزن اور صبر و رضا کا حسین امتزاج پیش کیا۔

آپ کی چار صاحبزادیاں تھیں جن کے ساتھ آپ کا حسن سلوک اور اظہار محبت ضرب المثل ہے۔ خاتون جنت سیدۃ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ تو آپ کو بے پناہ محبت تھی اور ان کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ تھی، آپ نے ان کی ذریت طیبہ کو اپنی اولاد قرار دیا اور حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ شفقت اور محبت کا اعلیٰ معیار قائم کیا۔ آپ اُن کو کاندھوں پر اٹھاتے، انہیں چومتے اور ان کی ذرہ بھر تکلیف گوارا نہ کرتے، ایک مرتبہ کسی شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم تو بچوں کو شفقت سے نہیں چومتے آپ نے فرمایا اگر تمہارے دل سے اللہ تعالیٰ رحمت چھین لے تو پھر میں کیا کروں۔

بچوں کے ساتھ محبت اور شفقت کو آپ حسنِ تربیت کیلئے ضروری قرار دیتے، آپ بچوں کو سلام فرماتے، ان کا حال پوچھتے، ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتے اور ان کیلئے خیر و برکت کی دعائیں فرماتے۔ آپ کے ارشادات عالیہ اولاد کی تربیت کے بارے میں خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ آپکا ارشاد گرامی ہے کہ مسلمانو اپنی اولاد کے ساتھ برتاؤ کرنے میں انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ جو مسلمان اپنی لڑکی کو اچھی تعلیم دے اچھی تربیت کرے اور اس پر مال خرچ کرنے میں بخل نہ کرے وہ دوزخ کی آگ سے محفوظ رہے گا۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ سب سے بہتر عطیہ جو باپ اپنی اولاد کو دے سکتا ہے وہ اچھی تعلیم و تربیت ہے۔ آپ بچوں کو نماز سکھانے کی تاکید فرماتے اور لوگوں سے ارشاد فرماتے کہ اپنے بچوں کو جب کہ وہ سات سال کے ہو جائیں تو نماز ادا کرنے کا حکم دو جب وہ دس سال کے ہو جائیں تو نماز میں سستی پر انہیں سزا دو اور اس عمر میں ان کے بستر الگ کر دو۔

آپ اولاد کیلئے اچھا نام تجویز فرماتے اور لوگوں سے ارشاد فرماتے کہ قیامت کے دن تمہیں اپنے اور باپ کے نام سے پکارا جائے گا پس تم اچھے نام رکھا کرو۔ آپ اولاد کیلئے وہ نام پسند فرماتے جس میں اللہ تعالیٰ کی تعریف ہوتی۔ آپ اولاد پر مال خرچ کرنے کی تاکید فرماتے آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ اگر ایک دینار جہاد فی سبیل اللہ میں خرچ کیا جائے ایک دینار کسی غلام کو آزاد کرانے میں خرچ کیا جائے ایک دینار کسی مسکین کو دیا جائے اور ایک دینار اپنے اہل و عیال پر خرچ کیا جائے تو ان سب میں اجر و ثواب کے لحاظ سے افضل وہی دینار ہے جو اہل و عیال پر خرچ کیا جائے۔

حدیث پاک میں آتا ہے رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا جب کسی کے گھر لڑکی پیدا ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ وہاں فرشتے بھیجتا ہے جو آ کر کہتے ہیں اے گھر والو تم پر سلامتی ہو وہ لڑکی کو اپنے نورانی پروں کے سائے میں لے لیتے ہیں اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہیں۔ پھر وہ فرشتے کہتے ہیں یہ کمزور جان ہے جو کمزور جان سے پیدا ہوئی ہے جو اس بچی کی نگرانی اور پرورش کرے گا قیامت تک اللہ تعالیٰ کی امداد اسکے ساتھ شامل حال رہے گی۔ آپکا ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص صرف لڑکیوں کی پیدائش سے آزمایا جائے پھر وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے تو یہ لڑکیاں اس کیلئے جہنم کے عذاب سے ڈھال بن جائیں گی۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ بندہ جب اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے تو اسکے اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے مگر تین چیزوں کا ثواب اسے برابر ملتا رہتا ہے ایک صدقہ جاریہ، دوسرا وہ علم جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں تیسری نیک اولاد جو اس کیلئے دعا کرتی رہے۔ آپکا ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص اپنے بچوں کو قرآن پڑھائے گا تو قیامت کے دن اسکے سر پر موتیوں سے آراستہ وہ نورانی تاج رکھا جائے گا جسکی چمک سے سورج بھی شرما رہا ہوگا۔ آپکا ارشاد گرامی ہے کہ جو غریب عورت اپنے یتیم بچوں کی نگرانی کرے اور محنت اور مزدوری سے ان کی پرورش کرے تو قیامت کے دن میرے ساتھ ہوگی۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے اولاد کی تربیت کی اہمیت اور افادیت کو اجاگر کرتے ہوئے اپنے ارشادات اور عمل سے اہل ایمان کے سامنے جو لائحہ عمل پیش کیا اسکے اصول اور ضوابط کو مدنظر رکھنے سے اس اہم فریضے کی ادائیگی میں خصوصی توجہ اور دلچسپی پیدا ہوتی ہے اور یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ اولاد کی اصلاح کے نتائج صرف والدین اور گھر کی چاردیواری تک محدود نہیں رہتے بلکہ پورے معاشرے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اگر آج بھی اہل ایمان تعلیمات نبوی کی روشنی میں اولاد کی تربیت کا فریضہ ادا کریں تو پھر قرون اولیٰ کے نامور نونہالوں کی یاد تازہ ہو سکتی ہے اور ان کی پاکیزہ سیرت کا عکس جمیل آج بھی معاشرے کو اپنے انوار سے منور کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک ﷺ کے وسیلے سے ہمیں اسلامی تعلیمات پر عمل کرنیکی توفیق عطا فرمائے۔ اٰمِیْنْ، وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

☆☆☆☆☆

چوتھا باب...... حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ...... مقامِ صدیقیت

خلیفۂ رسول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذاتِ والا صفات کو اللہ تعالیٰ نے رسولِ پاک ﷺ کی رفاقت، معیّت اور خدمت کے لئے خاص طور پر منتخب فرمایا یہی وجہ ہے کہ آپ یارِ غار کے لقب سے مشہور ہوئے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ "میں نے دنیا میں ہر شخص کے احسان کا بدلہ چکا دیا ہے مگر صدیق اکبر کے احسانات مجھ پر باقی ہیں انہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جزا عطا فرمائیگا۔

نبوت و رسالت کے بعد قربِ الٰہی کا سب سے بڑا مقام صدیقیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جن نفوسِ قدسیہ پر اپنے خاص انعامات کا ذکر فرمایا ہے وہاں حضرات انبیاءؑ و مرسلین کے بعد صدیقین کا مقام بیان کیا گیا ہے۔ صدق وصفا، تصدیقِ حق اور صداقت میں بہت اونچا مقام رکھنے والے کو صدیق کہا جاتا ہے اور اسکا ہر قول، فعل اور حال صدق وصفا پر مبنی ہوتا ہے۔ حضرات مفسرینِ کرام فرماتے ہیں کہ وہ عظیم الشان لوگ جن کی پاکیزہ فطرت اور باطن شک وشبہ کے گرد وغبار سے بالکل پاک وصاف ہو، ان کی لوحِ قلب باطل کے کسی نقش کو قبول نہ کرے، وہ حق وصداقت کے قبول کرنے میں سب سے اوّلیت اور سبقت لے جائیں اور خیر وشر اور حق و باطل کا امتیاز ان کے نزدیک اس قدر روشن اور نمایاں ہو جائے جسطرح دن اور رات میں فرق ہے، انہیں صدیق کہا جاتا ہے۔ شہداء اور صالحین کا مقام صدیقین کے بعد ہوتا ہے۔

خلیفۂ رسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ صدیقین کی جماعت کے سردار ہیں اور اس عظیم الشان لشکر جرار کے سپہ سالار ہیں، آپ مقامِ صدیقیت کے تاجدار ہیں، میدانِ صدیقیت کے شہسوار ہیں اور اسی وجہ سے آپ یارِ غار ہیں۔ آپکو یہ شرف حاصل ہے کہ رسول پاک ﷺ نے زبانِ نبوت سے آپکی صدیقیت کا اعلان فرمایا اور پوری دنیا میں قیامت تک آپ کا یہ لقب مشہور ہو گیا۔ سیدنا صدیقِ اکبر کے مقامِ صدیقیت کی امتیازی شان کا یہ عالم کہ رسولِ پاک ﷺ کے ساتھ بچپن سے آپکا گہرا رابطہ اور تعلق تھا اور آپکا دل یہ گواہی دیتا تھا کہ حضور

علیہ الصلوۃ والسلام کی جلیل القدر شخصیت ایک دن نبوت کا آفتاب اور رسالت کا ماہتاب بن کر چمکے گی۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا فرمان ہے کہ "میرے اعلانِ نبوت کو قبول کرنے میں ہر شخص نے تھوڑا بہت توقف ضرور کیا مگر ابوبکر صدیق نے فوراً تصدیق کردی"۔

آپ نے پوری زندگی حضور ﷺ کی رفاقت، معیت، وفاداری، جاں نثاری، خدمت اور دلداری میں گزار دی۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی زبانِ اقدس سے جو فرمان جاری ہوا، آپ نے سب سے پہلے اس پر لبیک کہا اور تمام لوگوں سے سبقت واوّلیت لے گئے، ساری زندگی بارگاہِ نبوت میں کبھی یہ عرض نہ کیا کہ یہ بات اس طرح کیوں ہے یا اس طرح کیوں نہیں؟ بس سنتے گئے اور اطاعت کرتے گئے۔ ہجرت کی صبر آزمارات آئی تو رسول پاک ﷺ نے اللہ کے حکم سے اپنی رفاقت ومعیت کے لئے اس سچے، پکے، کھرے دوست کا انتخاب فرمایا اور آپ نے جان ہتھیلی پر رکھ کر ہر قسم کے خوف وخطر سے بے نیاز ہو کر رفاقت کا حق ادا کر دیا۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے غارِ ثور میں قیام فرمایا تو آپ نے حضور کے داخل ہونے سے پہلے غارِ ثور کو صاف ستھرا کیا، رات کو سرورِ کونین ﷺ کے آفتابِ نبوت وماہتابِ رسالت کے انوار وتجلیات سے براہِ راست مشرف ہوتے رہے۔ کفار ومشرکین غار کے دہانے پر پہنچے تو آپ کو رسول پاک کی فکر لاحق ہوئی، حضور نے ارشاد فرمایا "اے یارِ غار! ان دو ساتھیوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ تعالیٰ ہے "لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا" مطمئن رہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اس معیت ورفاقت اور اس قرب وحضور کو قرآن مجید نے بیان فرمایا اور یہ آپ کا وہ اعزاز ہے جو دنیا وآخرت میں قائم ودائم رہیگا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مال طلب فرمایا، تو گھر کا سارا اثاثہ اٹھا کر بارگاہِ نبوت میں پیش کر دیا اور آپ کے دریافت کرنے پر عرض کیا "گھر والوں کے لئے اللہ اور اسکا رسول چھوڑ آیا ہوں"۔

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس ☆ صدیق کیلئے ہے خدا کا رسول بس

صلح حدیبیہ کے موقعہ پر کفار ومشرکین کی سخت شرائط قبول کرنے پر صحابہ کرام غمگین ہوئے اس موقعہ پر آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا تو فرمایا "یہ اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ ہے میری کیا مجال ہے کہ کچھ عرض کر

سکون''۔ واقعہ معراج سن کر کفار نے اودھم مچادیا کہ رات کے کچھ وقت میں یہ سارا واقعہ کس طرح وقوع پذیر ہوسکتا ہے اور ابوجہل نے خاص طور پر حضرت ابوبکر صدیق سے کہا'' آج تو آپ بھی یہ بات تسلیم نہ کرو گے'' آپ نے فوراً فرمایا'' اگر رسول پاک ﷺ نے فرمایا ہے تو میں تصدیق کرتا ہوں مجھے حضور سے پوچھنے کی ضرورت نہیں'' یہ مقام صدیقیت کے انوار و تجلیات کا اثر تھا کہ حق وصداقت کا نور پوری آب و تاب کے ساتھ آپ کے قلب پر چمکتا اور آپ ایسے مواقع پر کبھی تردد اور تامل کا شکار نہ ہوتے بلکہ تصدیق و تائید میں سب سے سبقت و اولیت لے جاتے۔

حجۃ الوداع کے موقعہ پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب فرمایا'' اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا ہے کہ وہ دنیا میں رہنا پسند کرے یا اپنے رب کے ہاں چلا جائے'' تو حضرت صدیق اکبر دھاڑیں مار کر رونے لگے، صحابہ کرام حیران تھے کہ اس میں رونے کی کونسی بات ہے، مگر بعد میں ان کو معلوم ہوا کہ اس فرمان میں حضور علیہ السلام کے وصال کی طرف اشارہ تھا جسے صدیق اکبر بھانپ گئے اور فراقِ رسول کے المناک تصور سے کانپنے لگے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس جہان سے تشریف لے جانے کے وقت حضرات صحابہ کرام ہوش و حواس کھو بیٹھے، غم والم میں سرگردان ہو گئے اور فراقِ نبوی کے لمحات میں حیران و پریشان ہو گئے، اس موقعہ پر آپ نے انہیں تسلی دی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں جس اللہ کی عبادت کرنے کا حکم دیا وہ حی و قیوم ہے، جس دین کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے درس دیا اس کی نشر و اشاعت کرو اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات اور طرز عمل کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔ حضرات صحابہ کرام کو آپ کے خطاب سے استقامت ملی اور وہ سنبھل گئے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد مشکلات کا دور شروع ہوا، کچھ لوگ مرتد ہو گئے، کچھ لوگ زکوٰۃ دینے سے انکار کرنے لگے، کچھ بد بخت نبوت کا دعویٰ کرنے پر تل گئے اور غیر مسلم فرمانروا مدینہ عالیہ پر حملے کا سوچنے لگے، ایسے نازک ترین حالات میں حضرت صدیق اکبر کے مقامِ صدیقیت کا نورِ فراست تھا کہ آپ نے عزم و استقامت، صبر و استقلال اور جرأت و ہمت سے تمام فتنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، پورے اطمینان، شرحِ صدر، یقین اور دلجمعی سے فوری فیصلے کیے اور ملتِ اسلامیہ کو تمام نقصانات سے بچالیا۔ آپ نے مقامِ صدیقیت

کو اجاگر کرتے ہوئے بھرپور قوت کا مظاہرہ کیا، توکل اور اعتماد کا کامل نمونہ پیش کیا اور مضبوط و مستحکم اقدامات کے ذریعے تمام مشکلات پر قابو پالیا، چنانچہ مرتدین کا فتنہ ختم ہوگیا، مانعینِ زکوٰۃ مرعوب ہوکر زکوٰۃ دینے پر آمادہ ہوگئے، جھوٹا مدعی نبوت مسیلمہ کذاب قتل کر دیا گیا اور غیر مسلم فرمانروا آپکے جرأتمندانہ اقدامات سے گھبرا کر اپنے تحفظ کی فکر کرنے لگے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے کارنامے، مدبرانہ اصلاحی اقدامات، عزم و استقامت، حوصلہ اور خلافت و نیابت رسول کے منصب کے تقاضوں کی تکمیل یہ سب امور اس بات پر شاہد ہیں کہ آپ مقامِ صدیقیت کی عظمتوں کے امین اور رسول پاک ﷺ کے جانشین بالیقین تھے۔

☆☆☆☆☆

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ......سیرت و کردار

امیر المؤمنین، خلیفۃ المسلمین، فاروق اعظم سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو حضرات صحابہ کرام میں عظیم الشان امتیازی مقام حاصل ہے۔ رسول پاک ﷺ نے بارگاہِ رب العزت میں آپ کے بارے میں دعا فرمائی کہ ''الٰہ العالمین عمر بن خطاب کے ذریعے دین اسلام کو عزت عطا فرما'' اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کی یہ دعا قبول فرمائی اور حضرت عمر بن خطاب مشرف بہ اسلام ہوئے، آپ کے اسلام قبول کرنے پر جبریل امین بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا'' یارسول اللہ! عمر بن خطاب کے اسلام لانے پر آسمانوں کے فرشتے بھی خوشیاں منا رہے ہیں۔

آپ کے اعلانِ اسلام سے کفر و شرک کی کمر ٹوٹ گئی، اسلام کو شان و شوکت نصیب ہوئی اور مسلمانوں کے حوصلے بلند ہوگئے۔ آپ کی عظمتِ شان کو بیان کرتے ہوئے رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا'' اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو فاروقِ اعظم کو یہ مقام حاصل ہوتا مگر نبوت و رسالت مجھ پر ختم ہوگئی''۔ آپ کے اعلانِ اسلام پر ہر مسلمان علی الاعلان احکامِ اسلام بجالانے لگا اور کفر و شرک کی طاغوتی طاقتوں کا رعب ختم ہوگیا۔ حضور علیہ السلام

کافرمانِ گرامی ہے ''اِنَّ اللہَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ'' عمر بن خطاب کی زبان کو اللہ تعالیٰ نے حق کا ترجمان بنادیا ہے۔ بارگاہِ نبوت میں آپ جو عرض کرتے، جو مشورہ دیتے، جو رائے پیش کرتے اکثر و بیشتر اس کے مطابق قرآن مجید کا نزول ہوتا۔

حضرت فاروقِ اعظم نے رسول پاک ﷺ کے زمانہء اقدس میں غزوۂ بدر، غزوۂ احد، غزوۂ خندق، غزوۂ خیبر، غزوۂ حنین اور دوسری سب مشہور جنگوں میں بھرپور حصہ لیا، جرأت و شجاعت کے جوہر دکھائے اور کفر و شرک کی اجتماعی طاقت پر ضربِ کاری لگائی۔ آپ حضور علیہ السلام کے ساتھ والہانہ محبت، دینِ اسلام کی غیرت و حمیّت، کفر و شرک اور منافقت سے سخت نفرت، ظلم و ستم کے خلاف جہادِ اکبر، عدل و انصاف کے قیام میں بے مثال اقدامات، نظم و ضبط اور احتساب کی بھرپور صلاحیت، بلندیٔ ہمت، قوت فیصلہ، ہیبت و سطوت، جاہ و جلال، خوفِ خدا، فقر و درویشی، زہد و قناعت، نورِ فراست اور توکل علی اللہ جیسے اوصافِ کمال میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ سادگی کا یہ عالم کہ سارے سال میں کپڑوں کے ایک جوڑے پر اکتفا کرتے جس میں چمڑے کے پیوند لگے ہوئے ہوتے، بیت المال سے عام لوگوں سے بھی کم یعنی دو درھم وظیفہ لیتے، اور اپنی رہائش کے لئے کوئی خاص مکان نہ رکھتے جہاں آرام کرسکیں بلکہ مدینہ عالیہ کے باہر درختوں کے نیچے اینٹ سرہانے رکھ کر کچھ دیر آرام فرماتے۔ اسی حالت میں قیصر روم کا قاصد ملاقات کے لئے آیا تو آپکی سادگی، قناعت اور درویشی کو دیکھ کر حیران رہ گیا، اس پر ایسا رعب طاری ہوا کہ اس کے قدم لڑکھڑانے لگے اور وہ بات کرنے کی جرأت نہ کرسکا، آپ نے خود اسے بلایا تو پھر وہ قریب آیا اور کانپتے ہوئے سفارتی ذمہ داری ادا کی۔ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی شریف میں اس واقعے کو بیان کرتے ہوئے سطوتِ فاروقی کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا۔

ہیبتِ حق است وایں از خلق نیست — ہیبتِ ایں مرد صاحب دلق نیست

آپ کی سیرت و کردار کی بلندی کا یہ عالم کہ بر سر عام ہر شخص کو آپ سے باز پرس کی اجازت ہوتی اور اعتراض کرنے کا حق حاصل ہوتا۔ ساری رات گشت کرنے میں گزارتے اور غریبوں، یتیموں، بیواؤں کی ضرورت کا سامان بیت المال سے اپنی پشت پر اٹھا کر ان کے گھر پہنچاتے۔ سیدنا فاروقِ اعظم کی پوری زندگی قول و عمل کے اتحاد کا نمونہ کامل تھی، دوسروں کو راحت پہنچانا آپ کا معمول تھا، مساوات، ایثار، خلوص، ہمدردی آپ کا

طریق کار تھا، غربت و مسکنت، زہد و قناعت آپ کا شاہکار تھا، سادگی، میانہ روی، بردباری، تواضع، مروت، اخوت اور خدمتِ خلق آپ کی عادتِ ثانیہ تھی۔

رسول پاک ﷺ کے اہل بیت پاک اور ازواجِ مطہرات کی عزت و حرمت اور ان کے ادب و احترام کا آپ بہت خیال فرماتے، بیت المال سے وظائف مقرر فرماتے تو حضرات حسنین کریمین کو اپنے صاحبزادوں سے دگنا وظیفہ دیتے۔ ایک مرتبہ یمن سے قیمتی کپڑوں کے جوڑے آئے اتفاق سے سیدنا امام حسن اور امام حسین علیھما السلام کے جسم مبارک کے مطابق نہ تھے، آپ نے فوراً حاکم یمن کو قاصد بھیجا کہ ان شاہزادوں کی شان اور جسم پاک کے موافق فوری طور پر جوڑے بھجواؤ کیونکہ مجھے اس وقت خوشی ہوگی جب یہ شاہزادے لباس پہنیں گے۔

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے بعض ارشادات سیرت و تاریخ کی کتابوں میں منقول ہیں، ان سے بھی آپ کے اخلاق و کردار کی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔ فرماتے ہیں سب سے بڑا سخی وہ ہے جو اس شخص کو مال دیتا ہے جس نے اسے کبھی مال نہ دیا ہو۔ سب سے بڑا حوصلہ اس شخص کا ہے جو اپنے اوپر ظلم و زیادتی معاف کر دے۔ سب سے افضل عبادت فرائض کی ادائیگی اور حرام سے بچنا ہے اور سب سے بڑا جاہل وہ ہے جو دوسرے کی دنیا کی خاطر اپنی آخرت برباد کرتا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے علمائے حق کی صحبت اختیار کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک علماء کی مجلس کو بڑی شان حاصل ہے، مگر ایسا عالم جو دنیا کی محبت میں گرفتار ہو، دین کی بات میں اس کا اعتبار نہ کرو، دنیا تھوڑی حاصل کرو گے تو سکون میں رہو گے، گناہ کم کرو گے تو تمہاری موت آسان ہوگی۔ آپ کا ارشاد ہے کہ تقویٰ کے بغیر علم اور انصاف کے بغیر حکومت قناعت کے بغیر درویشی، سخاوت کے بغیر دولتمندی اور تواضع کے بغیر منصب و مرتبہ بیکار ثابت ہونگے۔ جب تک لوگ مال تقسیم کرنے میں اور فیصلوں میں انصاف قائم رکھیں گے اس وقت تک نیکی اور بھلائی قائم رہے گی۔

سیرت و کردار کے آئینے میں جب ہم سیدنا فاروقِ اعظم کی امتیازی اور مثالی شخصیت کا جائزہ لیتے ہیں تو آپ خوفِ خدا، اطاعتِ رسول، خدمتِ خلق، عزتِ اسلام، وقارِ انسانیت، احتسابِ نفس، جہادِ اکبر، نظم و ضبط، قوتِ فیصلہ، بلندیٔ ہمت، اخلاصِ عمل، اصلاحِ معاشرہ، فقر و استغنا، یقینِ محکم عزم و استقامت، رُشد و ہدایت، ایثار و مروت، جرأت و شجاعت، نورِ فراست اور جلال و تمکنت کے عظیم الشان فضائل و کمالات کا سرچشمہ قرار پاتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

فاروقِ اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ (منتظمِ اعلیٰ)

خلیفہء ثانی فاروقِ اعظم امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے امتیازی خصوصیات اور فضائل و کمالات سے مشرف فرمایا۔آپ کے اسلام قبول کرنے سے اسلام کی شان و شوکت میں اضافہ ہوا اور آپ کے دورِ خلافت میں عظیم الشان اسلامی سلطنت قائم ہوئی ۔رسولِ پاک ﷺ نے آپکی صلاحیت اور لیاقت ظاہر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر بالفرض میرے بعد کوئی نبی آسکتا تو عمر بن خطاب کو یہ مقام ضرور حاصل ہوتا۔

امیر المؤمنین فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے دوسرے فضائل و کمالات کے ساتھ ساتھ انتظام و اہتمام، نظم و نسق اور ضبط و تدبر کی فطری صلاحیتوں سے مالا مال فرما دیا تھا۔اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انتظامی امور کی صلاحیت، اجتماعی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی لیاقت اور نظم و ضبط کو سختی سے برقرار رکھنے کی اہلیت کو نظامِ سلطنت کے قیام اور استحکام میں زبردست اہمیت حاصل ہے۔انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر قدم پر فلاح و بہبود کے حصول میں انتظامی امور کی صلاحیت کا گہرا دخل ہوتا ہے اور ایک نظامِ سلطنت کے قیام اور استحکام میں اس کی اہمیت مسلّم ہے۔

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی اولوالعزم شخصیت پاکیزہ سیرت اور عملی زندگی پر نظر ڈالنے سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کی تاریخ میں منتظمِ اعلیٰ کی حیثیت سے آپکو ایک نمایاں امتیازی مقام حاصل ہے۔ذمہ داری کو سلیقے سے نبھانا، ہر کام کو اس کے اہل کے حوالے کرنا، جواب طلبی اور محاسبے کے لئے ہر وقت خود تیار رہنا اور دوسروں کو تیار رکھنا، فرائض منصبی کا مؤثر احساس رکھنا اور دوسروں کو ان کے فرائض منصبی کا احساس دلانا، لوگوں کی طنز و تنقید برداشت کرنا، اصلاحی جدوجہد میں لگاتار مصروف رہنا، انتظامی قوانین اور ضوابط کو سب سے پہلے اپنے اوپر نافذ کرنا اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کو ہر مقام پر مقدم سمجھنا یہ سب وہ پاکیزہ صفات اور قابل تعریف کمالات ہیں جو حضرت فاروقِ اعظم سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جیسے مثالی منتظمِ اعلیٰ کی انتظامی صلاحیتوں کو اجاگر کرتے ہیں۔

کسی انتظامی ضابطے کو نافذ کرنے سے پہلے ضروری ہوتا ہے کہ اس ضابطے کی بنیاد عدل و انصاف پر ہو

اور اس کو نافذ کرنے والا نورِ بصیرت، عاقبت اندیشی، اصابتِ رائے جیسی صفات کا حامل ہونے کے ساتھ ساتھ احتساب، کنٹرول اور مؤثر قوتِ فیصلہ رکھتا ہو۔ جب اس لحاظ سے ہم حضرت فاروقِ اعظم کی عملی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو آپ نمونہ کامل نظر آتے ہیں۔ رسول پاک ﷺ کے زمانہ اقدس میں آپ کی انتظامی صلاحیتوں کے ظہور کا یہ عالم تھا کہ بارگاہ نبوت میں کوئی مشورہ یا رائے دیتے تو اس کی تائید میں قرآن مجید کا حکم نازل ہوتا۔ رسول پاک ﷺ نے آپ کے اسی مقام کو ظاہر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "میری امت میں فاروق اعظم کو یہ شرف حاصل ہے کہ عالم غیب سے ہونے والے فیصلے ظہور سے پہلے ان کے دل میں ڈال دیئے جاتے ہیں۔"

حضرت فاروقِ اعظم کا طویل دور خلافت آپ کی انتظامی، تدبیری، سیاسی، اور معاشرتی صلاحیتوں کے اظہار کا شاندار نمونہ ہے۔ اسلامی سلطنت کے وسیع علاقے کا گوشہ گوشہ اور اسمیں رہنے والا ہر فردِ بشر آپ کی انتظامی صلاحیت اور نظم وضبط سے متأثر ہوا۔ قیصر و کسریٰ جیسے نامور جابر حکمران بھی آپ کی اعلیٰ انتظامی صلاحیت اور نظم وضبط کا اعتراف کرتے تھے۔

مسجد نبوی میں نماز پڑھاتے تو کسی کی جرأت نہ ہوتی کہ شرعی عذر کے بغیر جماعت میں شریک نہ ہو۔ نماز کے بعد نماز میں شریک نہ ہونے والوں کا جائزہ لیا جاتا اور ان سے سخت باز پرس کی جاتی۔ ہر علاقے کے حاکم کے لئے ضروری ہوتا کہ خود بھی نماز کی پابندی کرے اور دوسرے لوگوں سے بھی نماز کی پابندی کرائے۔ جس حاکم کے زیر انتظام علاقے میں کوئی جرم سرزد ہوتا تو اسکی جواب طلبی کی جاتی۔ حکام کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنے لباس، خوراک اور رہائش میں انتہائی درجے کی سادگی اختیار کریں اور ہر قسم کے تکلف اور تصنع سے باز رہیں۔

اس بات کا خاص طور پر جائزہ لیا جاتا کہ عوام الناس کے لئے ہر وقت حکمرانوں کے دروازے کھلے رہیں اور عدل وانصاف کے حصول میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو۔ آپ نے عدل وانصاف کے قیام کے لئے شرعی عدالتیں قائم کیں اور ان میں صاحب علم واجتہاد جرأتمند قاضی مقرر کیئے۔ ملک اور قوم کے ذرائع آمدنی پر اتنی سخت نگرانی رکھی کہ وسیع اسلامی سلطنت کا ایک پیسہ ضائع نہ ہونے دیا، ہر علاقے کی آمدنی کا باقاعدہ حساب رکھا جاتا اور وہاں کا حاکم اس آمدنی کو بیت المال تک پہنچانے کا ذمہ دار ہوتا۔ بیت المال کے حساب کتاب کو آپ ذاتی طور پر دیکھتے تھے اور اس محکمے میں کام کرنے والے لوگوں کی امانت و دیانت کا ایک خاص معیار تھا۔ ہر صاحب حاجت اور ضرورتمند کی ضرورت کا جائزہ لیا جاتا اور اس کے مطابق اس کی امداد کی جاتی۔ بیت المال اور دوسرے محکموں میں اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا کہ کسی حقدار کا حق تلف نہ ہو اور کسی غیر مستحق کو مال بٹورنے کی جرأت نہ ہو

۔آپ کے قائم کردہ نظامِ عدل وانصاف نے قیام امن اور بقائے امن کے پاکیزہ اثرات سے پورے معاشرے کو اطمینان وسکون کا گہوارہ بنادیا اور اسلامی سلطنت میں بسنے والے ہر فردِ بشر کو اپنے مال وجان کے تحفظ کا یقین حاصل ہوا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میرا سب سے بڑا دوست وہ ہے جو میری کوتاہیاں میرے سامنے بیان کرے۔اسلامی سلطنت کے مختلف علاقوں میں اخلاقی، معاشرتی اور معاشی حالات کا جائزہ لینے کے لئے آپ طویل سفر اختیار کرتے اور عوام الناس کے سامنے وہاں کے حکمرانوں کا احتساب کرتے۔حکام اور اعلیٰ عہدیداروں کو آپ کی گرفت اور سرزنش کا خوف ہر وقت طاری رہتا اور وہ اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں ہر وقت چاق وچوبند رہتے۔ایک مرتبہ مصر کے حاکم کی شکایت پہنچی کہ وہ نفیس لباس زیب تن کرتا ہے اور اپنے دروازے پر دربان رکھتا ہے، آپ نے تحقیق فرمائی تو بات درست نکلی آپ نے اسے فوراً معزول کرکے بیت المال کی بکریوں کا چرواہا مقرر کردیا۔

حضرت فاروق اعظم جیسے منتظم اعلیٰ کے کارناموں کی بدولت عدل وانصاف کا بول بالا ہوا، امن وامان اور سکون واطمینان کو فروغ حاصل ہوا، کمزور اور غریب کو توانائی حاصل ہوئی، مسکین اور یتیم کو سہارا مل گیا، ملت اسلامیہ میں اتحاد واتفاق کے پاکیزہ جذبات سے وحدت اسلامی کا تشخص بامِ عروج پر پہنچا، دینِ اسلام کی تعلیمات کو ترویج واشاعت نصیب ہوئی، شرعی احکام کو بلند مقام حاصل ہوا، خوف خدا، تقویٰ، پرہیز گاری اور جواب طلبی کا احساس درجۂ کمال کو پہنچا، اسلامی سلطنت کی حدود وسعت کا عالمگیر نقشہ پیش کرنے لگیں، ذرائع آمدنی پر مکمل کنٹرول ہوا، اسراف اور فضول خرچی کا نام ونشان مٹ گیا، عوام الناس کو ترقی وخوشحالی کی منزل نصیب ہوئی اور اسلامی سلطنت کا ہر فرد آپ کی انتظامی صلاحیتوں کا اعتراف کرنے لگا۔

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا ذاتی کردار اور عملی زندگی آپ کے منتظمِ اعلیٰ ہونے پر وہ شاہد عادل ہیں جن کو اپنوں اور بیگانوں سب نے خراجِ تحسین پیش کیا، غیر مسلم مؤرخین اور مستشرقین اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اگر فاروقِ اعظم کے معیار کا ایک اور منتظم اعلیٰ اسلام کی تاریخ میں آجاتا یا آپ کو اتنا وقت مزید مل جاتا تو کائنات میں اسلام کے علاوہ اور کوئی نظام نظر نہ آتا۔

☆☆☆☆☆

فتوحاتِ فاروقی

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت اسلام کی تاریخ میں زبردست شہرت واہمیت کا حامل ہے اور عدل وانصاف ،فتوحات، اخوت ومساوات ،نظم وضبط اور احتساب کے لحاظ سے امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ اسلامی سلطنت کی فتوحات کا جو سلسلہ آپ کے دورِ خلافت میں تیزی سے پھیلتا گیا اس نے اسلامی مملکت کی سرحدوں کو کہیں سے کہیں تک پہنچادیا، آپ کے دورِ خلافت میں قیصر روم اور کسریٰ فارس کی حکومتیں مادی اور افرادی قوت کے لحاظ سے سپر پاور کہلاتی تھیں جو بالآخر اسلامی سلطنت کی حدود میں شامل ہوئیں، روم اور فارس کو مغلوب کرنے کے بعد آپ نے عراق اور شام کی طرف توجہ فرمائی، شام میں جنگ یرموک کا عظیم الشان معرکہ قائم ہوا اور اسلامی لشکر کو زبردست مزاحمت کا سامنا کرنے کے بعد فتح نصیب ہوئی، اس کے بعد حمص اور فلسطین پر لشکر کشی کی گئی اور یہ علاقے اسلامی سلطنت کے زیرنگیں ہوئے۔

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی جنگی حکمت عملی اور تدبر کا یہ عالم کہ جنگ یرموک میں رومی فوج دو لاکھ سپاہیوں پر مشتمل تھی جبکہ اسلامی لشکر میں صرف چالیس ہزار جاں نثار تھے مگر انہوں نے نہایت ثابت قدمی اور دفاعی انداز کی بدولت دشمن کی کثیر فوج پر غلبہ حاصل کرلیا۔ فاروقی دورِ خلافت میں روم، فارس، عراق، شام اور عجم کے مفتوحہ علاقوں پر نظر دوڑائی جائے تو اسلامی فتوحات کا نقشہ کچھ اس طرح سامنے آتا ہے، شمال میں بحرِ اخضر کے مغربی کنارے کے ساتھ مقام دربند سے بھی آگے کوہِ قاف تک، جنوب میں عدن کے جنوبی جزائر تک، مشرق میں پاکستان کے صوبہ بلوچستان تک بلکہ مؤرخ بلاذری کے قول کے مطابق بھارت کے شہر بمبے تک، مغرب میں لیبیا کے شہر طرابلس تک اسلامی سلطنت پھیل گئی۔

مؤرخین کی بیان کردہ اسلامی فتوحات کی حدود میں روئے زمین پر موجودہ ممالک لیبیا، مصر، فلسطین، شام، عراق، ایران، اردن، لبنان، افغانستان، سعودی عرب، عمان، قطر، متحدہ عرب امارات، جنوبی یمن، روسی آذربائیجان، جنوب مشرقی ترکی، تاجکستان، ازبکستان، ترکمانستان، بحرین، شمالی سوڈان، اور صوبہ بلوچستان فاروقی دورِ خلافت کے مفتوحہ علاقوں میں شامل تھے۔ حضرت فاروقِ اعظم کے دورِ خلافت کی فتوحات میں تسلسل

اور تیزی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ سن چودہ ہجری میں حمص، اور قادسیہ سن پندرہ میں یرموک، سن سولہ میں بیت المقدس، سن انیس میں مصر اور اسکندریہ کے دور دراز علاقے اسلامی سلطنت میں شامل ہوئے۔ آپکے دور میں مجموعی طور پر تیرہ لاکھ نو ہزار پانچ سو ایک مربع میل پر مشتمل وسیع وعریض قطعات ارض اسلامی سلطنت میں شامل کیئے گئے۔

آپ کے دورِ خلافت کی مجموعی مدت ساڑھے دس سال پر اس رقبے کو تقسیم کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ تین سو اکاون مربع میل اور ایک فرلانگ رقبہ روزانہ اسلامی سلطنت میں شامل ہوتا رہا۔ دورِ نبوی اور خلافت صدیقی کے بعد جس تیزی کے ساتھ اسلامی سلطنت کے نقشے میں وسعت اور کشادگی پیدا ہوئی اور اس پر مستحکم کنٹرول اور نگرانی قائم رہی اس کی بدولت اسلامی فتوحات کا علاقہ شہادت فاروقی کے وقت پچیس لاکھ گیارہ ہزار چھ سو پینسٹھ مربع میل پر مشتمل تھا۔ حضرت فاروقِ اعظم کے دورِ خلافت میں فتوحات کی کثرت، جہادی کارنامے، اسلامی فوج کی خدمات، جنگی معرکوں کا تسلسل، نظم وضبط اور استحکام واحتساب کے تفصیلی حالات کے لحاظ سے اسلام کی تاریخ میں وسیع اور ضخیم مواد موجود ہے جس کا مطالعہ کرنے سے پتا چلتا ہے کہ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت اسلامی فتوحات کی حیرت انگیز کثرت کے ساتھ ساتھ عدل وانصاف، نظم ونسق، حسنِ تدبر، احتساب واستحکام، فرض شناسی اور احساسِ ذمہ داری کے بھرپور احساسات وثمرات کا آئینہ دار ہے۔

☆☆☆☆☆

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ...... جامع القرآن

خلیفۂ ثالث جامع القرآن امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو حضرات صحابہ کرام میں بہت بلند مقام حاصل ہے۔ آپ نے اسلام کے بالکل ابتدائی دور میں ایمان قبول کیا اور دو مرتبہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کی، ایک بار مکہ معظّمہ سے حبشہ کی طرف، دوسری بار مدینہ شریف کی طرف، اس لئے آپ کو ذوہجرتین کہا جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے آپ کے عقدِ نکاح میں آئیں، اس لئے آپکو ذوالنورین کہا جاتا ہے۔

آپ سابقین اولین میں سے ہیں اور عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔ رسول پاک ﷺ نے غزوہ ذات الرقاع اور غزوہ بنو غطفان کے موقعہ پر آپ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ رسول پاک ﷺ کی ایک سو چھیالیس احادیث آپ نے روایت کیں۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ میں عثمان غنی کے لئے جنت کا ضامن ہوں، ہر نبی کے لئے جنت میں ایک خاص دوست ہوگا اور میرے دوست عثمان غنی ہونگے اور عثمان غنی سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں، بیعت رضوان کے موقعہ پر حضور علیہ السلام نے حضرت عثمان کی عدم موجودگی میں اپنا دست مبارک اٹھا کر فرمایا یہ عثمان کا ہاتھ ہے پھر اس پر دوسرا دست مبارک رکھ کر فرمایا عثمان غنی کی بیعت میرے ساتھ ہوگئی۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر نازک موقعہ پر اسلام اور مسلمانوں کی مدد فرمائی، مسجدِ نبوی کے کیلئے زمین آپ نے خریدی، میٹھے پانی کا کنواں خرید کر کے مسلمانوں کے لئے وقف کیا، غزوہ تبوک کے موقع پر سازوسامان سے لدے ہوئے تین سو اونٹ اور ایک ہزار دینار اللہ تعالیٰ کی راہ میں پیش کیئے، اس موقع پر حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا عثمان غنی کا یہی عمل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کافی ہے۔ حضرت عثمان غنی کے عظیم الشان کارناموں میں جمع قرآن کو بڑی شہرت واہمیت حاصل ہے اسی بنا پر آپ کو جامع القرآن کہا جاتا ہے۔ رسول پاک ﷺ کے زمانہ اقدس میں قرآن مجید کو مختلف صورتوں میں جمع کیا گیا، پھر خلافتِ صدیقی میں کتابی صورت میں جمع کیا گیا اور یہ نسخہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کے پاس رہا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وسیع اسلامی سلطنت کے لوگوں میں قرآن مجید کی نشر واشاعت عام کرنے کیلئے قرآن مجید کے کئی نسخے لکھوائے، آپ نے حضرت زید بن ثابت کی سربراہی میں صحابہ کرام کی کمیٹی بنائی جنہوں نے قرآن مجید کی کتابت اور نشر واشاعت کا کام پوری توجہ سے کیا، آپ نے قرآن مجید کا ایک نسخہ اپنی تلاوت کیلئے رکھا، ایک ایک نسخہ مدینہ عالیہ، مکہ معظّمہ، عراق، شام، یمن اور بحرین میں بھیجا اس طرح قرآن مجید کی نشر واشاعت عام ہوگئی اور لوگوں میں قرآن مجید پڑھنے، سننے اور سمجھنے کا ذوق پیدا ہوا۔

حضرت عثمان غنی نے جمع القرآن کے سلسلے میں اس بات کا خاص خیال رکھا کہ لغتِ قریش کے مطابق قرآن مجید کو یکجا کیا۔ قرآن مجید اگرچہ نازل تو لغتِ قریش کے مطابق ہوا تھا، مگر دوسرے سات عرب قبائل کو اپنی

لغت کے مطابق پڑھنے کی اجازت ہوتی تھی ان لغتوں میں معمولی فرق تھا مثلاً ''مَـالِكِ يَـوْمِ الـدِّيْـنِ'' کو ''مَلِيْكِ '' اور ''مَلِكِ'' پڑھنے کی اجازت تھی اسی طرح ''اِبْرَاهِيْم '' کو''اِبْرَاهَام'' پڑھنے کی اجازت تھی۔ لغت کے اس تھوڑے بہت فرق کی وجہ سے لوگوں کا دورانِ تلاوت اختلاف اور جھگڑا ہو جاتا تھا، حضور علیہ السلام کے مشہور صحابی حضرت حذیفہ بن یمان نے آپکو مشورہ دیا کہ اس سے پہلے کہ اختلاف شدت اختیار کر جائے، آپ قرآن مجید کو نزول کے مطابق لغتِ قریش پر جمع کرڈالیں اور لوگوں کو پابند کردیں کہ وہ نزول کی لغت کے مطابق تلاوت کریں، حضرت عثمان نے مشہور قراء صحابہ کرام کی ایک جماعت کو اس کام پر لگایا اور پوری صحت ودرستی سے قرآن مجید کی کتابت کا کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

آپ کا جمع کردہ نسخۂ قرآن جو لغتِ قریش کے مطابق تھا تمام اسلامی ریاستوں میں رواج پا گیا اور یوں آپ کے اس بروقت اقدام سے امتِ مسلمہ متوقع اختلاف سے بچ گئی۔قرآن مجید کا وہ خاص نسخہ جو ہرن کی جھلی پر مکتوب تھا آپ کے پاس محفوظ رہا، آپ اسی پر تلاوت فرماتے تھے اور وہ آج تک محفوظ ہے، جسکی زیارت کو اہلِ اسلام بڑی سعادت یقین کرتے ہیں ۔اس وقت دنیائے اسلام میں مروج قرآن مجید جو اپنی نشر واشاعت اور کثرت کی بنیاد پر بے مثال ہے، مصحفِ عثمانی کے مطابق ہے۔ یہ آپ کا بہت بڑا اعزاز ہے اور آپ کے اخلاص کا ثمرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس خدمت کو قبولیت عام عطا فرمائی۔

حضرت عثمان غنی بڑے ذوق وشوق اور یکسوئی سے پوری توجہ کے ساتھ قرآن مجید پڑھا کرتے تھے اور قرآن مجید کے معانی اور مطالب میں غور کرتے تھے، جس موقعے پر باغیوں نے آپ کے گھر کا محاصرہ کیا اور آپ پر قاتلانہ حملہ کیا تو اس وقت بھی آپ اس نسخے پر تلاوت میں مشغول تھے، باغیوں نے جب تلوار سے آپ کے سر پر حملہ کیا تو آپ یہ آیت تلاوت فرمارہے تھے'' فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ''۔آپ نے اپنی پوری زندگی قرآن مجید کی نشر واشاعت، حفاظت اور تلاوت میں گذاردی اور عین شہادت کے وقت تلاوت میں مشغول رہ کر آنے والے لوگوں کو اس بات کا درس دیا کہ وہ کسی حال میں بھی تلاوت قرآن سے غفلت نہ کریں۔

حضرت عثمان غنی کا طویل دورِ خلافت دین اسلام کی بے شمار خدمتوں اور قربانیوں پر مشتمل ہے جو اہل ایمان کیلئے بہترین نمونہ اور مشعلِ راہ ہے۔حضرت عثمان غنی کی سخاوت، زہد وعبادت، خوف وخشیت اور محبت و

شفقت وہ پاکیزہ صفاتِ کمال ہیں جنکی بنا پر آپکا نام نامی اور اسمِ گرامی قیامت تک آنے والے لوگوں کے قلب و دماغ میں مرکوز رہیگا۔ آپ کا حوصلہ، عزم و استقامت، صبر و استقلال اور رضا بالقضاء تاریخِ اسلام کا ایک روشن باب ہے۔ جامع القرآن ہونے کے لحاظ سے آپ پوری ملت اسلامیہ کے عظیم محسن ہیں، جن کا احسان کبھی بھلایا نہیں جا سکے گا۔ قرآن مجید کو ماننے، سمجھنے، سننے، اور پڑھنے والا ہر فردِ بشر آپ کا ممنونِ احسان رہیگا اور قرآن مجید کی نشر و اشاعت اور اسکے ثمرات و نتائج و فوائد کا اجرِ عظیم اور ثوابِ جزیل آپکی روحِ اقدس کو پہنچتا رہیگا۔

☆☆☆☆☆

حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ (ختم الرسل کی تربیت کا شاہکار)

امام المشارق والمغارب اسد اللہ الغالب سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی ذات بابرکات کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار صفات وکمالات اور فضائل ومناقب عطا فرمائے، علم وحکمت، جرأت وشجاعت، فصاحت وبلاغت، ولایت ومعرفت، زہد وقناعت، قربِ نبوت، کمالِ محبت، شہرت ومقبولیت اور عظمت وجلالت کے لحاظ سے آپ تمام صحابہ کرام میں امتیازی شان رکھتے ہیں۔ بارگاہِ نبوت میں محبوبیت اور مقبولیت کا قابل رشک مقام آپ کو حاصل تھا، حضور علیہ السلام نے آغوشِ نبوت میں آپ کی تربیت فرمائی اور اپنے فیضِ معیت ورفاقت اور سلوکِ محبت وشفقت سے آپکی دیکھ بھال کی۔

آپ کے بارے میں حضور علیہ السلام کے ارشادات پر نظر ڈالی جائے تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح سامنے آتی ہے کہ آپ ختم الرسل کی تربیت کا شاہکار تھے اور نگاہِ نبوت میں معرفتِ خداوندی کا گوہرِ تابدار تھے، علم وحکمت کے بحرِ ناپیدا کنار تھے اور میدانِ شجاعت کے شاہسوار تھے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے ''یَا عَلِیُّ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی'' اے علی مرتضٰی میرے ساتھ آپکو قرب ومعیت کا وہ مقام حاصل ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حضرت ہارون کو حاصل ہوا۔ جب انصار ومہاجرین کے درمیان بھائی چارہ قائم ہوا تو آپ نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا ''یارسول اللہ آپ نے مجھے تو کسی کا بھائی نہیں بنایا''

آپ نے فرمایا'' اَنتَ اَخِیْ فِی الدُّنیَا وَالآخِرَۃِ '' آپ دنیا وآخرت میں میرے بھائی ہیں۔حضور علیہ السلام کا فرمان ہے'' اَنَا مَدِینَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا '' میں علم وحکمت کا شہر ہوں اور علی مرتضٰی اس کا دروازہ ہیں۔باب علوم نبوت کی وسعت وعظمت وجلالت کا یہ عالم تھا کہ برسر منبر فرمایا کرتے تھے'' سَلُوْنِیْ قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُوْنِیْ '' جو علوم ومعارف دریافت کرنے ہوں مجھ سے پوچھو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ وقت آئے جب تم مجھے نہ پاسکو، مجھے قرآن مجید کی ہر آیت کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ کب نازل ہوئی، کہاں نازل ہوئی اور کس کے بارے میں نازل ہوئی، میں اگر قرآن مجید کی تفسیر لکھنے بیٹھوں تو ضخامت کی وجہ سے سینکڑوں اونٹ بھی اسکو نہ اٹھا سکیں گے۔آپکی علمی اور فکری صلاحیت کے پیش نظر حضور علیہ السلام نے عالم شباب میں آپ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا اور صحابہ کرام سے فرمایا''اقضاکم علی'' تم سب میں بہتر فیصلہ کرنے والے علی مرتضٰی ہیں۔

سیدنا علی مرتضٰی نے ہجرت کی شب بستر رسول ﷺ پر آرام کیا اور لوگوں کی امانتیں آپ کے حوالے کی گئیں، حضور علیہ السلام نے اپنی جلیل القدر صاحبزادی مخدومۂ کونین سیدۃ النساء خاتون جنت سلام اللہ علیہا کے نکاح سے آپکو سرفراز فرمایا اور ارشاد فرمایا مجھے اللہ تعالٰی نے اسی طرح حکم فرمایا ہے۔غزوۂ تبوک کے موقعہ پر حضور علیہ السلام نے آپکو مدینہ عالیہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا،غزوۂ خندق میں جب آپ عمرو بن عبدود کے مقابلے میں جانے لگے تو حضور علیہ السلام دعا کے لئے سجدہ ریز ہوئے اور صحابہ کرام سے فرمایا'' خَرَجَ الْاِیْمَانُ کُلُّہٗ اِلَی الْکُفْرِ کُلِّہٖ '' آج پورے کا پورا ایمان پورے کفر کے مقابلے میں جا رہا ہے، جب آپ نے ضرب حیدری سے عمرو بن عبدود کو گھوڑے سمیت ٹکڑے کر ڈالا تو زبان نبوت سے ارشاد ہوا'' ضَرْبَۃُ عَلِیٍّ یَوْمَ الْخَنْدَقِ اَفْضَلُ مِنْ عِبَادَۃِ الثَّقَلَیْنِ '' غزوۂ خندق میں علی کی تلوار کا ایک وار جنوں اور انسانوں کی عبادت سے بڑھ کر ہے۔خم غدیر کے موقعہ پر حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا'' مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ '' جس کا میں مولٰی ہوں علی مرتضٰی بھی اس کے مولٰی ہیں،غزوۂ خیبر کے موقعہ پر جبکہ قلعۂ قموص فتح نہیں ہو رہا تھا تو حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کل صبح میں جھنڈا اس شخص کے ہاتھ میں دوں گا جسے اللہ اور رسول کے ساتھ محبت کا خاص مقام حاصل ہوگا اور اس کے ساتھ اللہ اور رسول کو خاص محبت ہوگی ،اللہ تعالٰی اس کے ہاتھ پر خیبر کو فتح

کرے گا، پھر یہ شرف واعزاز حضرت علی مرتضٰی کو حاصل ہوا۔ ایک مرتبہ حضرت علی جہاد کے لئے روانہ ہوئے تو حضور علیہ السلام نے دعا مانگی "اَللّٰھُمَّ لَا تُمِتْنِیْ حَتّٰی تُرِیَنِیْ عَلِیًّا" الٰہ العالمین جب تک میں دوبارہ علی مرتضٰی کو نہ دیکھ لوں اتنے وقت تک میرا وصال نہ ہو۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے "اَلنَّظْرُ اِلٰی وَجْهِ عَلِیٍّ عِبَادَةٌ" علی مرتضٰی کے چہرے کو دیکھنا عبادت ہے، آپکا فرمان ہے کہ اہل ایمان علی مرتضٰی سے محبت رکھیں گے جب کہ منافقین علی مرتضٰی سے بغض وعناد رکھیں گے، اے اللہ جو علی کے ساتھ محبت رکھے تو اسکے ساتھ محبت فرما، جو علی کے ساتھ دشمنی رکھے تو اس کے ساتھ دشمنی رکھ۔

حضرت امام احمد بن حنبل اور دوسرے محدثین کرام فرماتے ہیں کہ فضائل ومناقب کی جتنی احادیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہیں کسی اور صحابی کے بارے میں نہیں۔ آپ کی شان میں وارد ہونے والی احادیث کو روایت کرنے والوں میں حضرت صدیق اکبر، حضرت فاروقِ اعظم، ام المؤمنین عائشہ صدیقہ اور ام المؤمنین ام سلمہ جیسے جلیل القدر لوگ شامل ہیں۔ تصوف اور طریقت کے تمام سلسلے آپ کی ذات والا صفات سے جا ملتے ہیں اور تمام بزرگانِ دین اور مشائخ آپ کو اپنا ملجا وماویٰ تسلیم کرتے ہیں۔ اہل سنت کے مشہور مفسرِ قرآن علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ تفسیرِ مظہری میں لکھتے ہیں کہ سیدنا علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ امت محمدیہ اور دوسرے انبیائے کرام کی امتوں کے اولیائے کاملین سب کا ملجا وماویٰ تھے، کائنات میں تمام امتوں کے اندر فیضانِ ولایت آپ کے وسیلے سے تقسیم ہوا ہے۔ معرفت خداوندی میں آپ کی عظمت کا یہ عالم کہ فرمایا کرتے تھے "عَرَفْتُ رَبِّیْ بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ" میں نے ارادوں کے ٹوٹ جانے سے اپنے رب کی معرفت حاصل کی "لَوْ کُشِفَتِ الْغِطَاءُ مَا ازْدَدْتُ یَقِیْناً" اگر تمام حجابات اٹھ جائیں تب بھی میرے یقین میں کوئی اضافہ نہ ہوگا کیونکہ میں پہلے ہی ایمان وایقان کے انتہائی درجات پر فائز ہو چکا ہوں۔

سیدنا علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ اخلاصِ عمل اور رضائے الٰہی کے بلند ترین مقام پر فائز تھے، خلوص وللّٰہیت کا ایک عظیم الشان واقعہ جو آپ کا زندۂ جاوید کارنامہ ہے اور جسے بقائے دوام حاصل ہے کچھ اس طرح ہے کہ جنگ میں ایک کافر کا سر قلم کرنے کے لئے آپ آمادہ ہوئے تو اس نے آپ کے چہرۂ اقدس پر تھوک ڈال دیا، آپ نے اسے چھوڑ دیا، وجہ دریافت کرنے پر آپ نے ارشاد فرمایا "میرا ہر کام رضائے الٰہی کے لئے ہوتا ہے اور میں تجھے

بھی رضائے الٰہی کی خاطر قتل کر رہا تھا جب تو نے یہ حرکت کی تو مجھے کچھ غصہ آ گیا، اب اگر میں تجھے مارتا تو رضائے الٰہی کے ساتھ اس میں میرا اپنا غصہ اور انتقام بھی شامل ہو جاتا اور میں یہ نہیں چاہتا کہ میرا کوئی عمل خالص رضائے الٰہی کے بغیر ہو۔

سیدنا علی مرتضٰی کی سیرت میں تواضع، انکسار، مروت، مہر و وفا، صدق وصفا، ہمدردی، ایثار، سخاوت، خوش اخلاقی، حسنِ معاملہ، حسنِ معاشرت، فقر و درویشی، غربت ومسکنت اور وقار و تمکنت کے عظیم الشان اوصاف کا ایک ایک عنوان مستقل باب کی حیثیت رکھتا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ بلا شبہ آپ ختم الرسل کی تربیت کا شاہکار تھے۔

☆☆☆☆☆

حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے فیصلے

حضرت علی مرتضٰی شیرِ خدا رضی اللہ عنہ کے فضائل وکمالات میں ایک عظیم الشان کمال یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو زبردست قوتِ فیصلہ عطا فرمائی۔ صحیح فیصلہ کرنے کی صلاحیت اور قابلیت ایسا کمال ہے جو اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کو عطا فرمایا اور اسے احسان قرار دیا، قوت فیصلہ کے درست اور مضبوط ہونے کا دار و مدار عقل وفہم، علم وحکمت، اجتہاد اور تجربے پر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ تمام پاکیزہ صفات سیدنا علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائے تھے۔ حضور علیہ السلام کی تعلیم وتربیت، دیکھ بھال اور نگاہِ فیض وبرکت نے آپ کو قوت فیصلہ کی معراج کمال تک پہنچا دیا تھا۔ اسی بنا پر زبانِ نبوت سے ارشاد ہوا کہ ''صحابہ کرام میں سے سب سے زیادہ اچھے فیصلے کرنے والے علی مرتضٰی ہیں۔ آپ کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ زمانۂ نبوی میں فیصلے فرمایا کرتے تھے اور آپ کے فیصلوں کو حضور علیہ السلام کی تائید حاصل ہوتی تھی۔

حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کو حضور نے جوانی کے عالم میں یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو آپ نے عرض کیا ''یا رسول اللہ! میرا اتنا زیادہ تجربہ نہیں میں کس طرح فیصلے کروں گا'' حضور نے ارشاد فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے دل کو ہدایت فرمائیگا اور تمہاری زبان کو پختگی عطا کریگا، ایک بات کا خیال رکھنا جب تمہارے پاس کوئی

مقدمہ پیش ہو تو ایک فریق کی بات سن کر فیصلہ نہ کرنا، دونوں فریقوں کی بات غور سے سننا تو پھر تمہارے لیئے فیصلہ آسان اور واضح ہو جائیگا۔ حضرت علی مرتضیٰ فرمایا کرتے تھے کہ حضور کی دعا کی برکت سے پھر کبھی مجھے صحیح فیصلہ کرنے میں دقت پیش نہ آئی۔ حضرت علی مرتضیٰ کی اس قوت فیصلہ کی بنا پر حضرات خلفائے راشدین اور دوسرے صحابہ کرام آپ سے مشورہ لیتے تھے۔ خلافت راشدہ کی مجلس شوریٰ میں آپ اہم رکن ہوتے تھے اور ہر مشکل فیصلے میں آپ کی شمولیت ضروری خیال کی جاتی تھی۔

امیر المؤمنین حضرت فاروقِ اعظم دعا فرمایا کرتے تھے "الٰہ العالمین مجھے کوئی ایسی مشکل پیش نہ آئے جس میں علی مرتضیٰ میرے ساتھ نہ ہوں۔ حضرت فاروقِ اعظم کے زمانۂ خلافت میں بدکاری کے جرم میں ایک عورت کو لایا گیا جس کا بچہ ہونے والا تھا آپ نے اسے سنگسار کرنے کا حکم دیا، حضرت علی مرتضیٰ نے فرمایا اس میں بچے کا کیا قصور ہے؟ آپ نے سزا کو روک لیا اور بچہ پیدا ہونے کے بعد سزا کا حکم جاری کیا، ساتھ یہ بھی فرمایا" لَوْلَا عَلِیٌّ لَھَلَکَ عُمَرُ " اگر علی مرتضیٰ نہ ہوتے تو عمر کی جان خطرے میں ہوتی۔ شراب نوشی کی حد حضور علیہ السلام کے زمانے میں مقرر نہ تھی، صحابہ کرام باہمی مشورے سے مختلف سزائیں دیتے رہے، حضرت فاروقِ اعظم کے زمانے میں مجلسِ شوریٰ کا اجلاس بلایا گیا اور شراب کی حد کے بارے میں بحث ہوئی، چونکہ سلطنت کے وسیع ہونے کی وجہ سے شراب نوشی کے واقعات زیادہ ہو گئے اس لئے مسئلہ سنجیدگی اختیار کر چکا تھا اس موقعہ پر حضرت علی مرتضیٰ نے فرمایا کہ شرابی کی حد اسی کوڑے ہونے چاہئیں، صحابہ کرام نے وجہ پوچھی تو فرمایا جو شراب پیئے گا وہ نشے میں بدمست ہو جائیگا، جب نشے میں ہوگا تو بیہودہ بکے گا، جب بیہودہ بکے گا تو کسی بے قصور پر بدکاری کی تہمت لگائے گا جسے قذف کہا جاتا ہے اور قذف کی سزا قرآن نے اسّی کوڑے بیان کی ہے، گویا یہ فیصلہ قرآن مجید سے اخذ کیا گیا، تمام صحابہ کرام نے آپ کے فیصلے کو سراہا اور اس پر اجماعِ صحابہ ہو گیا۔

حضرت علی مرتضیٰ کے فیصلے ائمہ مجتہدین، فقہائے امت اور علمائے دین کیلئے فقہ و اجتہاد اور علم و حکمت کا خزانہ تسلیم کیئے جاتے ہیں۔ امت کے جلیل القدر قاضی اور حاکم آپ کے فیصلوں سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں اور تاریخ میں آپ کے فیصلے قضایائے علی کے عنوان سے یاد کیئے جاتے ہیں آپ کے بعض فیصلے آپ کی جودت طبع

اور ذہانت کی دلیل ہونے کے ساتھ ساتھ سننے والوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔ایک مرتبہ دو آدمی اکٹھے کھانا کھا رہے تھے ان میں سے ایک کے پاس پانچ اور دوسرے کے پاس تین روٹیاں تھیں، ان کے ساتھ ایک تیسرا آدمی شریک ہوا اور جاتے ہوئے اس نے انہیں آٹھ درھم پیش کیئے۔ پانچ روٹیوں والے نے تین روٹیوں والے کو تین درہم دیئے۔اس شخص نے کہا میں تو برابر حصہ یعنی چار درھم سے کم نہیں لونگا۔معاملہ حضرت علی مرتضی کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ نے تین روٹیوں والے شخص کو فرمایا کہ تمہاری بہتری اور فائدہ اسی میں ہے کہ تین درہم لے لو اس نے کہا نہیں، میں تو اپنا حق لوں گا۔آپ نے فرمایا پھر تیرا حق ایک درہم بنتا ہے۔وہ شخص اور دوسرے لوگ یہ سن کر تعجب کرنے لگے تو آپ نے فرمایا آٹھ روٹیوں میں ہر روٹی کے تین ٹکڑے کرو تو کل چوبیس ٹکڑے بنیں گے، کھانا تم سب نے برابر کھایا ہے، ان چوبیس ٹکڑوں میں سے آٹھ ٹکڑے تم نے کھائے اور آٹھ ٹکڑے تمہارے دوسرے ساتھی نے، جسکی پانچ روٹیاں تھیں جس شخص نے درہم دیئے اس نے تمہاری روٹیوں کا ایک ٹکڑا کھایا جب کہ تمہارے ساتھی کی روٹیوں کے سات ٹکڑے کھائے، اس حساب سے سات درہم کا حقدار تمہارا ساتھی ہے جبکہ تم ایک درہم کے مستحق ہو، یہ فیصلہ سن کر وہ شخص بہت پشیمان ہوا۔

ایک مرتبہ دو عورتوں نے ایک بچے کے بارے میں دعویٰ کیا، ان میں سے کسی کے پاس گواہ نہ تھے، آپ نے فرمایا میں تلوار سے بچے کے دو ٹکڑے کر کے بچہ تمہارے درمیان تقسیم کر دیتا ہوں یہ سن کر اس بچے کی حقیقی ماں زار و قطار رونے لگی کہ اس کے ٹکڑے نہ کریں دوسری عورت کو دے دیں، بعد میں دوسری عورت نے اقرار کر لیا کہ اس نے جھوٹ بولا تھا۔

ایک شخص نے مرتے وقت وصیت کی کہ میرے سترہ اونٹ میرے تین بیٹوں میں اس طرح تقسیم کئے جائیں کہ انکا نصف حصہ بڑے لڑکے کو تیسرا حصہ درمیانے لڑکے کو اور نواں حصہ چھوٹے لڑکے کو دیا جائے۔اس کے لڑکے حیران ہوئے کہ اس حساب کے مطابق تو تقسیم نہیں ہوسکتی، یہ فیصلہ سیدنا علی مرتضیٰ کی خدمت میں پیش ہوا، آپ نے فوراً فرمایا سترہ اونٹوں کے ساتھ ایک اونٹ بیت المال سے ملا لو یہ اٹھارہ ہو جائیں گے۔ان کا نصف یعنی نو اونٹ بڑے لڑکے کو دیئے جائیں، انکا تیسرا حصہ یعنی چھ اونٹ درمیانے لڑکے کو دیئے جائیں اور ان

کا نواں حصہ یعنی دو اونٹ چھوٹے لڑکے کو دیئے جائیں، ان کا مجموعہ سترہ اونٹ بنیں گے اٹھارواں اونٹ واپس بیت المال میں دے دیا جائے، اس کی وصیت پوری ہوگئی۔

آپ کی حاضر جوابی، حکمت آمیزی اور لاجواب کرنے کی ذہنی اور فطری صلاحیت کے واقعات بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ ایک مرتبہ ایک شخص مسئلہ تقدیر کو نہیں سمجھ رہا تھا، آپ نے فرمایا بندہ بعض امور میں اختیار رکھتا ہے اور بعض میں نہیں رکھتا اس نے کہا مجھے یہ بات سمجھ نہیں آتی۔ آپ نے اسے فرمایا کھڑے ہو جاؤ بیٹھ جاؤ پھر کھڑے ہو جاؤ ایک ٹانگ پہ کھڑے ہو جاؤ یہ رکھ دو اور دوسری ٹانگ پہ کھڑے ہو جاؤ، وہ یہ سب کچھ کرتا گیا، آپ نے اسے فرمایا اب تم ایک ٹانگ پر کھڑے ہوئے ہو اس کو نیچے نہ رکھو اور دوسری ٹانگ بھی اُٹھاؤ، کہنے لگا یہ میرے اختیار میں نہیں ہے اور مجھے مسئلہ سمجھ آ گیا ہے۔

ایک مرتبہ کسی شخص نے آپ سے سوال کیا مجھے حضور علیہ السلام کے سارے اوصاف وکمالات گن کر سنا دیں آپ نے اسے فرمایا تم مجھے دنیا کی چیزیں یعنی درختوں کے پتے، ریت کے ذرے، جن وانس اور دوسری چیزیں گن کر بتا دو۔ اس نے کہا یہ تو میرے بس میں نہیں، آپ نے فرمایا دنیا کے ساز وسامان کو قرآن مجید نے قلیل کہا ہے " قُلْ مَتَاعُ الدُّنیَا قَلِیْل " اور نبی پاک کے خلق کو اللہ تعالیٰ نے عظیم فرمایا " وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم " تو قلیل کو شمار نہیں کر سکتا میں عظیم کو کس طرح شمار کروں۔

یہ چند واقعات اور شواہد بطور نمونہ پیش کیے گئے، وگرنہ سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں سیدنا علی مرتضیٰ کی فہم وفراست، اجتہادی قوت، علم وحکمت اور طبعی جودت وذہانت پر مبنی فیصلوں کا ایک ذخیرہ موجود ہے جو اسلامی فقہ واجتہاد کا ایسا روشن مینار قرار پاتا ہے جس کی روشنی میں فلاح وبہبود کی راہیں منزلِ مقصود تک پہنچنے کی ضمانت پیش کرتی ہیں۔

☆☆☆☆☆

پانچواں باب...... حضرات اہل بیتِ پاک رضی اللہ عنہم

مرتبۂ حسین رضی اللہ عنہ فقہائے اسلام کی نظر میں

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ - بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حضرات اہل بیت کرام کو جو علومرتبت اور عظمت و فضیلت حاصل ہے قرآن و حدیث اس پر شاہد ہیں۔خانوادۂ نبوت کے فضائل و مناقب کی اہمیت کے پیش نظر اسلامی مکتب فکر کے جلیل القدر اکابر نے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھیں اور خاندان رسالت کے شرف و کمال کے اعتراف کا عملی ثبوت پیش کیا۔سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کو اہل بیت پاک میں جو امتیازی مقام حاصل ہے اس کی عظمتوں سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔پیغمبر اسلام ﷺ کے نسب اطہر کا وہ کمال قرب آپ کو نصیب ہوا کہ ابن رسول کے لقب سے مشہور ہوئے آغوش نبوت میں ابتدائی تعلیم و تربیت سے مشرف ہوئے اور کمالات نبوت کا مظہر اتم قرار پائے۔دین اسلام کے تحفظ اور بقاء کی خاطر جو عظیم الشان بے مثال قربانی آپ نے پیش کی اولین و آخرین میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ آپکے بے شمار خداداد کمالات اور خصوصی عظمت و شرف کے پیش نظر دنیائے اسلام کے عظیم الشان اکابر علم و فن آپکو خراج تحسین پیش کرتے ہیں اور آپکی قدر و منزلت کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ فقہ اسلام کا موضوع اپنی اہمیت ، وسعت اور افادیت کے لحاظ سے نمایاں حیثیت رکھتا ہے اور اہل اسلام کیلئے اسلامی فقہ کی ضرورت ، جامعیت اور خصوصیت اپنے مقام پر زبردست اہمیت کی حامل ہے اسلامی سلطنت کی وسعت اور فتوحات کی کثرت سے قرون اولیٰ میں بے شمار مسائل سامنے آئے اور پھر دن بدن اہل اسلام کی تعداد میں خاطر خواہ اضافے کی وجہ سے یہ سلسلہ زیادہ ہوتا گیا۔ اہل اسلام کی تہذیب و تمدن ، ثقافت ، عبادات ، معاملات ، اخلاقیات اور دوسرے امور نے مسائل کی کثرت کو اس حد تک پہنچایا کہ قرآن و سنت کے اصول کی روشنی میں بے شمار فقہی جزئیات کی ضرورت پیش آئی۔ فقہ اسلامی کی اس شدید ضرورت اور اہمیت نے فقہی اجتہاد کو بام عروج تک پہنچایا اور چار اہم مکاتب فکر اس سلسلے میں نمایاں شہرت و مقبولیت کے حامل قرار پائے۔

فقہائے اسلام کی نظر میں مرتبہ حسین کے پس منظر میں جو عناصر کارفرما نظر آتے ہیں ان میں سید الشہداء کا فقہی مقام، علمی برتری، فہم قرآن وسنت اور کردار کی عظمت کو نمایاں شان حاصل ہے آنجناب کا شماران اصحاب رسول میں ہے جو فقہ واجتہاد میں شہرت رکھتے تھے اور قرن اول میں ان کے فتاوی کو اہمیت حاصل تھی۔ سیدنا امام حسین علیہ السلام کا فقہی مقام اس لحاظ سے بھی خصوصی امتیاز رکھتا ہے کہ فقہ اسلامی کے ماخذ یعنی قرآن وسنت سے استفادہ کیلئے آپکو جو اسباب وذرائع مہیا تھے وہ کسب ومحنت کے مرہون منت نہ تھے بلکہ محض موہبت خداوندی پر موقوف تھے اور یہ وہ سعادت عظمیٰ تھی جو اہل بیت رسول کے ساتھ مختص تھی۔ ولادت اس گھر میں ہوئی جہاں وحی الٰہی کا نزول ہوتا، تعلیم وتربیت وہاں پائی جہاں بانیٔ اسلام خلوت وجلوت کے لمحات بسر فرماتے، قرآن کی عملی تفسیر یعنی سیرت نبوی کا ایک ایک گوشہ آپکے سامنے رہتا باب علوم نبوت جیسے والد گرامی نصیب ہوئے اور جگر گوشہ رسول خاتون جنت جیسی مقدس والدہ میسر آئیں۔ ظاہر ہے کہ دین اسلام کے ایسے بے مثال پاکیزہ ماحول میں تربیت پانے والا نونہال فقہ اسلام کا وہ عظیم الشان روشن مینار ثابت ہوگا جسکی شعاعیں اطراف عالم کو منور کریں گی۔

آپ کی فقہی عظمت کی برہان مبین سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی ہے جنہوں نے آپ سے حاصل کردہ فقہی علوم کو اطراف عالم میں پھیلایا اور سیدنا امام محمد باقر رضی اللہ عنہ اور سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر فقیہ اہل علم وفن کا ملجاو ماویٰ قرار پائے۔ فقہ حنفی کے بانی امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ جو ستّر کروڑ سے زائد مسلمانوں کے فقہی رہنما سمجھے جاتے ہیں اور جنہوں نے بذات خود چھ لاکھ فقہی مسائل کا استخراج کیا اسی خانوادۂ نبوت کے خوشہ چین نظر آتے ہیں اور اسی مینارۂ نور کے انوار سے منور ہوتے ہیں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سیدنا امام محمد باقر رضی اللہ عنہ اور سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور علوم اسلامی کے حصول میں ان حضرات سے مستفید ہیں۔ امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر اور امام حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہم جنہوں نے امام ابوحنیفہ سے فقہی علوم حاصل کئے دنیائے اسلام کے ان جلیل القدر فقہائے مجتہدین میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں جنہوں نے لاکھوں فقہی مسائل کا استخراج کیا اور سینکڑوں کتبِ فقہ کو مدوّن کیا۔

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور ان کے جلیل القدر شاگردوں کی نظر میں مرتبہ حسین کو جو اہمیت حاصل ہے تاریخی شواہد کی روشنی میں اظہر من الشّمس ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق مشہور ہے کہ کسی سیدزادے کو دیکھ پاتے تو دوران تدریس بھی دست بستہ کھڑے ہو جاتے۔ پھر خانوادۂ حسین کے ساتھ اتنی عقیدت کہ خلیفہ وقت کے

سخت ردعمل کے باوجود حضرت محمد نفس الزکیہ رضی اللہ عنہ اوران کے بھائی حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے ساتھ خلافت کی جدو جہد میں تعاون جاری رکھا، مالی اعانت بھی کی اور لوگوں کی امانتوں کی وجہ سے ان کے ساتھ اس جہاد میں شریک نہ ہو نے پر ہمیشہ افسوس کرتے رہے۔ فقہ اسلامی کا وہ فیض جو امام ابوحنیفہ نے بالواسطہ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ سے حاصل کیا اپنے ہزاروں شاگردوں میں اسے عام کیا اور اسطرح فقہ حنفی کی صورت میں اہل بیت نبوت کا یہ فیضان دنیائے اسلام میں جاری وساری ہوا۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے چار مشہور شاگردوں کے علاوہ عمرو بن میمون، نوح بن ابی مریم، عبدالرزاق بن ہمام، یحییٰ بن زکریا اور ابوعاصم النبیل نے بھی دنیائے اسلام میں عظیم فقہی مقام حاصل کیا اور یہ سب حضرات سیدنا امام حسین علیہ السلام کے فقہی مرتبہ کو ہمیشہ جان ودل سے تسلیم کرتے رہے، اسی طرح بعد میں آنیوالے فقہائے کرام جن کا احاطہ مشکل ہے البتہ بعض زیادہ مشہور حضرات جنہوں نے فقہ حنفی پر مشتمل کتابیں لکھیں اور اس فن کے امام قرار پائے وہ بھی سیدنا امام حسینؑ کے علومرتبت اور عظمت وشرف کا اعتراف کرتے ہیں۔ چنانچہ ابوجعفر الہندوانی، ابوبکر جصاص، ابواللیث سمرقندی، ابوعبداللہ جرجانی، ابوالحسن احمد بن محمد القدوری، شمس الائمہ سرخسی، علی بن محمد بزدوی، علی بن محمد اسبیجابی، ابوالحسن مرغینانی، ابوعبداللہ دامغانی اور دیگر متاخرین فقہائے کرام سیدنا امام حسین علیہ السلام کے علومقام اور مرتبہ رفیع کے معترف نظر آتے ہیں۔

فقہ شافعیہ کے بانی امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام محمد کے شاگرد ہیں ان کے ذریعے بواسطۂ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ انکا سلسلہ تلمذ بھی سیدنا امام حسین علیہ السلام سے جاملتا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ کے استخراجی مسائل پر بہت سی کتابیں لکھیں اور لاکھوں مسائل کا حل پیش کیا۔ آپ بھی فقہی علوم میں سیدنا امام حسین علیہ السلام کے دریائے علم سے فیضیاب ہیں اسی بنا پر مرتبہ حسین کے عرفان میں ان کے محبت بھرے واقعات ضرب المثل ہیں۔ اہل بیت نبوت سے انکی محبت شہرہ آفاق ہے اور انکا یہ شعر تو بہت ہی شہرت رکھتا ہے۔

اِنْ کَانَ رَفْضًا حُبُّ آلِ مُحَمَّدٍ ..... فَلْیَشْھَدِ الثَّقَلَانِ اَنِّیْ رَافِضٌ

مذہب شافعیہ کے دیگر مشاہیر حسن بن محمد الزعفرانی، ابوالحسین بن علی الکرابیسی، ابوعثمان بن سعید انماطی ابوالعباس احمد بن ابی احمد الطبری الشہیر بابن القاص، یوسف بن یحییٰ البویطی المصری، ابوبکر محمد بن احمد المعروف بابن الحداد بھی سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی مدح وثنا میں رطب اللسان نظر آتے ہیں اور اپنی فقہ میں آپ کی ذات کو منتہائے سلسلہ سمجھتے ہیں۔

فقہ مالکیہ کے بانی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی بالواسطہ سیدنا امام حسین سے فیضیاب ہیں اور ائمہ اہل

بیت کے اقوال کو سند تسلیم کرتے ہیں آپ نے خلیفہ وقت منصور عباسی کے خلاف فتویٰ دیا تھا اور امام محمد نفس الزکیہ کی تائید فرمائی تھی جسکی پاداش میں آپ کو کوڑے لگائے گئے مگر آپ نے اہل بیت کی محبت سے انحراف نہ کیا۔ آپ کے شاگرد اور فقہ مالکیہ کے جلیل القدر فقہاء ابو محمد عبداللہ بن وہب بن مسلم قرشی، اشہب بن عبدالعزیز القیسی، ابوالحسن علی بن زیاد التونسی، زیاد بن عبدالرحمن القرطبی، عبدالملک بن حبیب بن سلیمان السلمی، عبدالسلام بن سعید التنوخی بھی سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی عظمت شان اور رفعتِ مقام کے قائل تھے اور ان حضرات نے فقہ مالکیہ کی تدوین میں عظیم الشان خدمات سرانجام دیں۔

فقہ حنبلیہ کے بانی امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے بھی امام ابو یوسف اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کے ذریعے ائمہ اہل بیت کی فقہ سے فیض حاصل کیا اور اسطرح اپنا سلسلہ تلمذ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ تک پہنچایا۔ امام احمد بن حنبل کی نظر میں مرتبہ حسین کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے فضائل اہل بیت پر مستقل کتاب ''المناقب'' تحریر فرمائی جس میں سیدنا امام حسین علیہ السلام کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔ اپنی تالیف مسند حدیث میں سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی روایات درج کیں اور فضائل اہل بیت کی روایات کو جمع کیا آپکی طرح آپکے شاگرد اسحاق بن ابراہیم المعروف بابن راہویہ، احمد بن محمد بن الحجاج المروزی، ابوبکر احمد بن محمد بن ہانی المعروف بالاثرم اور دیگر فقہائے حنبلیہ نے بھی سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی عظمت و رفعت کا اعتراف کیا اور فقہ حنبلیہ کی تدوین میں بہت کوشش کی۔ حنبلی مسلک کے مشہور و معروف مجتہد اور فقیہ حضرت غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے روضہ اقدس پر روزانہ ستر ہزار فرشتے نازل ہو کر درود و سلام پڑھتے ہیں۔

ان مشہور فقہی مکاتب فکر کے تمام فقہا و علماء آپ کی فقہی عظمت کے قائل ہیں۔ اگر آپ فاسق و فاجر اور ظالم حاکم کے سامنے کلمہ حق بلند نہ کرتے تو فقہ کے ماخذ یعنی قرآن و سنت کی تعلیمات کا حلیہ بگڑ جاتا اور فقہ اسلامی کی بقا کا سلسلہ ختم ہو جاتا گویا تمام فقہا اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ آپ نے عظیم الشان قربانی پیش کر کے فقہ اور اسکے اصول کا تحفظ کیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی سچی محبت عطا فرمائے۔ آمِین وَ آخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

☆☆☆☆☆

شاہ است حسین

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم.

سیدالشہد اءامام حسین علیہ السلام نے دین اسلام کے تحفظ اور بقا کی خاطر میدان کربلا میں جوعظیم الشان قربانی پیش کی تاریخ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔معرکہ حق و باطل میں آپ نے جومنفرد جرأت مندانہ کردار پیش کیا اولین وآخرین میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔جبر واستبداداور فسق وفجور کی ظلمتوں میں عدل وانصاف اور خیر وتقویٰ کا جو چراغ آپ نے روشن کیا اس کی نورانی شعاعوں نے اطراف عالم کومنور کر دیا۔باطل کی طاغوتی طاقتوں نے اجتماعی یلغار کے ذریعے دین اسلام کی عمارت کوگرانے کی ناپاک جسارت کی تو خاندانِ نبوت کا یہ بطل جلیل عزم واستقامت کا پہاڑ بن کران کی راہ میں حائل ہوگیا۔

سید نا امام حسین علیہ السلام نے وقت کے جابر و ظالم حکمران کے خلاف برسر عام اعلان جہاد کیا تو مصائب وآلام کے پہاڑ آپ پر ٹوٹ پڑے۔باطل کے پرستاروں نے آپکوموقف سے ہٹانے کی ناکام کوشش کا جال بچھادیااور کسی بھی تدبیراور حربے کےاستعمال سے دریغ نہ کیا۔کلمہ حق کی پاداش میں سنگین نتائج اور خطرات سے آپکوڈرایا گیا۔قید و بند کی صعوبتوں اور قدم قدم پر آزمائشوں سے آپ کومرعوب کیا گیااور حیاتِ دنیوی اوراس کی نعمتوں سے محرومی اور مایوسی کا احساس دلایا گیا جب یہ تدبیر ناکام ہوئی تو مال و دولت کے خزانوں کی پیشکش کی گئی ،حرص ولالچ کے مذموم عناصر کی طرف توجہ مبذول کرانے کی کوشش کی گئی اور دنیوی ناز ونعمت کے بدلے میں جبر وستم کی معمولی سی تائید کا مطالبہ کیا گیا مگر آپ نے کردار کی عظمت ،سیرت کی استقامت اور تربیت کی پختگی سے دشمنوں کی تمام تدبیروں کوخاک میں ملا دیا۔

سیدنا امام حسین علیہ السلام نے عزم واستقلال اور جرأت وشجاعت کا جھنڈا بلند کرتے ہوئے واشگاف الفاظ میں اعلان فرمایا کہ دنیا کی کوئی طاغوتی طاقت اور اسکا کوئی بھی ناپاک حربہ میری منزل مقصود کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتا۔ مجھے دنیا اور اسکے ناز ونعمت سے کوئی سروکار نہیں ، مجھے مال و دولت اور جاہ واقتدار کی کوئی خواہش نہیں اور مجھے ظلم وستم اور جبر واستبداد کی ریشہ دوانیوں سے کوئی خوف نہیں ۔میری جدو جہد کا مقصد دین

اسلام کا تحفظ ہے، میری تحریک کا نقطۂ نظر عدل وانصاف کا بول بالا ہے، میری سعی عمل کی بنیاد حق وصداقت ہے، میرے مجاہدانہ کردار کا محرک جذبۂ شجاعت اور میرے سفر کی منزل مقصود رضائے الٰہی کا حصول ہے۔

تاریخ اسلام شاہد ہے کہ سیدنا امام حسین علیہ السلام نے معرکۂ حق و باطل میں عزم و استقامت اور جرأت وشجاعت کا جو بے مثال کردار ادا کیا ریگزار کربلا کا ذرہ ذرہ اسے خراج تحسین پیش کرتا ہے۔ آپ نے عظیم الشان مقصد کے حصول کی راہ میں کسی بھی سنگین رکاوٹ کو حائل نہ ہونے دیا اور تازہ دم جدو جہد مسلسل عزم و ہمت اور بے پناہ استقامت کے ساتھ سفر جاری رکھا۔ مدینہ طیبہ کے بصیرت افروز نظارے نگاہوں سے اوجھل ہونے لگے، جوارِ رسول اور قربِ بتول کے روحانی مناظر سے جدائی کا صدمہ برداشت کرنا پڑا، اعزہ واقارب اور جاں نثار خدام کی مختصر جماعت کے ساتھ میدان کربلا کا طویل وعریض، مشقت آمیز سفر طے کرنا پڑا۔

خاندان نبوت کے نفوس قدسیہ پر مشتمل قافلہ مسلسل سفر کی صعوبتیں برداشت کرتا ہوا میدان کربلا میں فروکش ہوا تو سکون واطمینان کی کوئی صورت پیش نظر نہ تھی، دشمن کا لشکر جرار مقابلے کیلئے آیا ہوا تھا، ساقی کوثر کے نواسے کیلئے دریائے فرات کا پانی ممنون اغیار تھا، ظلم وستم، وحشت و بربریت، سنگدلی اور شقاوت قلبی کے نمایاں اثرات مختلف صورتوں میں صبر آزما مراحل بن کر پیش آنے لگے، بھوک اور پیاس کی شدت سے گلشن نبوت کے تر و تازہ پھول کملانے لگے، شدید گرمی کے موسم میں دشت کربلا کے ریگزاروں میں تمازتِ آفتاب نے خانوادۂ اہل بیت کے نونہالوں کے معصوم چہروں کو زرد کر ڈالا، درد والم رنج وغم اور مصیبت کا ایک سیلاب امڈ آیا، مصائب و آلام کی تندو تیز لہریں جبر وتشدد کے جھونکوں سے برانگیختہ ہو کر صبر وتحمل کے ساحل سے ٹکرانے لگیں، جلال وہیبت کبریا کی بے نیازی عروج پر تھی کوئی یار و مددگار اور غمخوار نہ تھا اور ابتلاء و آزمائش کے فلک بوس پہاڑ اسوۂ شبیری کے عزم واستقلال سے ٹکر لینے کی مشق کر رہے تھے۔

کروڑوں درود وسلام ہوں اس رحمۃ للعالمین کی ذات اقدس پر جس کے گرامی قدر خانوادے نے صبر و شکر، تسلیم ورضا، عفو ودرگذر، عزم واستقلال، جرأت وشجاعت، وقار وتمکنت، توکل علی اللہ، اخلاص ومحبت اور حقانیت وصداقت کی عظمتوں کو بام عروج تک پہنچایا اور ایسے ناسازگار اور سنگین حالات میں جادۂ اعتدال پر قائم رہے، کسی مصیبت اور تکلیف میں نہ گھبرائے، کسی آزمائش کو خاطر میں نہ لائے اور کسی رکاوٹ کو منزلِ مقصود کی راہ

میں حائل نہ ہونے دیا، باطل کی طاغوتی طاقتوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ظلم وستم کی بنیادوں کو متزلزل کر ڈالا، فسق و فجور کی ظلمتوں کا نام ونشان مٹا دیا،، عدل وانصاف کا بول بالا کیا، حق وصداقت کا پرچم بلند کیا اور ریگزار کربلا میں عزم واستقامت کے وہ زندۂ جاوید نقوش ثبت کیے جو قیامت تک آنیوالے اہلِ ایمان کیلئے روشنی کا مینار ہیں۔

قرآن وحدیث کی پاکیزہ تعلیمات کے مقدس عنوانات درس کربلا کا موضوع تھے اور خانوادۂ نبوت کے جلیل القدر باہمت افراد ان کی عملی تفسیر تھے۔ سیدنا امام حسین علیہ السلام اس باکردار جماعت کے قافلہ سالار تھے جس نے درسگاہ کربلا میں اسلام کی تعلیمات کے نقوش کو اقوامِ عالم کی لوح قلب پر منقش کر دیا، دشت کربلا کے میدان میں خون شہادت سے حق وصداقت کی وہ داستان تحریر کی جسے بقائے دوام حاصل ہوئی اور سیرت وکردار کی عظمت کے وہ پائندہ نقوش چھوڑے جو سرچشمۂ ہدایت اور انوارِ صداقت کی حیثیت سے ہمیشہ قائم ودائم رہیں گے۔ واقعہ کربلا میں سیدنا امام حسین علیہ السلام کے عظیم الشان کردار، جلیل القدر سیرت اور ناقابل فراموش دینی خدمات کا نقشہ سامنے آئے تو بے ساختہ قلب ودماغ کی گہرائیوں سے خراج تحسین کا یہ نعرۂ مستانہ بلند ہوتا ہے۔

شاہ است حسین بادشاہ است حسین ÷ دین است حسین، دین پناہ است حسین

سر داد نداد دست در دست یزید ÷ حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسین

سید الشہداء امام حسین علیہ السلام نے اپنے کردار کی عظمت اور سیرت کی جامعیت کے ذریعے اہل ایمان کو دعوت فکر دی ہے کہ وہ حق کی خاطر ہر تکلیف برداشت کرنے کی صلاحیت پیدا کریں، باطل کے مقابلے میں سینہ سپر ہو کر جرأت وشجاعت کا مظاہرہ کریں، اغراضِ فاسدہ کے تصور سے بلند وبالا ہو کر حق وصداقت کا جھنڈا بلند کریں، کسی صورت میں بھی سچے موقف سے دستبردار نہ ہوں اور کسی قیمت پر باطل کے دام فریب میں شکار نہ ہوں۔ سیدنا امام حسین علیہ السلام کا کردار حسن عمل کا قابل تقلید نمونہ ہے، حقیقی فلاح وبہبود کے حصول کا ضامن ہے اور منزل مقصود کی راہ میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سیدنا امام حسین علیہ السلام کی سیرت وتعلیمات پر عمل کرنیکی توفیق عطا فرمائے۔ آمِین وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

☆☆☆☆☆☆

عفو ودرگزر (درسِ کربلا)

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْم. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم.

سید الشہداء امام حسین علیہ السلام نے درسِ کربلا کی صورت میں انسانی سیرت و کردار کی تحسین و تکمیل کے ترکیبی عناصر کا جو نمونہ پیش کیا قیامت تک آنیوالے اہلِ ایمان کیلئے روشنی کا مینار ہے حضرات اہلبیت کرام نے واقعہ کربلا کے کٹھن مراحل، سنگین منازل اور صبر آزما مدارج میں قرآن وحدیث کی تعلیمات کا جو عملی نقشہ پیش کیا بلا شبہ حقیقی فلاح و بہبود کی منزل میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ انسانی کردار کے عظیم الشان اوصاف میں عفو ودرگزر کو جو اہمیت حاصل ہے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا، عفو ودرگزر انسانی صفات کمال میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے اور قرآن وحدیث کی روشنی میں عفو ودرگزر کو نہایت بلند مقام حاصل ہے۔

سید الشہداء امام حسین علیہ السلام فطری اور موروثی لحاظ سے عفو ودرگزر کی عظمتوں کے مالک تھے، قدرت نے آپکو وہ پاکیزہ اور لطیف ماحول عطا کیا تھا جہاں نزول قرآن کے انوار جلوہ افروز تھے اور ان نفوس قدسیہ کے فیض صحبت سے مشرف کیا تھا جنکا سینہ اطہر قرآنی اسرار و رموز کا وہ خزانہ تھا جس میں عفو ودرگزر کا پاکیزہ جذبہ عروج کمال پر تھا۔ کسی صفاتی کمال کے ظہور کیلئے وہ موقع و محل بہت اہمیت رکھتا ہے جہاں منفی اثرات اور فطرت و جبلت کو متزلزل کرنیوالے عناصر کی کثرت ہو۔ اس لحاظ سے جب دیکھا جاتا ہے تو واقعہ کربلا کے اسباب ونتائج اور سنگین حالات کا ایک ایک لمحہ عفو ودرگزر کی عظمتوں کو برقرار رکھنے میں دیوار بن کر حائل ہوتا ہے۔ کروڑوں درود وسلام ہوں اس رحمۃ للعالمین کی ذات گرامی پر جسکے گرامی قدر باہمت خانوادے نے صبر آزما شدید مراحل اور جگر سوز منازل میں ایک ایک قدم پر عفو ودرگزر کے زندۂ جاوید نقوش ثبت کئے اور مصائب و آلام کے پہاڑوں کے ساتھ ٹکراتے ہوئے بھی اس جوہر کمال کو غبار آلود نہ ہونے دیا۔ وطن سے دور دیارِ غیر میں غربت کا سفر ہے، میدان کربلا کے ہولناک مناظر آنکھوں کے سامنے ہیں، دشمن کی بے پناہ فوج کا محاصرہ ہے، چند نفوسِ قدسیہ پر مشتمل جماعت کے سوا کوئی غمخوار و مددگار ہے اور نہ کوئی پرسانِ حال ہے، قدم قدم پر ایذا رسانی کے دلدوز واقعات پیش نظر ہیں، صبر و استقامت کو برقرار رکھنے کی کوئی صورت و تدبیر بظاہر نظر نہیں آتی دشمنوں کی طنز و تنقید اور طعن و تشنیع سے کلیجہ منہ کو آتا ہے اور حالات اسقدر سنگینی اختیار کر چکے ہیں کہ صبر و حوصلہ کے مضبوط

پہاڑ بھی متزلزل نظر آتے ہیں مگر اہل بیت نبوت، خاندان رسالت اور آسمان ولایت کے درخشندہ ستاروں کی تب وتاب کا کیا کہنا، سختی کے جواب میں نرمی، گالیوں کے جواب میں دعائیں، طنز وتشنیع کے جواب میں خاموشی، تحقیر و تنقید کے جواب میں وقار و تمکنت ظلم وستم کے بدلے میں عدل وانصاف، جور و جفا کے بدلے میں مہر ووفا کا سلوک جبر واستبداد کے کانٹے بچھانے والوں کے جواب میں لطف وکرم کے خوشنما پھول اور وحشت و بربریت کا مظاہرہ کرنے والوں سے کمال آدمیت ووقار انسانیت کا طرز عمل۔

سید الشہداء امام حسین علیہ السلام اور آپکے رفقائے کار کا جذبۂ عفوودرگزر ایک سمندر کی طرح موجزن تھا جس میں ظلم وستم اور جور و جفا کے خس و خاشاک کیلئے قرار پکڑنے کی کوئی گنجائش نہ تھی اور ان حضرات طیبین و طاہرین کا تحمل اور حوصلہ وہ آفتاب درخشاں تھا جسکی ضوفشانیوں میں جبر وتشدد کی ظلمتوں کے بے مقدار ذرات کی کوئی وقعت نہ تھی۔ ظلم وستم کرنے والوں نے کوئی اندازِ ظلم وستم باقی نہ چھوڑا، ایذا رسانی پر کمر بستہ اشقیا نے دل آزاری کی کوئی تدبیر نہ رہنے دی، مجبور و پریشان کرنیوالوں نے جبر و حیرت کی کوئی صورت ترک نہ کی، تیراندازوں نے جبر وتشدد کا کوئی تیر ترکش میں باقی نہ رکھا، نیزہ وتلوار کی مشق کرنے والوں نے اپنے قلبِ سیہ کی مکمل بھڑاس نکالی۔ مصائب وآلام کی اجتماعی یلغار نے اہل بیت نبوت کے صبر وحوصلہ کی دیوار سے ٹکرانے کی پوری کوشش کی اور رنج وغم و مصیبت کے بے رحم حملوں نے بے یار ومددگار قافلے کو لوٹنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا مگر سیدنا امام حسین علیہ السلام نے اپنے کردار کی عظمت، اپنی سیرت کی صلاحیت اور تربیت کی جامعیت سے منزل مقصود کی راہ میں کسی طاغوتی طاقت کو حائل نہ ہونے دیا۔

آپ نے درس کربلا کی صورت میں عفوودرگزر کا وہ جامع نظام پیش کیا جسکے سامنے شرمندہ ہو کر دشمنوں نے سر جھکا لئے آپ نے اخلاق و مروت کا وہ نقشہ ترتیب دیا جسے دیکھ کر شقی القلب دشمنوں کے ضمیر انہیں ملامت کرنے لگے، آپ نے تحمل اور حوصلے کا وہ نمونہ سامنے رکھا جسے تاریخ اسلام نے خراج تحسین پیش کیا۔ درسِ کربلا میں اسوۂ حسین عفوودرگزر کا وہ نمایاں آفتاب ہے جسکی تب وتاب نے جور وستم کے ظلمت کدوں کو روشن کر دیا آپ کا کردار عفوودرگزر کا وہ نمونۂ کامل ہے جو اسلام کی تعلیمات کا جامع لائحہ عمل ہے اور آپکی سیرت عفوودرگزر کا وہ زندۂ جاوید کارنامہ ہے جسکا ایک ایک ورق انسانیت کے اوصافِ کمال کا سنہری باب ہے اللہ تعالیٰ ہمیں درسِ کربلا کے فیوض وبرکات سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمِینْ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

☆☆☆☆☆

سیدنا علی اصغر رضی اللہ عنہ کی شہادت

نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡکَرِیۡمِ. بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ.

سید الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ نے دین اسلام کی خاطر جو عظیم الشان قربانی پیش کی اولین و آخرین میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ خاندان نبوت کے جیالے نوجوانوں نے ریگزار کربلا کو اپنے خون سے سیراب کر کے شجر اسلام کی آبیاری کی اور اس کی نشو ونما اور بقائے دوام کی ضمانت دی۔ وشت کربلا میں گلشن نبوت کے نونہالوں نے جس انداز سے صبر و رضا، استقامت، جرأت و پامردی سے باطل کی تند و تیز بادِ خزاں کا مقابلہ کیا تاریخ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ سید الشہداء کے کمسن صاحبزادے سیدنا علی اصغر کی قربانی سانحہ کربلا کا ایک جگر سوز اور دلگداز واقعہ ہے۔ گلستانِ آلِ محمد کا یہ گلِ رعنا پیاس کی شدت سے کملانے لگا تو والدہ ماجدہ اس کی بے قراری اور اضطراب سے بے حد متأثر ہوئیں امام عالی مقام کی خدمت میں عرض کیا دشمنوں نے انتقام تو ہم سے لینا ہے اس کمسن بچے کا کیا قصور ہے کہ پیاس کی شدت سے اس طرح تڑپتا رہے؟ اس کے جدِ امجد نے کل بروز قیامت پوری امت کو حوض کوثر سے سیراب کرنا ہے، دشمنوں سے کہیں کہ اگر انہوں نے میدان محشر میں ساقی کوثر کو منہ دکھانا ہے تو پھر ان کے اس لخت جگر کیلئے پانی کے چند گھونٹ مہیا کر دیں۔

سید الشہداء امام عالی مقام کو فقر غیور اگر چہ اس بات کی اجازت نہ دیتا تھا مگر زوجہ محترمہ کے اصرار اور علی اصغر کو بیقرار دیکھ کر آمادہ ہو گئے۔ ایک عجیب صورتحال تھی اور ایک تعجب خیز نظارہ کہ ساقی کوثر کا نواسہ اپنے جگر گوشے کو اٹھا کر یزیدی فوج سے دریائے فرات کا تھوڑا سا پانی طلب کرنے کیلئے آرہا ہے ادھر سامنے اعزہ و اقارب کی لاشوں کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں، حد نگاہ تک دشمن کا لشکر جرار ہے، مستوراتِ اہل بیت کی بے کسی اور بے بسی کا منظر سامنے ہے، آپ یزیدی فوج کے سامنے آکر ارشاد فرماتے ہیں اے سنگدل اور سیاہ باطن قوم! میں تمہارے نبی کا نواسہ ہوں اور یہ میرا لخت جگر ہے۔ اگر چہ میں تمہارے زعم باطل میں جرم کا مرتکب ہوں اس

شیر خوار بچے کا تو کوئی قصور نہیں ۔ کیا شرافت و انسانیت کا کوئی عنصر تم میں باقی نہیں رہا؟ کیا ساقی کوثر کا نواسہ تمہارے اسی سلوک کا مستحق ہے جو تم کر رہے ہو؟ مجھے اس بچے کیلئے جس کا گلا پیاس کی شدت سے خشک ہو چکا ہے پانی کے چند گھونٹ درکار ہیں ۔ کیا میں تم سے توقع کر سکتا ہوں کہ تم انسانیت کا ثبوت دیتے ہوئے میری بات پر ذرا غور کر لو۔

ادھر علی اصغر شہزادے کی والدہ ماجدہ اطمینان کا سانس لے رہی ہیں کہ شاید ظالموں کو کمسن بچے پر رحم آ جائیگا اور تھوڑی دیر بعد میں اپنے لخت جگر کو ترو تازہ دیکھ لوں گی ، امام عالی مقام کے مؤثر اور پردرد انداز گفتگو سے سیہ کار ظالموں کے دل پر کچھ اثر نہ ہوا، شقاوت ازلی کا ثبوت دیتے ہوئے یزیدی فوج نے پانی کے چند گھونٹ دینے سے صاف انکار کر دیا، ظلم و ستم کی انتہا کر دی اور حرملہ بن کاہل اسدی نے کمان سے تیر چلا دیا جو علی اصغر کے حلق کو چھیدتا ہوا امام عالی مقام کے بازو میں پیوست ہو گیا ۔ امام عالی مقام نے وہ تیر کھینچا تو کمسن شہزادے کے حلق سے خون کا فوارہ جاری ہو گیا ۔ آپ نے خون اپنے چلو میں لیا آسمان کی جانب پھینکا اور بارگاہ رب العزت میں عرض کیا ''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُشْھِدُکَ عَلٰی ھٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ '' اے اللہ اس ظالم قوم کی کارگزاری پر میں تجھے گواہ بناتا ہوں ۔

علی اصغر معصوم نے تڑپتے ہوئے امام عالی مقام کے ہاتھوں پر جان دیدی مظلوم باپ نے ننھے شہید کو محبت سے چوما اور خیمے کی طرف روانہ ہوئے ۔ شاہزادے کی والدہ ماجدہ نے آگے بڑھ کر حال پوچھا تو امام عالی مقام نے ارشاد فرمایا تمہارے لخت جگر کو فرات کا پانی تو میسر نہیں ہوا البتہ حوض کوثر کے جام سے سیراب ہو گیا ہے، ہم سب کو اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور صبر و رضا سے کام لینا چاہیے ۔ آپ نے سیدنا علی اصغر کو سیدنا علی اکبر کی لاش کے پہلو میں لٹا دیا اور نہایت عزم و استقامت سے اس قیامت خیز صدمے کو برداشت کیا ۔

اللہ تعالیٰ ہمیں شہیدان کربلا کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین ،

☆☆☆☆☆

صبر و شکر (درسِ کربلا)

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

سید الشہداء امام حسین علیہ السلام نے دین اسلام کے تحفظ کی خاطر دشت کربلا کے بے آب و گیاہ میدان میں جو عظیم الشان قربانی پیش کی دنیا کی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آپ نے جس بلندیٔ ہمت اور عزم و استقامت سے یہ زندۂ جاوید کارنامہ سرانجام دیا اولین و آخرین میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اعزہ و اقارب و جاں نثاروں کی مختصر جماعت کے ساتھ دشمن کے لشکرِ جرار کے مقابلے میں آپ نے جس ثابت قدمی، جرأت و شجاعت اور صبر و استقلال کا مظاہرہ کیا اسلام کی تاریخ میں ایک سنہری باب کی حیثیت رکھتا ہے۔ سید الشہداء امام عالی مقام علیہ السلام نے درسِ کربلا کی صورت میں اپنے کردار کی عظمت و صداقت کے جو نقوش ریگزار کربلا پر ثبت کئے وہ اسلامی اقدار و تعلیمات کے معیارِ کمال کا نمونہ ہیں۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انسانی سیرت و کردار میں صبر و شکر کو بڑی اہمیت حاصل ہے، قرآن و سنت کی روشنی میں صبر و شکر انسانی اقدار کی منزل مقصود میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں اور حقیقی فلاح و بہبود کے حصول میں صبر و شکر کو ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔ سید الشہداء امام عالی مقام اور آپکے ساتھیوں نے واقعہ کربلا کے کٹھن اور دلدوز مراحل طے کرنے میں صبر و شکر کی عظمتوں کو بام عروج تک پہنچایا اور اس طویل سفر کی منزل میں ایک ایک قدم پر صبر و شکر کا وہ مظاہرہ کیا جسے اسلام کی تاریخ میں منفرد مقام اور بقائے دوام حاصل ہے۔

سیدنا امام حسین علیہ السلام نے وقت کے جابر حکمران کے سامنے کلمہ حق بلند کرتے ہوئے اعلانِ جہاد کیا تو جبر و استبداد اور مصائب و آلام کے پہاڑ آپ پر ٹوٹ پڑے۔ مدینہ طیبہ کے پاکیزہ شب و روز اور ایمان افروز حسین مناظر کو الوداع کہنا پڑا، قرب و جوار رسول ﷺ اور شفقت بتولؓ کے سائے سے جدائی کا صدمہ سہنا پڑا طویل و عریض مشقت آمیز سفر کی صعوبتوں سے دوچار ہونا پڑا، سرزمین کربلا میں پہنچ کر نفوس قدسیہ پر مشتمل جماعت کو دشمن کی بے شمار فوج کا سامنا کرنا پڑا، بھوک اور پیاس کی شدت سے گلشنِ نبوت کے تروتازہ پھول کملانے لگے، شدید گرمی کے موسم میں دشتِ کربلا کے ریگزاروں میں تمازتِ آفتاب کی شدت برداشت کرنا پڑی، خانوادۂ اہلبیت کے نونہالوں کو قدم قدم پر صبر آزما سنگین مراحل سے گزرنا پڑا مگر آغوشِ نبوت کے

تربیت یافتہ یہ نفوس قدسیہ عزم واستقامت کے جادۂ اعتدال پر قائم رہے اور صبر وشکر کی عظمتوں کا جھنڈا بلند رکھا، کسی تکلیف اور مصیبت پر نہ گھبرائے، کسی مصیبت کو خاطر میں نہ لائے اور کسی رکاوٹ کو اپنی راہ میں حائل نہ ہونے دیا۔ زبان پر شکر الٰہی کا ورد جاری تھا، مصائب وآلام کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور صبر ورضا کا عملی مظاہرہ جاری رکھا۔ صبر وشکر کی قرآنی تعلیمات اور اسوۂ نبوی میں صبر وشکر کے خدوخال درس کربلا کا عنوان تھے اور خانوادۂ نبوت کے جلیل القدر باہمت افراد ان کی عملی تفسیر تھے نہ کسی سے کوئی شکوہ نہ گلہ، نہ کسی سے ناراض اور خفا، نہ صعوبت اور پریشانی سے جبیں پر کوئی شکن اور نہ ظلم وستم کے جواب میں کوئی انتقامی انداز، پیاس کی شدت سے تڑپتے ہوئے شیر خوار کی بے بسی پر الحمدللہ، جلال وہیبت کبریا کی بے نیازی پر سبحان اللہ اور دشمنوں کی ایذارسانی پر ماشاءاللہ کے کلمات طیبات ورد زبان تھے۔ مصائب وآلام کی کثرت دردوالم کی شدت اور رنج وغم و مصیبت کے نازک ترین لمحات میں بھی صبر وشکر کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیا۔

سید الشہداء امام حسین علیہ السلام نے درس کربلا کی صورت میں قیامت تک آنے والے لوگوں کو صبر و شکر کی عظمتوں سے آگاہ کیا اور اس حقیقت کو نمایاں کیا کہ اہل ایمان رضائے الٰہی کی خاطر ہر مصیبت کو برداشت کریں اور ہر تکلیف کو گوارا کریں۔ درس کربلا صبر وشکر کی اہمیت کو اُجاگر کرتا ہے، صبر وشکر کے حصول کی تلقین کرتا ہے اور صبر وشکر کے پاکیزہ جذبات کو فروغ دینے کی ضرورت پر زور دیتا ہے۔ سید الشہداء امام حسین علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں نے اپنے کردار اور سیرت کے ذریعے اہل ایمان کو دعوت فکر دی ہے کہ وہ ہمیشہ صبر وشکر کے جذبات سے سرشار رہیں، راہ حق میں مصائب وآلام کی شدت سے نہ گھبرائیں، اپنے سچے موقف پر مضبوطی سے قائم رہیں اور میدان عمل کی جدوجہد میں برابر مصروف رہیں۔

شہدائے کربلا نے جس عزم واستقامت سے آزمائشوں کا مقابلہ کیا اور جس جذبۂ صبر وشکر سے مصائب کو برداشت کیا وہ حسنِ عمل کا قابل تقلید نمونہ ہے جس کو مدنظر رکھنے سے انسانی اقدار کو فروغ حاصل ہوتا ہے اور حقیقی فلاح و بہبود کی منزل قریب تر ہوتی ہے۔ درس کربلا میں صبر وشکر کے عنوان کی جو تفصیل وتشریح شہدائے کربلا نے پیش کی بلاشبہ لوح قلب پر نقش کرنے کے لائق اور عملی زندگی میں قدم قدم پر پیش نظر رکھنے کی مستحق ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں درس کربلا کے فیوض و برکات سے مالا مال فرمائے۔ آمِیـن وَ آخِـرُ دَعْـوَانَــا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

☆☆☆☆☆

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مشہور و معروف صحابیٔ رسول ہیں، علاقہ فارس میں پیدا ہونے کی وجہ سے آپ کو فارسی کہا جاتا ہے، آپ نے بڑی طویل عمر پائی، آپ کی مدت عمر کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، بعض کے مطابق آپ نے اڑھائی سو سال، بعض کے مطابق ساڑھے تین سو سال اور بعض کے مطابق آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ پایا اور نصرانیت قبول کرنے کے بعد زہد و عبادت اور ریاضت و مجاہدہ میں مشغول رہے۔ آپ نے بہت سے راہبوں اور پادریوں سے نصرانیت کی تعلیم حاصل کی، چونکہ آپ تورات اور انجیل کا تفصیلی مطالعہ رکھتے تھے اور ان میں پیغمبر آخر الزمان، حضور خاتم النبیین ﷺ کی تشریف آوری کا ذکر خیر اور آپ کے فضائل و کمالات و علامات و خصوصیات معلوم کر چکے تھے اس لئے آپ کا دل نصرانیت کے ساتھ قرار نہیں پکڑتا تھا۔ آپ پیغمبر اسلام کے ظہور کے انتظار میں بے قرار رہتے اور ہر وقت اس تلاش میں رہتے کہ کسی طرح اس آفتابِ رسالت اور ماہتابِ نبوت کی زیارت نصیب ہو، جنکی تشریف آوری کی بشارت وہ توراۃ و انجیل میں پڑھ چکے ہیں۔

طلب صادق ہو تو مطلوب تک پہنچنے کا راستہ نکل آتا ہے، آخر مقدر بیدار ہوا قسمت نے یاوری کی، اسباب پیدا ہوئے اور عرب کا ایک قبیلہ جس کے ہاں آپ غلام تھے، انہوں نے آپ کو بنو قریظہ کے یہودیوں کے ہاتھ بیچ ڈالا، اس طرح آپکو مدینہ منورہ میں حاضر ہونے اور حضور علیہ السلام کی زیارت کرنے کا موقع مل گیا۔ آپ بڑے شوق و اضطراب سے حاضر خدمت ہوئے اور آسمانی کتابوں کی بیان کردہ علامات کے مطابق صدقے کی کھجوروں کا ایک ٹوکرا ساتھ لائے، آپ نے حضور علیہ السلام کی علامات میں ایک علامت یہ بھی پڑھی تھی کہ آپ صدقے کا مال تناول نہیں فرمائیں گے جبکہ ہدیہ قبول کریں گے اور تناول بھی فرمائیں گے، ساتھ یہ علامت بھی جانتے تھے کہ آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی۔ جب حضرت سلمان فارسی نے صدقے کی کھجوریں پیش کیں تو آپ نے غریبوں میں تقسیم فرمادیں، خود انہیں تناول نہ فرمایا۔ دوسرے دن بطور تحفہ و ہدیہ کھجوریں لیکر آئے تو حضور نے قبول فرما کر انہیں تناول فرمایا اور صحابہ کرام میں تقسیم فرمادیں۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا دل مطمئن تو ہوگیا مگر آپ چاہتے تھے کہ مہر نبوت کی زیارت کریں

حضور علیہ السلام نے خود بخود مہرِ نبوت والی جگہ سے قمیص ہٹائی اور حضرت سلمان فارسی نے مہر نبوت کو چوم لیا آپ نے حضور کی بارگاہ میں سارا حال عرض کیا اور بنو قریظہ کے ہاں غلام ہونیکی مجبوری بیان فرمائی۔ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کیا وہ تمہیں کسی شرط پر آزاد کردیں گے؟ حضرت سلمان فارسی نے عرض کی یارسول اللہ یہودی کہتے ہیں کہ تم کھجور کے تین ہزار پودے لگاؤ، ان کی دیکھ بھال کرتے رہو، جب وہ نشو ونما پالیں تو تم آزاد ہو جاؤ گے ساتھ ہی وہ کچھ سونا بھی طلب کرتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کا دریائے رحمت جوش میں آ گیا، آپ بنو قریظہ کے ہاں تشریف لے گئے، اپنے دست مبارک سے کھجور کے تین ہزار پودے لگا دیئے جنھوں نے تیزی سے نشو ونما پائی، حضور علیہ السلام کی خدمت میں کہیں سے سونا بھی پیش کیا گیا تو وہ بھی آپ نے حضرت سلمان فارسی کو عطا کیا اور اس طرح آپ یہودیوں کی غلامی کی قید سے نکل کر پیغمبر آخر الزمان کے خوش نصیب، سعادت مند غلام بن گئے۔

؎ محمد کی غلامی ہے سند آزاد ہونیکی ...... خدا کے دامنِ توحید میں آباد ہونے کی

حضور علیہ السلام حضرت سلمان فارسی کے ساتھ محبت فرماتے تھے اور ان کا بہت خیال فرماتے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ سلمان فارسی ہمارے اہل بیت میں شامل ہے، حضور علیہ السلام نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جنت کو میرے تین صحابہ کا انتظار و اشتیاق ہے مقداد، سلمان اور عمار بن یاسر۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جن چار صحابہ کی محبت کا حکم مجھے دیا گیا ہے سلمان فارسی ان میں شامل ہیں۔ حضرت علی مرتضیٰ فرماتے تھے کہ رسول پاک ﷺ کے چودہ معتمد ساتھیوں میں حضرت سلمان فارسی شامل ہیں۔ حضرت سلمان فارسی نے دین اسلام کی بہت خدمات سرانجام دیں اور ہمیشہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر رہے۔ آپ کے مشورے سے مدینہ عالیہ کے آس پاس خندق کھودی گئی۔ حضرت سلمان فارسی ان مشہور صحابہ کرام میں نمایاں مقام رکھتے ہیں جنھوں نے حضور علیہ السلام کی احادیث کو روایت کیا۔ حضرت انس بن مالک اور حضرت ابو ہریرہ جیسے مشہور صحابی آپ سے حدیثیں روایت کرتے ہیں، صحابہ کے دور میں آپ سے فتویٰ حاصل کیا جاتا تھا اور آپ کا علمی مقام مسلّم تھا۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے سن پینتیس ہجری میں وصال فرمایا عراق کے دار الخلافہ بغداد شریف سے کچھ فاصلے پر آپ کا مزار پرانوار ہے اور وہ جگہ سلمان پاک کے نام سے مشہور ہے۔

☆☆☆☆☆

حضرت حبیب بن مظاہر رضی اللہ عنہ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡکَرِیۡم. بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّ حِیۡم.

وہ نفوسِ قدسیہ جنہوں نے رسول پاک ﷺ کے اہل بیت پاک کی امداد واعانت کیلئے دشت کربلا کے میدان میں قربانی پیش کی اوران کی محبت وعقیدت میں مصائب وآلام برداشت کئے، قرآن وحدیث کی تعلیمات کے مطابق زبردست خراجِ تحسین اوراجروثواب کے مستحق ہیں۔اہل بیت پاک کے یہ سچے، پکے، مخلص جاں نثار وہ خوش نصیب لوگ ہیں جنہوں نے ریگزارِ کربلا میں خونِ شہادت سے مہر ووفا اور صدق وصفا کے وہ نقوش ثبت کئے جو قیامت تک روشنی کا مینار بن کر قائم ودائم رہیں گے۔

حضرت حبیب بن مظاہر رضی اللہ عنہ ان بلند ہمت سعادتمند لوگوں میں امتیازی مقام رکھتے ہیں جو اہل بیت پاک کی محبت سے سرشار تھے، خاندان نبوت کے وفادار اور جاں نثار تھے، ان کی خوشنودی کے طلبگار تھے اور ان کے عشق میں یگانۂ روزگار تھے۔حضرت حبیب بن مظاہر رضی اللہ عنہ وقت کے بدترین ظالم وجابر، فاسق و فاجر کے ظلم وتشدد، جبروانتقام کو خاطر میں نہ لائے اور دنیا کے حرص ولالچ سے بے نیاز ہوکر پوری دلجمعی، استقامت اور جرأت وبہادری کے ساتھ اہل بیت نبوت کی امداد واعانت کیلئے میدانِ کارزار میں ڈٹ گئے۔
حضرت حبیب بن مظاہر سید الشہداء امام عالی مقام کے بالکل قریب فروکش تھے، ہرطرف مصائب وآلام کے پہاڑ نظر آرہے تھے، کئی دن سے بھوکا پیاسا ہونے کے باوجود بڑی ہمت، بہادری اور عزم واستقامت کے ساتھ جنگ کے لئے تیار تھے، آپ امام عالی مقام کے حکم کے منتظر تھے کہ وہ اشارہ فرمائیں تاکہ میں بہادری کے جوہر دکھا کر خدمت ورفاقت کا حق ادا کروں۔سید الشہداء نے یزیدی فوج سے کہا ہمیں زندگی کی آخری نماز ادا کرنے دو یہ سن کر ایک بدبخت نے کہا "اے حسین تمہاری نماز تو قبول نہ ہوگی" حضرت حبیب بن مظاہر نے فوراً گرج کر اسے ڈانٹ پلائی اور فرمایا "اے شرابی، ظالم، فاسق وفاجر تیرا کیا خیال ہے نواسۂ رسول، جگر گوشۂ بتول کی نماز قبول نہ ہوگی خبردار پھر ایسی بات نہ کرنا ورنہ تلوار سے تمہاری گردن اڑادوں گا" اس بات پر تلخ کلامی ہوئی اور ایک ہنگامہ کھڑا ہوگیا، دشمن کے لشکر میں سے حصین بن تمیم نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا کہ یہ لوگ نماز کی تیاری میں ہیں ان پر حملہ کرنا آسان ہے، بڑی تیزی سے آگے بڑھا اور اعلان کیئے بغیر حملہ کردیا۔حضرت حبیب بن مظاہر

رضی اللہ عنہ نے یہ صورت حال دیکھی تو بڑی جرأت و ثابت قدمی سے حصین بن تمیم پر تلوار کا اتنا سخت اور تند و تیز حملہ کیا کہ وہ گھوڑے کی زین سے نیچے آ گرا اور میدانِ جنگ میں شور برپا ہو گیا۔

یزیدی فوج کو یقین تھا کہ اگر حبیب بن مظاہر کو موقع مل گیا تو یہ پورے لشکر میں افراتفری پھیلا دیگا، بہتر ہے کہ ان پر ہر طرف سے مجموعی حملہ کیا جائے۔ اس موقعہ پر حضرت حبیب بن مظاہر نے جس جرأت و شجاعت کا مظاہرہ کیا وہ ان کی قوتِ ایمانی اور محبتِ اہل بیت کا زندۂ جاوید کارنامہ ہے۔ آپ نے دشمن کی جماعت کے مقابلے میں تن تنہا سینہ سپر ہو کر بہادرانہ اشعار پڑھے جن کا مفہوم یہ تھا ''اے دینِ اسلام کے دشمنو! تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میرا نام حبیب ہے اور میں مظاہر کا بیٹا ہوں، میں میدانِ جنگ کا بہادر شہسوار ہوں اور جنگ کی آگ بھڑکانا میرا کام ہے۔ یہ درست ہے کہ تم تعداد کے لحاظ سے زیادہ ہو مگر ہم صبر و وفا کے لحاظ سے بہت زیادہ ہیں، ہماری حقانیت اور صداقت کی دلیل ظاہر ہے اور ہم تقویٰ اور پرہیزگاری پر قائم ہیں'' یہ اشعار پڑھتے ہوئے آپ نے اس شدت اور برق رفتاری سے دشمن کی فوج پر حملہ کیا کہ ایک ہی حملے میں یزیدی فوج کے پینسٹھ سپاہیوں کو تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ آپ کے حملے کے وقت یزیدی فوج کی ابتری اور تزلزل کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ایک شیر نے بکریوں کے ریوڑ پر حملہ کر دیا ہو۔ حضرت حبیب بن مظاہر کے حملے کی شدت کو دیکھ کر دشمنوں نے ہر طرف سے آپ پر تیروں، تلواروں اور نیزوں کی بھرمار کر دی اور آپ زخموں کی شدت سے نڈھال ہو کر فرشِ زمین پر گر پڑے، یزیدی فوج کے سپاہی بدیل بن حریم نے اس حالت میں آپ پر تلوار سے حملہ کر دیا اور آپ نے جامِ شہادت نوش کیا۔

حضرت امام عالی مقام تیزی سے آپ کی لاش پر آ پہنچے اور ارشاد فرمایا ''لِلّٰهِ دَرُّکَ یَا حَبِیْبُ کُنْتَ فَاضِلاً تَخْتِمُ الْقُرْآنَ فِیْ لَیْلَةٍ وَاحِدَةٍ'' اے حبیب بن مظاہر اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے تم وہ عالم و فاضل تھے جو ایک رات میں پورا قرآن ختم کر لیتے تھے۔

حضرت حبیب بن مظاہر رضی اللہ عنہ نے امام عالی مقام کے زیرِ سایہ جامِ شہادت نوش کر کے محبت و رفاقتِ اہل بیت کی عظیم الشان مثال پیش کی۔ خاندانِ نبوت کی غلامی اور خدمت کا حق ادا کر دیا۔ دشتِ کربلا میں خونِ شہادت سے وہ درخشندہ و تابندہ نقوشِ وفا ثبت کیئے جو قیامت تک قائم و دائم رہیں گے اور حیاتِ دنیوی کا نذرانہ پیش کر کے دائمی اور ابدی حیاتِ اُخروی کا وہ مقام حاصل کیا جس کی عظمت پر قرآن و حدیث شاہد ہیں۔

☆☆☆☆☆

چھٹا باب...... حضرات اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم

حضرت غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ (سیرت وتعلیمات)

نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡکَرِیۡمِ، بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ.

حضرت غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اولیائے کرام اور بزرگان دین میں امتیازی شہرت ومقبولیت رکھتے ہیں۔ طریقت کے تمام سلسلوں کے اکابر مشائخ آپ کو اپنا پیشوا سمجھتے ہیں اور آپ کی برتری کو تسلیم کرتے ہیں۔ حضرت غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ عظیم الشان دینی خدمات کی بنا پر دنیائے اسلام میں محی الدین کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ اسلامی مکتب فکر کے تمام علماؤ مشائخ آپ کی اصلاحی جدوجہد اور تبلیغی کارناموں کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں اور دعوت الی اللہ کی عالمگیر مؤثر تحریک میں آپ کے کردار کی عظمت کا اعتراف کرتے ہیں۔ حضرت غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی اور روحانی کمالات کے پیش نظر امت مسلمہ کے جلیل القدر علماؤ مشائخ نے آپکی سیرت وتعلیمات کو قلمبند کرنے پر خاص توجہ دی۔ صرف عربی زبان میں سینکڑوں مستند کتابیں آپکی سیرت وکمالات پر مشتمل ہیں جنکے مصنفین میں امام قسطلانی، حافظ ابن حجر عسقلانی، امام عبداللہ یافعی، امام مجد الدین فیروز آبادی، علامہ ابوالحسن نورالدین شطنونی، علامہ عبدالغنی نابلسی، ملاعلی قاری اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہم جیسے نامور اکابر علماء شامل ہیں۔ عربی کے علاوہ فارسی، اردو اور دوسری زبانوں میں آپکی سیرت پر مشتمل متعدد تذکرے منظر عام پر آچکے ہیں۔

حضرت غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت یکم رمضان المبارک سن چار سو ستر ہجری بمقام جیل علاقہ فارس میں ہوئی۔ آپ کا سلسلہ نسب والد ماجد کی جانب سے امام حسن علیہ السلام تک اور والدہ ماجدہ کی جانب سے امام حسین علیہ السلام تک جا پہنچتا ہے۔ گھر پر ابتدائی تعلیم وتربیت حاصل کرنے کے بعد آپ نے علوم وفنون کی تکمیل کیلئے مدینۃ السلام بغداد کا رخ کیا اور مشہور ومعروف اکابر ماہرین علوم سے علم حاصل کیا۔

حضرت غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی فطری صلاحیت اور ذہنی استعداد نے اساتذہ کو بے حد متاثر کیا اور انہوں نے بھانپ لیا کہ علم وروحانیت کا یہ درخشندہ آفتاب اطراف عالم کو اپنی

شعاعوں سے منور کرنے والا ہے تھوڑے ہی عرصہ میں آپ نے علم وفن کی انتہائی کتابوں پر عبور حاصل کر لیا اور مسند درس وافتاء پر جلوہ افروز ہو کر تشنگانِ علم ومعرفت کی پیاس بجھانے میں مصروف ہو گئے ۔ حضرت غوث اعظم کے اساتذہ کرام مشکل علمی فتاویٰ آپ کی خدمت میں پیش کرتے اور تبرکاً علوم وفنون کی سند آپ سے حاصل کرتے ۔ آپ کی علمی شہرت ومقبولیت اس درجے کو پہنچی کہ مدرسہ کے وسیع صحن اور آس پاس گلیوں اور مکانوں میں طالبان علم ومعرفت کا بے پناہ ہجوم ہونے لگا ۔ بالآخر درس وتدریس کے ساتھ وعظ ونصیحت سننے والوں کا اس قدر جم غفیر ہوا کہ عموماً ستر ہزار سے زائد لوگ مجلس میں حاضر ہوتے ۔

حضرت غوثِ اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ وعظ فرماتے تو چار سو کاتب اسے قلمبند کرتے ، آپ کی آواز دور ونزدیک برابر پہنچتی اور سخت گرمی کے موسم میں بادل سایہ کیئے رہتا ۔ لوگ ہمہ تن گوش ہو کر آپکا وعظ سنتے ، کفر وشرک سے توبہ کرتے اور فسق وفجور سے باز آجاتے ۔ سیرت نگاروں اور مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دعوت الی اللہ کی مؤثر عالمگیر تحریک کو جس طرح آپ نے کامیابی سے ہمکنار کیا اس کی نظیر نہیں ملتی اور کرامات کی کثرت سے دین اسلام کو جو تقویت پہنچائی وہ آپ کی خصوصیت اور امتیاز ہے ۔

حضرت غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سلاطین اور حکام پر سختی سے تنقید فرماتے اور ان کی خامیوں کو برملا بیان فرماتے ۔ آپ کبھی کسی بادشاہ اور وزیر کے پاس چل کر نہ گئے اور نہ کسی بادشاہ اور وزیر کو ملاقات کا وقت دیا ، سلاطین اور حکام عوام الناس کے ہجوم میں آپ کی زیارت سے مشرف ہوتے اور آپ کے حکم کی تعمیل کرتے ۔ آپ نے طریقت کی تعلیم شیخ حماد دبّاس سے حاصل کی اور قاضی ابوسعید مبارک مخرمی سے خرقہ ، خلافت حاصل کیا ۔ تمام سیرت نگار اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت غوث اعظم نے پورے چالیس سال عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا کی ، پچیس سال عراق کے جنگلوں میں مجاہدہ کیا اور پندرہ سال کا طویل عرصہ ہر رات ختم قرآن کا معمول بنایا ۔ آپ کی سیرت وتعلیمات اتباع سنت کا عکس جمیل اور آپ کا حسنِ اخلاق خلق نبوت کا آئینہ دار تھا ۔ آپ سلاطین اور حکمرانوں سے استغنا فرماتے اور ان کی اصلاح وتادیب کرتے ، غریبوں اور مسکینوں کے ساتھ محبت فرماتے اور انہیں پاس بٹھاتے ، احکام شریعت کی خلاف ورزی پر سخت ناراض ہوتے اور اسلامی اقدار کی ترویج میں جدوجہد فرماتے ، آپ تفسیر وحدیث اور فقہ کا باقاعدہ درس دیتے اور تجوید وافتاء کا کام بھی سرانجام دیتے ۔

حضرت غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے طریقت کے مشہور سلسلہ قادریہ کی بنیاد

رکھی اور اسکے آداب وضوابط متعین فرمائے۔ آپ صداقت کی اہمیت کو خاص طور پر پیش نظر رکھتے اور حلقہ ءارادت میں داخل ہونے والوں کو سچائی پر قائم رہنے کی تاکید فرماتے۔ آپ فرماتے ہیں صادق وہ ہے جو اقوال میں سچا ہو اور صدیق وہ ہے جو اقوال، افعال اور احوال میں سچا ہو۔ صدق کی حقیقت یہ ہے کہ تم وہاں سچ بولو جہاں پر جھوٹ کے بغیر نجات نظر نہ آتی ہو۔ حضرت غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ حصول علم کے بارے میں تاکید فرماتے اور علم کے بغیر تصوف کو گمراہی کا موجب قرار دیتے آپ صرف سلسلہ قادریہ کے بانی اور پیشوا نہ تھے بلکہ طریقت کے تمام مشہور سلسلوں کے اکابر مشائخ نے آپ سے فیض حاصل کیا چنانچہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی، حضرت شیخ ابومدین مغربی اور حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند جیسے اکابر مشائخ نے آپ سے معرفت کی دولت حاصل کی۔

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ طریقت کے حاکم ہیں اور اولیائے کرام میں امتیازی شان رکھتے ہیں۔ امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظیم الشان روحانی طاقت تمام مشائخ طریقت کی مجموعی روحانی طاقت کے برابر ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ حضرت غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے تمام اولیائے کرام کو فیض پہنچتا ہے کیونکہ یہ مرکزی مقام آپکو حاصل ہے۔ شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی فرماتے ہیں کہ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بعد جذب وولایت میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا قدم سب سے زیادہ مضبوط ہے اور آپکو عالمگیر روحانی مقبولیت حاصل ہے۔ حضرت قاضی ثناءاللہ پانی پتی تفسیرِ مظہری میں رقمطراز ہیں کہ ائمہ اہل بیت کے بعد قطبیت کے مرکزی مقام پر صرف حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ فائز ہوئے اور یہ منصب قیامت تک آپ کے پاس رہے گا۔

آپ کی معرکۃ الآرا تصانیف اہل علم ومعرفت کے نزدیک خاص اہمیت رکھتی ہیں اور شریعت وطریقت کے آداب وضوابط کی معرفت میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ فتوح الغیب اور غنیۃ الطالبین کو ان میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ چند منظوم قصائد بھی آپکی طرف منسوب ہیں جن میں قصیدۂ غوثیہ کو خاص شہرت ومقبولیت حاصل ہے۔ آپ کے ملفوظات اور مواعظ حسنہ ایک خاص جلالی انداز رکھتے ہیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا انتہائی مؤثر اقدام قرار پاتے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں بندہ جب کسی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو پہلے خود اس سے نکلنے کی کوشش کرتا ہے پھر دوست واحباب، مال ودولت اور دوسرے ذرائع سے نجات حاصل کرنے کی جدو جہد کرتا ہے جب ہر طرف سے ناامید ہوتا ہے تو پھر اسے یقین کامل ہوتا ہے کہ موت وحیات، خیر وشر اور نفع وضرر کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

حضرت غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ایک مجلس وعظ میں یوں ارشاد فرماتے ہیں حرام کی روزی سے دل مردہ ہو جاتا ہے جبکہ رزق حلال دل کو زندگی عطا کرتا ہے۔ حرام کا لقمہ دل میں سیاہی پیدا کرتا ہے اور حلال کا لقمہ دل کو منور کرتا ہے۔ اے عزیز! دل اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اس میں غیر کو ہرگز نہ آنے دو۔ دنیا کی محبت کو دل سے نکال دو اور مخلوق کو کارساز سمجھنا چھوڑ دو، دنیا کو ہاتھ میں رکھنا جائز، جیب میں رکھنا جائز، اچھی نیت سے جمع کرنا بھی جائز مگر دل میں جگہ دینا جائز نہیں۔ حضرت غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ستر سال کا طویل عرصہ دینِ اسلام کی عظیم الشان خدمات سرانجام دیتے ہوئے گزارا، دنیائے اسلام کے گوشے گوشے میں شریعت وطریقت کے انوار کو پہنچایا، لاکھوں مردان باکمال کو دین اسلام کی خدمت پر مقرر فرمایا اور عالمگیر اسلامی تحریک کے ذریعے ایک عظیم انقلاب برپا کر دیا۔ گیارہ ربیع الثانی سن پانچ سو اکسٹھ ہجری نوے سال کی عمر میں شریعت کا یہ آفتاب اور طریقت کا یہ ماہتاب اہل عالم کی نگاہوں سے روپوش ہو گیا۔

صورت از بے صورتی آمد بروں ...... باز شد اِنَّآ اِلَیْهِ رَاجِعُوْن

تقریباً نو سو سال کا طویل عرصہ گزرنے کے بعد آج بھی دنیائے اسلام کے گوشے گوشے میں آپ کی شہرت ومقبولیت عروج پر ہے۔ ہر مہینے گیارھویں شریف کے نام سے آپ کا عرس منایا جاتا ہے اور ربیع الثانی کی گیارہ تاریخ کو بڑی گیارھویں شریف کے نام سے یہ تقریب خاص اہتمام سے منعقد کی جاتی ہے۔ مدینۃ السلام بغداد شریف میں آپ کی درگاہ مرجع خلائق ہے جہاں ہر وقت زائرین کا ہجوم رہتا ہے اور حسن عقیدت کے مناظر دیکھنے میں آتے ہیں۔ حضرت غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ پر ایک عظیم الشان جامع مسجد، ایک دینی درسگاہ اور ایک وسیع لنگر خانہ قائم ہے۔ درگاہ شریف سے متصل غوثیہ لائبریری میں ہزاروں نایاب کتابیں ہیں جن میں آپ کے بعض مخطوطات بھی شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بزرگان دین کے ساتھ سچی محبت وعقیدت عطا فرمائے۔ آمِیْن وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

☆☆☆☆☆

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ......سیرت وتعلیمات

حضرت سید ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ دین اسلام کی عظیم الشان خدمات اور اسلامی تعلیمات کی نشرواشاعت کے حوالے سے عالمگیر شہرت ومقبولیت رکھتے ہیں۔ساڑھے نوسوسال کا طویل عرصہ گزرنے کے باوجود آپ کا نامِ نامی اسمِ گرامی آج بھی قلوب واذہان میں مرکوز ہے۔رشدو ہدایت کا یہ چراغ سرزمینِ افغانستان کے شہرغزنی میں روشن ہوااوراپنی روشنی سے کفروشرک کے اندھیروں کوختم کردیا۔آپ کا سلسلہ نسب حضرت امام حسن علیہ السلام سے جاملتا ہےاورآپ حسنی سادات میں جلیل القدر،نامور شخصیت کے مالک ہیں۔

مشہورروایات کے مطابق آپ سن چارسوہجری میں پیداہوئےآپ کی ابتدائی تعلیم وتربیت علم وفن کے مرکزشہرغزنی میں ہوئی۔ذوقِ طلب اور بلندئ ہمت کے پیش نظرغزنی کے ماہرین فنون سے علم حاصل کرنے کے بعدآپ نے مزید علم ومعرفت کی طلب میں دوردراز علاقوں کا سفراختیارکیا۔آپ کے حالات زندگی سے پتا چلتا ہے کہ آپ نے اکثروبیشترعرصہ،حیات طلبِ علم،ریاضت،مجاہدہ اور بزرگوں کی صحبت ومعیت میں گزاردیا۔

آپ نے اپنے دور کے مشہور بزرگ حضرت شیخ ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی اورخرقۂ خلافت حاصل کیا۔آپ نے علم وفقرکی طلب میں عراق،شام،لبنان،آذربائیجان،خراسان کرمان، خوزستان،طبرستان،ترکستان اور ماوراءالنہرکا سفراختیارکیا۔علم وفن کے ساتھ ساتھ آپ نے ریاضت اورمجاہدے میں خوب دلچسپی لی اور مختلف بزرگانِ دین سے کسبِ فیض کیا،جن بزرگوں کی خدمت میں آپ حاضرہوئے اوران سے فیض حاصل کیاان میں آپ کے شیخِ طریقت کے علاوہ حضرت ابوالقاسم علی بن عبداللہ گورگانی،امام ابوالقاسم قشیری،حضرت سلطان ابوسعیدابوالخیراورشیخ احمد حمادسرخسی خاص شہرت واہمیت رکھتے ہیں۔علوم وفنون اور ریاضت ومجاہدہ کی تکمیل کے بعدآپ دین اسلام کی تبلیغ اورنشرواشاعت میں مصروف ہوگئے،آپ سے ہزاروں علماءومشائخ نے فیض حاصل کیااورلاکھوں کی تعدادمیں عوام الناس نے اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کادرس لیا۔

اسلامی تصوف اور طریقت میں آپ کی کتاب کشف المحجوب کو بڑی شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔آپ کی اس کتاب کے کئی زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں اور آپ کے بعد آنیوالے مختلف سلاسل کے تمام بزرگوں نے آپ کی اس کتاب کو زبردست اہمیت دی ہے۔اکثر و بیشتر بزرگوں کی تصانیف اور ملفوظات و مکتوبات میں کشف المحجوب کے حوالے پائے جاتے ہیں۔بزرگان دین میں حضرت شیخ فریدالدین عطار، حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی نے کشف المحجوب کی بہت تعریف وتوصیف کی ہے۔حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ کشف المحجوب مرشدِ کامل کے قائم مقام ہے اگر کسی کو شیخ کامل نہ مل سکے تو اس کتاب کے مطالعہ اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنے سے اسے مقصودِ حقیقی حاصل ہو جائے گا۔کشف المحجوب کے علاوہ آپ کی جن تصانیف کا تذکرہ کشف المحجوب میں ملتا ہے ان میں کتاب فنا و بقا، الرعایۃ بحقوق اللہ، کتاب البیان لاہل العیان منہاج الدین اور شرح کلام منصور حلاّج شامل ہیں۔

آپ کی تعلیمات میں ملفوظات کو خاص اہمیت حاصل ہے جن میں شریعت وطریقت کے بہت سے مسائل پائے جاتے ہیں۔حضرت علی ہجویری فرماتے ہیں انسان کے لئے علم ظاہری اور باطنی دونوں کا حصول ضروری ہے، علم سے بے نیاز ہو کر تصوف کا حصول سخت مشکل ہے، سالک وہ ہے جو تنگی اور خوشحالی ہر صورت میں احکامِ الٰہی پر عمل کرے اور کسی شیخ کامل سے بیعت کرے۔آپ خلوصِ نیت، عاجزی، تواضع اور خاموشی کے بارے میں تاکید فرماتے ہیں۔فقر وتصوف کے حصول کے لئے آپ سیر وسیاحت کو ضروری سمجھتے ہیں۔حضرت علی ہجویری کا فرمان ہے کہ دس چیزیں دس چیزوں کو کھا جاتی ہیں، توبہ گناہوں کو، جھوٹ رزق کو، غم عمر کو، غیبت نیک اعمال کو، صدقہ بلاؤں کو، غصہ عقل کو، پشیمانی سخاوت کو، تکبر علم کو، نیکی برائی کو اور عدل ظلم کو کھا جاتا ہے۔

بہت سے ممالک کی سیر وسیاحت کے بعد آپ نے پنجاب کے شہر لاہور کو اپنے قیام کے لئے منتخب فرمایا اور اس شہر کو داتا کی نگری کا اعزاز عطا فرمایا، لاہور میں آپ نے علومِ ظاہری و باطنی کا فیض عام جاری فرمایا اور تبلیغ وارشاد کی مسند پر بیٹھ کر تشنگانِ علم ومعرفت کی پیاس بجھائی، دین اسلام کی عظیم الشان خدمات سرانجام دینے اور

اسلامی تعلیمات کی عالمگیر نشر واشاعت کے بعد سن چار سو پینسٹھ ہجری میں شریعت کا یہ آفتاب اور طریقت کا یہ ماہتاب نگاہوں سے روپوش ہوگیا۔

سلطان الھند حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے مزار پر چلہ کیا اور آپ کی شان میں وہ شعر کہا جو آج تک اہل محبت کی زبان پر جاری وساری ہے۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نورِ خدا............ناقصاں راپیر کامل کاملاں رارہنما

آپ کے مزار اقدس پر ہر وقت خلقِ خدا کا ہجوم ہوتا ہے، تلاوت قرآن، درودوسلام، نعت خوانی اور وعظ وتبلیغ کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور روحانی بہار کا سماں معلوم ہوتا ہے۔ شاعر مشرق علامہ اقبال مرحوم نے آپ کی بارگاہ میں کچھ اس انداز سے خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

سید ہجویر مخدوم امم .... مرقد او پیر سنجر را حرم

خاک پنجاب از دم او زندہ گشت .... صبح ما از مہر او تابندہ گشت

☆☆☆☆☆

خواجۂ خواجگان غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ (فیچر پروگرام)

خواجۂ خواجگان سلطان الھند غریب نواز معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ ان بزرگان دین اور علمائے کاملین میں امتیازی شان رکھتے ہیں جنہوں نے دین اسلام کی عظیم الشان خدمات سرانجام دیں۔ سلسلہ چشتیہ کی یہ مایہ ناز شخصیت اشاعت اسلام اور تبلیغِ دین کا وہ روحانی مرکز تھی جس سے لاکھوں افراد نے ایمان کی دولت حاصل کی۔ آپ کی وسیع اصلاحی جدوجہد کی برکت سے برصغیر میں خانقاہی نظام نے جس نظم وضبط اور تسلسل سے اپنی افادیت اور اہمیت کو اجاگر کیا تاریخ اسلام کا ایک سنہری باب اور قابل فخر کارنامہ ہے۔ ساڑھے سات سو سال کا طویل عرصہ گزرنے کے باوجود دنیائے اسلام کا ایک وسیع خطہ آپ کے تبلیغی اور اصلاحی کارناموں کے انوار سے چمک رہا ہے اور اسلامی تہذیب وتمدن اور ثقافت کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتا ہے۔

خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت پانچ سو چھتیس ہجری میں ہوئی۔ مسلم تاجدار سلطان سنجر کے دور حکومت میں ولایت سیستان کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آپ کی ولادت اور ابتدائی تعلیم و تربیت اس سرزمین میں ہوئی۔ حسنی سادات کے اہل ثروت بزرگ خواجہ غیاث الدین رحمۃ اللہ علیہ کے کاشانۂ سعادت پر فقر و ولایت کا وہ چراغ روشن ہوا جسکی شعاعوں نے اطراف عالم کو منور کر دیا۔ خواجہ غریب نواز کے والد ماجد زہد و تقویٰ میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ نور بصیرت سے انہیں معلوم ہو گیا کہ یہ سعادتمند بچہ بڑا ہو کر اہل علم و عرفان کا پیشوا بنے گا اس لئے انہوں نے آپ کی تعلیم و تربیت اور تہذیب اخلاق پر خصوصی توجہ دی۔ صلاحیت اور استعداد کی دولت میسر ہو تو تعلیم و تربیت سونے پر سہاگے کا کام کرتی ہے۔ خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے بچپن ہی میں اپنے تابناک مستقبل کا نقشہ پیش کر کے والد گرامی کی خصوصی توجہات حاصل کیں۔

حصول علم کیلئے سکون و اطمینان کو ضروری خیال کرتے ہوئے آپ کے والد ماجد نے ملکی انتشار اور بدنظمی کے پیش نظر خراسان کی طرف ہجرت اختیار کی وہاں کے حالات بھی ناسازگار پائے تو کافی عرصہ سیر و سیاحت اور نقل مکانی کی صورت میں مختلف علاقوں کا سفر کرتے رہے۔ ظاہری حالات موافق نہ ہونے کے باوجود آپ نے اپنے نورِ نظر کی تعلیم و تربیت میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ یہی وجہ تھی کہ پندرہ سال کی مختصر عمر میں خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ علم و عمل کا مجسمہ بن گئے۔ غریب الوطنی اور حالات کی ناسازگاری کے ساتھ ساتھ خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ پندرہ سال کی عمر میں والد ماجد کے سایہ عاطفت سے محروم ہو گئے۔ اس ناقابل برداشت صدمے کے باوجود آپ عزم و استقامت کے جادۂ اعتدال پر قائم رہے۔ حصول علم کے انتہائی مدارج طے کرتے رہے اور تزکیہ نفس، ریاضت و مجاہدہ میں بدستور مشغول رہے۔ خانگی ذمہ داریوں کا بوجھ خندہ پیشانی سے اٹھایا اور حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی ادائیگی اور حفاظت میں پوری جدوجہد سے کام لیا گویا آپ نے سیرت و کردار کے ذریعے واضح کر دیا کہ باہمت انسان وہی ہے جو اس رزمگاہ حیات میں خیر و شر کی کشمکش میں مجاہدانہ زندگی بسر کرے۔

ظاہری اور باطنی علوم کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کیلئے آپ نے سمرقند اور بخارا کا سفر اختیار کیا اور علم و فن کے ماہر اساتذہ سے فیض حاصل کیا۔ خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے حصول علم کی خاطر بے پناہ صعوبتیں برداشت

کیں اور یہ ثابت کر دکھایا کہ معرفت الٰہی کیلئے علم کا حصول نہایت ضروری ہے۔ وقت کے جلیل القدر اہل علم وفن آپ کے اخلاق، تقویٰ، سادگی اور ذوق طلب سے متأثر ہوتے اور آپ کی تعلیم وتربیت پر خاص توجہ دیتے۔ اپنے اخلاص اور صدق کی برکت سے اساتذہ کرام کی دعاؤں اور شفقتوں سے خواجہ غریب نواز نے علوم وفنون میں وہ مقام پیدا کیا جس کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے زبان نبوت سے ارشاد ہوا ''عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ'' میری امت کے علمائے کاملین بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی طرح ہیں۔

زہد وتقویٰ کا معیارِ کمال حاصل کرنے کے بعد خواجہ غریب نواز، مرشد طریقت کی تلاش میں سفر کرنے لگے، مقدر بیدار ہو، طلب صادق ہو، جدوجہد مکمل ہو تو مقصود حاصل ہونے کے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں۔ دور دراز سفر طے کرتے ہوئے خواجہ غریب نواز نیشاپور کے قریب موضع ہرون میں پہنچے یہاں ایک مرد قلندر، باکمال درویش فقر وولایت کی امانت لئے ہوئے تھا یہ خواجہ عثمان ہرونی رحمۃ اللہ علیہ تھے جو ایسے طالب صادق کی انتظار میں تھے جو اُن کے فیضان کا متحمل ہو سکے۔ خواجہ غریب نواز بصیرت سے جان گئے کہ گوہر مقصود ہاتھ آنے والا ہے۔ نہایت عقیدت اور محبت سے حاضر خدمت ہوئے اور بیعت کیلئے درخواست کی۔ آپ کا جذبہ شوق کارگر ثابت ہوا، حسن طلب کامیابی سے ہمکنار ہوا اور عرصہ دراز کی تمنا پوری ہوگئی۔ حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا دو رکعت نفل ادا کرو، ایک مرتبہ سورہ بقرہ پڑھو، ساٹھ مرتبہ سبحان اللہ کہو، ایک ہزار بار سورہ اخلاص پڑھو۔ پھر فرمایا اے معین الدین نگاہ اٹھا کر دیکھو کہاں پڑتی ہے۔ عرض کیا عرش معلّٰی تک، فرمایا نیچے نگاہ ڈالو پھر بتاؤ کیا دیکھتے ہو عرض کیا تحت الثریٰ۔ پھر کچھ دیر مراقبہ کرایا خصوصی توجہ فرمائی اور ارشاد فرمایا اب آنکھیں کھول دو اور بتاؤ کیا نظر آتا ہے عرض کیا اٹھارہ ہزار جہان دیکھ رہا ہوں۔ مرشد طریقت خوش ہوئے اور ارشاد فرمایا الحمدللہ تمہارا کام مکمل ہوگیا، خلق خدا کی خدمت کرو، لوگوں کو رشد وہدایت کا فیض پہنچاؤ اور دین اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام دو۔ مرشد طریقت کی خدمت میں کافی عرصہ رہ کر ان کے حکم کے مطابق اسلام کی تبلیغ کیلئے آپ نے سرزمین ہند کا رُخ کیا راستے میں مدینۃ السلام بغداد میں وارد ہوئے اور حضرت غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے فیض حاصل کیا، شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر کئی مشہور

بزرگوں سے ملاقات کی اور دور دراز سفر کرنے کے بعد سرزمین ہند کو اپنی تبلیغی اور روحانی جدو جہد کیلئے منتخب فرمایا۔ پورے ہندوستان میں عموماً اجمیر اور اسکے گرد ونواح میں خصوصاً کفر وشرک کی ظلمت چھائی ہوئی تھی۔ اجمیر اس وقت راجپوت طاقت وحکومت اور ہندو مذہب کا بڑا مرکز تھا اس لئے آپ نے یہاں قیام کو ترجیح دی۔ آپ نے ہندوستان کے قلب اور قدیم ہند کے عظیم سیاسی مرکز کو اپنی تبلیغی جدو جہد کیلئے منتخب کر کے اپنی اولوالعزمی اور بلند ہمتی کا ثبوت دیا۔ خواجہ غریب نوازؒ کے استقلال اور توکل نے اسی خطے کو دارالاسلام بنادیا جو ہزاروں سال سے توحید کی صدائے دلنواز سے بیگانہ تھا، یہاں علومِ اسلامیہ کے محافظ اور امین پیدا ہوئے اس کی فضائیں اذانوں سے اور دشت وجبل اللہ اکبر کی صداؤں سے گونج اٹھے۔ اسی خطہ ارض سے وہ علمائے مبلغین پیدا ہوئے جن کے پُر تاثیر وعظ ونصیحت سے پتھر کی طرح سخت دل موم بن جاتے اور کفر وشرک کی تاریکی اسلام کے نور سے تبدیل ہو جاتی۔ اجمیر اور گردونواح کے ظالم حاکم رائے پتھورا کو معلوم ہوا کہ ایک مردِ درویش دلوں کی دنیا پر حکومت کرنے کا سوچ رہا ہے تو اس نے انتقامی کاروائی کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش میں بعض مسلمانوں کو اذیت پہنچائی۔ خواجہ غریب نواز کو معلوم ہوا تو جلال میں آکر ارشاد فرمایا ہم نے رائے پتھورا کو زندہ پکڑ کر لشکرِ اسلام کے حوالے کر دیا ہے جس طرح آپ نے فرمایا اسی طرح ہوا اور رائے پتھورا شہاب الدین محمد غوری کے لشکر کا مقابلہ کرتے ہوئے گرفتار ہو گیا۔

آپ نے پورے اہتمام اور ضبط وتنظیم کے ساتھ تبلیغ دین کا فریضہ سرانجام دینے کیلئے جو کوششیں کیں ہندوستان کی تاریخ پر اسکا گہرا اثر پڑا، طاغوتی طاقتوں کی مخالفت اور بے شمار رکاوٹوں کے باوجود خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان کے گوشے گوشے میں توحید ورسالت کا پیغام پہنچایا اور اسلام کی تعلیمات کو عام کر دیا۔ آپ کی تبلیغی کامیابی میں حسنِ اخلاق، مروت، ایثار اور ہمدردی کا گہرا دخل تھا۔ آپ خلق خدا کے ساتھ شفقت اور محبت کا سلوک کرتے، ظلم وستم برداشت کر کے عدل وانصاف فرماتے، سختی کا جواب نرمی سے دیتے، بدخواہوں کے ساتھ خیر خواہی فرماتے، غریبوں اور مسکینوں کے ساتھ تعاون کرتے، بھوکوں کو کھانا کھلاتے، پیاسوں کی پیاس بجھاتے، دردمندوں کو سہارا دیتے، کمزوروں کی مدد فرماتے، ظالموں کے خلاف آواز بلند کرتے اور سرکشوں کے ساتھ ٹکر لیتے۔ آپ ہمیشہ خلق خدا کی دلجوئی فرماتے ان کی خوشی سے خوش ہوتے اور ان کی تکلیف سے پریشان

ہوتے اسی ہمدردی غریب نوازی اور غریب پروری کی وجہ سے دنیا میں غریب نواز کے لقب سے مشہور ہوئے۔

خلق خدا سے ہمدردی اور ایثار کا اس سے بڑھ کر کیا اظہار ہوسکتا ہے کہ مرشد طریقت خواجہ عثمان ہرونی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رات آپ سے ارشاد فرمایا اے معین الدین صبح سویرے جب ہمارے حجرے کا دروازہ کھلے تو تم ہمارے سامنے آجانا وہ رحمت خداوندی کا خاص وقت ہوگا اور ہماری دعا سے تم جہنم کے عذاب سے محفوظ رہو گے، مگر یاد رکھنا یہ بات پردۂ راز میں رہے اور کسی کو بھی معلوم نہ ہو ورنہ تمہاری سلامتی خطرے میں پڑ جائیگی۔ خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے دل میں سوچا اگر صبح سویرے دوسرے لوگ بھی اس سعادت سے مشرف ہو جائیں تو کتنی اچھی بات ہوگی، راتوں رات گرد و نواح میں اطلاع کردی اور لوگ یہ سعادت حاصل کرنے کیلئے جوق در جوق آنے لگے صبح سویرے جب حجرے کا دروازہ کھلا تو خواجہ عثمان ہرونی لوگوں کا عظیم اجتماع دیکھ کر حیران رہ گئے۔ مرشد طریقت نے جلال اور ملال کے لہجے میں فرمایا اے معین الدین یہ تم نے کیا کردیا کہ اتنے لوگوں کو جمع کردیا، عرض کیا حضرت میں نے سوچا کہ اگر اتنے لوگ اس سعادت سے مشرف ہوں اور انہیں فائدہ پہنچ جائے تو میرے لئے یہی عمل باعث نجات بن جائیگا۔ مرشد طریقت نے فرمایا اے معین الدین کیا تمہیں اپنی جان کی سلامتی عزیز نہیں تھی؟ کہ اتنی جرأت کرلی، عرض کیا حضرت اگر اتنی جانیں جہنم کے عذاب سے بچ جائیں اور ایک میری جان خطرے میں پڑ جائے تو کیا حرج ہے۔ مرشد طریقت نے یہ جواب سن کر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے گلے سے لگایا اور فرمایا بس میں یہی جذبہ دیکھنا چاہتا تھا جس کا تم نے اظہار کردیا۔

خلق خدا کی دلجوئی اور دردمندوں کی حوصلہ افزائی اس سے بڑھ کر کیا ہوسکتی ہے کہ اجمیر شریف میں ایک شخص حاضر ہو کر زار و قطار روتا ہے، گریہ وزاری کرتا ہے۔ خواجہ غریب نواز فرماتے ہیں کیا پریشانی ہے کیا تکلیف ہے وہ شخص عرض کرتا ہے غریب نواز مظلوم ہوں۔ اپنے نیک سیرت مرید خواجہ بختیار کاکی کے نام مکتوب لکھ دیں کہ دہلی کے حاکم سے وہ میری سفارش کردیں۔ یہ کہہ کر وہ شخص پھر رونے لگ جاتا ہے۔ خواجہ غریب نواز خاموشی سے اس کی حالت دیکھتے رہے پھر فرمایا چلو ہم بھی تمہارے ساتھ چلتے ہیں۔ دور دراز سفر طے کرکے آپ دہلی کے قریب آپہنچے تو حضرت قطب الدین بختیار کاکی استقبال کیلئے حاضر ہوئے، جب آپ کی تشریف آوری کی وجہ معلوم ہوئی تو عرض کیا حضرت آپ کا ارشاد کافی تھا اسقدر تکلیف کیوں برداشت فرمائی۔ آپ نے فرمایا یہ تو مجھے

یقین ہے کہ اس غریب کا کام ہو جاتا مگر شکستہ دل، دردمند کے ساتھ چل کر آنے میں مجھے سکون ملا ہے اور اس کی اس طرح دلجوئی سے مجھے حقیقی راحت نصیب ہوئی ہے۔

خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اعظم حضرت قطب الدین بختیار کا کی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے ملفوظات کا ایک مجموعہ ترتیب دیا ہے جس کا نام ''دلیل العارفین'' ہے۔ آپ کے ارشادات شریعت اور طریقت کے طلبگاروں کیلئے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ آپ کی سیرت، اخلاق اور تعلیمات کا عکس جمیل آپ کے ملفوظات ہیں جنہیں مدنظر رکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ شریعت و طریقت کے آداب اور خلق خدا کی اصلاح اور تربیت میں آپ کا کیا مقام تھا۔ رشد و ہدایت پھیلانے کیلئے کن عوامل کی ضرورت ہوتی ہے، تبلیغ کی افادیت اور اثرات کو وسیع کرنے کیلئے کیا اقدامات کرنے پڑتے ہیں اور ایک عظیم الشان مبلغ کن اوصاف سے موصوف ہوتا ہے۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ جس شخص میں دریا کی طرح سخاوت، سورج کی طرح شفقت اور زمین کی طرح عاجزی ہو وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کا دوست ہوتا ہے۔ سچے عاشق کا دل محبت کا آتش کدہ ہے جس میں ذات حق کے سوا سب کچھ جل کر راکھ ہو جاتا ہے۔ ثابت قدم مرید وہ ہوتا ہے کہ بائیں کندھے پر مقرر نامۂ اعمال لکھنے والا فرشتہ بیس سال انتظار میں بیٹھا رہے مگر اس سے گناہ سرزد نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں جو ایک لمحے کیلئے اگر یادِ الٰہی سے غافل ہو جائیں تو نیست و نابود ہو جائیں۔ نیک کام کرنے سے نیک لوگوں کی صحبت زیادہ مفید ہے اور برے کام کرنے سے برے لوگوں کی صحبت زیادہ نقصان دہ ہے۔ انسان درویش کہلانے کا مستحق اس وقت ہوتا ہے جب عالم فانی کی کوئی علامت اس میں باقی نہ رہ جائے۔ عارف وہ ہوتا ہے جو سکوت اختیار کرے اور خالق کی طرف راغب رہے۔

خواجہ غریب نواز فرماتے ہیں انسان کو گناہ اس قدر نقصان نہیں پہنچاتا جس قدر کسی دوسرے مسلمان کی بے حرمتی اور تحقیر۔ جس نے کوئی نعمت پائی سخاوت کی بدولت پائی۔ بدبختی کی علامت یہ ہے کہ انسان گناہوں سے باز نہ آئے اور یہ امید بھی رکھے کہ میں مقبول خدا بن جاؤں گا۔ عارف وہ شخص ہوتا ہے جس کے دل میں حقیقی محبوب کے سوا کسی چیز کی گنجائش نہ ہو۔ سچا درویش وہ ہے جو لوگوں کے کام آئے اور کسی کو بھی خالی نہ لوٹائے۔ دنیا میں اچھی ساعت وہ ہے کہ جس میں چند درویش محبت کے ساتھ ملکر بیٹھیں اور بری ساعت وہ ہے کہ جس میں

وہ ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار کرلیں حقیقی متوکل وہ شخص ہے جو مخلوق کی تکلیف اور اذیت کو برداشت کرے اور کسی کے سامنے شکوہ نہ کرے معرفت کی علامت یہ ہے کہ انسان حیرت سے ہمکنار رہو۔

خواجہ غریب نواز فرماتے ہیں اللہ والوں کی علامت یہ ہے کہ موت کو دوست رکھتے ہیں اور انہیں یادِ الٰہی کے سوا کسی چیز سے سکون حاصل نہیں ہوتا۔ انسان کیلئے بہترین وقت وہ ہے جبکہ اسکا دل مطمئن ہو۔ دنیا میں حق تعالیٰ کا دیدار یہی ہے کہ اس کی تجلیات کا عکس بندے پر پڑے۔ عالم غیب سے بندے کیلئے جو کچھ ظاہر ہو اس کی بہتری اسی میں ہے۔ بندے کو چاہیے کہ وہ مصائب اور تکالیف سے نہ گھبرائے اور مطمئن رہے اس کیلئے یہی کافی ہے کہ سب کچھ خالق و مالک کی طرف سے آرہا ہے۔ آپ شریعت کے آداب کی پابندی کو لازم قرار دیتے اور شریعت کی خلاف ورزی پر ناراضگی کا اظہار کرتے۔

یوں تو آپ سے لاکھوں افراد نے فیض حاصل کیا مگر کچھ خوش نصیب وہ تھے جنہوں نے آپ کے فیضان ولایت سے مالا مال ہو کر دنیا کے گوشے گوشے میں اسلام کو پھیلایا اور سلسلہ چشتیہ کی اشاعت میں سرگرم عمل رہے۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اور حضرت خواجہ حمید الدین ناگوری آپ کے خلفاء میں خاص شہرت اور مقبولیت رکھتے ہیں۔ یہ حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا فیضان ولایت ہے کہ سرزمین ہند میں جگہ جگہ اسلام کے مراکز قائم ہوئے، دینی مدارس اور خانقاہیں تعمیر ہوئیں، علماء اور صوفیا پیدا ہوئے اور اس وسیع خطّہ ارض میں اسلام کا بول بالا ہوا۔ حضرت فرید الدین گنج شکر، حضرت نظام الدین اولیاء، حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی، حضرت خواجہ نور محمد مہاروی، حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی، حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی اور حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی جیسے اکابر اسی سلسلہ سے وابستہ ہیں جس کی بنیاد خواجہ غریب نواز نے ڈالی تھی۔

چھ رجب سن چھ سو تینتیس میں یہ آفتاب شریعت اور ماہتاب طریقت اہل عالم کی نگاہوں سے روپوش ہو گیا۔ وصال کے وقت پیشانی پر یہ غیبی تحریر ظاہر ہوئی ''حَبِیْبُ اللّٰہِ مَاتَ فِیْ حُبِّ اللّٰہِ'' اللہ کے دوست کا اللہ کی محبت میں وصال ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بزرگان دین کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

☆☆☆☆☆

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ– بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ.

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ ان اولیائے کاملین اور بزرگان دین میں امتیازی شان رکھتے ہیں جنہوں نے اپنی پوری زندگی یادِ الٰہی، تبلیغِ اسلام اور خلق خدا کی اصلاح و تربیت کیلئے وقف کر دی۔ آپ سلسلہ چشتیہ کے جلیل القدر مشائخ میں نمایاں شہرت و مقبولیت رکھتے ہیں اور آپ کے فیضانِ رشد و ہدایت سے لاکھوں افراد نے معرفت الٰہی کی دولت حاصل کی۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کا سلسلہ نسب خلیفہ ثانی امیر المؤمنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔ بچپن ہی سے سعادت مندی کے آثار آپ کے چہرے سے نمایاں تھے آپ نے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد تیرہ سال کی عمر میں علوم و فنون کے مرکز ملتان کا رخ کیا آپ نے ملتان میں مولانا منہاج الدین ترمذی کی مسجد میں قیام فرمایا۔ اسی مسجد میں ایک دن آپ فقہ کی کتاب نافع کا مطالعہ کر رہے تھے کہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے انہوں نے آپ سے پوچھا کیا پڑھ رہے ہو عرض کیا نافع۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکی نے فرمایا تمہیں ضرور اس سے نفع پہنچے گا، آپ نے عرض کیا جناب مجھے تو آپ کی نظر کرم سے نفع پہنچے گا۔ آپ پانچ سال تک ملتان میں تعلیم حاصل کرتے رہے پھر دہلی جا کر حضرت قطب الدین بختیار کاکی سے بیعت ہوئے۔

حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری رحمۃ اللہ علیہ دہلی تشریف لائے تو مرشد طریقت نے آپکو دعا کیلئے ان کی خدمت میں پیش کیا حضرت خواجہ غریب نواز نے آپکو دیکھ کر حضرت خواجہ قطب الدین سے فرمایا اے بختیار، تمہاری گرفت میں تو وہ شہباز آیا ہے جو سدرۃ المنتہیٰ کے بغیر قرار نہیں پکڑے گا۔ علوم و فنون سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے حرمین شریفین کی زیارت کیلئے سفر کیا اور بہت سے اولیائے کاملین کے ساتھ آپ کی ملاقات ہوئی وطن واپس پہنچ کر پہلے والدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے پھر دہلی میں شیخ طریقت کی خدمت میں رہ کر مجاہدہ اور مراقبہ میں مشغول ہو گئے۔ مرشدِ طریقت کی اجازت سے بالآخر آپ نے قصبہ اجودھن میں جسے پاکپتن کہا جاتا ہے قیام فرمایا۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ اجودھن کے لوگ بدعقیدہ، سخت مزاج اور درویشوں کے منکر تھے شہر کے باشندوں پر جادوگروں اور جوگیوں کا تسلط تھا۔ آپ کی تشریف آوری سے یہاں کے حالات

بدل گئے، لوگ آپ کی زیارت کیلئے آتے، مسائل دریافت کرتے اور آپ کی بارگاہ سے سکون واطمینان کی دولت حاصل کرتے، آپ لوگوں کی کثرت اور شہرت کی وجہ سے سفر پر آمادہ ہوئے مگر مرشد طریقت نے خواب میں تاکید فرمائی کہ یہاں پر ہی قیام کریں۔ اب حضرت بابا فرید الدین گنج شکر نے پوری دلجمعی سے پاکپتن کو تبلیغ اسلام اور احیائے تصوف کا مرکز بنایا، ہزاروں صوفیا، علماء، درویش آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور علوم ظاہری و باطنی کی دولت سے مالا مال ہوتے۔ آپ کی تبلیغ کے اثرات صرف پنجاب اور شمالی ہند تک محدود نہ رہے بلکہ دوسرے مما لک میں بھی تیزی سے پھیلنے لگے۔

تاریخ مشائخ چشت میں ہے کہ حضرت بابا صاحب نے اپنی روحانی عظمت، کردار کی بلندی اور خلق خدا کی خیر خواہی کی وجہ سے سلسلہ چشتیہ کی شہرت کو چار چاند لگا دیئے۔ آپ کے نظام تربیت کی جامعیت کے پیش نظر آپ کے خلفاء و مریدین کا ایسا طبقہ تیار ہو گیا جس نے ملک کے گوشے گوشے میں علم و تصوف کے مرکز قائم کر دیئے اسلامی مما لک میں آپ کی شہرت پہنچی تو بہت سے اہل کمال نے ذوق طلب میں آپ کی خانقاہ کا رخ کیا چنانچہ نیشاپور سے محمد شاہ، کرمان سے سید محمد، اصفہان سے شیخ فخر الدین، سیتان سے شیخ احمد، سمرقند سے شیخ رکن الدین، کابل سے شیخ حسام الدین اور مکہ شریف سے شیخ علی جیسے بزرگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مشہور سیاح ابن بطوطہ جب اسکندریہ کے مرجع خلائق بزرگ حضرت برہان الدین اعرج کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے فرمایا اگر ہندوستان میں شیخ فرید الدین مسعود سے ملاقات ہو تو انہیں میرا اسلام کہنا۔

فرقہ قرامطہ جو اسلامی مما لک میں فتنے کا جال بچھا رہا تھا آپ کی بدولت لوگ اس کے گمراہ کن اثرات اور الحاد کے طوفان سے محفوظ رہے۔ آپ کے ہاں ہر وقت خلق خدا کا ہجوم ہوتا مختلف اقوام اور قبائل کے لوگ آپ سے بیعت کرتے اور باطل عقائد و نظریات سے تائب ہوتے، آپ سے فیض حاصل کرنے والے درویش جب اپنے اپنے علاقوں میں پہنچتے تو وہاں ایک روحانی انقلاب برپا کر دیتے۔ آپ اپنے مریدین کو خوف خدا، تقویٰ تبلیغ دین اور زہد و قناعت کی تاکید فرماتے آپ ہر مرید سے یہ عہد لیتے کہ وہ احکام شریعت کا پابند رہے گا جب آپ کسی کو خرقہ خلافت عطا کرتے تو یہ آیت تلاوت فرماتے "وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذَالِکَ خَیْرٌ . وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ"

یوں تو آپ سے لاکھوں افراد نے رشد و ہدایت کے انوار حاصل کیے مگر کچھ ایسے خوش نصیب حضرات تھے جنہوں نے آپ سے خرقہ خلافت حاصل کیا اور اطراف عالم میں دین اسلام کے انوار و تجلیات کو پھیلا کر عظیم انقلاب برپا کر دیا۔ آپ کے خلفاء میں سے جن حضرات کو زیادہ شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی ان میں حضرت

نظام الدین اولیاء، حضرت مخدوم علاؤالدین صابر کلیری، حضرت شیخ نجیب الدین متوکل، حضرت مولانا بدرالدین اسحاق، حضرت جمال الدین ہانسوی اور حضرت مولانا فخرالدین اصفہانی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ حضرت بابا فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ سماع کا خاص ذوق رکھتے تھے اور بسا اوقات اس کا اظہار بھی فرماتے حضرت نظام الدین اولیاء سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ باباصاحب اپنے حجرۂ عبادت میں تھے آپ پر ذوق وشوق کی عجیب کیفیت طاری تھی آپ زاروقطار رو رہے تھے کبھی قیام فرماتے، کبھی سجدہ ریز ہوتے اور کبھی وجد کی حالت میں یہ رباعی پڑھتے۔

خواہم کہ ہمیشہ در ہوائے تو زیم خاکے شوم و بزیر پائے تو زیم
مقصود من بندہ ز کونین توئی از بہر تو میرم واز برائے تو زیم

آپ سے پوچھا گیا کچھ لوگ سماع کے بارے میں اختلاف رکھتے ہیں، فرمایا تعجب ہے کہ ایک تو آتش عشق سے جل کر خاکستر ہو گیا اور دوسرا ابھی اختلاف میں ہے۔

حکام اور سلاطین سے استغنا آپ کا طریقہ تھا ایک مرتبہ سلطان غیاث الدین بلبن کو سفارشی خط بھیجا تو لکھا "رَفَعْتُ قَضِيَّتَهُ اوّلًا اِلٰى اللّٰهِ ثُمَّ اِلَيْکَ فَاِنْ اَعْطَيْتَهُ شَيْئًا فَا لْمُعْطِيْ هُوَ اللّٰهُ وَاَنْتَ الْمَشْكُوْرُ وَاِنْ لَمْ تُعْطِهِ شَيْئًا فَالْمَانِعُ هُوَاللّٰهُ وَاَنْتَ الْمَعْذُوْرُ" میں اس شخص کا معاملہ پہلے اللہ تعالی کی بارگاہ میں پیش کرتا ہوں اور پھر تمہارے پاس اگر تم نے اسے کچھ دیدیا تو حقیقت میں دینے والا اللہ تعالی ہے اور تم شکریہ کے مستحق ہو گے اور اگر تم نے اسے کچھ نہ دیا تو روکنے والا درحقیقت اللہ تعالی ہے اور تم معذور ہو۔ حضرت باباصاحب اپنے مریدین کو امراء کی صحبت سے منع فرماتے آپ کا ارشاد ہے کہ جو درویش بادشاہوں سے مراسم رکھتا ہے اس کی عاقبت خطرے میں ہوتی ہے، آپ خلق خدا سے بھلائی اور ہمدردی کی تاکید فرماتے اور اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی کمال درجے کا حسن سلوک اختیار فرماتے۔ آپ حقیقی عشق ومحبت کو عطیہ ربانی قرار دیتے اور جب کسی منظور نظر کو دعا فرماتے تو ارشاد فرماتے اللہ تعالی دردِ محبت عطا فرمائے آپ پھٹا پرانا لباس پسند فرماتے اور اپنے مریدوں کو سادگی کی تلقین فرماتے ایک مرتبہ خادم نے آپ کا پرانا لباس دیکھ کر نیا لباس پیش کیا آپ نے اس کی دلجوئی کے لیے پہن لیا مگر تھوڑی دیر کے بعد اتار کر فرمایا جو ذوق اور کیف مجھے پرانے لباس میں محسوس ہوتا تھا نئے لباس میں نہیں پایا جاتا۔

حضرت بابا فریدالدین گنج شکر اکثر روزے سے رہتے اور شربت کے ایک پیالے سے افطار کرتے

آخری عمر میں آپ اس قدر کمزور ہو گئے تھے کہ اٹھنا بیٹھنا مشکل ہو گیا تھا، ایک مرتبہ آپ عصا کا سہارا لیکر اٹھنے لگے تو چیخ مار کر گر پڑے اور بے ہوش ہو گئے بعد میں آپ سے پوچھا گیا تو فرمایا جب میں عصا کا سہارا لینے لگا تو عالم غیب سے آواز آئی فرید! ساری زندگی تو تم نے ہمارے سہارے پر گزاری اب عصا کا سہارا لیتے ہو۔

حضرت نظام الدین اولیاء کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں چار باتوں کے بارے میں سات سو بزرگوں سے پوچھا گیا تو انہوں نے ایک جیسا جواب دیا وہ چار باتیں یہ ہیں سب سے بڑا عقلمند وہ ہے جو گناہوں کو چھوڑ دے، سب سے زیادہ دانا وہ ہے جو کسی چیز کے دھوکے میں نہ پڑے، سب سے زیادہ غنی وہ ہے جو قناعت اختیار کرے اور سب سے زیادہ محتاج وہ ہے جو قناعت کو چھوڑ دے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ کچھ پاس ہو تو غم نہیں اور اگر کچھ پاس نہ ہو پھر بھی غم نہیں، نامرادی کا دن مردان خدا کے لئے شب معراج ہے درویش لباس کو کفن سمجھ کر پہنتا ہے، گفتگو سے دل پر حجاب آ جاتا ہے اس لئے اپنے کلام کی ابتداء اور انتہا کو دیکھو اگر اللہ تعالی کی رضا کے لئے ہے تو بولو ورنہ خاموش رہو. حضرت بابا صاحب علماء اور فقراء کے ساتھ خاص محبت فرماتے آپ کا فرمان ہے کہ علماء اشرف الناس ہیں اور فقراء اشرف الاشراف ہیں، فقیر علماء میں ایسے ہوتے ہیں جیسے ستاروں میں چودھویں کا چاند۔ جب آپ کی عمر پچانوے سال ہوئی تو محرم سن چھ سو چونسٹھ ہجری میں آپ بیمار ہوئے پانچ محرم کی رات آپ کو زیادہ تکلیف ہوئی تکلیف کی حالت میں آپ نے عشاء کی نماز ادا فرمائی اور یا حیّ یا قیّوم کا ورد کرتے ہوئے عالمِ بقا کا سفر اختیار کیا۔

صورت از بے صورتی آمد بروں　　　باز شد اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنْ

سات سو سال کا طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود اب بھی آپ کا مزار اقدس مرجع خلائق ہے۔ آپ کی تاریخ وصال کے موقع پر ہر سال پاکپتن شریف میں آپ کا عرس منعقد کیا جاتا ہے، آپ کے مزار سے ملحق بہشتی دروازہ سے گزرنے کے لئے ملک کے طول و عرض سے لاکھوں افراد حاضری دیتے ہیں اور آپ کے انوار ولایت سے فیض حاصل کرتے ہیں اللہ تعالی ہمیں بزرگان دین کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے. آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن.

☆☆☆☆☆

حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ اور اشاعت اسلام

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ- بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

سلطان المشائخ محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ ان بزرگان دین اور علمائے کاملین میں نمایاں مقام رکھتے ہیں جنہوں نے اشاعت اسلام اور تبلیغ دین کے سلسلہ میں عظیم الشان کارنامے سرانجام دیئے۔ سلسلہ چشتیہ کے جلیل القدر مشائخ نے دین اسلام کی تبلیغ اور ترویج کے لئے دن رات مسلسل کوششوں اور لگاتار جدوجہد کی بنا پر دنیائے اسلام میں جو مقام پیدا کیا حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی پوری زندگی اس کی عملی تفسیر ہے۔ آپ نے اپنے دور میں شریعت اور طریقت کا وہ حسین امتزاج پیش کیا جس کے دوررس اثرات نے پورے برصغیر کو اسلام کے انوار سے منور کر دیا۔

آپ کی ولادت باسعادت حضرت احمد بن علی بخاری بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر میں ہوئی، بچپن ہی میں والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا سعادتمندی کے آثار آپ کی پیشانی میں نمایاں تھے والدہ ماجدہ نے فراست قلبی سے بھانپ لیا کہ یہ جوہر کامل صلاحیتوں کی دولت سے مالا مال ہے اس لئے آپ کی تعلیم وتربیت پر خاص توجہ دی۔ قرآن مجید اور دیگر علوم دینیہ سے فیضیاب ہونے کے لئے آپ نے خود کو وقف کر ڈالا اور تھوڑے ہی عرصے میں اپنی استعداد اور صلاحیت کی بے پناہ قوتوں کا اظہار کیا، جہاں آپ علوم ظاہری کی طرف پوری توجہ سے دلچسپی لیتے رہے وہاں ابتداء ہی سے ریاضت، مجاہدہ اور تزکیہ قلب کی طرف بھی خاص طور پر مائل رہے، جب مقدر بیدار ہو، اخلاص اور محبت کا سرمایہ پاس ہو، جدوجہد اور حسن طلب کی دولت حاصل ہو، تو رہبر کامل میسر آجاتا ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا جذبۂ صادق کارگر ہوا اور شیخ الاسلام حضرت فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوگئی، مرشد کامل انتظار میں تھے کہ ان کے فیضان رشد وہدایت کا متحمل باہمت انسان میسر آئے تاکہ تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کا فریضہ وسیع پیمانے پر ادا کیا جائے، جب حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ مرشد طریقت کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو انہوں نے ذوق محبت میں سرشار ہو کر فرمایا

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ بیعت سے مشرف ہوئے اور پھر علم دین کی تعلیم و تدریس اور مجاہدات میں مشغول ہو گئے، مرشد طریقت نے خرقۂ خلافت عطا فرمایا اور خلق خدا کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے تاکید فرمائی، مسند خلافت پر متمکن ہونے کے بعد آپ نے خلق خدا کی اصلاح و تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کے لیئے بھرپور جد و جہد شروع کی آپ کے زہد و تقویٰ، اخلاص اور محبت کی اس قدر گہری تاثیر تھی کہ آپ کو دیکھ کر آپ کی مجلس میں بیٹھ کر اور آپ کے وعظ و نصیحت سے فیضیاب ہو کر ہزاروں لوگ دولت ایمان سے مشرف ہوتے، پتھر کی طرح سخت دل موم ہو جاتے کفر و شرک کی ظلمت ختم ہو جاتی اور اسلام کے انوار چمکنے لگتے۔

اگرچہ آپ کی شہرت اور مقبولیت اطراف عالم میں پھیل گئی اور ہر طرف سے طالبان شریعت اور سالکان طریقت جوق در جوق آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اشاعت اسلام کا سلسلہ تسلی بخش حالت میں جاری رہتا مگر آپ نے اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ ایسے مبلغینِ اسلام اور علمائے کاملین کو تیار کیا جو علم ظاہر اور علم باطن سے مالا مال ہونے کے ساتھ ساتھ تقویٰ اور پرہیزگاری کا مجسمہ ہوتے اور تبلیغ دین کے جذبہ سے سرشار ہوتے، یہ پاک باطن مبلغ مختلف علاقوں کا سفر اختیار کرتے اور مؤثر انداز میں اسلام کی تبلیغ کا فریضہ انجام دیتے۔ آپ کی سرپرستی میں اجتماعی اور وسیع کوشش کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے۔ آپ کے تربیت یافتہ مبلغین لوگوں کو شریعت کے احکام سے آگاہ کرتے، خوف خدا کا احساس دلاتے اور اسلام کے عالمگیر فلاحی اصول پیش کرتے، ان کے مؤثر وعظ و نصیحت سے لوگ برے اعمال سے تائب ہوتے، ان کے زنگ آلود دل صاف ہو جاتے اور تزکیہ باطن کی صلاحیت اُجاگر ہو جاتی، یوں تو بے شمار افراد نے آپ سے فیضیاب ہو کر اشاعت اسلام کا فریضہ سرانجام دیا مگر بعض حضرات اس سلسلے میں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

تاریخ مشائخ چشت میں گلزار ابرار کے حوالے سے لکھا ہے کہ آپ کے دور میں سرزمین ہند کی عجیب کیفیت تھی، آپ کی بارگاہ سے جو خلفاء روانہ ہوئے ان کی فیض رسانی سے ہندوستان کا چپہ چپہ ہدایت کے انوار سے منور ہوا۔ آپ کے سات خلفاء ایسے عظیم الشان مقام کے مالک تھے کہ ان کے سینے میں علم و عرفان کا آفتاب

جلوہ گر تھا، برصغیر میں اسلام کی اشاعت میں حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی وسیع جدوجہد کا اندازہ ان کے نامور خلفاء کے اسمائے گرامی سے لگایا جاسکتا ہے جنہوں نے اپنی پوری زندگی اس عظیم مقصد کے لئے وقف کر رکھی تھی، حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی، مولانا شمس الدین یحییٰ، مولانا حسام الدین ملتانی، مولانا فخر الدین زرادی، قاضی محی الدین کاشانی، شیخ قطب الدین منور، مولانا شہاب الدین اور مولانا وجیہ الدین یوسف آسمان رشد و ہدایت کے وہ درخشندہ ستارے ہیں جنہوں نے حضرت نظام الدین اولیاء کے آفتاب ولایت سے فیض حاصل کرکے عالمگیر تحریک کے ذریعے وسیع مؤثر کارنامے سرانجام دیئے۔ آپ کے خلفاء میں سے حضرت برہان الدین غریب نے سرزمین دکن کو تبلیغ کا مرکز بنایا چنانچہ سیر الاولیاء کی روایت کے مطابق آپ اپنی دینی اور اصلاحی خدمات کی بناء پر مرجع خلائق تھے، اسی طرح سرزمین گجرات میں حضرت نظام الدین اولیاء کے خلفاء شیخ سید حسین، شیخ حسام الدین ملتانی اور شاہ بارک اللہ نے وسیع پیمانے پر تبلیغی خدمات سرانجام دیں۔ مالوہ کے وسیع علاقہ میں آپ کے خلفاء شیخ کمال الدین، مولانا مغیث الدین اور شیخ وجیہ الدین یوسف نے بڑے مؤثر انداز میں تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیا۔ اسلام کی تبلیغ کے سلسلے میں آپ کے مریدین اور خلفاء جو خدمات سرانجام دیتے آپ ان کا جائزہ لیتے اوران کی کارکردگی پر ان کی حوصلہ افزائی فرماتے، ان کے تمام اخراجات خود برداشت فرماتے اور ہر قسم کی سہولت پہنچانے کی کوشش فرماتے۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے جس حسن تدبر اور منظم انداز سے تحریک چلائی اس کے نتیجے میں برصغیر انوارِ اسلام سے روشن ہوا، سلسلہ چشتیہ کی ہزاروں خانقاہیں آباد ہوئیں، علماء اور مشائخ کو خوب طریقے سے کام کرنیکا موقعہ ملا اور ہر طرف اسلامی تعلیمات کو فروغ حاصل ہوا۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سلاطین وقت اور حکام سے بے نیاز رہتے ان کی خامیوں پر تنقید فرماتے اور تبلیغ اسلام کے سلسلے میں ان کی فروگزاشت کا سختی سے محاسبہ کرتے آپ کے خلیفہ حضرت حسن سجزی نے فوائد الفواد میں آپ کے ملفوظات جمع کئے ہیں جن کے مطالعہ سے آپکی اشاعت اسلام سے دلچسپی اور احکام شریعت کی ترویج میں آپ کی کارکردگی خاص طور پر نمایاں ہوتی ہے۔ آپ کے ملفوظات میں جگہ جگہ اتباع شریعت کی تاکید اور تقویٰ

پرہیزگاری کی تعلیم پائی جاتی ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اخبار الاخیار میں آپ کے بعض اقوال نقل کئے جو احکام شریعت اور اسرارِ طریقت کے لحاظ سے بڑی جامعیت رکھتے ہیں، فرماتے ہیں جو بندہ حقیقی محبوب کا محبّ ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ ہر حال میں رضائے مولا کا طالب رہے، اگر بندے سے غلطی سرزد ہو جائے تو استغفار کا طریقہ اختیار کرے تا کہ گناہ کی وجہ سے حقیقی محبوب کی راہ میں حجاب حائل نہ ہو، فرماتے ہیں حصول سعادت کے کئی طریقے ہیں بندے کو چاہیے کہ وہ ہر طریقہ استعمال کرے کوئی نہ کوئی ضرور کارگر ہوگا۔ اگر مرشد طریقت کسی ارادتمند سے کہے کہ تو میرا مرید نہیں مگر وہ صدق دل سے ارادت رکھے تو وہ مرید ہوتا ہے، اگر مرید ارادت سے انکار کرے مگر مرشد اسے مرید کہے تو مرید شمار نہیں ہوتا، فرماتے ہیں کہ مردان خدا کا حوصلہ اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مخلوق میں رہتے ہوئے خالق سے غافل نہ ہوں۔ آپ فرماتے ہیں مجھے اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ لوگوں کے دل کو راحت پہنچاؤں اور ایذا رسانی سے سخت پرہیز کروں، قیامت کے دن تمام اعمال میں خلق خدا کی دلجوئی کو بڑی اہمیت حاصل ہوگی، فرمایا کرتے تھے درویشوں کو بادشاہوں سے کیا کام اگر بادشاہ ہماری گوشہ نشینی سے رنجیدہ ہو تو ہم کسی دوسری جگہ چلے جائیں گے۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی پوری زندگی تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں گزار دی، بالآخر اٹھارہ ربیع الثانی سن سات سو پچیس ہجری بروز بدھ بعد از طلوعِ آفتاب وہ وقت آیا جب شریعت کا یہ درخشندہ آفتاب اور طریقت کا نیّر تاباں اہل عالم کی نگاہوں سے روپوش ہوگیا۔

صورت از بے صورتی آمد بروں   باز شد اِنَّـآ اِلَیْـهِ رَا جِعُوْ نْ

سات سو سال سے زائد عرصہ گذرنے کے باوجود آج بھی آپ کے روحانی کمالات روز روشن کی طرح نمایاں ہیں اور آپکی درگاہ مرجع خلائق ہے۔ آپ کی عظمت کے نقوش اہل عالم کے دلوں پر ثبت ہیں اور آپکی پاکیزہ تعلیمات اہل اسلام کو دعوت فکر دیتی ہیں کہ وہ حقیقی فلاح و بہبود کے حصول کے لئے اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا فریضہ بطریق احسن سرانجام دیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بزرگان دین کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن.

☆☆☆☆☆

حضرت بہاؤالدین زکریا سہروردی ملتانی رحمۃ اللہ علیہ (دینی خدمات)

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ .بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

شیخ الاسلام حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ ان بزرگانِ دین اور علمائے کاملین میں امتیازی شان رکھتے ہیں، جنہوں نے تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کا فریضہ سرانجام دینے کے لئے پوری زندگی وقف کر ڈالی۔ آپ نے عظیم الشان دینی خدمات اور اصلاحی اقدامات کا جو ہنگامہ برپا کیا، اس کے دوررس اثرات اور مؤثر نتائج نے ایک وسیع معاشرے کو اسلامی اقدار کے انوار وتجلیات سے منور کیا۔ وسیع پیمانے پر مربوط اور مسلسل تبلیغی اور اصلاحی جدوجہد میں گراں قدر خدمات کی بنا پر آپ کو شیخ الاسلام کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ سیرت وکردار کے لحاظ سے ان تمام اوصاف کمال کا نمونہ تھے جو ایک عظیم الشان مبلغ، عالمگیر، مصلح اور وسیع النظر داعی کے لئے ضروری قرار پاتے ہیں۔

آپ کے مرشد طریقت حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے نگاہِ بصیرت سے بھانپ لیا تھا کہ یہ مردِ درویش بے پناہ صلاحیتوں کا امین ہے اور عنقریب آسمان رشد وہدایت پر نیر تاباں کی طرح جلوہ گر ہونے والا ہے۔ اس لئے انہوں نے تھوڑے ہی عرصے میں آپ کو باطنی نعمت سے مشرف فرما کر خرقہ خلافت عطا فرما دیا۔ حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ نے مرشد طریقت کے ارشاد کے مطابق تبلیغ واصلاح کیلئے سرزمین ہند کا رخ کیا اور عروس البلاد مدینۃ الاولیاء ملتان کو اپنا مسکن ومرکز بنایا۔ یہ وہ دور تھا جب ملحد طاغوتی طاقتیں شوکت اسلام پر ضرب کاری لگا چکی تھیں۔ اسلامی سلطنت کا شیرازہ منتشر کرنے کی سازشیں کی جا رہی تھیں۔ گمراہی اور بے راہ روی کا ایک سیلاب باطل فرقوں کی صورت میں اسلام کی عمارت کو گرانے کے لئے رواں تھا۔ اہل اسلام کے عقائد ونظریات کو کمزور کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی اور اسلام کی تعلیمات کا نقشہ بدلا جا رہا تھا۔ اگرچہ علماء ومشائخ اپنی اپنی خانقاہوں میں تبلیغ اسلام کی محدود جدوجہد کر رہے تھے پھر بھی شمال مغربی ہند کے وسیع علاقے میں باطل کے اندھیرے چھائے جا رہے تھے۔ فرقہ قرامطہ خاص طور پر کفر والحاد کے پرچار میں مصروف تھا اور زیادہ تر دیہی علاقوں میں اپنا اثر ونفوذ بڑھا رہا تھا۔ ان کے فاسد عقائد ونظریات کی یلغار کے سامنے مسلمان بے بس نظر آ رہے تھے اور مقابلے کی تاب نہ لا کر گوشہ نشینی اختیار کر رہے تھے۔ ان ناسازگار

حالات میں قدرت خداوندی نے اپنے علم وحکمت سے ایک ایسے مردِ مجاہد کو اشاعت اسلام کے لئے منتخب فرمایا، جس کی عالمگیر جدو جہد، حسن تدبر، عزم و استقامت اور اخلاص و محبت نے وسیع معاشرے کی کایا پلٹ دی۔ وہ بطل جلیل، وہ مردِ قلندر، وہ مبلغ اسلام، وہ عارف کامل شیخ الاسلام حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ تھے، جنہوں نے ایسے حالات میں تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کا مقدس فریضہ سرانجام دے کر اسلام کی تاریخ میں ایک سنہری باب کا اضافہ کیا۔

سب سے پہلے آپ نے ملتان میں ایک مضبوط تدریسی مرکز قائم کیا جو ایک عظیم الشان اسلامی درسگاہ کی صورت میں آپ کی جدو جہد کا نقطہ آغاز ثابت ہوا۔ آپ کی قائم کردہ درسگاہ میں اسلامی علوم وفنون کی تعلیم کا اعلیٰ انتظام تھا۔ وسیع النظر محقق اور متبحر علمائے دین مسند تدریس پر فائز ہوئے اور علوم اسلامیہ کی ترویج کا سلسلہ بڑے زور وشور سے شروع ہوا۔ حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ اس درسگاہ کے اخراجات خود برداشت کرتے، تعلیم وتربیت کا بذاتِ خود جائزہ لیتے اور اس کی تعمیر وترقی میں پوری دلچسپی رکھتے۔ اسلامی علوم و فنون کے طلبگار اپنی پیاس بجھانے کے لئے اس روحانی سبیل پر وارد ہوئے۔ منقولات ومعقولات کے شائقین بڑی دلجمعی سے اپنی مراد پانے لگے۔ باطل نظریات سے متاثر ہو کر متزلزل ہونے والوں کے لئے یہ درسگاہ ثابت قدمی اور استقامت کا گہوارہ بن گئی اور اس میں داخل ہونے والوں کا جم غفیر حقانیت اسلام کا ایک لشکر جرار ثابت ہوا، جس نے اسلامی اقدار و تعلیمات کے تحفظ کا چیلنج قبول کیا۔ آپ کی قائم کردہ درسگاہ سے وہ محقق، مدرس، مفتی، قاضی، فقیہ، مناظر اور مبلغ پیدا ہوئے، جنہوں نے اپنی علمی و اصلاحی خدمات سے اشاعت اسلام اور تبلیغ دین کو خاطر خواہ تقویت پہنچائی۔

شیخ الاسلام حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ بذاتِ خود تعلیم و تدریس اور تبلیغ وارشاد میں گہری دلچسپی لیتے۔ ہر روز عصر کی نماز کے بعد آپ وعظ فرماتے، جس میں دور دراز علاقوں سے ہزاروں افراد شریک ہوتے۔ آپ کا مؤثر وعظ دلوں کی دنیا میں انقلاب برپا کر دیتا، غیر مسلم اسلام قبول کرتے، فاسق وفاجر توبہ کرتے، طالب اور سالک غفلت کے حجابات دور کرتے، عارف اور کامل عرفان وکمال کی منزلیں طے کرتے اور عوام الناس سکون قلب کی دولت حاصل کرتے۔ آپ کا انداز تبلیغ اور طریق کار سراپا محبت اور شفقت پر مبنی تھا۔ نرمی، دلجوئی، ہمدردی، اخوت، درگزر، مروت اور خیر خواہی کے پاکیزہ اوصاف نے آپ کو اپنوں اور بیگانوں، سب کی نگاہوں میں ہر دلعزیز اور مقبول بنا دیا تھا۔ وقت کے حکام آپ کے استغناء اور وضع داری سے مرعوب اور

متاثر تھے۔ آپ ظالم حکام پر سختی سے تنقید فرماتے اور تبلیغ اسلام کے سلسلے میں ان کی طرف سے معمولی رکاوٹ بھی برداشت نہ فرماتے۔ یہ آپ کی وجاہت اور شخصیت کا اثر تھا کہ آپ کی تبلیغی جدوجہد اور اصلاحی کوششوں سے تعاون کے لئے حکام بھی سستی سے کام نہ لیتے اور آپ کی باز پرس اور احتساب کا خوف انہیں دامن گیر رہتا۔ اس میں شک نہیں کہ علوم ظاہری کے ساتھ باطنی علوم کو بھی تبلیغ اسلام میں گہرا دخل ہے، اس لئے آپ نے اس بارے میں خاص توجہ فرمائی۔ آپ کے ہاں تزکیہ نفس اور صفائی باطن کے لئے آنے والے درویشوں کا خاص خیال رکھا جاتا اور تخلیے میں انہیں مراقبے، مجاہدے اور مشاہدے کی تربیت دی جاتی۔ آپ کی خانقاہ سے بے شمار صوفی، درویش، مجاہد، عابد، زاہد اور عارف پیدا ہوئے۔

حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ نے تبلیغ اسلام کے سلسلے کو وسیع تر کرنے کے لئے جو اقدامات کئے، ان میں مبلغین اسلام کی جماعتوں کو کفر و شرک کے مرکزوں میں تبلیغ کے لئے بھیجنا خاص اہمیت رکھتا ہے۔ آپ نے برصغیر کے مختلف علاقوں میں مبلغین اسلام کی جو جماعتیں روانہ کیں، وہ جید متبحر علمائے دین پر مشتمل ہوتیں۔ یہ مبلغین کفر و شرک اور الحاد و بدعت کے مرکزوں کا رخ کرتے اور اپنی تبلیغی مساعی جمیلہ کو بطریق احسن بروئے کار لاتے۔ اسلام کے یہ مبلغین وسعت فکر و نظر، رواداری اور حسن تدبر کا مجسمہ ہوتے اور ان کے وعظ میں بے پناہ تاثیر پائی جاتی۔ آپ کے بھیجے ہوئے مبلغین اسلامی تعلیمات و اقدار کے بارے میں قرآن و حدیث کی روشنی میں وعظ کرتے، ان کے دلائل بڑے مضبوط ہوتے اور وہ اپنے موقف کو ثابت کرنے میں پوری جدوجہد کرتے، کھلے میدانوں، درختوں کے سائے اور پہاڑوں کی اوٹ میں ہزاروں افراد ان کا وعظ سنتے اور گناہوں سے تائب ہو کر اسلام کے سچے خادم بن جاتے۔

حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ مبلغین کی کارکردگی کا جائزہ لیتے اور انہیں پیش آنے والی ہر تکلیف کا سد باب کرتے۔ مبلغین کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے بنفس نفیس کبھی ان کے ساتھ تشریف لے جاتے۔ عموماً گرمی کے موسم میں سرحد، کشمیر، افغانستان، بخارا اور نیشا پور کا سفر اختیار کرتے اور سردی کے ایام میں پنجاب، سندھ اور راجپوتانہ تشریف لے جاتے۔ آپ کی تشریف آوری کی بدولت اشاعت اسلام کا کام بڑی تیزی سے ہوتا اور ہزاروں لوگ اسلام کی تعلیمات سے فیض یاب ہوتے۔ آپ نے صوفیا اور درویشوں پر مشتمل جماعتوں کو بھی تبلیغ کے لئے روانہ کیا۔ عجیب نظارہ ہوتا، جب ایک طرف کھلے میدانوں میں علماء اور واعظین کے

خطاب میں توحید ورسالت کے نعرے بلند ہوتے تو دوسری طرف مجلس ذکر ومراقبہ منعقد ہوتی، عارفوں کا حلقہ نظر آتا اور تزکیہ نفس، استغراق اور مشاہدے کی صلاحیت پیدا کی جاتی۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اخبارالاخیار میں سلسلۃ الذہب کے حوالے سے آپ کی دینی خدمات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ بلاد ہند میں رئیس الاولیاء تھے۔ علوم ظاہری کے عالم اور احوال و مقامات و مشاہدات سے مشرف تھے۔ آپ لوگوں کو کفر سے ایمان، معصیت سے اطاعت اور نفسانیت سے روحانیت کی طرف لے آئے۔

آپ کے ملفوظات کو تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں خاص اہمیت حاصل ہے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ بندے کو چاہئے کہ صدق اور اخلاص سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے۔ اقوال اور افعال میں اپنا محاسبہ کرے اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرے۔ آپ کا ارشاد ہے ذکر الٰہی کو لازم سمجھو، ذکر ہی طالب کو مطلوب کی طرف لے جاتا ہے۔ جب محبت کے جذبے سے ذکر کیا جائے تو مذکور کا مشاہدہ ہوتا ہے اور یہی ذکر فلاح کا موجب ہے چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے، ''وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ'' آپ کا ارشاد ہے جسم کی سلامتی کم کھانے میں ہے، روح کی سلامتی گناہ چھوڑ دینے میں ہے اور دین کی سلامتی درود شریف پڑھنے میں ہے۔

حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ سے یوں تو لاکھوں افراد فیض یاب ہوئے، مگر کچھ حضرات وہ خوش نصیب تھے جو علم وعرفان کی دولت سے خاص طور پر مالا مال ہوئے اور خلق خدا کو رشد و ہدایت کے انوار سے مستفیض کیا۔ ان جلیل القدر بزرگوں میں آپ کے صاحبزادے حضرت مخدوم صدرالدین عارف، ان کے علاوہ حضرت فخرالدین عراقی، حضرت لعل شہباز قلندر، حضرت جلال الدین بخاری، حضرت خواجہ حسن افغان، حضرت شیخ امیر حسینی اور حضرت سید عبدالقدوس قلندر موصلی خاص شہرت رکھتے ہیں۔ یہ وہ نفوس قدسیہ تھے، جنہوں نے اشاعت اسلام کے سلسلے میں نمایاں کارنامے سرانجام دیئے اور ہدایت کے جس چراغ کو حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ نے روشن کیا، برصغیر کے گوشے گوشے میں اس کی روشنی پہنچائی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بزرگانِ دین کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمِین وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

☆☆☆☆☆

ابوالفتح حضرت شاہ رکن عالم سہروردی ملتانی رحمۃ اللہ علیہ ---سیرت وتعلیمات

نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡکَرِیۡمِ. بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ.

قطب الاقطاب حضرت ابوالفتح شاہ رکن عالم سہروردی ملتانی رحمۃ اللہ علیہ سلسلۂ عالیہ سہروردیہ کے ان جلیل القدر بزرگان دین میں امتیازی شان رکھتے ہیں جنہوں نے خلق خدا کی ہدایت اور دین اسلام کی اشاعت میں عظیم الشان کارنامے سرانجام دیئے اور اپنی سیرت وتعلیمات اور اخلاق وکردار سے ایک وسیع حلقۂ ارادت کو متأثر کیا حضرت شاہ رکن عالم نوری حضوری رحمۃ اللہ علیہ نورمضان المبارک سن چھ سوانچاس ہجری بروز جمعہ عالم آب وگل میں جلوہ افروز ہوئے۔ آپ کے والد گرامی حضرت مخدوم صدرالدین عارف رحمۃ اللہ علیہ اور آپکے جدامجد شیخ الاسلام حضرت بہاؤالدین زکریا سہروردی ملتانی رحمۃ اللہ علیہ نے آپکی تعلیم وتربیت پر خاص توجہ فرمائی۔ بچپن ہی سے آپکی جبین سعادت سے انوار قطبیت وولایت چمک رہے تھے اور آپکی حرکات وسکنات اور کیفیات سے واضح طور پر محسوس ہوتا تھا کہ خاندان قریش کا یہ نونہال گلشنِ رشد وہدایت میں بہارِ جاودانی کی صورت میں انقلاب کا باعث بنے گا اور آسمان طریقت پر نیرتاباں کی صورت میں انوار وتجلیات پھیلائیگا۔ آپکے سیرت نگار لکھتے ہیں کہ بچپن میں اذان کی آواز سنتے ہی آپ دودھ پینا چھوڑ دیتے تھے۔ سب سے پہلا لفظ جو آپکی زبان حق ترجمان پر جاری ہوا وہ اسم ذات اللہ تھا۔

حضرت شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے اس لخت جگر اور نورنظر کے ساتھ بے پناہ محبت اور زبردست قلبی لگاؤ تھا اور آپکی خصوصی توجہات سے یہ بات روز روشن کی طرح نمایاں تھی کہ خانوادۂ طریقت کا یہ چشم وچراغ مسند رشد وہدایت پر متمکن ہوکر اطراف عالم کو منور کردیگا۔ ایک مرتبہ حضرت شاہ رکن عالم رحمۃ اللہ علیہ نے کھیلتے کھیلتے پلنگ پر رکھی ہوئی جدامجد کی دستار مبارک سر پر رکھ لی تو والد ماجد سخت ناراض ہوئے مگر حضرت شیخ الاسلام نے کمال شفقت ومحبت سے ارشاد فرمایا اسے کچھ نہ کہو یہ میری دستار کا وارث اور مستحق ہے۔

حضرت شاہ رکن عالم نوری حضوری رحمۃ اللہ علیہ نے علم وتصوف اور فقر وولایت کے خاندانی ماحول میں بڑی جدوجہد سے شریعت وطریقت کی تعلیم حاصل کی ابھی آپ تعلیم وتربیت کے مراحل طے کررہے تھے کہ آپ کے جدامجد اس دارفانی سے رخصت ہوگئے ان کے وصال پرملال سے آپ کو زبردست صدمہ ہوا اور آپ مسلسل

گریہ وزاری، سوز وگداز اور ہجر وفراق کی کیفیت میں دکھائی دیتے۔ والد گرامی اور دوسرے ارباب کمال اہل طریقت بے حد دلجوئی فرماتے مگر کسی بھی تدبیر سے آپکو سکون واطمینان حاصل نہ ہوتا، حزن وملال اور ہجر وفراق کے ان کٹھن مراحل میں آپکی پر درد کیفیات اور قلبی واردات کی کچھ تعبیر حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر سے کی جاسکتی ہے۔

سینہ خواہم شرحہ شرحہ ازفراق تا بگویم شرحِ دردِ اشتیاق

حضرت شاہ رکن عالم رحمۃ اللہ علیہ نے مروجہ علوم وفنون میں مہارت حاصل کی اور ساتھ ہی زہد وعبادت ریاضت ومجاہدہ اور خلق خدا کی خدمت میں بلند مقام پیدا کیا والد گرامی حضرت صدرالدین عارف رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد مسند طریقت پر متمکن ہوئے تو اپنے جدامجد کی یاد تازہ کردی۔ آپکے فیض ولایت سے ہزاروں علمأ، صوفیا، مشائخ، بزرگان دین اور ارباب علم وتقویٰ فیضیاب ہوئے اور لاکھوں کی تعداد میں عوام الناس سلسلۂ طریقت میں داخل ہوئے، آپکے مواعظ حسنہ اور ملفوظات ومکتوبات آپکی علمی بصیرت، فقہی برتری اور اجتہادی قوت کا زندۂ جاوید ثبوت ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اخبار الاخیار میں آپکے بعض ملفوظات اور مکتوبات کے اقتباسات درج کئے ہیں جو شریعت وطریقت کی جامعیت اور خلق خدا کی ہدایت کے لحاظ سے خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ آدمی صورت وصفت دو چیزوں کے مجموعے کا نام ہے اور احکام کا دارومدار صفت پر ہے نہ کہ صورت پر چنانچہ حدیثِ پاک میں آتا ہے "اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی لَایَنْظُرُاِلٰی صُوَرِکُمْ وَاَعْمَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَّنْظُرُاِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَنِیَّاتِکُمْ" اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور عملوں کو مدنظر نہیں رکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور نیتوں کو دیکھتا ہے۔ تقویٰ اور پرہیزگاری محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے وابستہ ہے جب تک وہ مہربانی نہ فرمائے انسان تزکیۂ نفس حاصل نہیں کرسکتا۔ حضرت شاہ رکن عالم نوری حضوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بندے پر اللہ تعالیٰ کی عنایت کی نشانی یہ ہے کہ اسے اپنے عیوب ونقائص دکھائی دینے لگیں۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت وسطوت اسکے دل پر اس طرح غالب ہوجائے کہ کسی دنیوی چیز کی اہمیت اس کی نظر میں باقی نہ رہے ایسی صورت حال میں انسان ظلم وغضب، کبر وبخل اور حرص سے آزاد ہوجاتا ہے اور عفو وحلم، تواضع، سخاوت اور ایثار کے پاکیزہ اوصاف سے موصوف ہوجاتا ہے۔ ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں طالب صادق کو چاہیئے کہ ہر اس قول و

فعل سے احتراز کرے جسے شریعت پسند نہ کرے اور فضول مجالس میں وقت ضائع کرنے سے احتیاط کرے۔ فرماتے ہیں کہ جس طرح جسم کی آلودگی کے بعض اسباب ہیں اسی طرح دل کی آلودگی نااہل کی صحبت سے ہوتی ہے، جسم کی کثافت اور آلودگی پانی سے دور ہوتی ہے مگر دل کی آلودگی آنسو بہانے سے دور ہوتی ہے۔ ہم عصر اولیائے کرام میں سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے آپکا گہرا تعلق تھا کئی مرتبہ ملاقات ہوئی، باہمی مجالس ہوئیں اور ہردو جانب سے محبت کا سلسلہ قائم رہا حضرت سلطان المشائخ کی نمازِ جنازہ بھی حضرت شاہ رکن عالم نے پڑھائی۔

یوں تو لاکھوں افراد نے حضرت شاہ رکن عالم رحمۃ اللہ علیہ سے فیض حاصل کیا مگر جونفوس قدسیہ خاص طور پر اس بحرِ ولایت سے سیراب ہوئے اور دین اسلام کی اشاعت میں نمایاں مقام حاصل کیا۔ ان میں سلطان التارکین حضرت حمیدالدین حاکم، حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت بخاری، شیخ وجیہ الدین عثمان سنامی، حضرت مولانا علی بن احمد غوری اور حضرت حاجی صدرالدین چراغ ہند رحمۃ اللہ علیہم خاص شہرت رکھتے ہیں۔ حضرت شاہ رکن عالم رحمۃ اللہ علیہ نے زندگی کے آخری تین ماہ حجرۂ عبادت میں زہدوریاضت اور مشاہدہ میں صرف کیئے خلوت نشینی کا خاص اہتمام کیا اور سات جمادی الاولیٰ سن سات سوپینتیس ہجری مغرب کے بعد سجدے کی حالت میں وصال فرمایا۔

صورت از بے صورتی آمد بروں　　　باز شد اِنَّـآ اِلَیْـهِ رَا جِعُوْ نْ

تقریباً سات سو سال کا طویل عرصہ گزرنے کے باوجود آج بھی حضرت شاہ رکن عالم رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ مرجع خلائق ہے جہاں ہروقت زائرین کی آمد کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ آپ کے روضہ شریف کی پرشکوہ فلک بوس عمارت دنیا کی معدودے چند عمارات میں خاص اہمیت رکھتی ہے اور قلعہ کہنہ ملتان جیسے مرکزی مقام پر اپنی تمکنت، ہیبت وسطوت اور شان وشوکت کے پیش نظر ہر آنیوالے کو دعوت نظارہ دے رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بزرگان دین کی سچی محبت عطا فرمائے اور ان کی سیرت وتعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین،

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ ...... سیرت وتعلیمات

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ. بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

عارف کامل حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ دنیائے علم وعرفان میں امتیازی شہرت و مقبولیت رکھتے ہیں۔ آپ ان جلیل القدر بزرگانِ دین اور علمائے کاملین میں خاص مقام رکھتے ہیں، جنہوں نے دین اسلام کی عظیم الشان خدمات سرانجام دیں اور اصلاحی وتبلیغی کارناموں سے اطرافِ عالم میں روحانی انقلاب پیدا کیا۔

آپ کے آباؤ اجداد علاقہ بلخ واقع خراسان کے رہنے والے تھے اور آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔ سن چھ سو چار ہجری میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ آپ کے والد ماجد مولانا بہاؤالدین بلخیؒ جو سلطان العلماء کے لقب سے مشہور تھے، شریعت وطریقت کے لحاظ سے مرجع خلائق تھے۔ عارف کامل حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ ابھی پانچ چھ برس کے تھے کہ آپ کے والد ماجد نے بلخ سے ہجرت فرمائی اور بہت سے اسلامی ممالک کا سفر اختیار کیا۔ اس طویل سفر میں بہت سے بزرگانِ دین سے ملاقات ہوئی۔ نیشاپور میں حضرت فریدالدین عطار سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی لوح جبیں پر سعادت کے نمایاں آثار دیکھ کر مولانا بہاؤالدین سے فرمایا، ''اس جوہر کامل کی تعلیم وتربیت کا خاص خیال رکھنا۔''

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد سلطان روم علاؤالدین کیقباد کی درخواست پر ترکی کے شہر قونیہ میں قیام پذیر ہوئے۔ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے اکثر علوم ظاہری و باطنی اپنے والد گرامی سے حاصل کئے اور بعض علوم اپنے والد ماجد کے خلیفہ مولانا برہان الدین محقق سے حاصل کئے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے علوم فنون کی تکمیل میں طویل سفر بھی اختیار کیا، مگر بالآخر قونیہ میں مستقل قیام فرمایا۔

آپ کی علمی شہرت کے پیش نظر طالبانِ علم وفن ہر طرف سے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے اور آپ کی درس گاہ میں چار سو سے زیادہ تشنگانِ علم وفن جمع ہو گئے۔ تدریس کے علاوہ آپ وعظ فرماتے، فتویٰ لکھتے اور دیگر ضروری امور سرانجام دیتے۔ آپ کی سواری جب کسی جانب روانہ ہوتی تو سینکڑوں علماء ومشائخ ہمرکاب چلتے، مسائل پوچھنے والوں کی قطاریں لگ جاتیں اور آپ فی البدیہہ سوالات کے جواب دیتے۔ عالمانہ وقارو

تمکنت کا یہ دور اپنے عروج پر تھا۔ علوم ظاہری کی تدریس و تعلیم کا چرچا دنیائے اسلام کے گوشے گوشے میں تھا اور وعظ و نصیحت کی انقلابی جدو جہد بھرپور انداز سے جاری تھی کہ اچانک مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات حضرت شمس الدین تبریزی سے ہوگئی۔ ان کے فیضِ صحبت اور نگاہِ فقر نے جس مؤثر انداز میں مولانا رومؒ کی زندگی میں انقلاب پیدا کیا، اس کے متعلق خود ہی اعتراف کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم............تا غلام شمس تبریزی نہ شد

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے پوری یکسوئی اور دلجمعی سے حضرت شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اور رفاقت اپنا مستقل وظیفہ بنا لیا اور اس طرح علم و عرفان اور روحانیت کے انتہائی مقامات طے کرنے میں مشغول ہو گئے۔ مرشد طریقت نے آپ کو عزم و استقامت کا مجسمہ پایا اور استعداد ازلی کا محرم اور امین سمجھا تو عشق و محبت کے اسرار و رموز سے مالا مال کر دیا۔ حضرت شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ بعض وجوہات کی بنا پر کچھ عرصے کے لئے روپوش ہو گئے تو مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ ان کے فراق میں اشکبار اور بے قرار رہنے لگے۔ آپ کی شہرہ آفاق مثنوی کا آغاز اسی دردِ فراق کا نغمہ جاں گداز ہے جس میں اپنے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

بشنو از نے چوں حکایت می کند   واز جدائیہا شکایت می کند

اس دوران آپ نے حضرت صلاح الدین زرکوب اور ان کے بعد مولانا حسام الدین چلپی کو اپنا محرم راز ٹھہرایا اور ان سے مانوس ہو کر مرشد طریقت کے سوز فراق کو نغمہ مثنوی سے ہم آہنگ کیا۔ مثنوی معنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کا وہ زندۂ جاوید کارنامہ ہے اور حقائق و معارف کا وہ شاہکار ہے جس نے آپ کو بقائے دوام اور لازوال شہرت و مقبولیت سے ہم کنار کیا ہے۔ مختلف زبانوں میں مثنوی معنوی کی شرحیں لکھی گئیں۔ ہر دور میں ہر مکتب فکر کے علماء و مشائخ نے اس کی تدریس کا اہتمام کیا اور وعظ و نصیحت کی مجالس میں مثنوی معنوی کی ترویج و اشاعت معراجِ کمال تک پہنچی۔ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی کے بارے میں فرمایا۔

مثنوی   مولوی   معنوی   ہست قرآں در زبانِ پہلوی

شریعت و طریقت کے اہم موضوعات، حقائق و معارف کے معرکۃ الآراء عنوانات اور علوم و فنون کے تمام لطائف و غرائب مثنوی معنوی کے اہم مباحث قرار پائے۔ امت مسلمہ کے تمام مکاتب فکر نے اس کی جامعیت، افادیت اور اہمیت کو تسلیم کیا اور اس کے بے شمار فیوض و برکات کا اعتراف کیا۔ تمثیل اور حکایت کے

انداز میں آسان طریقے سے مفہوم ومراد کا ذہن نشین کرنا، پڑھنے والے کو شکوک وشبہات کے دلدل سے نکال کر یقین وشہود سے ہمکنار کرنا، اضطراب کی کیفیت کو یکسر سکون واطمینان میں تبدیل کرنا، حرص وطمع جیسے مہلک روحانی امراض سے نجات دے کر استغناء اور قناعت سے مالا مال کرنا اور اصل الاصول توحید ورسالت کے حقیقی ذوق سے آشنا کرنا مثنوی معنوی کی خصوصیات ہیں۔ شاعر مشرق علامہ اقبال نے مثنوی شریف کا مطالعہ کیا تو بے حد متاثر ہوئے اور عمر بھر اس کے ساتھ شغف رکھا۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کو مرشد رومی سے اور اپنے آپ کو مرید ہندی سے تعبیر کیا اور کچھ اس انداز سے خراجِ تحسین پیش کیا۔

پیر رومی مرشد روشن ضمیر　　کاروانِ عشق ومستی را امیر

پیر رومی را رفیق راہ ساز　　تا کہ حق بخشد ترا سوز وگداز

مولانا روم کے ملفوظات میں بھی اصلاح اور بلندیٔ ہمت کا جامع انداز پایا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں، ''ہم اہل دنیا کے اپنے پاس آنے کی بجائے نہ آنے سے زیادہ خوش ہوتے ہیں۔ جواں مردوہ ہے جو ایسے شخص کو بھی رنجیدہ نہ کرے جو رنجیدہ کرنے کا مستحق ہو اور آزاد مردوہ ہے جو کسی کے رنجیدہ کرنے سے رنجیدہ خاطر نہ ہو۔ تمام پریشانیوں کی بنیاد دنیا سے وابستگی ہے۔ جس قدر دنیا سے لگاؤ کم ہوتا جائے گا، پریشانی دور ہوتی جائے گی۔ نا امیدی کا راستہ اختیار نہ کرو بلکہ پُر امید رہو۔ تم خالق حقیقی تک پہنچنے کے اہل نہیں تو غم نہ کرو کیونکہ اگر وہ خود مہربانی فرمادے تو کیا بعید ہے۔''

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے وصال سے پہلے قونیہ میں مسلسل چالیس روز زلزلہ آتا رہا۔ آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا تو فرمایا، ''زمین بھوکی ہے اور لقمۂ تر چاہتی ہے جلد کامیاب ہو جائے گی۔'' پانچ جمادی الاخریٰ سن چھ سو بہتّر ہجری بوقت غروبِ آفتاب شریعت وطریقت کا یہ آفتابِ درخشاں اہل عالم کی نگاہوں سے پردہ پوش ہو گیا۔

صورت از بے صورتی آمد بروں　　باز شد اِنَّـآ اِلَیْـہِ رَاجِـعُـوْنَ

سینکڑوں سال گزرنے کے باوجود آج بھی آپ کی خانقاہ مرجع خلائق ہے، جہاں ہر مکتب فکر کے لوگ حاضر ہو کر اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بزرگانِ دین کی محبت اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

☆☆☆☆☆

حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ...... دینی خدمات

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ -بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ان بزرگانِ دین اور علمائے کاملین میں خاص مقام رکھتے ہیں، جنہوں نے اپنے علم اور تقویٰ اور اصلاحی جدو جہد سے خلق خدا کو فیضیاب کیا اور پوری دنیائے اسلام میں عظیم الشان فکری و عملی کارناموں کی بدولت شہرت و مقبولیت حاصل کی۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے تجدید و اصلاح کی بے پناہ خوبیوں سے نوازا تھا اور بچپن ہی سے آپ کی جبین سعادت سے علم و حکمت اور اصلاح و تربیت کے نمایاں آثار نظر آتے تھے۔ آپ کے والد گرامی شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ نے جو اپنے زمانے کے متبحر عالم اور صاحب کمال صوفی بزرگ تھے آپ کی تعلیم و تربیت کا خاص خیال رکھا اور آپ میدانِ علم و عمل میں اپنی خداداد قابلیت و صلاحیت کے جوہر دکھانے لگے۔ آپ کی قوت حافظہ کا یہ عالم تھا کہ سات سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا اور پندرہ سال کی عمر میں متداولہ علوم و فنون میں مہارت حاصل کر لی۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے والد گرامی کی وفات کے بعد ان کے قائم کردہ مدرسہ رحیمیہ دہلی میں علوم و فنون کی نشر و اشاعت اور تبلیغ دین کا سلسلہ شروع کیا تو اطرافِ عالم سے علم و حکمت کے طلب گاروں نے دہلی کا رخ کیا۔ تھوڑے ہی عرصے میں علوم و معارف سیکھنے والوں کا جم غفیر آپ کے ہاں جمع ہو گیا اور مدرسے کی عمارت طالبانِ علم و معرفت کے قیام میں کفایت نہ کر سکی چنانچہ سلطان محمد شاہ نے ایک بڑی وسیع عمارت مدرسے کی خاطر وقف کی اور یوں آپ اطمینان اور دلجمعی سے اصلاحی اور تبلیغی کارنامے سرانجام دینے لگے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ علوم ظاہری و باطنی کے بحر ذخار تھے۔ علوم اسلامیہ میں دقت نظر اور مجتہدانہ بصیرت نے آپ کی مساعی جمیلہ کو بھرپور انداز میں کامیابی سے ہم کنار کیا آپ نے جہاں درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ کے ذریعے تجدیدی و اصلاحی تحریک کو عالمی سطح پر فروغ دیا، وہاں تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی جرأت مندانہ عالمگیر کردار ادا کیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے علوم وفنون کے ہر شعبے میں خامہ فرسائی کی اور اہل اسلام کو اپنے بے پناہ علوم و معارف سے مالا مال کیا۔ آپ کی تصانیف علم وحکمت کا روشن آفتاب ہیں اور آپ کے مقالات علوم اسلامیہ کا لب لباب ہیں۔ آپ کی معرکۃ الآرا تصانیف میں فتح الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، المصفّٰی شرح المؤطا، ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین، فیوض الحرمین، التفہیمات الالٰہیۃ، القول الجمیل فی بیان سواء السبیل، حجۃ اللہ البالغۃ، الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ اور انفاس العارفین خاص شہرت ومقبولیت رکھتی ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جب علوم وفنون کی تحصیل اور نشر واشاعت کے مراحل طے کر رہے تھے تو سرزمین ہند اسلام دشمن قوتوں کے نرغے میں گھری ہوئی تھی۔ شمال مغربی علاقوں میں سکھوں کی فتنہ انگیزی سر اٹھا رہی تھی۔ جنوبی ہند میں مرہٹوں کا سیلاب سرگرم عمل تھا اور خلیج بنگال کے ساحلی علاقوں سے مغربی قوتیں بتدریج ملک پر اپنا پنجہ جماتے ہوئے آگے بڑھ رہی تھیں۔ ان طاغوتی طاقتوں میں باہمی اختلاف کے باوجود اس بات پر اتفاق تھا کہ اسلام اور اہل اسلام کو روئے زمین سے مٹا دیا جائے۔ بیرونی فتنوں کے ساتھ ساتھ ملک کے اندر فارسیوں، تورانیوں اور روہیلوں کے باہمی تصادم اور مختلف اغراض و مقاصد کی کشمکش سے اسلامی حکومت کی قبا تار تار ہو رہی تھی۔ مختلف مکاتب فکر سے منسلک مسلمان فروعی اختلافات کا شکار ہو رہے تھے اور وحدتِ اسلامی کا شیرازہ منتشر کرنے کی سازش پروان چڑھ رہی تھی۔ درباری شعراء اور ادیبوں کا دباؤ مختلف وجوہ سے اربابِ فکر ونظر اور تعلیم وتدریس کے نظام پر پڑ رہا تھا اور لوگ قرآن وحدیث اور فقہ وعقائد کے نہج سے ہٹ کر بے معنی ذہنی اور لفظی مباحث کے گورکھ دھندوں میں الجھ رہے تھے۔

ایسے قابل غور حالات میں حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے علمی وتبلیغی مساعی کے ساتھ ساتھ ایک زبردست تحریک کی صورت میں اصلاحی انقلاب برپا کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ تفہیماتِ الٰہیہ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے مسلمانوں کے مختلف طبقات میں احساسِ ذمہ داری پیدا کرنے اور انہیں اجتماعی جدوجہد پر آمادہ کرنے کے لئے ہر مکتب فکر کو مخاطب کیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے سلاطین وقت سے کہا، ''اے بادشاہو! ملاء الاعلیٰ کی مرضی اس امر پر مستقر ہو چکی ہے کہ تمام تلواریں کھینچ لو اور

اس وقت تک نیام میں داخل نہ کرو جب تک مسلمان مشرکین سے مکمل طور پر جدا نہ ہو جائیں اور اہل شرک وفسق کے قائدین کمزور ہوکر بے بس نہ ہو جائیں۔ ایسے قوی اور جرأت مند عادل حاکم مقرر کرو جو ظالم سے مظلوم کا حق وصول کرسکیں اور حدودِ الٰہی قائم کرسکیں تا کہ لوگوں کو اسلام سے بغاوت اور گناہ کبیرہ کے ارتکاب کی جرأت نہ ہو سکے اور اسلام کے شعائر کا بول بالا ہو۔''

حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے امراء اور ارا کین دولت کو کچھ اس طرح جھنجھوڑا،

''اے امیرو! کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے، تم دنیا کی فانی لذتوں میں ڈوبے جارہے ہو، جن لوگوں کی اصلاح اور نگرانی تمہارے ذمے ہے، تم نے انہیں محاسبے اور باز پرس سے بے خوف کردیا ہے، تمہیں اگر کوئی کمزور مل جائے تو اسے پکڑ لیتے ہو اور طاقتوروں کو چھوڑ دیتے ہو۔'' آپ نے عسکری قوت کے مالک افراد کو فرمایا'' خدا نے تمہیں جہاد کے لئے پیدا کیا تھا، جس کا مقصد یہ تھا کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو اور تم شرک کی جڑوں کو دنیا سے نکال پھینکو، مگر تم اپنے فرائض کے احساس سے محروم ہوتے جارہے ہو۔''

حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مدعیانِ علم وحکمت علماء کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا،

''تم یونانی علم وفلسفے میں مستغرق ہو گئے ہو، تم صرف ونحو ومعانی میں ڈوبے ہوئے ہو۔ یاد رکھو، اصل علم آیت محکمہ ہے، یا سنت قائمہ، جو علوم قرآن وسنت کی معرفت کا ذریعہ ہیں انہیں مقصود بالذات نہ سمجھو بلکہ واسطے کی حیثیت سے مدنظر رکھو۔''

آپ نے عوام الناس کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا،'' لوگو! تمہارے اخلاق سو چکے ہیں، تم پر شیطان مسلط ہو گیا ہے، تم حرص اور لالچ کے دام میں گرفتار ہو۔ یاد رکھو! تم میں سے کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، جس شخص کو حیات قائم رکھنے کے لئے معمولی خوراک، سر چھپانے کے لئے مکان اور جسم ڈھانپنے کے لئے لباس میسر ہو، اسے پوری دنیا حاصل ہے۔ اسے چاہئے کہ قناعت اختیار کرے اور شکر بجالائے۔''

حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تقریر وتحریر کے ذریعے مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر کو اپنے دردمند دل کی آواز سے جس وسیع پیمانے پر متاثر کیا، اس کے مثبت نتائج برآمد ہوئے اور آپ کی مسلسل کاوشوں اور عرق ریزیوں نے ولی اللّٰھی تحریک کی صورت اختیار کرکے سرزمین ہند کے مسلمانوں کو خواب

غفلت سے بیدار کیا اور اسلام دشمن طاقتوں کی ریشہ دوانیوں کا پردہ چاک کرنے میں مضبوط جدوجہد کی۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مذاہب اربعہ کے اجتہادی اختلاف کی مصلحت اور حقیقت کو بیان کر کے مسلمانوں کے باہمی افتراق و انتشار کا سد باب کیا۔ احادیث کی شرحوں میں حدیث و فقہ کی تطبیق اور موافقت کی راہیں متعین کر کے آپ نے اسلام دشمن عناصر کے اس مصنوعی تضاد پر ضرب کاری لگائی جس کے ذریعے وہ مسلمانوں میں شکوک وشبہات ڈالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ آپ نے اسلامی تصوف کو قرآن وحدیث کی روشنی میں قرونِ اولیٰ کے تصوف کا عکس جمیل قرار دیا اور صوفیائے کرام کے مسلک کو کتاب وسنت کا حسین امتزاج ثابت کیا نیز علمائے ظواہر اور صوفیا کے درمیان اختلافی شدت کو کافی حد تک کم کر ڈالا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بصیرت قلبی کی بنا پر اپنی کتابوں، خاص کر حجۃ اللہ البالغہ میں مغربی الحاد کے زہر قاتل کا قبل از وقت تریاق پیش کیا اور بعد میں آنے والے عہد حکومت میں وساوس اور شکوک وشبہات کے اندھیروں کو پیشگی رفع کرتے ہوئے اسلامی احکام کو عقلی دلائل و براہین سے مزین کیا اور اس طرح حفظ ما تقدم کے طور پر بہت سے فتنوں کو پھلنے پھولنے کا موقع نہ دیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے دیارِ ہند میں قرآن وحدیث کے تراجم کی بنیاد ڈالی اور بڑی ہمت سے اس کام کا اہتمام کیا۔ مشکلاتِ قرآن کا حل، حدیث وفقہ کا باہمی ارتباط، احکام شریعت کے اسرار و رموز، تصوف کے تحقیقی مباحث، اہل سنت و جماعت کے عقائد کی تشریح وتعبیر اور معقولات ومنقولات کے تطابق پر حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جس طرح اظہارِ خیال کیا ہے بلاشبہ وہ آپ کا طرۂ امتیاز ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزندوں اور بے شمار شاگردوں نے آپ کی تحریک کو مزید تقویت بخشی اور اصلاح وتبلیغ کا جو ہنگامہ آپ نے برپا کیا تھا، اس کے اثرات ونتائج کو تحریر وتقریر کی صورت میں وسعت دے کر عظیم الشان کارنامہ سرانجام دیا اور یوں طویل عرصہ گزرنے کے باوجود آج بھی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک جاری وساری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بزرگانِ دین کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین وَ آخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن.

☆☆☆☆☆

حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ ان بزرگان دین اور علمائے کاملین میں امتیازی شہرت و مقبولیت رکھتے ہیں جنہوں نے پوری زندگی اسلامی تعلیمات کی نشر و اشاعت اور خلقِ خدا کی اصلاح و تربیت میں گزار دی۔

علم و عرفان کا یہ آفتاب یکم رمضان ۱۲۷۵ھ میں گولڑہ شریف ضلع اسلام آباد میں پیر سید نذر دین شاہ گیلانی کے گھر جلوہ افروز ہوا، بچپن ہی سے سعادت و بلندیٔ ہمت کے آثار آپ کی پیشانی سے نمایاں نظر آتے تھے اور اہل نظر محسوس کرتے تھے کہ خاندان غوثیت کا یہ چشم و چراغ علم و معرفت کے انوار سے خلقِ خدا کے قلوب و اذہان کو منور کردیگا۔

آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت گھر پر ہوئی، آپ کی ذہانت کا یہ عالم تھا کہ ناظرہ قرآن پاک پڑھتے ہوئے سارا قرآن یاد کرلیا۔ صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں پڑھنے کے دوران علمی لیاقت و قابلیت کا یہ عالم کہ اساتذہ کرام پر عجیب و غریب سوالات کر کے انہیں ورطۂ حیرت میں ڈال دیتے۔ اساتذہ کرام ساری رات کتابوں اور شروح کا مطالعہ کرتے تب کہیں آپ کی تعلیم کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوتے۔ موضع بھوئی علاقہ حسن ابدال میں اس وقت حضرت مولانا محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کا مدرسہ تعلیم کے لحاظ سے بہت مشہور ہو چکا تھا آپ نے دو سال تک وہاں تعلیم حاصل کی اور اپنی علمی صلاحیت اور نکتہ سنجی سے اربابِ علم و فن کو متاثر کیا، اس کے بعد انگہ علاقہ شاہ پور ضلع سرگودھا میں استاذ العلماء حضرت مولانا سلطان محمود رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں شریک ہوئے اور فنون کی وسطانی اور کچھ آخری کتابیں پڑھیں، اس کے بعد علوم و فنون کی آخری کتابوں اور دورہ حدیث کے لئے ہندوستان کا سفر کیا، استاذ الکل حضرت مولانا لطف اللہ صاحب علیگڑھی رحمۃ اللہ علیہ سے فنون کی تکمیل کی اور حضرت مولانا احمد علی

صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے دورہ حدیث کی تکمیل کی۔

دوران تدریس اساتذہ کرام، آپکی علمی وذہنی صلاحیتوں سے بے حد متأثر ہوتے۔ علمی مشاغل میں محنت اور دلچسپی کا یہ عالم کہ عشاء کی نماز پڑھ کر مطالعہ کے لئے بیٹھتے تو صبح کی اذان تک یہ سلسلہ جاری رہتا، علوم وفنون اور دورہ حدیث سے فراغت کے بعد آپ نے وطنِ مالوف کا رخ کیا اور مسندِ تدریس پر بیٹھ کر علوم وفنون کی نشرواشاعت کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ آپ کی علمی شہرت وعظمت کے پیش نظر مختلف علاقوں سے علوم وفنون کے طلبگار حاضر خدمت ہوئے اور آپ ان کی علمی پیاس بجھانے میں مصروف ہوگئے۔

اس دوران آپ نے سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی اور خرقہ خلافت حاصل کیا۔ اس سے پہلے سلسلہ قادریہ میں اپنے خاندان کے جلیل القدر بزرگ حضرت پیر فضل دین شاہ گیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے آپ خرقۂ خلافت حاصل کر چکے تھے۔

۱۳۰۷ھ میں آپ نے حجاز مقدس کا سفر اختیار کیا اور فریضۂ حج ادا کیا، مکّہ معظّمہ کے مشہور علماء ومشائخ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، حضرت مولانا رحمت اللہ مہاجر مکّی اور شیخ القراء قاری عبداللہ مکّی سے آپ کی علمی وروحانی مجالس ہوئیں اور ان سب حضرات نے آپ کے فضل وکمال کا اعتراف کیا۔ مدرسہ صولتیہ کے فاضل مدرس شاہ محمد غازی رحمۃ اللہ علیہ، قاری احمد مکّی قاضی القضاۃ حجاز مقدس اور قاری عبدالرحمٰن (مصنفِ فوائد مکیہ) نے آپ سے بیعت کی اور سندیں حاصل کیں۔

حجاز مقدس کے سفر سے واپس تشریف لائے تو پوری استقامت، دلجمعی اور شرحِ صدر کے ساتھ مسندِ علم وعرفان پر بیٹھ کر علومِ ظاہری وباطنی کی نشرواشاعت سے پورے ہندوستان میں علمی اور روحانی صلاحیت اور لیاقت کی دھاک بٹھادی۔ اسلامی مکاتبِ فکر کے مستند علمائے کرام نے آپ کی علمی وروحانی فوقیت وبرتری کو تسلیم کیا اور آپکی شخصیت علمائے کرام اور مشائخ عظام میں مرکزی حیثیت کی حامل قرار پائی۔

حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے درس وتدریس کے ساتھ تصنیف وتالیف کے میدان

میں خاص دلچسپی لی، قادیانیت کی تردید میں آپ کی شہرۂ آفاق، معرکۃ الآراء کتاب ''سیف چشتیائی'' وہ عظیم الشان زندۂ جاوید کارنامہ ہے جسے اسلامی مکاتب فکر کے تمام جید علمائے کرام نے خراجِ تحسین پیش کیا اور آج تک قادیانیوں کو اس کا جواب لکھنے کی جرأت نہ ہوسکی۔ اگست ۱۹۰۰ء میں بانیٔ قادیانیت مرزا غلام احمد قادیانی کے ساتھ مناظرے کیلئے تمام مکاتب فکر کے علماء نے آپکو اپنا قائد تسلیم کیا، آپ مقررہ تاریخ پر لاہور پہنچے ہزاروں علماء اور لاکھوں عوام کا اجتماع ہوا مگر قادیانی کذّاب کو قادیان سے باہر نکلنے کی جرأت نہ ہوئی، آپ نے تین دن تک لاھور قیام کیا مگر قادیانی نے راہِ فرار اختیار کی۔

علمِ تصوف میں ''تحقیق الحق فی کلمۃ الحق'' فروعی مسائل میں ''اعلاء کلمۃ اللہ فی بیان وما اھل بہ لغیر اللہ'' خلافتِ راشدہ کی حقانیت اور فضائل اہل بیت میں ''تصفیہ مابین سنی وشیعہ'' مسئلہ ختم نبوت پر ''شمس الھدایت'' اور ''ہدیۃ الرسول'' آپ کی مشہور تصانیف ہیں جن کے کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ تصانیف کے علاوہ آپ کے ملفوظات، مکتوبات اور مجموعہ فتاویٰ بھی آپ کے علمی اور روحانی کمالات کے آئینہ دار ہیں اور علومِ شریعت وطریقت میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ عربی، فارسی، اردو اور علاقائی زبان میں آپ کا منظوم کلام ''مرأۃ العرفان'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ علاقائی زبان میں آپ کی مشہور ومقبول نعت زبان زد خاص وعام ہے اور عالمی شہرت ومقبولیت رکھتی ہے جس کا آخری مصرعہ

؎ کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا گستاخ اکھیں کتھے جا اڑیاں

ہر نعت کہنے، پڑھنے اور سننے والے کے دل کی دھڑکن ہے۔

حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ علومِ تصوف میں فتوحات مکیہ، فصوص الحکم، مثنوی مولانا روم اور دیوانِ حافظ شیرازی کا چالیس سال تک باقاعدہ درس دیتے رہے اور آپکے درس میں اکابر علماء و مشائخ بطور تبرک شریک ہوکر مستفید ہوتے رہے۔ علامہ اقبال مرحوم نے حضرت ابن عربی کے فلسفۂ حقیقت زمان کے متعلق آپ سے استفادہ کی خواہش کی اور اس بات کا اعتراف کیا کہ درپیش مسئلہ کے حل کے لئے پورے ہندوستان میں

صرف آپ کا دروازۂ علم وفضل نظر آتا ہے۔ انوارِ اولیاء کے مؤلف سید رئیس احمد جعفری اور تاریخ مشائخ چشت کے مؤلف پروفیسر خلیق نظامی نے آپ کی علمی وروحانی خدمات کوزبردست خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ قادریہ اور چشتیہ میں بیعت فرماتے تھے آپ کے مریدین کا حلقہ بہت وسیع ہے جس سے ہزاروں علماو مشائخ کے ساتھ لاکھوں عوام الناس وابستہ ہیں جو پاکستان کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے ہیں، پاکستان کے علاوہ بھارت، بنگلہ دیش، افغانستان اور دوسرے اسلامی ممالک میں بھی آپ کے متعلقین پائے جاتے ہیں۔

آپکی سیرت وتعلیمات، علمی وروحانی کمالات، دینی خدمات اوراولاد امجاد کے حالات پر مشتمل آپ کی سوانح حیات ''مہر منیر'' (مؤلفہ مفتیٔ درگاہ گولڑہ شریف علاّمہ فیض احمد صاحب) کو عالمی شہرت ومقبولیت حاصل ہے جس کے کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی پوری زندگی اتباع شریعت اوراسلامی تعلیمات کی نشرواشاعت میں گزری۔ آپ کی پاکیزہ سیرت، سیرت نبوی کا عکس جمیل تھی اور آپ کا اخلاق خلقِ محمدی کا آئینہ دارتھا۔

۲۹ صفر ۱۳۵۶ھ بروز منگل شریعت کا یہ آفتاب اور طریقت کا یہ ماہتاب اہل عالم کی نگاہوں سے روپوش ہوگیا۔

صورت از بےصورتی آمد بروں بازشد اِنَّـا اِلَیْـہِ رَاجِعُوْن

گولڑہ شریف ضلع اسلام آباد میں آپکا مزارِ پُرانوار مرجع خلائق ہے جہاں عظیم الشان جامع مسجد، معیاری دینی درسگاہ، ہزاروں کتب پر مشتمل لائبریری اور زائرین کے قیام وطعام کا انتظام ہے۔ آپ کی اولادِ امجاد کی سرپرستی میں اسلامی تعلیمات کی نشرواشاعت اورخلقِ خدا کی اصلاح وتربیت کا سلسلہ جاری ہے۔

☆☆☆☆☆

ساتواں باب حضرات مفسرین قرآن رحمۃ اللہ علیہم

حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اپنے عظیم الشان علمی کارناموں اور اپنی دینی خدمات کی بنا پر دنیائے اسلام میں امتیازی مقام رکھتے ہیں۔ آپ کا نام محمد، کنیت ابوعبداللہ اور لقب فخر الدین ہے۔ سن پانچ سو تینتالیس ہجری میں بمقام ''رے'' آپ کی ولادت ہوئی اسی شہر کی نسبت سے آپ کو رازی کہا جاتا ہے۔ آپ کے والد ماجد امام ضیاء الدین عمر اپنے دور کے مشہور خطیب، ادیب اور انشاء پرداز تھے چونکہ وہ خطیبِ رے کے لقب سے مشہور تھے اس وجہ سے امام رازی صاحب کو ابن الخطیب بھی کہا جاتا ہے۔

امام فخر الدین رازی نے ابتدائی علوم اپنے والد ماجد سے حاصل کیے۔ اُن کی وفات کے بعد آپ نے علامہ کمال سمعانی سے فقہی علوم حاصل کیے اور علامہ مجید جیلی سے فلسفہ وحکمت کی تعلیم حاصل کی۔ اگرچہ امام فخر الدین رازی نے تمام علوم وفنون میں مہارت پیدا کی تاہم اُن کی زیادہ شہرت اور مقبولیت فلسفہ، منطق اور علمِ کلام میں ہوئی۔ امام فخر الدین رازی کی تفسیرِ قرآن ''مفاتیح الغیب'' جو تفسیر کبیر کے نام سے مشہور ہے آپ کا ایک عظیم الشان علمی کارنامہ ہے۔ آپ نے تفسیر کبیر میں علمی تحقیقات، فکری نکات اور دلائل و براہین کا جو ذخیرہ پیش کیا ہے وہ آپ کی ذہنی صلاحیت، فکری استعداد اور وسعتِ علم کا مُنہ بولتا ثبوت ہے۔ یہ بجا ہے کہ آپ نے تفسیر کبیر میں فلسفہ و معقولات پر زیادہ خامہ فرسائی کی ہے اور اُن کے مقابلے میں منقولات اور روایات پر زیادہ توجہ نہیں دی مگر اسکی خاص وجہ تھی کہ اُس دور میں ملحدین کا ایک مضبوط گروہ عقلی موشگافیوں اور فلسفیانہ مفروضات کے ذریعے قرآن مجید کی حقانیت کو مجروح کرنے پر تلا ہوا تھا۔

امام فخر الدین رازی نے وقت کی ضرورت کو بھانپ لیا اور مخالفین کے نظریات کی تردید میں معقولات اور فلسفی دلائل کو پیش کیا۔ اس نئے انداز میں اسلامی عقائد واعمال کو پیش کر کے آپ نے ایک منفرد راستہ اختیار کیا اور مخالفین اسلام کے باطل نظریات کا پردہ چاک کر ڈالا۔ تفسیر کبیر اگرچہ آپ کی ایک ضخیم تصنیف تھی تاہم

امیں کچھ کمی باقی رہ گئی تھی جسے نجم الدین احمد بن محمد القمولی نے پورا کیا۔ قاضی شہاب الدین بن خلیل نے بھی تفسیر کبیر کا طویل تکملہ لکھا۔ تفسیر کبیر میں طوالت کے خوف کی بنا پر علامہ برہان الدین محمد نسفی نے پھر اسے مختصر کیا۔ اسی طرح علامہ محمد بن القاضی نے بھی اس کی تلخیص کی اور بعض فوائد کا بھی الحاق کیا۔

تفسیرِ کبیر میں امام رازی مختلف اقوال نقل کر کے اُس قول کو ترجیح دیتے ہیں جو سیاق وسباق، لغت اور عقل سے زیادہ مناسبت رکھتا ہو۔ جب مفسرین کے اقوال نقل کر کے اُن پر زبردست تنقیدی محاکمہ کرتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ علم وحکمت کا بحرِ ذخّار موجزن ہے۔

تفسیر کبیر کے علاوہ آپ کی سینکڑوں تصانیف ہیں جو اپنے موضوعات کی اہمیت وافادیت کے پیشِ نظر اربابِ علم وفن میں مقبول ہیں۔ چند کتابوں کے نام یہ ہیں شرح عیون الحکمة ،نهاية الاعجاز فی دراية الاعجاز ،المحصول فی الفقه ، عصمة الانبياء ، لوامع البينات فی شرح اسماء اللّٰه والصفات ،المعالم فی اصول الدين ،مباحث الوجود والعدم اور فضائل الصحابه۔

امام فخر الدین رازی عمر کے آخری دور میں اس بات پر افسوس کرتے تھے کہ انہوں نے فلسفہ وکلام میں زیادہ وقت کیوں گزار دیا فرمایا کرتے تھے میں نے فلسفہ وکلام کے تمام طریقوں کا اچھی طرح جائزہ لیا مگر اُن میں سکون واطمینان نہ پایا، میرے نزدیک حقائق ومعارف کے ادراک کا سب سے بڑا ذریعہ قرآن مجید ہے اور میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے سوا کوئی چیز قابلِ اعتماد نہیں۔ آپ نے آخری عمر میں زہدو عبادت اور تزکیۂ نفس کے سلسلے میں بہت مجاہدہ کیا اور تصوف کے اسرار ورموز کا ادراک کیا۔ آپ کے ایک وصیت نامے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ذوقِ محبت، عجز ونیاز، اخلاص وقناعت اور معرفتِ الٰہی کی دولت سے مالامال تھے۔ وفات کے قریب بار بار آپ یہ رباعی پڑھتے۔

ہرگز دلِ من زعلم محروم نہ شد کم ماند زاسرار کہ مفہوم نہ شد
ہفتاد ودو علم درس خواندم شب وروز معلومم شد کہ ہیچ معلوم نہ شد

سن چھ سو ہجری عید الفطر کے دن شہرِ ہرات میں آپ کا انتقال ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مفسرینِ کرام کی دینی خدمات سے فائدہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین، وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

☆☆☆☆☆

علامہ قاضی ناصر الدین بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

قاضی ناصر الدین ابو سعید عبداللہ بن عمر البیضاوی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ اُمتِ مسلمہ کے جلیل القدر مفسرین کرام میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ساتویں ہجری میں جن اکابر علمائے تفسیر نے اپنی عملی جدوجہد اور تحقیقی کارناموں کے ذریعے دنیائے اسلام میں لازوال شہرت ومقبولیت حاصل کی علامہ بیضاوی اُن میں امتیازی مقام رکھتے ہیں۔چونکہ آپ منصبِ قضا پر فائز رہے اوراس سلسلے میں معیاری خدمات سرانجام دیں اس لئے آپ کو قاضی بیضاوی کہا جاتا ہے۔

علامہ تاج الدین سبکی نے طبقات کبریٰ میں آپ کے متعلق لکھا ہے کہ شیراز کا عہدۂ قضاء آپ کے سپرد رہا۔علامہ بیضاوی ایک مرتبہ حضرت شیخ محمد بن محمد الکختائی کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ اپنے منصب میں توسیع کی سفارش کرائیں۔شیخ محمد بن محمد نے کچھ ایسے انداز سے وزیر کے پاس سفارش کی کہ قاضی بیضاوی دنیوی مناصب کے حصول سے نادم ہوئے اوراُن کی خدمت میں رہنا پسند کیا۔اپنے شیخ طریقت کے حکم پر قاضی بیضاوی نے مشہورِ عالَم تفسیر''انوار التنزیل و اسرار التاویل ''قلمبند کی جو دنیائے اسلام میں تفسیر بیضاوی کے نام سے مشہور ہوئی۔یہ تفسیرِ قرآن علامہ بیضاوی کا وہ علمی شاہکار ہے جس نے اُنہیں دوامی شہرت ومقبولیت سے ہمکنار کیا اور علمائے مفسرین میں اُن کی علمی قابلیت کو نمایاں مقام عطا کیا۔

تفسیر بیضاوی میں اعراب،معانی اور بیان کے متعلقات زیادہ تر تفسیر کشاف سے ماخوذ ہیں۔حکمت و کلام کے مباحث تفسیرِ کبیر سے لئے گئے ہیں۔لغت،اشتقاق اور لطائف واستعارات میں تفسیر امام راغب اصفہانی سے استفادہ کیا گیا ہے۔منطق،فلسفہ اور معقولات کے مباحث میں قاضی بیضاویؒ کی جودتِ طبع قابل تحسین ہے۔علامہ بیضاوی نے تفسیر میں علمی نکات اور فکری تحقیقات کا جو مواد پیش کیا ہے ہر دور کے اکابر اہلِ علم و فن نے اُس کی اہمیت کو تسلیم کر کے اُنہیں خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔علامہ بیضاوی کے اُسلوبِ تفسیر اور اندازِ تحقیق

کی افادیت کے پیش نظر تفسیر بیضاوی کا کچھ حصہ درسِ نظامی میں شامل کیا گیا ہے اور عربی مدارس میں بطورِ نصاب پڑھایا جاتا ہے۔

تفسیر بیضاوی کی اہمیت کا کچھ اندازہ اِس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اکابر علمائے کرام نے اس کے حواشی اور تعلیقات پر خامہ فرسائی کی۔ بعض حواشی کا تعلق پوری تفسیر سے ہے بعض کا تعلق کچھ سورتوں اور آیات سے ہے۔ اسی طرح تعلیقات بھی اسی انداز میں پائی جاتی ہیں۔ اگر چہ بیضاوی کے حواشی بہت زیادہ ہیں تاہم اُن میں امام جلال الدین سیوطی، محی الدین محمد بن شیخ مصلح الدین، ابوالفضل قرشی الخطیب، محمد جمال الدین الشروانی، محقق عصام الدین اسفرائینی، شیخ شہاب الدین خفاجی اور علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کے حواشی زیادہ مشہور ہیں۔ شیخ محمد بن یوسف شامی نے تفسیر بیضاوی کی تلخیص لکھی جس کا نام ہے ''الاتحاف بتمییز ماتبع فیه البیضاوی الکشاف'' امام عبدالرؤف مناوی نے بیضاوی میں وارد احادیث کی تخریج پر ایک کتاب لکھی جس کا نام ہے'' التخریج السماوی بتخریج احادیث البیضاوی'' امام الکاملیہ محمد بن محمد الشافعی القاہری نے بھی تفسیر بیضاوی کی تلخیص لکھی۔ تعلیقات میں میر سید شریف الجرجانی، کمال الدین محمد بن محمد القدسی، الفاضل ابن نجی العلائی الشیر ازی اور محمد بن کمال الدین تاشقندی کا نام زیادہ مشہور ہے۔

تفسیر بیضاوی کے علاوہ علامہ بیضاوی کی بہت سی مشہور اور مفید تصانیف ہیں جو اربابِ علم وفن کے نزدیک قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں اور مصنف کے علمی کمال، وسعتِ معلومات اور تبحرِ علمی کا زندۂ جاوید کارنامہ ہیں۔ چند کتابوں کے نام یہ ہیں، تحفة الابرار فی شرح المصابیح، موضوعات العلوم وتعاریفها، لُبُّ الالباب فی علم الاعراب، طوالع الانوار، منهاج الوصول الٰی علم الاصول اور مرصاد الافهام الٰی مبادی الاحکام۔

علامہ بیضاوی نے سن چھ سو پچاسی ہجری میں بمقام تبریز وفات پائی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مفسرین کرام کی علمی خدمات سے فائدہ حاصل کرنیکی توفیق عطا فرمائے۔ آمین، وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

☆☆☆☆☆

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

مفسّرِ قرآن علامہ ابوالفداء عمادالدین اسماعیل بن عمر المعروف ابن کثیر آٹھویں صدی ہجری کے اکابرِ علم وفن میں خاص شہرت رکھتے ہیں۔ شام کے شہر بُصریٰ کے نواحی گاؤں مجدل میں سن سات سو ایک ہجری میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد خطیب تھے اور اُنہوں نے سن سات سو چھ ہجری میں شام کے مشہور شہر دمشق کو اپنا وطن بنالیا۔ علامہ ابن کثیر بھی والد کے ساتھ منتقل ہوئے اور دمشق میں علم وفن کے حصول میں جدو جہد شروع کی۔ علامہ ابن کثیر جذبۂ شوق سے مالا مال تھے۔ بڑا قوی حافظہ رکھتے تھے اور علم کے حصول میں فطری صلاحیت اور استعداد کو بروئے کار لانے کے لئے بیقرار تھے۔

وقت کے مشہور اکابر علم وفن کی خدمت میں اُنہوں نے علمی پیاس بجھانے کے لئے حاضری دی تو اساتذہ اور مشائخ نے بھانپ لیا کہ یہ جوہر کامل علم وعمل کی بے پناہ امانتوں کو سنبھالنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ علامہ ابن کثیر نے شیخ برہان الدین سے فقہی علوم حاصل کئے ابن السویدی، قاسم بن عساکر اور دیگر مشہور شیوخ سے حدیث کا سماع کیا۔ علامہ مزی سے اُنہیں خاص تلمذ حاصل ہوا اور اُن کے داماد بھی قرار پائے۔ علامہ ابن کثیر کو فقہ، تفسیر اور نحو میں خاص دستگاہ حاصل تھی۔ فتویٰ، تدریس اور مناظرے سے بھی دلچسپی رکھتے تھے، حدیث کے رجال اور علل میں اُن کی نظر بڑی دقیق اور عمیق تھی۔ امام ذہبی نے اُنہیں فقیہ، محدث، محقق، مفسر اور نقاد کہا ہے اور ان کی تصانیف کو مفید قرار دیا ہے۔

امام ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ علامہ ابن کثیر بڑے حاضر جواب تھے ان کی تصانیف اُنکی زندگی میں مشہور ہوگئیں اور اُن کی وفات کے بعد لوگوں نے اُن کی کتابوں سے بہت فائدہ حاصل کیا۔ ابن کثیر کی تصانیف میں سے تفسیر قرآن کو خاص اہمیت حاصل ہے اور اس تفسیر کو اُن کا علمی کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔ تفسیر قرآن کی بدولت ابن کثیر کو بہت شہرت ومقبولیت حاصل ہوئی۔ تفسیر ابن کثیر سے ہر دور میں استفادہ کیا جاتا رہا ہے اور علمی حلقوں میں

اس تفسیر کو خاص مقبولیت حاصل رہی ہے چنانچہ امام جلال الدین سیوطی نے اِسے بے مثال تفسیر قرار دیا ہے۔

تفسیر ابن کثیر میں جس احتیاط کو خاص طور پر مدِ نظر رکھا گیا ہے وہ یہ ہے کہ روایات کی جانچ پڑتال کی گئی ہے اور کافی حد تک جرح وتعدیل کے ضابطے کا خیال رکھا گیا ہے۔ علامہ ابن کثیر چونکہ ایک پختہ کار محدّث تھے اس لئے اُنہوں نے تفسیر میں محدّثانہ طرز اختیار کیا ہے۔ اُنہوں نے کافی اسرائیلی روایات کو رد کر دیا اور اُن پر زبردست تنقید کی تاہم اس سلسلے میں وہ اعلیٰ معیار برقرار نہ رکھ سکے جس کی اُن سے توقع تھی بلکہ اُن روایات کے ایک حصے کو قبول کرڈالا مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ محدّثانہ نقطۂ نظر سے پھر بھی تفسیر ابن کثیر زیادہ قابلِ اعتماد ہے۔ چنانچہ بعد کے مفسرین کرام نے اپنی تفسیروں میں تفسیر ابن کثیر کے حوالے پیش کئے اور اُسکی اہمیت کا اعتراف کیا۔

مصر کے نامور فاضل ومحقق استاد احمد محمد شاکر نے عمدة التفسیر عن الحافظ ابن کثیر کے نام سے اس تفسیر کا خلاصہ شائع کیا ہے جس میں کتاب کی خصوصیات اور محاسن کو برقرار رکھتے ہوئے ضعیف احادیث، غیر مستند اسرائیلی روایات، مکرر اقوال واسانید، علم کلام کے طویل مباحث اور لغوی ولفظی مناقشات کو حذف کر دیا ہے۔ تفسیر قرآن کے علاوہ علامہ ابن کثیر کی تصانیف میں البدایہ والنہایہ کو بھی خاص اہمیت حاصل ہے جو تاریخ کی ایک مستند دستاویز تسلیم کی جاتی ہے اور چودہ جلدوں میں مصر سے شائع ہو چکی ہے۔ عرب مؤرخین کے دستور کے مطابق ابتدائے آفرینش سے لیکر مصنف کے دور تک کے حالات وواقعات اِس میں درج ہیں۔ اکثر مؤرخین اِسے تاریخی لحاظ سے مرجع وماخذ قرار دیتے ہیں۔

علامہ ابن کثیر کی چند دیگر تصانیف کے نام یہ ہیں **التکمیل فی معرفة الضعفاء والثقات والمجاهیل، تخریج ادلة التنبیه، مسند الشیخین، علوم الحدیث** اور **طبقات الشافعیه**. علامہ ابن کثیر نے مسند امام احمد کو حروف کی ترتیب پر مرتب کیا اور اسمیں طبرانی اور ابو یعلیٰ کے زوائد بھی شامل کئے۔ احکام میں ایک مبسوط کتاب لکھنی شروع کی تھی مگر اُس کی تکمیل نہ کر سکے۔ علامہ ابن کثیر نے ماہِ شعبان سن سات سو چوہتر ہجری میں وفات پائی اور دمشق کے مقبرة الصوفیہ میں مدفون ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مفسرین کرام کی علمی خدمات سے فائدہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین، **وَ آخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.**

☆☆☆☆☆

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

مفسّر قرآن علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اکابر علماء اور مشائخ میں شمار ہوتے ہیں۔ سرزمین ہند میں متأخرین علمائے ربانی کی صف میں آپ کو قابل رشک مقام حاصل ہے۔ آپ مشہور بزرگ شیخ جلال الدین عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے تھے۔ بارہ واسطوں سے آپ کا سلسلۂ نسب اُن سے جا ملتا ہے اور پھر آخر میں خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک آپ کا سلسلہ نسب پہنچتا ہے۔

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادتِ باسعادت پانی پت میں ہوئی اور وہاں پر ہی آپ نے ابتدائی تعلیم وتربیت حاصل کی۔ اُس زمانے میں علم وفضل کے حوالے سے دہلی کو مرکزی حیثیت حاصل تھی اور حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مسندِ حدیث پر رونق افروز تھے۔ آپ کی شہرت اور مقبولیت کے پیش نظر قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے علمی پیاس بجھانے کے لئے دہلی کا رخ کیا اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں شریک ہوگئے۔ آپ نے بڑی محنت اور جانفشانی سے دینی علوم حاصل کئے اور اٹھارہ سال کی عمر میں مروجہ علوم سے فراغت حاصل کی۔ تحصیل علم کے ساتھ ساتھ ابتداء ہی سے آپ کو تزکیہ ء نفس کے حصول کا بھی شوق تھا چنانچہ بچپن ہی سے زہد وعبادت اور فقر وقناعت آپ کا طریقہ رہا۔

علوم ظاہری سے فراغت حاصل کرنے کے بعد آپ نے شیخ محمد عابد سنامی کی صحبت اختیار کی اور طریقت کے اسرار ورموز کا ادراک کرنے لگے۔ اُن کی خدمت میں رہ کر آپ نے بہت کچھ حاصل کیا اور بالآخر حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ ء ارادت میں داخل ہوگئے شیخ طریقت کی بیعت سے مشرف ہونے کے بعد قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ علم وعرفان کے مدارج طے کرنے لگے اور تھوڑے ہی عرصے میں اپنی صلاحیت اور استعداد کی بنا پر فقر وتصوف کے اسرار ورموز کے امین قرار پائے۔ آپ کے شیخ طریقت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ آپ سے بڑی محبت فرماتے اور فرمایا کرتے کہ قاضی ثناء اللہ کے تقویٰ

اور دیانت کی وجہ سے اُن کا مقام میرے دل میں ہے یہ شریعت کی ترویج اور طریقت کی تنویر کا فریضہ انجام دیں گے یہ صفات ملکوتی سے موصوف ہیں اور فرشتے بھی اِن کا احترام کرتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن مجھ سے پوچھا کہ میری بارگاہ میں کیا لے کر آئے ہو تو میں قاضی ثناء اللہ کو پیش کروں گا۔

شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی نے قاضی ثناء اللہ کے تبحر علمی کے پیش نظر اُنہیں بیہقی وقت کا خطاب عطا فرمایا۔ شاہ غلام علی محدث دہلوی مقامات میں لکھتے ہیں کہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی فقہ و اصول میں درجہء اجتہاد کو پہنچے ہوئے تھے۔ تقوٰی اور پرہیز گاری میں منفرد تھے روزانہ سو رکعت نفل پڑھنا آپ کا معمول تھا، تدریس تصنیف اور افتاء کی مصروفیت کے باوجود اوراد و وظائف اور تلاوت قرآن کی کثرت آپ کی عادتِ ثانیہ تھی شیخ محسن بن یحیٰی نے الیانع الجنی میں لکھا ہے کہ قاضی ثناء اللہ فقیہ، اصولی، زاہد اور مجتہد تھے تفسیر اور فقہ میں اُن کی تصنیفات قابل تعریف ہیں۔

آپ کی مشہور تفسیر جسے آپ نے اپنے شیخ طریقت سے منسوب کیا یعنی تفسیر مظہری بلاشبہ ایک معرکۃ الآراء تفسیر ہے۔ جس میں سلف صالحین کے طرز پر منقولات اور روایات کو تحقیقی انداز میں درج کیا گیا۔ فقہی مسائل کا استخراج کیا گیا اور اصولی مباحث کو ضبط تحریر میں لایا گیا۔ اندازِ تفسیر نہایت مؤثر اور دلنشین ہے کہ پڑھنے والا متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ صوفیائے کرام کے اقوال اور تصوف کے مسائل مزید دلچسپی پیدا کر دیتے ہیں تفسیر کی افادیت اور جامعیت کے پیش نظر بعد میں آنیوالے اور عہد قریب کے مفسّرین نے اپنی تفسیروں میں جا بجا اس کے حوالے درج کیے ہیں۔ تفسیر کے علاوہ آپ نے علمِ حدیث پر دو جلدوں میں ایک مبسوط کتاب لکھی۔ فقہ حنفی میں آپ کی کتاب ''مالابدّ منہ'' بڑی شہرت رکھتی ہے۔ روافض کے رد میں ''السیف المسلول'' تحریر فرمائی۔ تذکرۃ الموتیٰ والقبور، تذکرۃ المعاد، حقیقۃ الاسلام آپ کے قلمی شاہکار ہیں۔ عشر و خراج، حرمتِ متعہ، اور حکم غنا کے بارے میں بھی آپ کے رسائل علمی تحقیق کا نمونہ ہیں۔

یکم رجب سن بارہ سو پچیس ہجری بمقام پانی پت آپ کا وصال ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مفسرین کرام کی علمی خدمات سے فیض حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اٰمِیْن، وَ آخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

☆☆☆☆☆

علامہ شہاب الدین محمود الوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

ابوالثناء علامہ شہاب الدین محمود الالوسی البغدادی رحمۃ اللہ علیہ وہ جلیل القدر مفسرِ قرآن ہیں جنکی تفسیر ''روح المعانی'' دنیائے اسلام میں خاص شہرت اور مقبولیت سے ہمکنار ہوئی۔ علامہ شہاب الدین الوسی کی ولادت سن بارہ سوسترہ ہجری میں ہوئی۔ آپ ایک ایسے خاندان کے چشم و چراغ ہیں جو علم وعمل اور زہد وتقوٰی کے لحاظ سے بہت مشہور ہے۔ خاندانی روایات کے مطابق آپ کی تعلیم وتربیت پر خاص توجہ دی گئی اور مدینۃ السلام بغداد کے اکابر اربابِ علم وفن سے آپ کو استفادے کا موقع ملا۔ بلندیٔ ہمت اور ذوقِ طلب نے آپ کو حصولِ علم کی خاطر طویل سفر پر آمادہ کیا اور بہت سے اسلامی ممالک میں علم حاصل کرنے کی سعادت آپ کو نصیب ہوئی۔ آپ کی طبیعت میں تواضع، انکسار اور ادب کے عناصر کا بڑا غلبہ تھا۔ اساتذہ کرام نے اِس جوہر کامل کو علوم وفنون کے حصول کا اہل پایا تو بڑی محنت اور جانفشانی سے تعلیم وتدریس کے فرائض سرانجام دیئے۔

علامہ شہاب الدین محمود الوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ یوں تو بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں اور اکثر و بیشتر علوم وفنون میں مہارت رکھتے ہیں لیکن اُن کی شہرت ومقبولیت کا سرچشمہ معرکۃ الآراء تفسیر القرآن ہے جس نے اُنہیں اہلِ علم وفن کی نظر میں متقدمین علمائے مفسرین کا مقام عطا کیا اور اسی تفسیر کی بدولت وہ خاتم المفسرین قرار پائے۔ آپ کی تفسیر کا نام ہے ''روح المعانی فی تفسیر القرآن والسبع المثانی'' جو زیادہ تر روح المعانی کے نام سے مشہور ومعروف ہے۔ علامہ شہاب الدین الوسی تفسیر لکھنے کا باعث بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ اُنہوں نے رؤیائے صالحہ میں منجانب اللہ اِس سعادت سے مشرف ہونے کی بشارت حاصل کی۔

تفسیر روح المعانی کی ابتداء میں طویل مقدمے کی صورت میں تفسیر اور اُس کے متعلقات ولوازمات اور آداب وشرائط پر محققانہ بحث کی گئی ہے جسکی افادیت اور اہمیت مسلم ہے۔ تفسیر روح المعانی قرآن مجید کے معارف اور مطالب کا وہ خزانہ ہے جس میں متقدمین اصحابِ تفسیر کے جواہر معانی کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ لغوی تحقیق، نحوی ترکیب، اشتقاق، وجوہِ قراءت، شانِ نزول، توجیہات، استعارات، ربط وتطبیق اور لطائف واشارات غرضیکہ تمام ضروری عنوانات اور مباحث کو بڑے سلیقے سے قلمبند کیا گیا ہے۔ ہر عنوان کی مختلف وجوہ نقل کرتے

ہیں، ائمہ مفسرین کے مختلف اقوال درج کرتے ہیں، مختلف معانی کے مصداق اور محمل بیان کرتے ہیں اور متقدمین کے کلام کا جامع مفہوم لکھتے ہیں، بحث کے آخر میں جب اقوال اور وجوہ کی ترجیح، روایات کی صحت وضعف، معانی ومطالب کے تعین کے ترجیحی دلائل پر مشتمل محاکمہ کرتے ہیں تو بلاشبہ تحقیق وتدقیق اور اُسلوبِ تفسیر کا شاہکار پیش کرتے ہیں جسے اگر اُن کی خصوصیت قرار دیا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

علامہ شہاب الدین محمود الوسی کی تفسیر روح المعانی ایک ایسی جامع تفسیر ہے جس میں روایات ومنقولات کو تحقیقی تفوق حاصل ہے، سلف صالحین کا طرزِ تفسیر اجاگر ہے اور قرآن مجید کے ظاہر و باطن میں گہری تطبیق کو بڑی شائستگی سے بیان کیا گیا ہے۔ اشارات اور رموز کی صورت میں فقر وتصوف کے اکثر و بیشتر عنوانات پر محققانہ تبصرہ ہے اور بزرگانِ دین کے اقوال وافعال کی احسن تعبیر وتوجیہ بیان کی گئی ہے۔

صاحبِ روح المعانی کو حضرتِ غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے خاص عقیدت ہے تفسیر میں کئی مقامات پر آپ کا تذکرہ کرتے ہیں آپ کے ایک مدحیہ قصیدے کی شرح بھی اُنہوں نے لکھی ہے جس کا نام ہے ''الطراز المذھب فی شرح قصیدۃِ مدح الباز الاشھب'' علامہ شہاب الدین الوسی بغدادی نے تفسیر کے علاوہ بہت سے علوم وفنون پر کتابیں لکھیں جو اپنی اہمیت اور افادیت کے لحاظ سے خاص مقام رکھتی ہیں۔ اُن کے بعض سفرنامے بھی اسلامی تاریخ اور تہذیب وتمدن پر کافی روشنی ڈالتے ہیں اور بہت سے علمی مناظرات ومباحث پر مشتمل ہیں۔

آپ کی چند مشہور تصانیف کے نام یہ ہیں۔ نظم دُرَّۃ الغواص فی قلائد عرائس المناص، الاجوبۃ العراقیۃ من الاسئلۃ الایرانیۃ، التبیان شرح البرھان فی اطاعۃ السلطان، الخریدۃ الغیبیۃ شرح العقیدۃ العینیۃ، الشجرۃ الفاطمیۃ، کشف الطرۃ شرح دُرَّۃ الغواص للحریری، علامہ الوسی نے چند معتمد حواشی بھی لکھے جن میں یہ زیادہ مشہور ہوئے۔ حاشیہ علی شرح القطر، حواشی علی عبدالحکیم حاشیہ شمسیہ اور کتاب حواشی ابن عصام علی الاستعارہ۔ علامہ شہاب الدین الوسی نے سن بارہ سو ستر ہجری میں انتقال فرمایا اور مدینۃ السلام بغداد شریف میں مدفون ہوئے اللہ تعالیٰ ہمیں مفسرینِ کرام کی دینی خدمات سے فائدہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اٰمِیْـــنْ، وَآخِـــرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

☆☆☆☆☆

آٹھواں باب......رمضان شریف سے متعلق مضامین وعنوانات

نزولِ قرآن کا مہینہ

نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡكَرِيۡمِ. بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ.

رمضان شریف کے مہینے کو یہ عظیم الشان فضیلت حاصل ہے کہ اس میں قرآن مجید نازل کیا گیا، اس کی برکتیں اور رحمتیں بے شمار ہیں پھر ان میں سے اس نعمت کا خاص طور پر ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ''شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِيۡهِ الۡقُرۡاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الۡهُدٰى وَالۡفُرۡقَانِ'' رمضان المبارک وہ عظمتوں والا مہینہ ہے کہ جس میں قرآن پاک نازل کیا گیا جو تمام کائنات کے لیئے ہدایت اور رہنمائی کا ضامن ہے، اس میں ھدایت کی واضح نشانیاں ہیں اور یہ حق و باطل کے درمیان کھلم کھلا فرق کرنے والا ہے۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی وہ مقدس اور آخری کتاب ہے جو بنی نوع انسان کی حقیقی کامیابی اور دین و دنیا کی بھلائی حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

حضور سرورِ کونین ﷺ اس مقدس اور بابرکت کتاب کی تعلیم، اس کے احکام سمجھانے اور اس پر عمل کرانے کے لیئے اس جہان میں تشریف لائے اللہ تعالیٰ کا فرمان عالیشان ہے کہ ہم نے اپنے حبیب پاک ﷺ پر کتاب نازل کی ہے جو تمام جہان والوں کے لیئے ہدایت ہے اس کتاب میں ہر شئی کا کھلا بیان ہے، یہ اہل ایمان کیلئے شفا اور رحمت ہے۔ اس مقدس کتاب کا پڑھنا، سننا اور دیکھنا باعث ثواب ہے۔ ویسے تو قرآن مجید کا پڑھنا ہر وقت ثواب کا موجب ہے مگر رمضان المبارک کا مہینہ اس لحاظ سے خاص اہمیت کا حامل ہے کہ قرآن مجید اسی مقدس مہینے میں نازل ہوا ہے، ہر سال یہ مہینہ اہل ایمان کو نزولِ قرآن کی بشارت یاد دلاتا ہے اور اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ اس مہینے میں خاص طور پر قرآن پاک کی تلاوت زیادہ سے زیادہ کی جائے۔ نبی پاک ﷺ رمضان شریف میں تلاوت قرآن کثرت سے فرمایا کرتے تھے اور جبریل علیہ السلام ہر سال حاضرِ خدمت ہو کر حضور ﷺ سے قرآن پاک کا دور کیا کرتے تھے۔ رمضان المبارک کی کچھ راتوں میں حضور نبی پاک ﷺ نے تراویح کی نماز پڑھائی اور اس میں قرآن پاک کا بہت سارا حصہ تلاوت فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام باقاعدگی کے ساتھ رمضان شریف کی راتوں میں پورا قرآن مجید ختم کرتے تھے۔

رمضان المبارک اور قرآن مجید کا آپس میں جو خاص تعلق ہے اس کی وجہ سے مسلمانوں کا یہ معمول ہے

کہ رمضان شریف کی راتوں میں مساجد اور گھروں میں حفاظ کرام قرآن مجید کا ختم کرتے ہیں، دنوں میں قرآن کریم کا دور کرتے ہیں، قرآن مجید کے درس کثرت کے ساتھ ہوتے ہیں اور قرآن مجید پڑھنے اور سننے کا خاص انتظام کیا جاتا ہے۔ رمضان المبارک کے مہینے میں ایک بار ختم قرآن سے ستر مرتبہ ختم قرآن کا ثواب ملتا ہے اور روزے کے ساتھ قرآن پاک کی تلاوت کرنا نورٌ علیٰ نور ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ قرآنِ پاک کی تلاوت سب سے زیادہ فضیلت والا عمل ہے اور تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو قرآن پاک خود پڑھے اور دوسروں کو پڑھائے۔ جو شخص رمضان شریف کی راتوں میں قرآن پاک کی تلاوت کرے یا سنے اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی تمام رحمتیں اور برکتیں ہیں کوئی رحمت اور بخشش ایسی نہیں جو قرآن مجید میں نہ ہو، کائنات کی ہر شئی کا علم اور اس کا بیان قرآن مجید میں ہے، اس لیئے رمضان المبارک میں قرآن پاک کے نزول کا واضح مطلب یہ نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مقدس مہینے میں اپنی تمام برکتیں اور رحمتیں نازل فرما دیتا ہے۔ رمضان المبارک میں قرآن کا پڑھنا پڑھانا، سننا سنانا، اس کے احکام پر عمل کرنا اور اس کے معانی میں غور وفکر اور تدبر کرنا خاص طور پر اہمیت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی مسلمان کو تلاوت قرآن کی نعمت سے محروم نہ کرے، رمضان المبارک نزولِ قرآن کا مہینہ ہے اگر اس میں بھی کوئی اس سعادت سے محروم رہے تو یہ اس کی بہت بڑی بدقسمتی ہے۔ اہل ایمان کے لئے بہت ضروری ہے کہ وہ اس مقدس مہینے میں قرآن پاک کی تلاوت اور اس کے سننے کا خاص اہتمام کریں تا کہ ان کے عمل کے ذریعے ثابت ہو کہ وہ واقعی رمضان المبارک کو نزولِ قرآن کا مہینہ سمجھتے ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص اپنے بچوں کو قرآن پاک پڑھاتا ہے قیامت کے دن اس کے سر پر ایسا نورانی تاج سجایا جائیگا کہ اس کی چمک کا مقابلہ سورج بھی نہیں کر سکے گا اور جو پڑھ کر عمل بھی کرے اس کی تو شان ہی نرالی ہے۔ رمضان شریف کا مہینہ اہل ایمان کو خاص طور پر یہ دعوت دیتا ہے کہ وہ اس مہینے میں قرآن پاک کے پڑھنے، سننے اور اس پر عمل کرنے کا جذبہ پیدا کریں اور اس مقدس مہینے کی برکتوں، رحمتوں اور نعمتوں سے مالا مال ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن پاک پڑھنے، سننے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین.

☆☆☆☆☆

روزے کا درس

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْم. بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم.

دین اسلام کے بنیادی ارکان میں روزہ ایک عظیم الشان رکن ہے قرآن مجید نے روزے کی فرضیت کا اعلان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ '' اے ایمان والوتم پر روزے فرض کر دیئے گئے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تا کہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔

رسول پاک ﷺ نے روزے کی عظمت وفضیلت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ''مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ'' جس شخص نے ایمان کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے طلب ثواب کیلئے رمضان شریف کے روزے رکھے اس کے تمام پہلے گناہوں کو معاف کر دیا جائے گا۔ اجروثواب کی دولت کے حصول کے ساتھ روزہ اہل ایمان کو نظم وضبط، ایثار وقناعت، صبر وتحمل، پابندیٔ وقت احساس ذمہ داری، خوف خدا، اخلاص عمل، بلندیٔ ہمت اور خدمت خلق کا درس دیتا ہے، مقررہ وقت کے مطابق روزے میں سحر وافطار کا نظام انسان کو وقت کا پابند بنا دیتا ہے اور اس طرح ایک مہینے کی مشق انسان کو نظم وضبط کا عملی نمونہ بنا دیتی ہے، چنانچہ ہر کام کو وقت پر کرنا اس کے لئے آسان بن جاتا ہے اور اپنی عملی زندگی میں وہ لگاتار کوشش کا راستہ اختیار کر لیتا ہے، روزے میں بھوک اور پیاس برداشت کرنے سے انسان کو دوسرے لوگوں کی بھوک اور پیاس کے احساس کا درس ملتا ہے اور معاشرے کے غریب اور محتاج افراد کی محرومیوں اور پریشانیوں کو دور کرنے کے لئے اپنے تجربے کی روشنی میں وہ مصروفِ عمل نظر آتا ہے۔ ایک خاص وقت تک کھانے پینے اور دوسری خواہشات سے باز رہنے کی بنا پر روزہ انسان کو صبر وتحمل کا درس دیتا ہے اور اس طرح ایک مہینہ روزہ رکھنے سے انسان میں یہ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ میدانِ جہاد اور زندگی کے دوسرے مشکل

میدانوں میں بھوک، پیاس سے ہمت نہیں ہارتا بلکہ اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے میں تازہ دم رہتا ہے۔

تنہائی میں کسی رکاوٹ کے بغیر حلال چیزوں کے استعمال نہ کرنے سے انسان میں یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ جس خالق و مالک کے حکم سے وہ حلال چیزیں استعمال نہیں کر رہا اس کی حرام کی ہوئی چیزوں کا استعمال اس کے لئے کتنا خطرناک ہوگا۔ روزہ انسان کو یہ درس دیتا ہے کہ جس طرح روزے کی حالت میں وہ ایک عاجز اور فرمانبردار بندے کا کردار ادا کر رہا ہے اسی طرح زندگی کے باقی شب و روز میں بھی اسی روش کو برقرار رکھنا چاہیے۔ روزے کا سب سے اہم اور جامع درس تقویٰ ہے اور تقویٰ کا حصول ہی انسانی زندگی کا مقصود اور منزل مراد ہے، ایک روزے دار روزے کی حالت میں ہر قسم کے برے قول و عمل سے بچنے کی پوری کوشش کرتا ہے اور نیک عمل کے بجالانے میں دلچسپی لیتا ہے، اس طرح روزہ انسان کو یہ درس دیتا ہے کہ وہ روزہ کے اوقات میں کسی بھی لمحے کو ضائع نہ کرے اور اس کی ہر ساعت نیکی کرنے اور برائی سے بچنے میں مشغول رہے۔ جب روزے میں انسان اس قسم کی احتیاط کر لیتا ہے تو پھر روزہ اسے احتساب کا درس دیتا ہے اب روزے دار اپنے ہر قول و عمل میں اپنا محاسبہ کرتا ہے اور اپنے اوقات کا تنقیدی جائزہ لیتا ہے۔ ایک مہینے کا مسلسل احتساب انسان میں یہ صلاحیت پیدا کر دیتا ہے کہ وہ اپنی پوری زندگی کے شب و روز پر کڑی نظر رکھتا ہے اور اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لانے میں احساسِ ذمہ داری کا مظاہرہ کرتا ہے۔ احتساب کا درس اس کے احساس کو بیدار کرتا ہے اور وہ اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کو امانت خداوندی یقین کرتے ہوئے مصروفِ عمل رکھتا ہے۔

روزے کا درسِ احتساب انسان کو حسنِ نیت اور اخلاصِ عمل کا پیکر بنا دیتا ہے، وہ اگر نیک کام کرتا ہے تو بھی اپنے خالق و مالک کو خوش کرنے کے لئے اور اگر برے کاموں سے رُکتا ہے تو بھی اپنے پروردگار کو راضی کرنے کے لئے اس لحاظ سے روزہ انسان کو ریاکاری، دکھلاوے، نام و نمود اور بناوٹ ترک کرنے کا درس دیتا ہے اور ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی، رضا جوئی اور ثواب طلبی کے جذبے سے مالا مال کرتا ہے چنانچہ خلوت و جلوت میں اس کی جدوجہد کا رُخ ایک ہی منزل مقصود کی جانب رہتا ہے اور وہ بالآخر حقیقی فلاح و بہبود سے

ہمکنار ہو جاتا ہے۔ روزے کی حالت میں حسنِ عمل کا جذبہ انسان کو پوری زندگی میں محنت ومشقت اور مصروفیت کا درس دیتا ہے چنانچہ وہ نکما اور بیکار رہنے سے نفرت کرتا ہے، وقت کو ضائع کرنے سے احتراز کرتا ہے اور فضول کاموں میں دلچسپی لینا چھوڑ دیتا ہے۔

چونکہ روزہ انسان کو دین ودنیا کی بھلائیوں کے حصول کا درس دیتا ہے اور روزے دار روزے کے شرائط وآداب کا پورا خیال رکھ کر ایک جامع درس حاصل کرتا ہے اس لئے اس پر ملنے والا اجر وثواب بھی خاص نمایاں مقام رکھتا ہے۔ حدیث قدسی میں آتا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ روزہ خاص طور پر میرے لئے ہے اور میں خود اس کا ثواب عطا کروں گا۔ روزہ انسان کو صرف اجر وثواب کی دولت سے مالا مال نہیں کرتا بلکہ سماجی اور معاشی طور پر اس کے جوہر انسانیت کو روشن کرتا ہے اور خیر وشر کی قوتوں پر اثر انداز ہوتا ہے چنانچہ رمضان شریف کے مہینے میں نیکی اور خیر کے جذبات تقویت حاصل کر کے پروان چڑھتے ہیں اور برائی کے عوامل مغلوب ہو جاتے ہیں اس طرح روزہ خیر کی بقا اور استحکام کا درس دیتا ہے جبکہ شر اور برائی کے جذبات پر ضرب کاری لگا کر اس کے ختم کرنے کا باعث بنتا ہے۔

روزے کے درس کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب رمضان شریف کا مہینہ آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیطانوں کو قید کر دیا جاتا ہے۔ روزہ رکھنے سے انسان میں روحانی لطافت اور جذبات کی پاکیزگی پیدا ہوتی ہے چنانچہ وہ خدمتِ خلق، غمخواری، ہمدردی، تعاون اور محبت کی صورت میں عملی طور پر روزے کا درس بن کر سامنے آتا ہے اور دکھی انسانیت کو سکون پہنچا کر ملک وملت اور قوم کی فلاح و بہبود میں اپنا کردار پیش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں روزے کی برکتوں اور نعمتوں سے مالا مال فرمائے اور روزے کے درس پر عمل کرنیکی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆☆

روزہ اور تزکیہ ءِ نفس

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْم. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم.

اسلام کے نظامِ عبادات میں روزے کو جو عظیم الشان مقام حاصل ہے اُس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ دوسرے روحانی منافع کے ساتھ ساتھ روزہ انسان کو تزکیہ نفس کی سعادتِ عظمٰی سے ہمکنار کرتا ہے اور اِس سلسلے میں ایک مؤثر کردار ادا کرتا ہے جسے اگر اُسکا طرۂ امتیاز قرار دیا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ قرآن وسنت کی روشنی میں یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ حقیقی فلاح و بہبود کا دار و مدار تزکیہ نفس پر ہے اور حضرات انبیائے کرام کے ارشادات وعمل کا بنیادی نقطہ تزکیہ ءِ نفس ہے۔

نفسِ انسانی خواہشات کی زنجیروں میں مقید ہوجانیکی وجہ سے اپنے اصلی مقصود سے غافل ہوجاتا ہے اور بُرائی کے ارتکاب پر آمادہ کرنے کے لئے لگا تار جدوجہد میں مصروف ہوجاتا ہے۔ انسان اُس کے دام فریب میں بری طرح پھنس جاتا ہے کہ نکلنا اُس کے لئے دشوار ہوجاتا ہے نفس کے فریب اور مکر سے نجات دلانے میں روزہ انسان کیلئے جس طرح مدد ومعاون ثابت ہوتا ہے اور اُسکی اصلاح اور درستی میں جو مؤثر اقدامات عمل میں لاتا ہے اُس کے پیشِ نظر پورے یقین سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ تزکیہ ءِ نفس کی معراجِ کمال روزے کی مرہونِ منت ہے۔ روزے کا تصور ہی اِس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ ممنوعاتِ شرعیہ سے رک جانے کا عزم راسخ اُس کے لئے لازم ہے جوں ہی رمضان شریف کا مہینہ آتا ہے شر وفساد کے عناصر میں تزلزل پیدا ہوجاتا ہے، خیر اور بھلائی کے ارادے مضبوط ہونے لگ جاتے ہیں اور انسان نفسانی خواہشات کے تکدر سے اُکتاہٹ محسوس کرتے ہوئے روحانی سکون واطمینان کے حصول پر کمربستہ ہوجاتا ہے۔

روزے اور تزکیہ ءِ نفس کا جو گہرا رابطہ ہے اُس کا اندازہ اِس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ روزے دار اپنے آپ کو عہد و پیمانِ الٰہی کا پابند محسوس کرتے ہوئے نفسانی خواہشات کے ارتکاب سے باز آجانے کا عملی مظاہرہ کرتا ہے اور روزہ اختیار کرتے ہی وہ اپنے قول وفعل میں عبدیت کا اظہار کرتے ہوئے تزکیہ ءِ نفس کے حصول کی طرف جدوجہد کا آغاز کرتا ہے کہاں وہ نفسِ امارہ کی سرکشی کہ ممنوعات شرعیہ کو علی الاعلان عمل میں لانے کا مظاہرہ اور کہاں روزے کی حالت کہ اُن مباحات سے بھی سختی سے پرہیز کرنا جو روزے کے بغیر ممنوع نہیں، نفس کی

خواہشات پر اِس قدر ضبط اور غلبہ یہ روزے کی خصوصیت ہے یہی وجہ ہے کہ روزے دار کو تزکیہءنفس کے پاکیزہ اثرات محسوس ہوتے ہیں اور وہ روحانی اطمینان وسکون حاصل کر کے حقیقی مسرت محسوس کرتا ہے۔

روزے دار جب اِس حقیقت سے آگاہ ہوتا ہے کہ وہ رضائے اِلٰہی کی خاطر اُن اُمور کے ارتکاب سے رُکا ہوا ہے جو روزے کے علاوہ اُس کے لئے جائز ہیں تو پھر وہ اپنے اندر ایک نیا عزم اور ولولہ محسوس کرتا ہے جس کی وجہ سے اُسے شرعی ممنوعات سے بچنے کیلئے ضبطِ نفس کا خاص جذبہ نصیب ہوتا ہے۔ نفس کی جائز خواہشات کو ٹھکرانے کا جراُتمندانہ اقدام کر کے روزے دار اپنے آپ کو ایک عظیم الشان کامیابی اور منزلِ مقصود سے ہمکنار کرتا ہے اور وہ ضبطِ نفس کے اِس مقام پر فائز ہوتا ہے کہ بُری خواہشات کو اپنے پاس پھٹکنے کی اجازت نہیں دیتا چنانچہ شر وفساد کی تمام طاقتیں مغلوب ہو جاتی ہیں اور خیر وخوبی کے تمام عناصر نشو ونما پاتے ہیں۔ روزے کا حقیقی مقصد تزکیہءنفس ہے اور اُس کے بغیر روزہ صورت کے اعتبار سے تو قائم رہتا ہے مگر معنیٰ کے لحاظ سے اُس کا وجود ختم ہو جاتا ہے۔

حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اِسی حقیقت کے پیشِ نظر ارشاد فرمایا کہ بہت سے روزے دار ایسے ہوتے ہیں جنہیں بھوک اور پیاس کے سوا روزے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ روزے کے حقیقی مقصد سے محروم رہنے والوں کو تنبیہ فرماتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا مَنْ لَّمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَیْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِیْ اَنْ یَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ جو شخص روزہ دار ہو کر جھوٹ بولنے اور اُس پر عمل کرنے سے باز نہیں آتا تو اللہ تعالیٰ کو اُس کے کھانے پینے کے چھوڑ دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ممنوعاتِ شرعیہ کی تیس روزہ مشق انسان کے لئے تزکیہ نفس کا ایسا موٴثر پروگرام ہے جس کے دوررس اثرات اور مفید نتائج مستقل حقائق کی شکل اختیار کر لیتے ہیں جنکے ذریعے انسان میں تزکیہ نفس کی استعداد اور صلاحیت کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے اور وہ صرف روزے کی حالت میں نہیں بلکہ زندگی کے شب وروز میں شر وفساد کے ارتکاب سے گریز کرتا ہے اور خیر کے حصول میں سرگرمِ عمل رہتا ہے ایسے انسان کی سیرت تزکیہ نفس کے فیوض وبرکات کی آئینہ دار ہوتی ہے اور دوسروں کے لئے مشعلِ راہ کا کام دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں روزے کی برکتوں سے مالا مال فرمائے۔ اٰمِیْنَ،

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

☆☆☆☆☆

روزہ کے معاشرتی اثرات

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْم. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم.

دینِ اسلام کے بنیادی ارکان میں روزہ ایک عظیم الشان رکن ہے جو اجروثواب اور قربِ الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہونے کے ساتھ ساتھ معاشرے پر مفید اثرات کے لحاظ سے بھی خاص اہمیت رکھتا ہے۔ روزے کیلئے مخصوص اوقات میں افطار وسحر کا نظام وقت کی پابندی سکھاتا ہے اور اس کی بدولت انسان وقت پر کام کرنے کا عادی بن جاتا ہے اس طرح احساس ذمہ داری اور اس کی بروقت ادائیگی کا جذبہ اُجاگر ہوتا ہے اور پورے معاشرے میں ایک اجتماعی فعال صورت حال کارگر نظر آتی ہے روزے کی حالت میں شرعی ممنوعات سے پرہیز روزے دار میں خوف خدا کی روحانی کیفیت کو نمایاں کر دیتا ہے اور وہ اس حقیقت کا ادراک کر لیتا ہے کہ خالق ومالک نے اسے جن دوسرے امور سے روکا ہے ان سے رک جانا بھی اس کیلئے اسی طرح ضروری ہے جس طرح وہ روزے کی حالت میں رکا ہوا ہے۔

روزے میں خوف خدا کی اس کیفیت کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے اور انسان حقوق اللہ اور حقوق العباد سے متعلق تمام امور میں اپنا احتساب کرنا ضروری سمجھتا ہے اس جذبے کی بنیاد پر ناانصافی ظلم وزیادتی ،ایذارسانی دھوکہ بازی ،فریب کاری اور فتنہ بازی کے خلاف ایک اجتماعی جہاد عملی صورت میں رونما ہو کر معاشرے پر عدل وانصاف، خیرخواہی، ہمدردی، اخوت اور باہمی تعاون کے پاکیزہ اثرات مرتب کرتا ہے۔

روزے کی حالت میں بھوک اور پیاس برداشت کرنے سے انسان میں بھوکوں اور پیاسوں کی محرومی کا احساس پیدا ہوتا ہے اور وہ معاشرے کے غریب اور نادار افراد کیلئے تعاون کے جذبے سے سرشار ہو جاتا ہے۔ بھوک اور پیاس کا احساس روزے دار کو دکھی انسانیت کے دوسرے مسائل اور ضروریات کی طرف بھی توجہ دلاتا ہے اور اس طرح معاشرے کے بہت سے قابل اصلاح امور کو سرانجام دینے کی اہمیت نمایاں ہوتی ہے۔ رمضان شریف کے مہینے میں روزے داروں میں نماز باجماعت کی ادائیگی کا اہتمام زیادہ ہو جاتا ہے، خاص طور پر تراویح کی نماز میں قرآن مجید سننے کے اجتماعی مناظر اسلامی معاشرے میں باہمی میل جول، اسلامی اخوت وحدت انسانی اور تنظیم واتحاد کے جذبات کو فروغ دیتے ہیں۔ تقویٰ کے اس ماحول میں ایک دوسرے کے حالات سے باخبر ہو کر اور باہمی ضروریات سے مطلع ہو کر اہل ایمان ایک خوشحال معاشرہ قائم رکھنے کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے

عملی اقدامات کر کے اپنا فرض منصبی ادا کرتے ہیں۔

روزے کا بنیادی مقصد اور غرض و غایت، تقویٰ ہے، روزہ اسلامی معاشرے میں بسنے والے ہر فرد بشر کو امانت، دیانت، شرافت، احساس ذمہ داری، نظم وضبط اور احتساب نفس کی ماہانہ مشق سے اس مقام پر لے آتا ہے جہاں اس کے لئے نیکی اور بھلائی کا حصول آسان ہو جاتا ہے جبکہ شر اور برائی کا ارتکاب مشکل اور ناپسندیدہ ہو جاتا ہے۔ اس طرح خیر اور نیکی کو غلبہ حاصل ہوتا ہے جس سے ایک اسلامی معاشرے میں زبردست انقلاب آجاتا ہے۔

معاشرے پر روزے کے اثرات سے جو خوشگوار ماحول تشکیل پاتا ہے وہ صرف رمضان شریف کے مہینے تک محدود نہیں ہونا چاہئے روزے داروں کو اس بات کا خاص احساس رکھنا چاہیئے کہ جس قادر ذوالجلال کے خوف کے پیش نظر انہوں نے پورا مہینہ اس انداز سے گزارا ان کے لئے نہایت ضروری ہے کہ پورا سال بلکہ پوری زندگی حسنِ عمل کی اس روش کو جاری رکھیں اور خیر و برکت کے پاکیزہ جذبات کو ملک اور قوم کی بہتری کیلئے وسیع پیمانے پر پھلنے پھولنے کا موقع دیں۔ ایسا روزہ جو اجر و ثواب کے حصول کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرے پر مفید اور گہرے اثرات مرتب کرے اور انسانیت کے اجتماعی مسائل وضروریات کا جائزہ لے یقیناً اللہ تعالیٰ کے نزدیک عظیم الشان قابل قدر نیکی ہے جسکا شوق اور جذبہ ہر مسلمان کیلئے ضروری ہے۔

روزے کے فیوض و برکات عبادت کی حد تک محدود نہیں بلکہ ان کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اگر روزے کے ثمرات ونتائج کی وسعت واہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اہل ایمان اس کے تقاضوں کی تکمیل کریں تو پھر سے وحدت انسانی، اسلامی اخوت اور باہمی تعاون کے پاکیزہ جذبات فروغ پاکر اسلامی معاشرے کو خوشحالی اور کامیابی سے ہمکنار کر سکتے ہیں۔ روزہ اہل ایمان کو اس بات کی دعوت فکر دیتا ہے کہ وہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی طرح خلوص اور للّٰہیت کا جذبہ پیدا کریں، اعمال صالحہ میں رضائے الٰہی کے جوہر کو اجاگر کریں، حسن عمل کے ثمرات ونتائج کو آگے بڑھائیں، اجتماعی ضروریات ومسائل کو مدنظر رکھیں، غریب محتاج اور نادار افراد کی محرومیوں کا احساس رکھیں اور اس احساس کا عملی ثبوت دیں تاکہ پورا معاشرہ روزہ کے فیوض و برکات کا آئینہ دار بن کر اسلام کی حقانیت اور اس کے احکام کی صداقت کا منہ بولتا ثبوت قرار پائے۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک رحمت دوعالم نورِ مجسّم ﷺ کے وسیلے سے ہمیں روزے کے فیوض و برکات سے مالا مال فرمائے۔ اٰمِیْنْ، وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

☆☆☆☆☆

ماہِ صیام کی برکات......جھوٹ سے پرہیز

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْم. بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم.

ماہِ صیام اہل ایمان کیلئے ہر سال اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص برکات لیکر آتا ہے۔ اس مہینے میں اعمال صالحہ بجالانے اور برے کاموں سے اجتناب کا جذبہ عروج پر ہوتا ہے اور اہل ایمان اس مقصود کو حاصل کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تاکید فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا "لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ" تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جھوٹ ایک ایسا بڑا گناہ ہے جسکی مذمت میں قرآن وحدیث کے بہت سے ارشادات ہیں۔

جھوٹ کے مفاسد اور برے نتائج ایک وسیع معاشرے پر اثر انداز ہوتے ہیں اور اس میں بسنے والوں کو دین ودنیا کے نقصانات سے ہمکنار کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول پاک ﷺ نے جھوٹ سے پرہیز کی اہمیت کو اپنے ارشادات اور عمل سے نمایاں کیا اور اہل ایمان کو خاص تاکید فرمائی کہ وہ ہر حالت میں جھوٹ سے پرہیز کریں۔ ماہ صیام میں جھوٹ سے پرہیز کی اہمیت اور زیادہ ہو جاتی ہے۔ کیونکہ وہ مہینہ جو تقویٰ اور پرہیزگاری کے حصول کا اعلان عام کرے اور پھر روزے کی حقیقت ومصلحت کو بھی تقویٰ سے تعبیر کرے تو اس میں جھوٹ سے پرہیز از حد ضروری ہے۔ روزے کی حالت میں جھوٹ سے پرہیز کی اہمیت کو نمایاں کرتے ہوئے رسول پاک ﷺ نے یہاں تک ارشاد فرمایا، مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ اَنْ يَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ، جو شخص جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا ترک نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے کھانے اور پینے کو چھوڑ دینے کی کوئی وقعت نہیں۔

ماہ صیام میں روزے کی حالت میں انسان اپنے خالق ومالک سے اس عہد کا پابند ہوتا ہے کہ وہ خواہشات نفسانی پر قابو پائے گا۔ چنانچہ عملی طور پر کھانا پینا چھوڑ کر وہ اس عہد کو نبھانے کی کوشش شروع کر دیتا ہے اب اگر وہ جھوٹ جیسے برے عمل سے روزے کی حالت میں نہیں رکتا جبکہ اس سے پرہیز کرنا روزے کے بغیر بھی ضروری ہے تو پھر اس کے عہد وپیماں کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہتی۔ رسول پاک ﷺ نے جھوٹ سے پرہیز کی اہمیت کو اُجاگر کرتے ہوئے جھوٹ کو خیانت سے تعبیر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ یہ بہت بڑی خیانت ہے کہ انسان کسی

دوسرے کے سامنے جھوٹ بول رہا ہو اور وہ اسے سچا سمجھ رہا ہو۔

آپ نے جھوٹ سے پرہیز کی اہمیت کے پیش نظر ارشاد فرمایا کہ انسان کے جھوٹا ہونے کیلئے یہی کافی ہے کہ وہ جو بات سنے بلاتحقیق اسے بیان کردے ماہ صیام کی برکات کے حصول کیلئے اشد ضروری ہے کہ روزے کی حالت میں جھوٹ سے پرہیز کیا جائے۔ خدانخواستہ اگر روزے کے ساتھ جھوٹ بولنے کا سلسلہ بھی جاری رہے تو پھر ایسا روزہ تقویٰ اور پرہیزگاری پیدا نہیں کریگا اور اس کا وہ حقیقی مقصد ختم ہو جائیگا جسکا تعین قرآن مجید نے فرمایا۔

ماہ صیام میں اگر پابندی سے اہتمام کرلیا جائے کہ جھوٹ سے پرہیز کو اپنا شعار بنالیا جائے تو پھر اس ایک مہینے کی مشق انسان میں صداقت کی صلاحیت اور استعداد کو اس قدر مضبوط کردیگی کہ پورے سال تک جھوٹ سے پرہیز میں اسے کوئی دقت نہ ہوگی۔

جھوٹ ایک ایسا قبیح گناہ ہے جس کے متعدی نقصانات پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔ جھوٹ بولنے والا صرف غلط بیانی کا مرتکب نہیں ہوتا بلکہ خیانت، دھوکے بازی، بدخواہی، بے اعتمادی اور بے یقینی کے عناصر کو فروغ دیکر بہت سے جرائم کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ ہوسکتا ہے وقتی طور پر جھوٹ سے عارضی فائدہ حاصل ہو جائے مگر درحقیقت نتائج کے لحاظ سے یہ خسارے کا سودا ہے جس پر ندامت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ جھوٹ بولنے والے کا معاشرے میں اعتبار ختم ہو جاتا ہے اور لوگوں کی نگاہ میں اسکو کوئی وقار حاصل نہیں ہوتا جبکہ جھوٹ سے پرہیز کرنے والوں کو پورے معاشرے میں عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور انہیں قابل اعتماد حیثیت حاصل ہوتی ہے۔

ماہ صیام ویسے تو تمام گناہوں سے بچنے کی رغبت دلاتا ہے مگر جھوٹ سے پرہیز کے بارے میں خاص طور پر دعوت فکر دیتا ہے اور صبح صادق سے غروب آفتاب تک کا ایک ایک لمحہ روزے دار کو تنبیہ کرتا ہے کہ جس خالق و مالک کی خوشنودی کے لئے حلال چیزوں سے پرہیز کا اہتمام کئے بیٹھے ہو اسی کی رضا جوئی کیلئے جھوٹ سے پرہیز کا اہتمام مزید شدت سے کرو کیونکہ جھوٹ بولنا تو حرام ہے۔ اگر روزے کی حالت میں ممنوع چیزوں سے احتراز نہ ہو تو پھر مباح چیزوں سے بچنے کی کیا حکمت باقی رہ جاتی ہے۔

ماہ صیام کی برکات انسان کو ایسے جذبے کے حصول پر آمادہ کرتی ہیں جس کے ذریعے وہ ان چیزوں سے احتراز کرتا ہے جو ان برکات کے حصول کی راہ میں رکاوٹ بن جاتی ہیں ماہ صیام کی عظمتوں کا تقاضا ہے اور

روزے کی حکمتوں کا مطالبہ ہے کہ اہل ایمان اس مقدس مہینے میں جھوٹ سے پرہیز کو خاص طور پر اپنا شعار بنائیں، جھوٹ کے مفاسد اور نقصانات کو مدنظر رکھیں، جھوٹ کے برے اثرات ونتائج کو سامنے رکھیں اور جھوٹ کے وبال اور انجام سے ہرگز غافل نہ رہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک رحمت دوعالم نورمجسم ﷺ کے وسیلے سے ہمیں جھوٹ سے پرہیز کی توفیق عطا فرمائے۔ اٰمِیْنْ. وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

☆☆☆☆☆

اللہ اور بندے کے درمیان روزہ ایک راز ہے

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

دینِ اسلام کا بنیادی رکن روزہ اِس لحاظ سے تمام عبادات میں امتیازی شان رکھتا ہے کہ اس میں نمود و نمائش، ریاکاری اور دکھلاوے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ روزہ دار روزے کی حالت میں اپنے معبودِ حقیقی سے رابطہء عبدیت استوار کیے ہوئے ہوتا ہے مگر اُس کا یہ روحانی تعلق اور ربطِ محبت کسی پر ظاہر نہیں ہونے پاتا۔ روزہ ایسی عبادت نہیں کہ جس کے بجالانے سے لوگوں پر واضح ہو جائے کہ اِس فریضہ کو سرانجام دینے والا مصروفِ طاعت ہے۔ روزہ دار اگر خود کسی کو نہ بتائے کہ وہ روزے سے ہے تو عام حالات میں اُسکی یہ عبادت صیغہء راز میں رہتی ہے اور عبدو معبود کے درمیان ایک مخفی رابطے کا کام دیتی ہے روزے کی ان خصوصیات کی بنا پر پورے وثوق سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اللہ اور بندے کے درمیان روزہ ایک راز ہے۔

روزے کی اِس نمایاں خصوصیت کا اندازہ اُس حدیث قدسی سے لگایا جاسکتا ہے جس میں ارشادِ ربانی ہے ''اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ'' روزہ خاص طور پر میرے لئے ہے اور اُسکی جزا میں خود عطا کرونگا۔ دوسری روایت میں ارشاد ہوتا ہے ''اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اُجْزٰی بِهٖ'' روزہ خاص طور پر میرے لئے ہے اور اُسکی جزا میں خود ہوں۔ تمام اعمال اور عبادات کا ثواب فرشتے لکھتے ہیں مگر روزے کا اجروثواب خالقِ کائنات نے اپنے لطف وکرم کا مرہونِ منت ٹھہرایا ہے اور اُسکی عظیم الشان جزا کا اعلانِ خاص فرما کر اِس حقیقت کو اُجاگر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان روزہ ایک راز ہے۔ اِسمیں شک نہیں کہ عبادات میں اخفا کا پہلو قربِ الٰہی کے

حصول میں خاص اہمیت رکھتا ہے اور اِسی بنا پر اربابِ زہدو عبادت اِس بات کا خاص خیال رکھتے ہیں ۔ چنانچہ خلوت ، یکسوئی اور گوشہ نشینی اختیار کی جاتی ہے تا کہ عبادت گزاروں کی جدو جہد مخلوق کا مطمحِ نظر بننے کی بجائے معبودِ برحق کی بارگاہ میں شرفِ قبولیت حاصل کرے۔

روزہ ایک ایسی عبادت ہے کہ اسمیں اِس قسم کے اہتمام اور تکلف کی ضرورت پیش نہیں آتی بلکہ روزہ دار بلاتکلف اِس سعادت کے حصول سے مشرف ہوتا ہے اور اپنے کام کاج میں مشغول ہوتے ہوئے بھی اِس راز کا امین قرار پاتا ہے۔ روزے کی خاص جزا تقویٰ ہے اور تقویٰ کے مراتب میں قلب کے تقویٰ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ گویا ایسی پرہیز گاری اور ایسا تزکیہ نفس جو قلب کی وسعتوں میں سما جائے اور اُس کے گوشے گوشے کو اپنے انوار و برکات سے منور کر ڈالے روزے کی بدولت ممکن ہے۔ حدیث نبوی کی رو سے تقویٰ کو قلب کی مخفی دولت سے تعبیر کیا گیا اور ارشاد ہوا کہ تقویٰ تو دل میں پوشیدہ ہوتا ہے۔ چونکہ حصولِ تقویٰ روزے کا ثمرہ اور نتیجہ ہے اِس لئے یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ روزہ جو رضائے الٰہی کے باطنی ثمرات اور مخفی نتائج کا باعث قرار پاتا ہے خود ایک ایسا راز ہے جو عبد اور معبود کے درمیان معنوی رابطے کا کام دیتا ہے۔

روزہ دار عالم تنہائی میں خوردونوش کے اسباب پر قدرت کے باوجود جب اپنی خواہشات پر قابو پا کر اپنے آپ کو حکمِ الٰہی کا پابند ثابت کرتا ہے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ وہ اُس امانت کی حفاظت کر رہا ہے اور اُس راز کا تحفظ کر رہا ہے جو اُس کے اور معبودِ برحق کے درمیان سِرّ باطن اور خفی رابطے سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اگر رضائے الٰہی کے حصول اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے علاوہ کوئی اور مقصد روزے دار کے پیش نظر ہوتا تو ایسے موقعے پر روزے کو سلامت رکھنا دشوار بن جاتا اور فریبِ نفس میں مبتلا ہو کر وہ روزے کے تقدس کو مجروح کر ڈالتا۔ روزے دار کا تخلیے اور تنہائی میں روزے کی پابندیوں کا پورا پورا خیال رکھنا اور اپنے آپ کو قادر ذوالجلال کے حضور سمجھنا اِس بات کی دلیل ہے کہ وہ یقینِ کامل اور بھرپور اعتبار کے ساتھ اِس عقیدے پر قائم ہے کہ اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان روزہ ایک راز ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک رحمتِ دوعالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے ہمیں روزے کی سعادتوں سے مالا مال فرمائے۔ اٰمِیْنْ، وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

☆☆☆☆☆

روزہ اور تقویٰ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

قرآن وسنت کی روشنی میں انسان کی حقیقی کامیابی اور قدر ومنزلت کا دارومدار تقویٰ پر ہے۔تقویٰ ہی کی بدولت انسان اپنے خالق و مالک کی بارگاہ میں سرفراز ہوتا ہے اور اُس کی وجہ سے اُسے معاشرے میں امتیازی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔یوں تو تمام عبادات کا مقصد حصول تقویٰ ہے مگر روزے کو اِس سلسلے میں خاص اہمیت حاصل ہے۔روزے کا حکم دینے کے بعد لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ فرما کر خالقِ کائنات نے روزے اور تقویٰ کے گہرے ربط و تعلق کو اُجاگر کیا ہے اور اِس حقیقت کو واضح فرمادیا ہے کہ روزے کا بنیادی مقصد اور اصل مدعا تقویٰ ہے۔

تقویٰ اُس روحانی قوت کا نام ہے جس کے ذریعے انسان کارِخیر کو عمل میں لاتا ہے اور بُرے کاموں سے پرہیز کرتا ہے۔تقویٰ کی بدولت انسان میں رضائے اِلٰہی کے حصول کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور وہ اُن تمام کاموں سے بازرہنے کی کوشش کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہ ہوں۔گویا تقویٰ کے لفظ مختصر ہیں مگر اس کی معنوی وسعت اور مفہوم کی گہرائی بہت زیادہ ہے۔قرآن مجید نے روزے کا بنیادی مقصد تقویٰ بیان کرکے روزے کی اہمیت ،افادیت اور جامعیت کو نہایت معنٰی خیز الفاظ میں پیش کیا۔روزہ وہ عظیم الشان عبادت ہے جو مکمل طور پر تقویٰ کی عملی تفسیر ہے۔روزہ دار جب قدرت و طاقت کے ہوتے ہوئے اُن تمام اُمور سے بازرہتا ہے جو اُس کے خالق و مالک نے روزے کی حالت میں اُس کیلئے ممنوع قرار دیئے ہیں تو اُسے حصولِ تقویٰ کی منزل پر پہنچنے میں کوئی دشواری نہیں رہتی۔روزہ دار کو اس بات کا شدت سے احساس ہوتا ہے کہ وہ ممنوعات شرعیہ سے پرہیز کرے اور اپنے روزے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں کامیاب ہو۔اُس کا یہ جذبہ اُس میں یہ صلاحیت اور قابلیت پیدا کردیتا ہے کہ وہ اپنے تمام اُمور میں رضائے اِلٰہی کو پیش نظر رکھتا ہے اور اُن تمام کاموں سے رُک جاتا ہے جو اُس کے خالق و مالک کو پسند نہ ہوں۔

چونکہ قرآن مجید نے حصولِ تقویٰ کو روزے کیلئے ضروری قرار دیا ہے اس لئے ہر وہ روزہ جو حصول تقویٰ

کا باعث نہ بنے قرآنی فیصلے کے مطابق حقیقی روزہ کہلانے کا مستحق نہیں۔ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات اور عمل کے ذریعے اِس حقیقت کو واضح فرمایا کہ جو شخص روزے کے باوجود ممنوعاتِ شرعیہ سے پرہیز نہیں کرتا وہ صرف بھوک پیاس برداشت کرنے کی مشقت تو اُٹھا رہا ہے مگر روزے کے ثمرات سے محروم ہے۔ روزے کو حصولِ تقویٰ سے ہمکنار کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ظاہری اور باطنی آداب اور شرائط کا پورا خیال رکھا جائے۔ روزے کی حالت میں جھوٹ، غیبت، بہتان تراشی، فحش کلامی، گالی گلوچ اور فضول گفتگو سے پرہیز ضروری ہے۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ اگر کوئی شخص روزے دار کو گالی دے یا اُس سے جھگڑا کرے تو روزے دار کو چاہیئے کہ وہ اُس سے نہ اُلجھے بلکہ یہ کہہ دے کہ میں تو روزے سے ہوں۔ نام و نمود دکھلاوے اور ریاکاری سے بچ جانا تقویٰ ہے اِس لحاظ سے اگر روزے کو دیکھا جائے تو وہ اِن مُہلک روحانی بیماریوں سے محفوظ نظر آتا ہے۔

روزے دار جب تنہائی میں ہوتا ہے تو اُسے کھانے پینے کے اسباب مہیا ہونے کے باوجود محض تقویٰ ہی اس بات پر ثابت قدم رکھتا ہے کہ وہ ممنوعات سے پرہیز کرتا ہے حالانکہ وہاں اور کوئی روکنے والا نہیں ہوتا روزہ جس کامل درجہ کا تقویٰ انسان میں پیدا کرتا ہے اُس کا اندازہ اِس حدیث قدسی سے ہوتا ہے جس میں روزے کی خاص قبولیت اور شرف کو اُجاگر کیا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ۔ روزہ خاص طور پر میرے لئے ہے اور میں خود اِسکی جزا دونگا۔ رمضان شریف کے روزے کو تقویٰ کے لحاظ سے اتنی زبردست اہمیت حاصل ہے کہ ارشاد ہوتا ہے اگر کوئی شخص جان بوجھ کر رمضان شریف کا روزہ چھوڑ دیتا ہے پھر وہ ساری عمر روزے رکھتا پھرے مگر رمضان کے روزے کا اجر و ثواب نہیں پا سکے گا۔ روزے کے ذریعے تقویٰ کا جو جذبہ پیدا ہوتا ہے وہ صرف روزے کی حالت میں ہی نہیں بلکہ عرصہء حیات کے تمام لمحات میں انسان کے لئے رضائے اِلٰہی کے حصول کا باعث بنتا ہے اور وہ برائی سے بچ کر نیکی کرکے ہمیشہ حسنِ عمل کے ذوق کی تلاش میں رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں تقویٰ حاصل کر نیکی توفیق عطا فرمائے۔ اٰمِیْنْ، وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

☆☆☆☆☆

رمضان شریف کے آخری عشرے کی فضیلت

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

رمضان شریف کا آخری عشرہ اجر وثواب اور رحمت الٰہی کے حصول کا نقطۂ عروج ہوتا ہے۔ ہر نعمت ورحمت اپنے اتمام واختتام کے موقعے پر درجۂ کمال کی انتہاء کو پہنچتی ہے۔ اسی طرح رمضان شریف کی برکتیں اور فضیلتیں اِس کے آخری عشرے میں مرتبہ ٔکمال پر فائز ہوتی ہیں اور اہل ایمان کیلئے آخری عشرے کے شب وروز اور لمحات خصوصی ثمرات ونتائج کے لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رمضان شریف کا آخری عشرہ جہنم سے آزادی ہے گویا اہل ایمان کو اِس عشرے میں یہ سعادت عظمیٰ نصیب ہوتی ہے کہ وہ جہنم سے آزاد ہونے کی سند حاصل کر لیتے ہیں۔

رمضان شریف کا آخری عشرہ شروع ہوتے ہی مساجد میں تراویح کی نماز میں ختم قرآن کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ آخری عشرے کی طاق راتوں میں ختم قرآن کی تقریبات منعقد کی جاتی ہیں، روحانی برکت کے نزول اور مساجد کی رونق کے ایمان افروز مناظر اہل ایمان کو حقیقی فرحت ومسرت سے ہمکنار کرتے ہیں اور پورا معاشرہ حُسنِ عمل کے انوار سے منور نظر آتا ہے۔ آخری عشرہ شروع ہوتے ہی مساجد میں اعتکاف کی بدولت روحانی مشق کا آغاز ہوتا ہے۔ تزکیہ قلب اور حصول تقویٰ کیلئے اہل ایمان تخلیہ، یکسوئی اور گوشہ نشینی کا اہتمام کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے دس دن مسجد میں حاضر رہ کر عبادت وریاضت میں مشغول رہتے ہیں، اعتکاف کی مدت میں قرآن مجید کی تلاوت، ذکر وفکر اور نوافل عبادات کی ادائیگی سے ایک روحانی بہار کا سماں معلوم ہوتا ہے اور لوحِ قلب دنیوی گرد وغبار سے پاک صاف ہو کر انوارِ الٰہی کا عکس جمیل قرار پاتی ہے۔

لیلۃ القدر جو رمضان شریف کی سب سے بڑی فضیلت وعظمت ہے وہ بھی اِسی آخری عشرے میں پائی جاتی ہے۔ لیلۃ القدر کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل ہے اور اِس مقدس رات میں رحمت ومغفرت

الٰہی پورے عروج پر ہوتی ہے۔اہلِ ایمان لیلۃ القدر کی تلاش میں آخری عشرے کی طاق راتوں میں خاص طور پر مصروفِ عبادت ہوتے ہیں اور اُس کے حصول کی خاطر پورا عشرہ کمربستہ نظر آتے ہیں۔حدیث پاک میں آتا ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم یوں تو سارا ماہِ رمضان عبادت و ریاضت میں گزار دیتے مگر آخری عشرے میں خاص طور پر آپ کی جدو جہد تیز تر ہو جاتی۔اہل ایمان آخری عشرے میں اِس وجہ سے بھی زیادہ محوِ عبادت نظر آتے ہیں کہ انہیں شدت سے یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ رمضان شریف کے مقدس لمحات، اختتام کے قریب ہوتے جاتے ہیں، معلوم نہیں زندگی میں پھر یہ مبارک ساعات نصیب ہوتی ہیں یا نہیں۔

اِس جذبے اور ذوق کے پیش نظر حُسنِ عمل اور کسب خیر کی جدو جہد درجہء کمال کو پہنچتی ہے اور مسلمان اپنی بساط کے مطابق خیر کے حصول میں محوِ عمل نظر آتا ہے۔حدیثِ پاک میں آتا ہے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا یارسول اللہ کیا لیلۃ القدر میں سارا اجروثواب عطا کر دیا جاتا ہے آپ نے ارشاد فرمایا نہیں، اجروثواب رمضان شریف کی آخری رات میں عطا کیا جاتا ہے کیونکہ کام کرنے والے کو محنت کا صلہ اُس وقت دیا جاتا ہے جب وہ کام مکمل کر لیتا ہے۔رمضان شریف کا آخری عشرہ اِس لحاظ سے بھی خاص اہمیت رکھتا ہے کہ پہلے دو عشروں کے خیر و تقویٰ کا ظہور اِس عشرے میں ہوتا ہے اور اہل ایمان روحانی لطافت اور تزکیہء قلب سے مالا مال ہو کر اِس عشرے میں ذوقِ عبادت کا بھرپور اظہار کرتے ہیں، اپنے خالق و مالک سے رابطہ عبدیت استوار کرتے ہیں اور ہمیشہ کیلئے طاعت و تقویٰ کا عہد و میثاق پیش کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک رحمتِ دو عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے ہمیں رمضان شریف کے آخری عشرے کی برکتوں سے مالا مال فرمائے۔ اٰمِیْنْ، وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

☆☆☆☆☆

لیلۃ القدر کی فضیلت

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

رمضان المبارک کے مہینے کی خاص برکتوں اور رحمتوں میں لیلۃ القدر کو عظیم الشان امتیازی مقام حاصل ہے یہ مقدس اور پاکیزہ رات اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت قدر و منزلت اور اہمیت رکھتی ہے، سال بھر کے قضاؤ قدر کے معاملات چونکہ اس رات میں طے کئے جاتے ہیں اس لئے اسے لیلۃ القدر کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس مقدس رات کی شان میں پوری ایک سورت نازل فرمائی جس میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے لیلۃ القدر میں قرآن مجید کو اتارا یہ وہ عظمت وجلالت والی رات ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس رات میں حضرت جبریل علیہ السلام دوسرے فرشتوں کے ساتھ زمین پر نازل ہوتے ہیں یہ رات ہر کام کیلئے امن وسلامتی ہے یہ طلوع فجر تک رہتی ہے۔

اس سورت کے شان نزول کے بارے میں حدیث پاک میں یوں بیان کیا گیا کہ رسول پاک ﷺ نے پہلی امتوں کے ایک عابد وزاہد مجاہد کے بارے میں فرمایا کہ وہ ہزار مہینے مسلسل دن کو جہاد میں اور رات کو عبادت میں مصروف رہتا تھا۔ حضرات صحابہ کرام کو اس بات سے تعجب اور شوق ہوا کہ کاش ہم بھی اس طرح سعادت حاصل کرتے۔ شان نزول کی دوسری روایت کے مطابق حضور ﷺ نے خیال فرمایا کہ میری امت کے لوگوں کی عمر تھوڑی۔ ہے جبکہ پہلے لوگوں کی عمر طویل ہوا کرتی تھی میری امت کے لوگ ثواب کے حصول میں پیچھے رہ جائیں گے اس موقعے پر یہ سورت نازل ہوئی اور رسول پاک ﷺ کو بشارت دی گئی کہ ہم نے آپ کی امت کو ایسی عظیم الشان رات عطا فرمادی ہے جس کی عبادت ہزار مہینے کی عبادت سے بڑھ کر ہوگی حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ لیلۃ القدر رمضان شریف کے آخری عشرے کی طاق راتوں یعنی اکیس، تیئیس، پچیس، ستائیس اور انتیس میں سے ایک رات ہوتی ہے۔

حضور ﷺ رمضان شریف کے آخری عشرے میں بہت زیادہ عبادت فرماتے تھے اور اپنے اہل بیت و صحابہ کو زیادہ عبادت کی تاکید فرماتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت جبریل سدرۃ المنتہیٰ کے ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ اس رات میں زمین پر نازل ہوتے ہیں اور کعبہ شریف روضہ رسول ﷺ، مسجد بیت المقدس اور مسجد طور سینا پر خاص جھنڈے لہراتے ہیں فرشتے اہل ایمان کے گھروں اور مسجدوں میں جاتے ہیں اور ان پر خاص رحمتیں اور برکتیں نازل کرتے ہیں صبح کے بعد جب آسمانوں پر جاتے ہیں تو دوسرے فرشتوں کو بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رسول پاک ﷺ کی امت کے لوگوں کی مغفرت فرمادی ہے اور ان کو اپنی خاص رحمت و برکت سے مشرف فرمایا ہے۔

آخری عشرے کی طاق راتوں میں ستائیس رمضان المبارک کی رات کو خاص اہمیت حاصل ہے لیلۃ القدر کے بارے میں زیادہ تر روایات اور بزرگان دین کے ملفوظات اسی رات کے بارے میں منقول ہیں، حضرات صحابہ کرام میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرات اولیاء کرام میں حضرت غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ لیلۃ القدر ستائیس رمضان المبارک کی رات ہوتی ہے، بعض بزرگانِ دین اور علمائے کاملین فرماتے ہیں کہ لیلۃ القدر کی بعض علامات کچھ اس طرح ہوتی ہیں کہ لیلۃ القدر میں نہ زیادہ سردی ہوتی ہے اور نہ زیادہ گرمی، بادل بارش اور طوفان بھی نہیں ہوتا اور صبح کو جب سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کی شعاعیں زیادہ نہیں ہوتیں، اس رات میں فرشتوں کے نزول سے سکون قلب، ذوق وشوق، عبادت میں لذت طبیعت میں فرحت اور بشاشت محسوس ہوتی ہے نیز گریہ وزاری کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ اس رات میں درخت، پہاڑ اور دوسری مخلوق بھی سجدہ ریز ہوتی ہے اور پورا روئے زمین روشن ہوجاتا ہے، ایسے علامات وشواہد ضروری نہیں کہ ہر شخص کو نظر آئیں، اس لئے دل برداشتہ نہیں ہونا چاہیئے، کیونکہ یقیناً طاق راتوں میں سے ایک رات لیلۃ القدر ہوتی ہے اور اس کی عبادت و ریاضت سے لیلۃ القدر کی فضیلت کا حصول یقینی ہوجاتا ہے۔

بزرگان دین اس رات کی تلاش میں سارا عشرہ عبادت و ریاضت میں گزار دیتے ہیں اور اعتکاف کا

اہتمام کرتے ہیں، اس مقدس رات میں نفل، تلاوت قرآن، درود شریف، صلوٰۃ التسبیح، دعا، توبہ، استغفار اور قلبی عجز و نیاز کے اظہار کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ حضور نبی پاک ﷺ نے اپنے ارشادات اور عمل کے ذریعے اس رات کی عظمت وفضیلت کو بیان فرمایا اس لئے اہل ایمان کیلئے نہایت ضروری ہے کہ وہ اس مقدس رات میں اللہ تعالیٰ کی خاص برکتوں اور رحمتوں کو حاصل کریں، اس رات میں حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کا خاص خیال رکھنا ضروری ہے اسلامی معاشرے میں بسنے والے ہر فرد بشر خصوصاً والدین، رشتے دار، پڑوسی، غریب، یتیم، نادار، بیمار اور ضرورتمند لوگوں کے حقوق کی ادائیگی پیش نظر رہے اور کسی مسلمان بھائی کے متعلق دل میں کدورت، رنجش، غصہ اور بغض وکینہ ہرگز نہ آنے پائے لیلۃ القدر میں اگر ساری رات عبادت میں مشغولیت نہ ہو سکے تو کم از کم عشاء اور فجر کی نماز باجماعت ادا کی جائے تاکہ لیلۃ القدر کے اجر وثواب کی بدولت پوری رات عبادت میں شمار ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک رحمت دوعالم نور مجسم ﷺ کے وسیلے سے ہمیں لیلۃ القدر کی برکتوں سے فیضیاب ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ اٰمِیْن، وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

☆☆☆☆☆

رمضان شریف کے آخری عشرہ کی طاق راتیں

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

یوں تو رمضان شریف کے مقدس مہینے کا ایک ایک لمحہ رحمت وبرکت اور اجر وثواب کے حصول کا ضامن ہے مگر اس کا آخری عشرہ خاص طور پر اسکی طاق راتیں بہت ہی اہمیت رکھتی ہیں۔ رمضان شریف کا آخری عشرہ رحمتِ خداوندی کے حصول کا نقطۂ عروج ہوتا ہے ہر نعمت ورحمت اپنے اتمام واختتام کے موقع پر درجۂ کمال کو پہنچتی ہے اِسی طرح رمضان شریف کی برکتیں اور فضیلتیں آخری عشرے میں اپنے مرتبۂ کمال پر فائز ہوتی ہیں اور اہل

ایمان کیلئے آخری عشرے کے شب وروز خاص ثمرات ونتائج کے لحاظ سے اہم قرار پاتے ہیں۔

رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رمضان شریف کا آخری عشرہ جہنم سے آزادی ہے اس طرح اہل ایمان اِس عشرے میں جہنم سے آزاد ہونے کی سند حاصل کر لیتے ہیں اور ایک عظیم الشان حقیقی کامیابی سے ہمکنار ہوتے ہیں۔قرآن مجید نے جہنم سے آزادی کو بہت بڑی کامیابی وکامرانی قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِوَاُ دْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ پس جو شخص جہنم سے دور کردیا گیا اور جنت میں داخل کردیا گیا تو اُس نے حقیقی کامیابی حاصل کرلی۔حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف کے آخری عشرے میں عبادت وریاضت کیلئے بہت جدوجہد فرماتے اور اہل ایمان کو اِس عشرے کی طاق راتوں میں خاص طور پر عبادت کی تاکید فرماتے۔

رمضان شریف کی سب سے بڑی روحانی نعمت لیلۃ القدر آخری عشرے کی طاق راتوں میں ہوتی ہے اِسی بنا پر رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اِس نعمتِ عظمیٰ کو آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔اہل ایمان لیلۃ القدر کی تلاش میں آخری عشرے کی طاق راتوں میں خاص طور پر مصروفِ عبادت ہوجاتے ہیں۔آخری عشرے کی طاق راتوں میں عموماً مساجد میں نماز تراویح میں ختمِ قرآن کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ختم قرآن کی روحانی تقریبات کے انعقاد میں رحمت وبرکت کے نزول اور مساجد کی رونق کے ایمان افروز مناظر سے اہل ایمان میں حقیقی فرحت ومسرت کے پاکیزہ جذبات کی فراوانی ہوتی ہے اور پورا معاشرہ حسنِ عمل کے اجتماعی انوار وتجلیات سے منور نظر آتا ہے۔آخری عشرے کی طاق راتوں کی اہمیت کے پیش نظر مساجد میں روحانی مشق کا آغاز ہوتا ہے،تزکیہ قلب اور حصول تقوٰی کے لئے اہل ایمان تخلیہ،یکسوئی اور گوشہ نشینی کا اہتمام کرتے ہیں اور یوں ان پاکیزہ راتوں میں اجر وثواب کے حصول کی مہم پورے عروج پر ہوتی ہے۔

اِن طاق راتوں میں نوافل کی ادائیگی ،تلاوتِ قرآن اور ذکر وفکر سے ایک روحانی بہار کا سماں معلوم ہوتا ہے اور لوحِ قلب دنیوی گرد وغبار سے پاک وصاف ہوکر انوارِ الٰہی کے عکسِ جمیل سے مشرف ہوتی ہے آخری

عشرے کی طاق راتوں میں اللہ تعالیٰ کا دریائے رحمت جوش وخروش میں ہوتا ہے اور عالَمِ غیب سے اعلان کیا جاتا ہے کون ہے جو گناہوں سے مغفرت طلب کرتا ہے، جہنم سے آزادی چاہتا ہے، تکلیف اور بیماری سے عافیت کا طلبگار رہے، رنج وغم سے نجات کا خواہشمند ہے، رزق میں وسعت کا طالب ہے اور معبودِ برحق سے رابطہء عبدیت استوار کرنے کی تمنا رکھتا ہے، میں ایسے تمام لوگوں کی دعاؤں کو قبول کر کے اُنہیں مرادوں سے ہمکنار کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے خاص لطف وکرم اور نوید مغفرت سے اہل ایمان کا جذبہ عبدیت اُجاگر ہوتا ہے۔ اُن کا ذوقِ طلب بام عروج پر پہنچتا ہے اور اُن کا عجز و نیاز معراجِ کمال سے ہمکنار ہوتا ہے وہ اپنے خالق و مالک سے حاجتیں طلب کرنے میں دست بدعا اور محوِ سجود نظر آتے ہیں۔

آخری عشرے کی طاق راتوں میں رمضان شریف کے اختتام کا احساس شدت اختیار کر جاتا ہے اور اہل ایمان ان مقدس ساعتوں کو غنیمت سمجھتے ہوئے پوری یکسوئی اور توجہ سے حسنِ عمل کی جدوجہد میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ اہل ایمان کے لئے نہایت ضروری ہے کہ اِن طاق راتوں کے پاکیزہ لمحات کی اہمیت کا خاص خیال رکھیں، غفلت اور بے توجہی سے کنارہ کش رہیں، دنیاوآخرت کی سعادتوں کے حصول کی جدوجہد کریں، اپنے خالق و مالک سے پیمانِ عبدیت کو مضبوط کریں، حسنِ عمل کے جذبات کو فروغ دیں، ملک وملت کی فلاح و بہبود اور اُمّتِ مسلمہ کی بہتری اور بھلائی کے لئے مخلصانہ دعائیں کریں اور عملی طور پر اپنے آپ کو سچا مسلمان ثابت کرنے کا عہد کریں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک رحمتِ دوعالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے ہمیں رمضان شریف کے آخری عشرے میں طاق راتوں کی برکتوں سے مالا مال فرمائے۔ اٰمِیۡنۡ، وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

☆☆☆☆☆

نواں باب......مختلف اسلامی موضوعات اور اہم واقعات

نظامِ صلوٰۃ کا نفاذ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

دینِ اسلام کے اصول اور ضوابط میں نظامِ صلوٰۃ کو زبردست اہمیت حاصل ہے۔ جن پانچ ارکان پر اسلام کی بنیاد رکھی گئی ہے نماز اُن میں سے ایک عظیم الشان رکن ہے۔ قرآن وسنت کی تعلیمات میں جس قدر تاکید نماز کے بارے میں پائی جاتی ہے کسی دوسرے فریضے کے بارے میں نہیں پائی جاتی۔ نماز دین کا ستون ہے، نماز اہل ایمان کی معراج ہے اور نماز باعث نجات ہے۔

قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی اہل ایمان کے اوصاف وکمالات کو بیان کیا گیا وہاں نماز کی ادائیگی کا خاص طور پر ذکر کیا گیا۔ حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے قُرَّةُ عَيْنِىْ فِى الصَّلٰوةِ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ آپ کا ارشادِ گرامی ہے کہ مؤمن اور کافر میں نماز ہی نمایاں فرق ہے۔ نماز پڑھنے سے انسان گناہوں کے میل کچیل سے صاف ستھرا ہو جاتا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے ایک مرتبہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا تمہارا کیا خیال ہے اگر کسی شخص کے گھر کے سامنے دریا بہتا ہو اور وہ روزانہ پانچ مرتبہ اُس میں نہاتا ہو کیا اُس کے بدن پر کوئی میل کچیل باقی رہ جائے گی۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ ایسے شخص کا جسم تو بالکل پاک صاف ہو جائیگا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اِسی طرح جو شخص روزانہ پانچ نمازیں ادا کرتا ہے وہ بھی گناہوں کے میل سے صاف ہو جاتا ہے۔

نماز کی اہمیت اور افادیت کے پیشِ نظر دینِ اسلام میں نظامِ صلوٰۃ کا خصوصی اہتمام کیا گیا۔ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم فرمایا کہ وہ پابندیٔ وقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے مل کر نماز ادا کریں۔ چنانچہ اِس مقصد کے پیشِ نظر اذان کا اہتمام کیا گیا جسے سنتے ہی لوگ مسجد کی طرف رُخ کرتے اور اجتماعی انداز میں عبادت

کا فریضہ بجالاتے، باجماعت نماز ادا کرنیکی اہمیت کا اندازہ اِس سے لگایا جاسکتا ہے کہ خودرسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نمازیوں کی صفیں تیار فرماتے، اُنہیں ملکر سیدھا کھڑا ہونے کا طریقہ سمجھاتے اور جماعت سے رہ جانے والوں کا محاسبہ فرماتے۔ آپ کا ارشادِ گرامی ہے کہ جولوگ جماعت سے بلاعذر پس وپیش کرتے ہیں میں چاہتا ہوں کہ نماز پڑھانا کسی اور کے ذمہ لگادوں اور خود جا کر اُن کے گھروں کو آگ لگادوں۔ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلے میں جو اقدامات فرمائے نظامِ صلوٰۃ کو اُن میں اولین حیثیت حاصل ہے۔

یوں تو ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ دوسروں کو نیکی کی طرف بلائے اور نیکی کو رواج دینے میں پوری کوشش کرے مگر اِس بارے میں اہل حکومت اور اربابِ اقتدار پر سخت ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ. وہ لوگ جنہیں ہم زمین میں اقتدار عطا کرتے ہیں تو وہ نماز قائم کرتے ہیں۔ بذاتِ خود نماز ادا کرلینا یہ تو عوام الناس کا کام ہے مگر نظامِ صلوٰۃ کو قائم کرنا یہ اُن کا کام ہے جنہیں قوتِ نافذہ حاصل ہو جو اپنے اقتدار اور اختیار کی بنا پر پوری قوت رکھتے ہوں اور اِس نظام کے نفاذ کیلئے اُن کے سامنے کوئی چیز رکاوٹ نہ بن سکے۔

اِس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ایک عظیم الشان عبادت ہونے کے ساتھ ساتھ نماز کو وحدتِ انسانی، اتحاد و اتفاق، ضبط و تنظیم اور یکجہتی میں گہرا دخل ہے۔ نماز کی ادائیگی جب نظامِ صلوٰۃ کے اصول وضوابط کی روشنی میں ہو تو پورے معاشرے اور تہذیب وتمدن پر اُسکے مفید اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ جب لوگ اکٹھے ہو کر ایک وقت میں، ایک قبلے کی طرف رُخ کرکے، ایک معبودِ حقیقی کے سامنے سربسجود ہوتے ہیں تو وحدتِ انسانی کا جذبہ اُجاگر ہوتا ہے۔ بندہ ومولا، محتاج وغنی، حکام اور عوام جب ایک صف میں کھڑے ہوتے ہیں تو اسلامی مساوات کا تصور نمایاں ہوتا ہے۔ رات دن میں پانچ مرتبہ ایک مقام پر اکٹھے ہونے سے لوگ ایک دوسرے کے حالات سے باخبر ہوتے ہیں ایسے باہمی میل جول سے محبت، ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبات پروان چڑھتے ہیں۔

مل جل کر عبادت کا فریضہ بجالانے سے لوگوں میں اِس بات کا شوق پیدا ہوتا ہے کہ وہ دنیوی معاملات میں بھی ایک دوسرے سے مل کر باہمی تعاون کی خوشگوار فضا پیدا کریں، اب وہ انفرادی مفادات کی بجائے اجتماعی مفادات کو ترجیح دیتے ہیں اور پوری ملتِ اسلامیہ کے استحکام کو مدِ نظر رکھتے ہیں۔ نظامِ صلوٰۃ کے دوررس، مفیداور جامع اثرات کے پیشِ نظر یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حکومت وقت کا فرض اولین ہے کہ وہ اِس سلسلے میں پوری جدو جہد سے اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو، قیامِ پاکستان کا اولین مقصد یہی تھا کہ یہاں بسنے والے مسلمان اسلامی تعلیمات کے مطابق اپنی زندگی بسر کرسکیں۔ حصولِ پاکستان کی جدو جہد کا تقاضا تو یہی تھا کہ اسلامی سلطنت کے وجود میں آتے ہی یہاں سب سے پہلے نظامِ صلوٰۃ نافذ کیا جاتا۔ اس سلسلے میں جو تاخیراور تساہل ہوا اُس کے نتائج اچھے ثابت نہ ہوئے۔

جس طرح حکومتِ وقت کا فرض ہے کہ وہ نظامِ صلوٰۃ کے نفاذ میں کوئی رکاوٹ برداشت نہ کرے اِس طرح عامۃ المسلمین پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ حکومت سے تعاون کریں، نماز کی ادائیگی کا اہتمام کریں، نماز کی تبلیغ کریں، نماز کے لئے رغبت دلائیں اور اپنے حلقہ ءاثر میں نماز کو مروّج کرنے کیلئے پوری کوشش کریں اگر اہل ایمان اسلامی احکام اور فرائض کے نفاذ میں حکومت سے تعاون کریں تو وہ بھی اس کارِ خیر میں برابر کے شریک تصور ہونگے۔ قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں کی تاریخ ہمیں اِس بات پر تنبیہ کرتی ہے کہ کفروشرک کی ظلمتوں میں اسلامی نظام کے انوار چمک سکتے ہیں اور اِسلامی نظام اِن ناسازگار حالات میں اَپنی افادیت تسلیم کرا سکتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ اسلامی سلطنت، آزاد مملکت اور اسلامی شعائر کے وسیع ماحول میں نظامِ اسلام مضبوط و مستحکم نہ ہو؟ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے ہمارے حکام وعوام دونوں کو نظام صلوٰۃ کے بارے میں عملی جدو جہد کی مزید توفیق عطا فرمائے۔ اٰمِیْن، وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

☆☆☆☆☆

حج کی فضیلت واہمیت

نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡکَرِیۡمِ. بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ.

دینِ اسلام کے ارکانِ خمسہ میں حج بیت اللہ ایک عظیم الشان رکن ہے جسے فضیلت واہمیت کے لحاظ سے بلند مقام حاصل ہے۔ خالقِ کائنات نے حج کی فرضیت کا اعلان عام کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ''وَلِلّٰهِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الۡبَیۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَیۡهِ سَبِیۡلًا'' لوگوں میں سے جو بھی حج بیت اللہ کی استطاعت رکھتے ہوں تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اُن پر حج فرض ہے۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمِ الٰہی کی ترجمانی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا لوگو تم میں سے ہر اُس شخص پر ایک مرتبہ حج کرنا فرض ہے جو بیت اللہ شریف تک پہنچنے کی قدرت رکھتا ہو۔ حج کی فضیلت اور ثواب کو بیان کرتے ہوئے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جو شخص شرعی آداب وضوابط کے مطابق حج کرے گا تو وہ گناہوں سے اِس طرح پاک وصاف ہو جائیگا جس طرح ماں کے بطن سے پیدا ہونے والا بچہ معصیت کی آلودگی سے صاف ستھرا ہوتا ہے۔

آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ حج کرنے والے اللہ تعالیٰ کے معزز مہمان ہوتے ہیں اگر وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں تو وہ اُن کی دعا قبول فرماتا ہے اور اگر وہ گناہوں سے مغفرت طلب کریں تو اللہ تعالیٰ اُن کے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ حج کا مقدس سفر اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسقدر پسندیدہ ہے اور اتنا باعثِ اجر وثواب ہے کہ اگر کوئی شخص اِس سفر میں ہو مگر حج نہ کر سکے اور اُسے موت آجائے تو پھر بھی اُسے حج کا ثواب ملتا ہے۔ حج کی ادائیگی میں غفلت اور تساہل سے احتراز ضروری ہے اور بہتر ہے کہ استطاعت کے حصول کی صورت میں فوری طور پر یہ فریضہ ادا کیا جائے۔ رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ جس کو بیت اللہ شریف تک پہنچنے کی طاقت ہو اور کوئی شرعی رکاوٹ نہ ہو پھر وہ حج ادا نہ کرے تو اُسے ڈرنا چاہیئے کہیں وہ یہودی اور نصرانی ہو کر نہ مرے۔

حج کی ادائیگی میں بیت اللہ شریف کی زیارت اور طواف، مسجدِ حرام میں نماز، حجرِ اسود کا استلام، مقامِ

ابراہیم کی زیارت، صفااور مروہ کے درمیان سعی، منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں قیام ایسی سعادتیں ہیں جن کی بدولت انسان اجر وثواب کی دولتِ لازوال حاصل کرتا ہے اور حج کی فضیلت اور عظمت سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ بیت اللہ شریف کا دیکھنا بھی عبادت ہے بلکہ پہلی مرتبہ دیکھتے وقت دعا مانگنا اجابت کا ضامن ہے۔ مسجدِ حرام میں ایک نماز ادا کرنے سے لاکھ نماز کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔ طواف کی فضیلت کو بیان کرتے ہوئے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مکہ معظّمہ میں روزانہ ایک سو بیس رحمتوں کا نزول ہوتا ہے اُن میں سے اَسّی رحمتیں اُن لوگوں پر نازل ہوتی ہیں جو بیت اللہ کا طواف کر رہے ہوتے ہیں۔ حجرِ اسود کی زیارت اور اُسکے استلام کی فضیلت کو بیان کرتے ہوئے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص حجرِ اسود کا استلام کرے گا قیامت کے دن وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اُس کے ایمان کی گواہی دیگا اور اُس کے استلام سے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔

مناسکِ حج کی ادائیگی میں وقوفِ عرفات کو بڑی اہمیت حاصل ہے ذوالحجہ کی نویں تاریخ سورج ڈھلنے کے بعد وقوف کا وقت شروع ہوتا ہے، وقوفِ عرفات حج کا عظیم الشان رکن ہے جس کے بغیر حج نہیں ہوسکتا۔ حدیثِ پاک میں آتا ہے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ جب حج کا دن ہوتا ہے اور لوگ میدانِ عرفات میں ٹھہرے ہوئے ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آسمانِ اول پر نزولِ اجلال فرماتے ہوئے فرشتوں کے سامنے لوگوں کی حاضری اور عبادت پر فخر فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے میرے بندوں کو دیکھو کہ کتنا دور دراز سفر کر کے بکھرے ہوئے بالوں اور گرد آلود لباس کے ساتھ میری بارگاہ میں حاضر ہیں، میں تمہیں اِس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اِن سب کے گناہوں کو معاف کر دیا۔ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ حج کے دن شیطان بہت ذلیل وخوار اور پریشان حال ہوتا ہے کیونکہ اُس دن وہ لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔

اسلامی عبادات میں حج بیت اللہ کو زبردست اہمیت حاصل ہے حج کے اندر مالی اور بدنی دونوں عبادتوں کی جھلک پائی جاتی ہے۔ طویل سفر کی مشقت، قواعد وضوابط کی پابندی اور مناسک حج کی ادائیگی میں زحمت برداشت کرنا اہل ایمان کو ذوقِ عبدیت اور تسلیم ورضا کا خوگر بنا دیتا ہے۔ حج کا احرام باندھنے کے بعد وہ

صبر و رضا کا مجسمہ بن جاتے ہیں اور ہر اُس کام کے ارتکاب سے رُک جاتے ہیں جس سے اُن کے خالق و مالک نے منع کر دیا ہو۔ خالقِ کائنات کی خوشنودی کیلئے اہلِ ایمان جب دورانِ حج بعض جائز امور سے احتراز کرتے ہیں تو اس طرح اُن میں ضبطِ نفس اور صبر و تحمل کا دیرپا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور وہ ایسی صلاحیتوں سے مالا مال ہو جاتے ہیں جن کی بدولت وہ ہمیشہ کیلئے شرعی ممنوعات سے احتراز کرتے ہیں اور اپنی پوری زندگی رضائے الٰہی میں گزار دیتے ہیں۔

حج بیت اللہ عظیم الشان عبادت اور ضبطِ نفس کی روحانی مشق کے ساتھ ساتھ امتِ مسلمہ کی معاشرتی، اخلاقی اور تمدنی بنیادوں کو مضبوط کر کے اجتماعی قوتِ فکر و عمل کو زبردست فروغ عطا کرتا ہے۔ اطرافِ ارض کے مختلف گوشوں سے آنیوالے حُجاج کرام جب ایک مقدس مقام کا رخ کرتے ہوئے ایک مرکز پر جمع ہو کر ایک مقدس گھر کے اردگرد ایک معبودِ حقیقی کے سامنے ایک ہی وقت میں محوِ طواف و سجود ہوتے ہیں تو وحدتِ انسانی کا تصور معراجِ کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ رنگ و نسل، لسان و وطن، قبائل و طبقات اور اختلافات کے بت پاش پاش ہو جاتے ہیں، طبقاتی کشمکش کا خاتمہ ہو جاتا ہے، باہمی اتحاد و اتفاق، اخوت و یگانگت کو فروغ حاصل ہوتا ہے اور ملتِ اسلامیہ کی وحدت کا تصور اُجاگر ہوتا ہے، دور دراز علاقوں سے آئے ہوئے حجاج کرام کو حج کے موقعہ پر اجتماعی انداز میں مناسکِ حج کی ادائیگی سے باہمی اخوت و محبت کا مظاہرہ دیکھ کر ملتِ اسلامیہ کی فلاح و بہبود کیلئے اجتماعی جدوجہد کا جذبہ نصیب ہوتا ہے۔

اہل ایمان کا مثالی اجتماع ایک دوسرے کے حالات کی واقفیت اور باہمی تعارف کا باعث بنتا ہے اور فکری ہم آہنگی اور اجتماعی جذبہ عمل کی راہ میں سنگِ میل ثابت ہوتا ہے۔ حج کے عظیم الشان اجتماع میں جہاں مناسکِ حج کی اجتماعی ادائیگی کا منظر قابلِ دید ہوتا ہے وہاں یہ اجتماع اِس بات کی دعوتِ فکر بھی دے رہا ہوتا ہے کہ اُمتِ مسلمہ کے فرزندانِ توحید کا کسی قومی، دینی، مذہبی اور ملی ضرورت کے موقعہ پر اجتماعی قوت کا مظاہرہ کس قدر بارآور اور نتیجہ خیز ثابت ہو سکتا ہے۔ وحدتِ اسلامی کے رشتے میں منسلک بے شمار افراد اگر اُمت مسلمہ کو درپیش مسائل اور مشکلات کے بارے اجتماعی فکر و عمل کی قوتوں کو بروئے کار لائیں تو یقیناً اُن کی جدوجہد

کامیابی سے ہمکنار ہو اور پوری ملتِ اسلامیہ حقیقی فلاح و بہبود اور خوشحالی سے مالا مال ہو۔

حجِ بیت اللہ کا عظیم الشان فریضہ اسلام اور اہل اسلام کی اجتماعی قوت اور شان وشوکت کے اظہار کا بہترین موقعہ فراہم کرتا ہے اور ملتِ اسلامیہ کے ہر فردِ بشر کو روحانی تقویت اور معاشرتی خود اعتمادی عطا کر کے احساسِ کمتری سے بے نیاز کر دیتا ہے اور اُن کی فکری صلاحیت اور عملی توانائیوں میں اضافہ کرتا ہے۔ حجِ بیت اللہ کے ذریعے جہاں اہل ایمان روحانی سکون اور قلبی اطمینان حاصل کرتے ہیں وہاں معاشرت، تہذیب وتمدن اور معیشت کے بارے میں خاطر خواہ معلومات حاصل کر کے ملک وملت کی تعمیر وترقی کے بارے میں جدید خطوط پر فکری صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہیں اور مذہبی فریضے کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ معاشرتی ذمہ داریوں کو نبھانے کی استعداد کو مزید استوار کرتے ہیں۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں حجِ بیت اللہ وہ عظیم الشان عبادت ہے جس کی ادائیگی سے رضائے الٰہی کا حصول ہوتا ہے۔ اجر وثواب کی دولت نصیب ہوتی ہے، گناہوں سے مغفرت کا مژدہَ جانفزا سنایا جاتا ہے، خیر و صلاح کے جذبات کو فروغ حاصل ہوتا ہے، شر وفجور کا استیصال ہوتا ہے اور اجتماعی ذوقِ عبدیت کی تکمیل کا مظاہرہ دیکھنے میں آتا ہے۔ حجِ بیت اللہ کی بدولت وحدتِ انسانی کو عروج حاصل ہوتا ہے، باہمی اتحاد واتفاق کے جذبات کو تقویت پہنچتی ہے، اجتماعی جدوجہد کا جذبہ پروان چڑھتا ہے، فکری صلاحیتیں اُجاگر ہوتی ہیں اور قومی تشخص بقائے دوام سے ہمکنار ہوتا ہے۔ حجِ بیت اللہ وہ فریضہ ہے جو اُمت مسلمہ کو اقوام عالم پر برتری کے حصول کا درس دیتا ہے، مسلمانوں کے باہمی تعارف اور تبادلہء خیالات کی اہمیت کو نمایاں کرتا ہے، ملتِ اسلامیہ کے اجتماعی مسائل پر اجتماعی غور وفکر کی دعوت دیتا ہے اور دین ودنیا کے اُمور میں باہمی تعاون اور اشتراکِ عمل کی افادیت پر زور دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک رحمتِ دو عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے ہمیں حج کی فضیلت واہمیت کو مدنظر رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اٰمِیْنَ، وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

☆☆☆☆☆

زیاراتِ مدینہ منورہ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ.

رسول پاک ﷺ کے روضہ اقدس کی زیارت اور آپ کے عالیشان دربار اقدس میں حاضر ہونا اہل ایمان کے لئے بہت بڑی سعادت، نیک بختی اور فضیلت ہے۔ حضور سرورکونین ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہونیوالوں کو اللہ تعالیٰ نے رحمت، بخشش اور مغفرت کی بشارت دی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے کہ میرے اس دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد جو شخص میری زیارت کے لئے حاضر ہوگا اس کے لئے شفاعت کرنا میرے ذمہ ہے اور حاضر ہونیوالا یوں سمجھے کہ میری زندگی میں اس نے میری زیارت کی ہے۔ حضور ﷺ کا ارشادِ پاک ہے کہ میرا جو امتی حج کرے اور میری زیارت کے لئے نہ آئے اس نے میرے ساتھ ناانصافی کی۔

سرزمین مدینہ منورہ کو یہ شرف اور مرتبہ حاصل ہے کہ یہاں پر رسول پاک ﷺ جلوہ گر ہیں، زمین کے جس خطہ سے آپ کا مقدس ومعطر جسم لگا ہوا ہے وہ بیت المقدس، بیت المعمور، کعبہ شریف اور عرش عظیم سے بھی افضل ہے۔ رات دن میں ایک لاکھ چالیس ہزار فرشتے حضور ﷺ کے روضہ اقدس پر حاضر ہو کر آپ کی بارگاہ میں درود وسلام کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ زیارات مدینہ منورہ میں سب سے بڑی زیارت سرورِ کائنات ﷺ کا روضہ اقدس ہے جس پر نظر پڑتے ہی اہل ایمان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں، دل کو حقیقی فرحت وسرور حاصل ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت بے پایاں کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہوا نظر آتا ہے۔

شریعت مطہّرہ کا حکم ہے کہ رسول پاک ﷺ کے روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر درود وسلام پڑھا جائے اور کعبہ شریف کی طرف پیٹھ کر کے چہرہ حضور علیہ السلام کی طرف کر کے دعا مانگی جائے اور ادب واحترام کا خاص خیال رکھا جائے۔ مسجد نبوی شریف کی زیارت، اس میں عبادت اور حاضری کی بہت ہی فضیلت اور عظمت ہے یہاں پر ایک نماز ادا کرنے کا ثواب پچاس ہزار نماز کے برابر ہے اور جو یہاں پر چالیس نمازیں ادا کرے تو اسے جہنم اور نفاق سے آزادی مل جاتی ہے۔ اسی مسجد نبوی شریف میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا محراب پاک،

آپ کا منبر اقدس اور ریاض الجنۃ وہ مقدس مقامات ہیں جن کی زیارت کرنے سے اہل ایمان ایک خاص ذوق کی دولت سے مالا مال ہو جاتے ہیں۔ اسی مسجد شریف میں ستونِ حنانہ ہے جس کے ساتھ پشت مبارک لگا کر حضور ﷺ خطبہ پڑھا کرتے تھے پھر جب منبر تیار کیا گیا حضور علیہ السلام منبر پر جلوہ گر ہوئے تو لکڑی کا یہ خشک تنا آپ کی جدائی میں دھاڑیں مار کر رونے لگا، آپ ﷺ منبر سے نیچے تشریف لائے اور اس کے قریب آ کر اسے اپنے سینہ مبارک سے لگا لیا تو اسے سکون آ گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اگر میں اسکو سینے سے نہ لگاتا تو یہ قیامت تک اسی طرح روتا رہتا۔ اسی مسجد نبوی شریف میں ستونِ عائشہؓ صدیقہ ہے جس کی زیارت کی جاتی ہے اور اس کے قریب نوافل ادا کئے جاتے ہیں۔ ستون حرس، ستون سریر اور ستون وفود کے پاس بھی نفل پڑھے جاتے ہیں اور دعائیں کی جاتی ہیں۔

ستونِ ابولبابہ کے پاس توبہ واستغفار قبول ہوتی ہے۔ روضۂ اقدس کے قریب ہی حضرت خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کا حجرہ مبارکہ ہے جس کی زیارت کی بہت فضیلت ہے اور یہاں دعائیں قبول ہوتی ہیں حضور ﷺ کے روضۂ اقدس کے قریب ہی اصحابِ صفہ کی زیارتگاہ ہے یہاں ایک چبوترہ بنا ہوا ہے اسی جگہ بیٹھ کر وہ حضرات اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے۔ روضۂ اقدس سے تھوڑے سے فاصلے پر جنت البقیع شریف کا قبرستان ہے جس میں دس ہزار صحابہ کرام کی قبریں ہیں اور یہیں پر حضرت خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کا مزارِ پُر انوار ہے۔ اور یہاں پر ہی حضرت امام حسن علیہ السلام، حضرت امام زین العابدین علیہ السلام و دیگر اہل بیتِ کرام علیہم السلام کے مزارات ہیں، یہاں کی حاضری اور زیارت موجبِ اجر وثواب ہے۔

مسجدِ نبوی شریف سے کچھ دور مسجدِ قبا شریف ہے جس کی زیارت اور اس میں نوافل ادا کرنے کی بڑی فضیلت ہے، اسی مسجد شریف کی فضیلت بیان کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو یہاں پر دو رکعت نفل ادا کریگا اسے ایک عمرے کا ثواب ملے گا۔ حضور نبی پاک ﷺ ہفتے کے دن یہاں پر ضرور تشریف لے جایا کرتے تھے۔ مدینہ شریف کے قریب وادیٔ عقیق میں مسجدِ ذوالقبلتین ایک زیارتگاہ ہے اسی مسجد شریف میں حضور علیہ السلام کو ظہر کی نماز ادا کرتے ہوئے کعبہ شریف کی طرف رُخِ انور موڑنے کا حکم دیا گیا اس سے

پہلے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم تھا۔ مدنیہ منورہ سے تھوڑے ہی فاصلے پر جبلِ اُحد ہے جس کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد پاک ہے کہ یہ پہاڑ ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہمیں اس سے محبت ہے، اسی پہاڑ کے دامن میں حضرات شہدائے احد کے مزارات ہیں جن کی زیارت بہت بڑے اجروثواب کا باعث ہے۔ یہیں پر سید الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا مزار مقدس ہے یہاں وہ جگہ ہے جہاں غزوۂ احد میں حضور ﷺ تشریف فرما ہوئے، یہیں پر آپ ﷺ کے دندانِ مبارک شہید ہوئے، یہیں پر لشکرِ اسلام کے ٹھہرنے کا مقام ہے اور یہاں وہ پہاڑی ہے جس پر تیراندازوں کے فوجی دستے کو متعین کیا گیا تھا۔

مسجد ذوالقبلتین کے قریب بیرِ عثمان ہے یہ وہ کنواں ہے جسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مدینہ شریف آکر حضور ﷺ کے حکم کے مطابق خرید کیا تھا، حضور ﷺ نے اس کا پانی پسند کرتے ہوئے حضرت عثمانؓ کو جنت کی بشارت دی۔ مدینہ شریف میں اور اس کے اردگرد ہزاروں مقامات قابل زیارت ہیں، جہاں بھی حضور نبی کریم ﷺ کے بابرکت قدمین شریفین لگ گئے قیامت تک لوگ اس مقام کی زیارت کرتے رہیں گے۔

برزمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود　　سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو زیارات مدینہ منورہ سے مشرف فرمائے، آمین۔

☆☆☆☆☆☆☆

عید کی اہمیت

نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡكَرِيۡمِ. بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ.

عید کا دن اہل ایمان کیلئے حقیقی فرحت ومسرت کا پیغامِ جانفزا لیکر آتا ہے۔ رمضان المبارک کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے پر مسلمانوں کے دل خوشی سے لبریز ہوتے ہیں اور وہ اجتماعی انداز میں اپنے خالق ومالک کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوکر اپنی مسرتوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتے ہیں۔ اہل ایمان کے لئے عید کا دن جذبۂ عبدیت کی معراجِ کمال قرار پاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سرخرو ہوکر اُسکی رضا اور خوشنودی حاصل

کرتے ہیں۔رمضان کے تقاضوں کی تکمیل کے نتائج وثمرات سراپا فرحت ومسرت بن کر عید کی صورت میں رونما ہوتے ہیں اور مسلمان اپنے جذبات واحساسات میں اُن کے عکسِ جمیل کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کیلئے عید کا دن وہ جلیل القدر احسان اور عظیم الشان انعام ہے جس کے ذریعے اُنہیں ربِ ذوالجلال کی رضا اور خوشنودی کے حصول کی نوید سنائی جاتی ہے۔پورے ایک ماہ کی روحانی مشق کے پاکیزہ اثرات سے معاشرے میں تقویٰ اور پرہیزگاری کی ایک لہر دوڑ جاتی ہے اور مسلمانوں میں باہمی اخوت،محبت،یگانگت اور وحدتِ اسلامی کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔عید کے دن اہل ایمان صاف ستھرے پاکیزہ لباس میں ملبوس ہوکر جب اجتماعی انداز میں نمازِ عید کے لئے روانہ ہوتے ہیں تو عملی طور پر اسلامی آدابِ معاشرت کا بہترین نمونہ سامنے آتا ہے۔طہارت ونظافت کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے،فرحت ومسرت کے اجتماعی حصول کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور مل جل کر ایک دوسرے کی خوشیوں میں شریک ہونے کا احساس پروان چڑھتا ہے۔

عید کا دن ملتِ اسلامیہ کی اجتماعی شان وشوکت،وقار وتمکنت اور متحدہ قوت کے اظہار کا قابل دید نظارہ پیش کرتا ہے۔مساجد میں روح پرور اجتماعات قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے اجتماعی ذوقِ عبادت کی یاد تازہ کردیتے ہیں اور اہل ایمان اسلامی اخوت ویگانگت کے جذبات سے سرشار نظر آتے ہیں۔عید کے دن کی اجتماعی خوشی مسلمانوں میں یہ احساس پیدا کرتی ہے کہ ملتِ اسلامیہ سے وابستہ ہر فردِ بشر جس خوشی میں شریک ہو اُسکی اہمیت اور افادیت ایک خاص مقام رکھتی ہے عید کے دن مسلمانوں کے عظیم الشان اجتماعات اِس بات کا شدید احساس پیدا کرتے ہیں کہ اُمتِ مسلمہ کے تمام مسائل اجتماعی انداز میں حل کیے جائیں،طبقاتی کشمکش کو نظرانداز کرکے ملتِ اسلامیہ کے اجتماعی تقاضوں کو پورا کیا جائے اور اختلافات کی زنجیروں کو توڑ کر وحدتِ اسلامی کا جھنڈا بلند کیا جائے اہل ایمان کیلئے عید کے دن اِس بات کا خیال رکھنا خاص طور پر ضروری ہے کہ وہ لہو ولعب اور کھیل کود میں شرعی حدود اور اسلامی آداب کے تقاضوں کو پامال نہ کریں ۔رسم ورواج اور تقریبات کے انعقاد میں فضول خرچی اور بے راہ روی سے پرہیز کرتے ہوئے اعتدال کی راہ پر قائم رہیں اور فرحت ومسرت کی

اسلامی تقریب کے تشخص کو برقرار رکھیں۔

عید کا دن ہمیں اِس بات کی طرف خاص طور پر متوجہ کرتا ہے کہ معاشرے کے نادار، بے بس، کمزور، بیمار، غریب، یتیم اور پریشان حال لوگوں کو عید کی خوشی میں شریک کیا جائے۔ صدقۃ الفطر اور خیرات سے معاشرے کے مفلوک الحال لوگوں کی بھرپور امداد کی جائے اور عملی طور پر اسلامی اخوت کا ثبوت پیش کیا جائے۔
عید کا دن اہل ایمان کو اِس بات کی دعوتِ فکر دیتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی زیادتیوں اور غلطیوں کو معاف کر دیں، باہمی اختلاف وملال ختم کر دیں، رنج وکدورت، بُغض وحسد، عناد وکینہ اور ناراضگی کو نظر انداز کر دیں اور آئندہ کے لئے بھائی بھائی بن کر رہیں۔ زیادتی کی تلافی کرنا، معافی مانگنا، معذرت قبول کرنا اور صاف دل ہو جانا یہ وہ اوصافِ کمال ہیں جو اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں اور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات اور عمل سے اُن کی اہمیت بیان فرمائی۔ اگر اہل ایمان عید کے دن حقیقی مسرت اور شادکامی سے ہمکنار ہونا چاہتے ہیں تو وہ حقوق اللہ کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کے تقاضوں کا پورا پورا خیال رکھیں اور عید کے دن پختہ عہد کریں کہ وہ کسی کی حق تلفی، دل شکنی اور دل آزاری نہیں کرینگے۔

عید کا دن ہمیں بہترین موقعہ فراہم کرتا ہے کہ ہم پھر سے وحدتِ اسلامی کا جذبہ پیدا کریں، اجتماعی مفادات کا تحفظ کریں، ملتِ اسلامیہ کو درپیش مسائل کا حل تلاش کریں، اسلامی تشخص کو اُجاگر کریں اور باہمی اتحاد واتفاق کی بدولت اقوامِ عالم پر برتری حاصل کر کے دینِ اسلام کا بول بالا کریں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک رحمتِ دوعالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے ملتِ اسلامیہ کو عید کی حقیقی خوشیوں سے مالا مال فرمائے۔

اٰمِیْنْ، وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

☆☆☆☆☆

شب برأت کی فضیلت

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

پندرہ شعبان کی مقدس رات جسے عام طور پر شب برأت کہا جاتا ہے بہت ہی برکتوں اور رحمتوں والی رات ہے۔رسول پاک علیہ السلام نے اس میں عبادت کو اللہ تعالی کی مغفرت اور رحمت کے حصول کا ذریعہ قرار دیا۔حضرت عکرمہ اور بہت سے بزرگان دین کا خیال ہے کہ قرآن مجید کی سورت دخان میں مذکور ''لیلہ مبارکہ'' سے شب برأت مراد ہے۔چونکہ اس رات میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو گناہوں کے بوجھ سے بری فرما دیتا ہے اوراس میں برکتوں کا خاص نزول فرماتا ہے اس لئے اسے شب برأت اور لیلہ مبارکہ کہا گیا ہے۔حدیث پاک میں اس رات کو ''لیلۃ الصک'' کہا گیا ہے،صک چیک کے معنی میں آتا ہے جس سے مراد تحریری دستاویز ہے چونکہ اس رات مسلمانوں کو گناہوں سے برأت کی تحریری سند مل جاتی ہے اس لئے اسے لیلۃ الصک کہا جاتا ہے۔حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ ''پندرہ شعبان کی رات کو عبادت کرو اور دن کو روزہ رکھو اس رات میں اللہ تعالیٰ آسمانِ اول پر نزول اجلال فرماتا ہے اور یہ اعلان فرماتا ہے کوئی گناہوں کی مغفرت چاہنے والا ہے تو میں اس کے گناہ معاف کردوں،کوئی سوال کرنے والا ہو تو میں اس کی مراد پوری کروں''۔

حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ عرب کے قبیلہ بنو کلب کی بھیڑ بکریوں کے بالوں کے برابر لوگوں کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔عرب کی تاریخ کے مطابق بنو کلب کی بھیڑ بکریوں کی تعداد بیس ہزار تھی ،اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ ان بالوں کی کیا تعداد ہوگی ۔ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور کا فرمان ہے کہ اس رات میں سال بھر کا حساب لکھا جاتا ہے،رزق ،مال ، اولاد،اچھائی ، برائی ،موت وحیات اور پورے سال کا نظام اسی رات ترتیب دیا جاتا ہے۔

حضور علیہ السلام اس رات جنۃ البقیع میں تشریف لے جاتے اور کافی دیر تک دعائیں فرماتے رہتے، آپ اس رات میں یہ دعا فرمایا کرتے تھے '' اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِعَفْوِکَ مِنْ عِقَابِکَ وَاَعُوْذُ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ اَللّٰهُمَّ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ '' اے اللہ میں تیرے عذاب سے تیرے عفو و درگزر کے ساتھ پناہ لیتا ہوں ، تیری ناراضگی سے تیری خوشنودی اور رضامندی کے ساتھ

پناہ لیتا ہوں، اے اللہ میں تیری حمد وثنا کا احاطہ نہیں کرسکتا تیرے لیئے وہ حمد وثنا ہے جو تو نے خود فرمائی ہے۔

حضرات خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام کا معمول تھا کہ پندرہ شعبان کی رات کو زیادہ عبادت کرتے۔ بزرگانِ دین نے اس رات میں نوافل ادا کرنے کے کئی طریقے بیان فرمائے ہیں۔ حضرت غوثِ اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ اس رات میں سو رکعت نفل اس طرح ادا کیئے جائیں کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد دس مرتبہ قل شریف پڑھا جائے اسی نماز کے متعلق حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ اس ترکیب سے جو بندہ نماز ادا کریگا اللہ تعالیٰ ستر مرتبہ اس پر خاص نظرِ رحمت فرمائیگا۔ بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ چار رکعت نفل اس طرح ادا کیئے جائیں کہ ہر رکعت میں پچاس مرتبہ قل شریف پڑھا جائے تو اللہ تعالیٰ پچاس سالوں کے گناہ معاف فرمادیتا ہے۔ اصل مقصد اس رات کو عبادت میں گزارنا ہے جس طریقے سے بھی عبادت کی جائے باعث اجر وثواب ہے۔ نفل نماز پڑھنا، استغفار، درود شریف، تلاوت قرآن، صدقہ وخیرات، غریبوں، یتیموں، بیواؤں، مسکینوں کی امداد واعانت غرضیکہ خلق خدا سے کسی قسم کی بھلائی یہ سب امور عبادات ہیں۔ چونکہ عبادت میں خلوص نیت کو بڑا دخل ہے اس لئے اس رات کی عبادت میں نام ونمود، ریاکاری دکھلاوے اور تکلف وتصنع سے احتراز کیا جائے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اللہ تعالیٰ تمہارے ظاہری اعمال اور صورتوں کو نہیں دیکھتا وہ تمہارے دلوں اور ارادوں کو دیکھتا ہے، اگر اس رات زیادہ عبادت نہ کی جاسکے تو کم از کم عشاء اور صبح کی نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کر لی جائے تاکہ پوری رات عبادت میں شمار ہوجائے۔

اس برکت والی رات میں آتش بازی اور پٹاخے چلانے کی غیر اسلامی رسموں سے احتراز نہایت ضروری ہے، ان چیزوں میں فضول خرچی، وقت کا ضیاع اور اسلامی تہوار کے تقدس کو مجروح کرنے کا پہلو پایا جاتا ہے۔ اہل ایمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے عمل سے اس رات کے تقدس اور عظمت کا ثبوت دیں اور غیر اسلامی رسم ورواج کی حوصلہ شکنی کریں، دعا کرنا بھی عبادت بلکہ عبادت کا خلاصہ ہے، اس لئے اس مقدس رات میں اپنے لئے، دوست احباب کے لئے، دوسرے مسلمانوں کے لئے، پوری ملت اسلامیہ کے لئے اور خاص طور پر اپنے ملک اسلامی جمہوری پاکستان کی سالمیت واستحکام کے لئے خلوص نیت اور عجز ونیاز سے دعائیں کی جائیں۔

☆☆☆☆☆

معراج النبی ﷺ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

حضور سرورِ کائنات، فخر موجودات ﷺ کے عظیم الشان کمالات میں واقعۂ معراج کو امتیازی مقام حاصل ہے۔قرآن مجید نے خاص اہتمام کے ساتھ کئی مقامات پر اس واقعے کو بیان فرمایا اور احادیث نبویہ میں اس واقعے پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی۔ہجرت سے پہلے ستائیس رجب کی مقدس رات کے کچھ حصے میں حضور سرورکونین ﷺ کو اس سعادت عظمٰی سے مشرف کیا گیا۔

قرآن مجید اس واقعۂ معراج کے ابتدائی مراحل کا تذکرہ کرتے ہوئے بڑے زوردار اور پُرشکوہ انداز میں یوں ارشاد فرماتا ہے ''سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ'' ہر عیب سے پاک ہے وہ ذات جس نے رات کے تھوڑے سے حصے میں اپنے خاص بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصٰی تک سیر کرائی جس کے اردگرد کو ہم نے بابرکت بنادیا تاکہ ہم انہیں اپنی قدرت کی نشانیاں دکھائیں بے شک وہی سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے۔

اس مقدس سفر کے جس حصے کا اس آیت مبارکہ میں تذکرہ کیا گیا اس کی ابتدا مسجد حرام جیسے پاکیزہ مقام سے ہوئی اور مسجد اقصٰی جیسے بابرکت مقام پر اختتام ہوا۔اللہ تعالٰی نے اپنی شان سبحانیت کا اعلان کرتے ہوئے اس عظیم الشان کمال کے بیان کی ابتدا فرمائی،اس کی عظمت ورفعت کے حقائق کو اجاگر فرمایا رسول پاک ﷺ کو خاص آیات قدرت کے مشاہدہ سے مشرف ہونے کی سعادت عطا فرمائی۔تاجدار مدینہ رحمۃ للعالمین ﷺ محو استراحت تھے کہ حضرت جبریل حاضر خدمت ہوئے اور خالق کائنات کا پیغام محبت پہنچایا اے حبیب پاک ﷺ ہم آپ کو خاص آیات قدرت کا مشاہدہ کرانا چاہتے ہیں اور قرب وحضور کا وہ مقام عطا کرنا چاہتے ہیں جو آپکے سوا کسی نبی اور رسول کو حاصل نہیں ہوسکتا کروڑوں درود وسلام ہوں اس خلاصہ ءوجود پر جسکی شان محبوبیت کا یہ عالم کہ رب العالمین اتنے اعزاز واکرام سے باریابی کا شرف عطا کرنے کیلئے ان کی ذات والا صفات کو منتخب فرماتا ہے۔

تبارک اللہ شان تیری تجھی کو زیبا ہے بے نیازی ÷ کہیں تو وہ جوش لن ترانی کہیں تقاضے وصال کے تھے

رسول پاک ﷺ چاہِ زمزم کے پاس تشریف لائے آپ کا سینہ مبارک چاک کیا گیا اور قلب اطہر کو ایمان و حکمت کی روحانی عظمتوں سے مالا مال کر دیا گیا۔ میدان رسالت کے شہسوار کو سواری کیلئے براق پیش کیا گیا جس کی رفتار کا یہ عالم تھا جہاں نگاہ پڑتی وہاں قدم رکھتا حضور ﷺ براق پر سوار ہوئے اور مسجدِ اقصیٰ کی جانب سفر شروع ہوا جب آپ بیت المقدس تشریف لائے تو تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام آپ کے انتظار میں چشم براہ تھے انہوں نے آپ کا استقبال کیا اور آپ کی مدح و ثنا بیان کی اتنے میں جبریل امین نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ اب آپ تمام انبیاء و مرسلین کی امامت فرمائیں اور دو رکعت نماز پڑھائیں، رسول پاک ﷺ مصلّے پر تشریف لے گئے اور امامت فرمائی۔

مسجد اقصیٰ سے باہر تشریف لائے تو آپکی خدمت میں شراب اور دودھ کے پیالے پیش کئے گئے، آپ نے دودھ کا پیالہ اٹھا لیا تو جبریل نے عرض کیا آپ نے فطرت کو اختیار فرمایا، پھر آسمانوں کا سفر شروع ہوا تو پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام اور دوسرے آسمان پر حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام اور چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام اور چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی حضور ﷺ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مل کر روانہ ہوئے تو وہ رونے لگے پوچھا گیا تو فرمایا عجیب شان ہے مجھ سے بعد میں آنے والے اس نبی اور رسول کی کہ ان کی امت کے لوگ میری امت کی نسبت کثرت سے جنت میں داخل ہونگے، ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے آپ کی ملاقات ہوئی، پھر آپ سدرۃ المنتہیٰ تشریف لے گئے تو حضرت جبریل نے آگے ساتھ چلنے سے معذرت کی اور عرض کرنے لگے اگر میں انگلی کے پورے کے برابر بھی آگے جاؤں تو جلال ذات سے میرے پر جل کر خاکستر ہو جائیں گے۔

اگر یک سرِ موئے برتر پرم ÷ فروغِ تجلّی بسوزد پرم

اب شہباز لا مکانی محو پرواز ہو کر تن تنہا قرب و حضور کی منزلوں کو طے کرنے لگا۔ اُدْنُ مِنِّیْ یَا حَبِیْبُ کی

صدائے دل نواز پے در پے سنائی دیتی رہی اور بالآخر وہ مقام حضور آ گیا جسکا نقشہ پیش کرتے ہوئے قرآن ارشاد فرماتا ہے "ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْاَدْنٰی " پھر شاہد ازل نے جمال ذات سے مشرف فرمایا اور رسول پاک ﷺ نے اپنی آنکھوں سے جمال الوہیت کا نظارہ دیکھا۔ "مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَاطَغٰی لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیَاتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی " نگاہ محمدی کی استقامت اور وسعتوں کا کیا کہنا جس نے حسن ازل کے جلووں کا بھرپور مشاہدہ کیا۔

موسیٰ ز ہوش رفت بیک پرتو صفات   تو عین ذات مے نگری در تبسمی

رسول پاک ﷺ نے بارگاہِ الوہیت میں عجز و نیاز کا تحفہ پیش کیا اور عرض کیا "اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّیِّبَاتُ" اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَاالنَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ" آپ نے شان رحمت کی وسعتوں کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا "اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِیْنَ"

پھر خلوت گاہ راز و نیاز میں وہ تکلم ہوا جس کی لطافت الفاظ کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ "فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰی" پس اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی طرف وحی فرمائی جو فرمائی اسی مقام قرب و حضور میں پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے واپسی پر آپ کو نمازوں میں تخفیف کرانے کا مشورہ دیا، آپ چند مرتبہ بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوئے بالآخر نمازوں کی تعداد پانچ کردی گئی مگر ثواب پچاس کا ہی رہا۔

حضور سرور کونین ﷺ عالم بالا کی وسعتوں کو طے کرنے اور ملک و ملکوت کے مشاہدے کے بعد عالم آب و گل میں تشریف لائے تو ابھی رات کا سماں تھا۔ صبح کو اس واقعے کا تذکرہ فرمایا تو کفار و مشرکین میں تعجب اور اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ معراج کے جسمانی ہونے کے وزنی دلائل اور براہین میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اگر یہ خواب کا واقعہ ہوتا تو کفار و مشرکین اس قدر سیخ پا نہ ہوتے۔ ابو جہل نے فوراً ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جا کر کہا تیرا دوست ایسی باتیں کرتا ہے جو تم بھی تسلیم نہ کرو گے انہوں نے فرمایا اگر حضور نے فرمایا ہے تو میں سب سے پہلے تصدیق کرتا ہوں، چنانچہ صدیق اکبر کے خطاب سے مشرف ہوئے۔ کفار و مشرکین کے لئے یہ زبردست لمحۂ فکریہ

تھا چنانچہ انہوں نے جمع ہو کر امتحان کے طور پر آپ سے بیت المقدس کی علامات پوچھنا شروع کر دیں، اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو رسول پاک ﷺ کے سامنے کر دیا، وہ سوال کرتے جاتے آپ فوراً جواب ارشاد فرماتے جاتے۔ احادیث نبویہ میں واقعۂ معراج کے تفصیلی حالات ملتے ہیں جن کے مطالعے سے معراج کے حقائق و معارف کے بارے میں خاطر خواہ معلومات سامنے آتی ہیں۔

پیغمبر اسلام ﷺ کی رفعت وعظمت اور عند اللہ قدر و منزلت کے شواہد سے اہل ایمان کا جذبہ محبت واطاعت مزید تقویت حاصل کرتا ہے اور وقارِ نبوت اور تعظیم رسالت کے نقوش لوحِ قلب پر ثبت ہو جاتے ہیں واقعہ معراج کے عجائب وغرائب تقویٰ کے حصول میں جدوجہد کو تیز کرتے ہیں اور ایمان ویقین کا ذوق عروج حاصل کرتا ہے۔ واقعۂ معراج اللہ تعالیٰ کی شان قدرت اور سجانیت کا بہت بڑا شاہکار ہے جسے مدنظر رکھنے سے صفات الٰہی کے کمال پر یقینِ راسخ اور اعتماد کامل نصیب ہوتا ہے۔

ستائیس رجب کی مقدس رات رحمتوں اور برکتوں کے نازل ہونے کی رات ہے، نعمتوں اور سعادتوں کے حصول کی رات ہے، گناہوں سے مغفرت اور مصیبتوں سے عافیت کی رات ہے، حصول سعادت، اظہار عبدیت، اور دعاؤں کی قبولیت کی رات ہے۔ اس مقدس رات میں درود شریف پڑھنا، نوافل ادا کرنا اور عبادت میں مصروف رہنا اہل ایمان کیلئے بہت بڑی سعادت ہے۔ بدنی عبادت کے ساتھ صدقہ وخیرات کے ذریعے غریبوں اور مسکینوں کی امداد کرنا بھی عند اللہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ نماز کی ادائیگی کے لئے خاص طور پر اس رات عہد کرنا چاہیئے کیونکہ نماز معراج کا وہ تحفہ ہے جو رسول پاک ﷺ عرش عظیم سے فرش زمین پر لائے۔

اہلِ ایمان کیلئے ضروری ہے کہ نماز کی پابندی کے بارے میں اس رات ایک نیا جذبہ اور ایک نیا ولولہ پیدا کریں خود بھی یہ فریضہ ادا کریں اور حتی الوسع اس کی ترویج واشاعت میں پوری کوشش کریں۔ معراج کی مقدس رات میں امت مسلمہ کی فلاح و بہبود، باہمی اخوت ومحبت اور عالم اسلام کی اجتماعی کامیابی کیلئے دعائیں بھی عبادت کا درجہ رکھتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک ﷺ کے وسیلے سے ہمیں شبِ معراج کی برکتوں اور نعمتوں سے مالا مال فرمائے۔ اٰمِیْنْ، وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

☆☆☆☆☆

صلحِ حُدیبیہ

نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡکَرِیۡمِ. بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ.

اسلام کی تاریخ میں صلح حدیبیہ کو اپنے دوررس اثرات اور مفید نتائج کے لحاظ سے زبردست اہمیت حاصل ہے۔قرآن مجید نے اسے فتح مبین سے تعبیر فرما کر اُسکی افادیت کو اُجاگر کیا اور درحقیقت یہی صلح حدیبیہ اسلام کی اجتماعی قوت اور متحدہ طاقت کی صورت میں فتح مکہ کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ مسلمان مہاجرین ہجرت کے بعد اپنے اصلی وطن اور بیت اللہ شریف کی زیارت کے لئے شوق کا اظہار کرتے مگر کفار ومشرکین مسلمانوں کے وہاں داخل ہونے کو شدت سے ناپسند کرتے۔

خالق کائنات نے اپنے حبیب پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جاں نثاروں کو مژدۂ جانفزا سناتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ وہ مسجد حرام کی زیارت اور طواف کعبہ کی سعادت سے ضرور مشرف ہوں گے۔رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس بشارت کے پیش نظر اہل ایمان کے سامنے اعلان فرمادیا کہ جولوگ بیت اللہ شریف کی زیارت کیلئے سفر کرنا چاہیں تو وہ تیاری کریں۔رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں چودہ سو صحابہ کرام کا جمِ غفیر مکہ معظمہ کا احرام باندھ کر قربانی کے جانور ساتھ لیکر روانہ ہوا۔ چونکہ یہ سفر حرمت والے مہینے یعنی ذوالقعدہ چھ ہجری میں شروع ہوا تھا اِس لئے خیال تھا کہ کفار ومشرکین جنگ وجدال سے احتراز کرینگے۔قریش مکہ کو جب قافلے کی روانگی کی اطلاع ملی اور یہ معلوم ہوا کہ سفر کا کافی حصہ طے ہو چکا ہے تو وہ بڑے طیش میں آگئے اور دوسو آدمیوں کی ایک جماعت خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابی جہل کی سرکردگی میں روانہ کی تاکہ راستے ہی میں مسلمانوں کو روک لیا جائے۔

حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش مکہ کے اس اقدام کا علم ہوا تو ارشاد فرمایا قریش مکہ کے حال پر افسوس ہے کہ وہ جنگوں سے برباد ہو گئے مگر پھر بھی نہ سمجھے اگر مجھے غلبہ حاصل ہو گیا تو یہی قریش سب کے سب اسلام قبول کرلیں گے اگر ایسا نہ ہوا تو پھر بھی آخری دم تک حق کی خاطر جہاد کرتا رہوں گا۔رسولِ پاک ﷺ نے راستہ روکنے والی جماعت سے الجھنا پسند نہ فرمایا اور امن وآشتی کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے دوسرے راستے

سے مکہ شریف کی طرف روانہ ہوئے۔ دورانِ سفر حدیبیہ کے مقام پر آپ کی اونٹنی خود بخود بیٹھ گئی رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اونٹنی تھکان کی وجہ سے نہیں بیٹھی بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم اسی طرح ہے لہٰذا ہم بھی یہاں رک جاتے ہیں۔ پھر ارشاد فرمایا آج قریش مکہ انسانوں کی بھلائی کے لئے مجھ سے جس شرط کا مطالبہ کریں گے میں تسلیم کرلوں گا۔ صحابہ کرام نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا یا رسول اللہ اِس مقام پر پانی کی سخت قلت ہے جبکہ انسان اور جانور سب ہی پیاسے ہیں حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ترکش سے ایک تیر نکالا اور فرمایا اِسے غیر آباد کنویں میں ڈال دو، صحابہ کرام نے ایک کنویں میں وہ تیر ڈالا تو کنویں کا پانی جوش مار کر اُبلنے لگا اور سب انسانوں اور جانوروں نے سیر ہو کر پانی پیا۔

رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسی مقام پر قیام فرمایا اور قریشِ مکہ کو پیغام بھجوایا کہ ہم جنگ کے ارادے سے نہیں بلکہ بیت اللہ شریف کی زیارت کے ارادے سے مکّہ معظّمہ آنا چاہتے ہیں۔ اگر چہ قریش کے بعض افراد اس بات پر آمادہ ہو گئے مگر کج فطرت، اسلام دشمنوں نے سخت مخالفت کی اور مسلمانوں کے داخل ہونے کو کسی صورت برداشت کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔

رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص قاصد کے طور پر حضرت عثمان ذوالنورین کا انتخاب فرمایا کیونکہ مکہ کے لوگ آپ کے ممنونِ احسان تھے۔ قریشِ مکہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا اگر آپ بیت اللہ شریف کا طواف کرنا چاہیں تو ہماری طرف سے بخوشی آپ کو اجازت ہے۔ اس موقعہ پر سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محبتِ رسول کے جذبۂ شوق کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا خدا کی قسم میں اُس وقت تک کعبے کا طواف ہرگز نہیں کروں گا جب تک کہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم طواف نہ کریں اِسی اثنا میں یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے چنانچہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درخت کے نیچے حضرات صحابہ کرام سے بیعت لی کہ ہم ہر قیمت پر عثمان کے خون کا بدلہ لیں گے۔ اسلام کی تاریخ میں اِسی بیعت کو بیعتِ رضوان سے یاد کیا جاتا ہے اور قرآن مجید نے اس بیعت کی عظمت وفضیلت کو بیان فرمایا ہے۔
پھر اچانک اطلاع ملی کہ افواہ غلط تھی چنانچہ مسلمانوں نے جنگ کا ارادہ ترک کر دیا کفار ومشرکین نے صلح کے معاہدے کے لئے کٹھن شرائط پیش کیں جن میں سب سے گراں شرط یہ تھی کہ اگر کوئی کافر مسلمان ہو کر مدینہ طیبہ

پہنچا تو اُسے لوٹانا ہوگا جبکہ کسی مسلمان کو مرتد ہونے کی صورت میں مکّہ سے واپس نہ بھیجا جائیگا۔

صحابہ کرام کیلئے اس قسم کی شرائط ناقابل برداشت تھیں مگر فرمانِ نبوی کے پیش نظر تعمیل کی۔ صلح نامہ لکھا گیا تو ابتداء میں یہ الفاظ تھے "مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰہِ" قریش نے کہا اگر ہم آپ کو رسول مان لیں تو پھر جھگڑا کس بات کا۔ رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ سے فرمایا یہ الفاظ مٹا دو۔ سیدنا علی مرتضیٰ نے محبتِ رسول کے جذبے کو معراجِ کمال تک پہنچاتے ہوئے عرض کیا یارسول اللہ میں کبھی کسی صورت میں آپ کے اسمِ گرامی کو نہیں مٹا سکتا۔ چنانچہ آپ نے خود وہ الفاظ محو فرمادیئے قریش مکہ کی اپنی طے کردہ شرائط اُن کے لئے وبالِ جان ثابت ہوئیں اور وہ نادم و شرمسار ہوکر حاضر ہوئے کہ مسلمانوں کیلئے سب سے زیادہ سنگین شرط ہمارے لئے بیحد نقصان دہ ہے اور ہم یہ واپس لینا چاہتے ہیں چنانچہ یہ معاہدہ اور اُسکی شرائط مسلمانوں کی جمعیت اور تقویت کے لئے مفید ثابت ہوئیں اور فیصلہء نبوت کی افادیت روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی اللہ تعالیٰ ہمیں اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اٰمِیْنْ، وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

☆☆☆☆☆

فتحِ مکہ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

تاریخ اسلام کا عظیم الشان واقعہ جسے فتح مکہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے رمضان المبارک کے مہینے میں وقوع پذیر ہوا۔ صلح حدیبیہ جسے قرآنِ مجید نے فتح مبین سے تعبیر فرمایا فتح مکہ کے لیئے پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ کفار و مشرکین کے بعض قبائل نے صلح کی شرائط کو نظرانداز کرتے ہوئے قتل و غارت کا بازار گرم کیا۔ بنوخزاعہ کا وہ قبیلہ جو مسلمانوں کا حلیف تھا کفار و مشرکین کے ظلم و تشدد کا نشانہ بنا تو فریاد رسی کیلئے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا گیا۔ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کے حالات معلوم ہوئے تو آپ نے سختی سے محاسبہ کرتے ہوئے قریش مکہ کو اِس واقعہ کی تلافی کیلئے تین شرائط میں سے ایک کو تسلیم کرنے کی دعوت دی۔ مقتولین کا خون بہا پیش کیا جائے، قریش قتل و غارت کے مرتکب قبیلہ بنوبکر کی حمایت سے الگ ہوجائیں، اعلان کردیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ

گیا۔قریش مکہ کو پیغام نبوی پہنچا تو کہنے لگے ہمیں صرف معاہدہ ٹوٹنے کی شرط منظور ہے۔قاصد کی روانگی کے بعد قریش کو سخت ندامت ہوئی اور ابوسفیان اُن کا نمائندہ بن کر معاہدے کی تجدید کے لئے مدینہ عالیہ حاضر ہوا۔

رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے کوئی جواب نہ دیا اور حضرات صحابہ کرام نے بھی اُسے قابل اعتبار نہ سمجھا البتہ اُس نے یکطرفہ اعلان کرتے ہوئے کہا کہ میں نے معاہدہ کی تجدید کر دی۔قریش مکہ کو معلوم ہوا تو اُنہوں نے آپس میں کہا کہ یہ نہ صلح ہے کہ ہم اطمینان سے بیٹھ جائیں اور نہ جنگ ہے کہ لڑائی کا سامان تیار کیا جائے۔چونکہ کفار و مشرکین معاہدہ توڑنے کے باعث قابلِ اعتبار نہیں رہے تھے اور شدید خطرہ تھا کہ تجدید معاہدہ کی یکطرفہ کارروائی کو آڑ بنا کر پھر وہ کسی نئے فتنہ وفساد کی آگ بھڑکا دیں اِس لئے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فتحِ مکہ کا ارادہ کرتے ہوئے اتحادی قبائل کو تیار ہونے کا حکم دیا۔

پیغمبرِ اسلام، فاتحِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اِس شان وشوکت سے روانہ ہوئے کہ دس ہزار افراد پر مشتمل لشکر جرار کی قیادت فرما رہے تھے۔مرّالظہران کے مقام پر پہنچ کر لشکر نے پڑاؤ ڈالا۔رات کو فوجی دستوں نے کھانے پکانے کیلئے علیحدہ علیحدہ آگ جلائی تو تمام صحرا وادیٔ ایمن بن گیا۔قریش کے کانوں تک لشکر کشی کی آواز کسی نہ کسی طرح پہنچ گئی اور اُن کے چند نمائندے حالات کا جائزہ لینے کیلئے کچھ دور آگے آ پہنچے۔خیمہ نبوی کی دربانی پر متعین دستے نے ابوسفیان کو پکڑ لیا۔رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوسفیان کیا تمہیں اب بھی یقین نہیں آیا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ابوسفیان نے کہا اگر کوئی اور خدا ہوتا تو آج ہمارے کام آتا۔لشکرِ اسلام نے جب مکے کی طرف پیش قدمی کی تو رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ ابوسفیان کو پہاڑ کی ایک تنگ وادی میں کھڑا کر دو تا کہ اسلامی لشکر کا جاہ وجلال اور شان وشوکت اپنی آنکھوں سے دیکھے۔کچھ دیر بعد دریائے اسلام میں تلاطم شروع ہوا قبائلِ عرب کی موجیں جوش مارتی ہوئی آگے بڑھیں سب سے آخر میں انصار کا قبیلہ اِس عظمت وشکوہ سے آیا کہ آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے جلو میں سبز رنگ کا فوجی دستہ مسلح تھا کہ جنگی ٹوپی کے نیچے صرف اُن کی آنکھیں نظر آتی تھیں۔ابوسفیان نے جب اُنہیں دیکھا تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کوئی فوج ان سے مقابلے کی تاب نہیں لاسکتی بیشک تیرے بھتیجے کی مملکت کا دائرہ بہت وسیع ہو جائیگا۔قریشِ مکہ اسلامی لشکر کی شان وشوکت، ہیبت وعظمت، تنظیم وترتیب اور جوش وولولہ سے اِس

قدر مرعوب ہوئے کہ اُنہیں مقابلے کے لئے کسی اقدام کی جرأت نہ ہوسکی۔ حضرت خالد بن ولید کے فوجی دستے پر بعض مشرکین نے گھبرا کر تیراندازی شروع کی تو اُنہوں نے بروقت مداخلت کی اور صورتِ حال پر قابو پالیا اسلامی لشکر کے تین سپاہی شہید ہوئے جب کہ مشرکین تیرہ لاشیں چھوڑ کر بھاگ نکلے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اِس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو فرمایا تقدیرِ الٰہی اسی طرح تھی۔

رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کعبے میں داخل ہوئے لکڑی کی نوک سے بتوں کو ٹھوکر لگا کر گراتے اور فرماتے۔ **جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا** آپ نے کعبۃ اللہ کو بتوں اور تصویروں کی آلائش سے پاک فرمایا۔ حضرت بلال نے اذان کہی اور نماز ادا کی گئی آپ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ایک خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اُس کا کوئی شریک نہیں اُس نے اپنا وعدہ سچا کیا اُس نے اپنے بندے کی مدد کی، تمام مفاخر، دیرینہ انتقام، قدیم خون بہا اور جاہلیت کی رسمیں میرے قدموں کے نیچے ہیں۔ اے قریش جاہلیت کا غرور اور نسب کا افتخار مٹ گیا، تمام لوگ اولادِ آدم ہیں اور آدم کو مٹی سے بنایا گیا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔

آپ خطبہ دے رہے تھے تو کفار و مشرکین کے سردار ندامت سے سر جھکائے موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھے، اُن کی ساری کارکردگی اُن کے سامنے تھی اور اُنہیں یقین تھا کہ فاتح اعظم نے اگر اشارۂ ابرو فرما دیا تو اُن سب کی گردنیں اُڑا دی جائیں گی آپ نے عفوودرگزر کو معراجِ کمال تک پہنچاتے ہوئے ارشاد فرمایا **اِذْهَبُوْا اَنْتُمُ الطُّلَقَآءُ لَاتَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ** جاؤ تم سب آزاد ہو آج میں تمہیں ملامت بھی نہیں کرتا۔ جو شخص ہتھیار ڈال دے یا ابوسفیان کے گھر پناہ لے یا گھر کا دروازہ بند کر لے یا کعبے میں پناہ لے تو اُس کے ساتھ تعرض نہیں کیا جائیگا۔ تاریخ عالم عفوودرگزر کی ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے آپ کی اِس شان کرم نے بیگانوں کو اپنا بنالیا، دشمن دوست بن گئے اور کفر و شرک کے متوالے شمع اسلام کے پروانے بن گئے لوگ جوق در جوق اسلام کے حلقہ بگوش ہونے لگے اور تھوڑے ہی عرصے میں اسلام کے انوار سے اطراف کائنات منور ہوگئیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اٰمِيْنْ، **وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔**

☆☆☆☆☆

قربانی کے مسائل

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

ذوالحجہ کی دس تاریخ عیدالاضحٰی کے دن پوری ملتِ اسلامیہ کے فرزندانِ توحید بارگاہِ ربُّ العزت میں قربانی پیش کرتے ہیں۔ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ امجد حضرتِ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی عظیم الشان قربانی کی یادتازہ کرتے ہوئے اُمتِ مسلمہ کوحکم دیا گیا کہ وہ سنتِ ابراہیمی پر عمل پیرا ہوکر یہ فریضہ ادا کرے۔ ارشادِ باری ہے فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ۔ اے حبیب پاک علیہ السلام اپنے رب کے لئے نماز ادا کرو اور قربانی کیجئے۔

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات اورعمل سے قربانی کی عظمت، اہمیت اور فضیلت کو اُجاگر کیا۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ قربانی فرمایا کرتے اور لوگوں کو قربانی کی طرف رغبت دلاتے۔ آپ کا ارشادِ گرامی ہے کہ دس ذوالحجہ کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربانی سے بڑھکر کوئی عمل پسندیدہ نہیں۔ قربانی کے جانور کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول قرار پاتا ہے جس شخص نے خوشدل ہوکر رضائے اِلٰہی کے لئے قربانی پیش کی وہ قربانی اُس کے لئے جہنم کی آگ سے رکاوٹ بن جائیگی۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن لوگوں سے ناراضگی کا اظہار فرمایا جو قدرت کے باوجود قربانی سے گریز کریں ارشاد فرمایا جو مسلمان وسعت کے باوجود قربانی پیش نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں اور اُسے ہماری عیدگاہ سے بھی دور رہنا چاہیئے۔

قربانی ہراُس عاقل و بالغ آزاد مقیم مرد اور عورت پر واجب ہے جو نصابِ زکوٰۃ کا مالک ہو ضرورت سے زائد ساز وسامان، اشیائے صرف، لباس اور رہائش سے زائد مال ومتاع جب کہ وہ بقدرِ نصاب ہو قربانی کے وجوب کا باعث بن جاتا ہے۔ اگر کسی شخص کے پاس نصاب زکوٰۃ کے برابر مال ہے مگر وہ قرضدار ہے تو اُس پر قربانی واجب نہیں۔ جہاں نمازِ عید ادا کی جاتی ہو وہاں عید نماز سے فارغ ہوکر قربانی ادا کی جائے اور جن مقامات پر عید کی نماز ادا نہیں کی جاتی وہاں دس ذوالحجہ کی صبح صادق کے بعد قربانی کا وقت داخل ہو جاتا ہے۔

گائے، بیل، بھینس اور اونٹ میں زیادہ سے زیادہ سات آدمی قربانی میں شریک ہوسکتے ہیں جبکہ بھیڑ، بکری، دنبے اور مینڈھے میں قربانی صرف ایک آدمی کی طرف سے دی جاسکتی ہے۔قربانی کے جانوروں کیلئے عمر کی شرعی حد مقرر ہے چنانچہ اونٹ پانچ سال سے کم عمر نہ ہو، گائے، بیل اور بھینس دو سال سے کم عمر کے نہ ہوں۔بکری ایک سال سے کم عمر نہ ہو البتہ بھیڑ کا چھ ماہ کا بچہ اگر اتنا بڑا ہو کہ دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہو تو اُسکی قربانی بھی جائز ہے۔

قربانی کے لئے اچھے سے اچھا جانور تلاش کرنا زیادہ ثواب کا باعث ہے۔رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم چتکبرے مینڈھے کی قربانی کو زیادہ پسند فرماتے تھے۔صحت اور تندرستی کے لحاظ سے بھی قربانی کا جانور مناسب ہونا چاہیئے۔قربانی کے جانور کو عیب سے خالی ہونا چاہیئے۔اگر اسمیں معمولی سا ایسا عیب ہو جو تاجروں کے نزدیک قیمت میں کمی کا باعث نہیں بنتا، جانور کے کسی عضو کو بیکار نہیں کرتا اور اُسکی شکل وصورت پر زیادہ اثر انداز نہیں ہوتا تو ایسے جانور کی قربانی جائز ہے۔وہ جانور جو اندھا ہو یا اُس کا کانا پن ظاہر ہو یا اِس قدر کمزور ہو کہ اُسکی ہڈیوں میں مغز ختم ہو گیا ہو اور قربانی کی جگہ تک چل کر جانے کے قابل نہ ہو اُسکی قربانی جائز نہ ہوگی۔

وہ جانور جو شدید بیمار ہو یا اُس کا کان اِسی طرح دُم تہائی سے زیادہ کٹی ہوئی ہو یا پیدائشی طور پر کان ہی نہ ہوں یا صرف ایک کان ہو اُسکی قربانی بھی جائز نہیں ہے مینگ سمیت جس جانور کا سینگ ٹوٹ جائے تو قربانی نہ ہوگی اُس حد سے کم ٹوٹے یا پیدائشی طور پر سینگ نہ ہوں اُسکی قربانی جائز ہے۔اسی طرح جس جانور کے دانت نہ ہوں اُسکی قربانی بھی نہ ہوگی۔اگر کسی شخص نے قربانی کا جانور خریدا بعد میں وہ عیب دار ہو گیا تو مالدار کے لئے ضروری ہے کہ دوسرا جانور خرید کرے اور غریب جو صاحب نصاب نہ ہو اُسی جانور سے قربانی ادا کرسکتا ہے۔

قربانی کے شرکاء کیلئے ضروری ہے کہ سب کی نیت قرب خداوندی کی ہو اگر خدانخواستہ کسی کی نیت صرف گوشت حاصل کرنے کی ہوئی تو کسی کی قربانی بھی ادا نہ ہوگی۔قربانی کا جانور جب قربانی کیلئے مخصوص ہو جائے تو اُسکے دودھ یا اُون سے جو رقم حاصل ہو اُسے صدقہ کرنا ضروری ہے اِسی طرح اُسے اجرت پر دینا یا اُس سے کام لینا بھی درست نہیں قربانی کا جانور ذبح کے وقت اچھلنے کودنے کی وجہ سے عیب دار ہو گیا تو اُسکی قربانی جائز ہے۔قربانی کے جانور کے پیٹ سے زندہ بچہ نکل آئے تو اُسے بھی ذبح کردیا جائے اگر ذبح سے پہلے بچہ پیدا ہو جائے

تب بھی اُسے ذبح کر دیا جائے یا بیچ کر اُسکی قیمت صدقے کے طور پر مساکین کو دی جائے۔

نابالغ پر قربانی واجب نہیں اگر اُسکی طرف سے قربانی کردی جائے تو باعث ثواب ہے۔ نادار، مفلس اور غریب الحال اہل ایمان کیلئے جو قربانی نہ کر سکتے ہوں حدیث پاک میں بہت بڑی بشارت موجود ہے۔ ایک مرتبہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافِ معمول مزید ایک جانور ذبح فرمایا تو عرض کیا گیا یارسول اللہ یہ جانور کس لئے ذبح فرما رہے ہیں تو ارشاد فرمایا هٰذَا عَمَّنْ لَّمْ يُضَحِّ مِنْ اُمَّتِیْ اِلٰی يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۔ یہ جانور قیامت تک آنیوالے میرے اُن اُمتیوں کی طرف سے ہے جو قربانی پر قدرت نہ رکھتے ہوں۔ قربانی کیلئے سب سے افضل دن دس ذوالحجہ ہے اگرچہ اسکے بعد بھی دو دن تک قربانی جائز ہے۔

قربانی کے جانور کو بھوکا اور پیاسا نہ رکھا جائے۔ ذبح کے لئے چھری تیز ہونی چاہئے تا کہ جانور کو تکلیف نہ ہو۔ چھری کو جانور کے سامنے تیز نہ کیا جائے۔ اگر قربانی کرنیوالا خود ذبح کرنا جانتا ہے تو خود جانور ذبح کرے ورنہ کسی دوسرے سے ذبح کرائے اور ذبح کے وقت حاضر رہے۔

جانور کو قبلہ رخ لٹایا جائے اور ذبح سے پہلے یہ دعا پڑھی جائے تو باعثِ ثواب ہے۔ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۔ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ. اَللّٰهُمَّ لَكَ وَمِنْكَ بِسْمِ اللّٰهِ اَكْبَرُ. اگر اپنی طرف سے قربانی ہو تو یہ کہنا بھی مستحب ہے۔ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّیْ كَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ خَلِيْلِكَ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَحَبِيْبِكَ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ ۔ ذبح کے بعد جب جانور ٹھنڈا ہو جائے تو پھر اُسکی کھال اُتاری جائے۔ ذبح کے وقت اگر ذبح کرنے والا بھول کر بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہنا چھوڑ دے تو قربانی جائز ہے جان بوجھ کر تکبیر چھوڑ دینے سے جانور حرام ہو جائیگا۔ اگر قربانی کرنے والا کسی دوسرے سے ذبح کروا رہا ہے تو اُسے ذبح کی اجرت میں جانور کا گوشت نہ دے۔

جس جانور میں سات یا اُس سے کم آدمی شریک ہیں تو وہ گوشت وزن کر کے تقسیم کریں۔ قربانی کے گوشت کو تین حصوں میں اس طرح تقسیم کیا جائے کہ ایک حصہ غرباء اور مساکین کیلئے، دوسرا حصہ دوست احباب اور اقرباٗ کیلئے اور تیسرا حصہ اہل وعیال کیلئے۔ اگر کسی شخص کے افرادِ خانہ زیادہ ہیں تو جس قدر گوشت اُسے

ضرورت ہو رکھ سکتا ہے۔قربانی کے گوشت میں سے خود بھی ضرور تناول کرے بلکہ مستحب یہ ہے کہ عیدالاضحیٰ کے دن قربانی کے گوشت سے پہلے کوئی چیز نہ کھائے تا کہ ضیافتِ الٰہی کے شرف سے مشرف ہو،قربانی کے جانور کی کھال یا چمڑہ بھی صدقہ کیا جائے ۔غرباً ،مساکین ،دینی مدارس کے طالب علم ،قرضدار اور یتیم اِس کا بہترین مصرف ہیں ۔اگر قربانی کرنے والا کھال سے مصلّی یا کوئی اور اِستعمال کی چیز بنوالے جیسے پانی کا مشکیزہ،ڈول یا فرش پر بچھانے کے کام میں لائے تو اُس کیلئے جائز ہے ۔غریب رشتے داروں اور دوستوں کو یہ صدقہ دینا زیادہ ثواب کا باعث ہے۔

قربانی کی مقبولیت کا دارومدار قربانی کرنے والے کی نیت پر ہے ۔اللہ تعالیٰ کے نزدیک تقویٰ اور پرہیز گاری قبولیت کیلئے بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ارشادِ خداوندی ہے لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآئُهَا وَلٰـكِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ تمہاری قربانیوں کے گوشت اور خون اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب کو نہیں پا سکتے اُسکے قرب کو تو صرف تقویٰ اور پرہیز گاری کے ذریعے حاصل کیا جاسکتا ہے ۔تمام صاحب ثروت اہل اسلام کیلئے ضروری ہے کہ وہ قربانی کو نہایت اخلاص،محبت اور دلجمعی سے ادا کریں تا کہ سنتِ ابراہیمی اور سنتِ محمدی دونوں کی سعادتوں سے مالا مال ہوں اور قرب وحضورِ خداوندی سے مشرف ہوں ۔

قربانی کے دن عیدالاضحیٰ کی نماز سے پہلے غسل کرنا اور اچھا لباس پہننا باعثِ ثواب ہے ۔عیدگاہ کی طرف جاتے ہوئے بلند آواز سے یہ کلمات کہنا باعثِ ثواب ہے۔اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ ،اِسی طرح عیدگاہ سے واپسی پر راستہ بدلتے ہوئے بھی یہ کلمات کہے جائیں ۔نویں ذوالحجہ یعنی یومِ حج کی صبح سے لیکر تیرہ ذوالحجہ کی عصر تک ہر باجماعت فرض نماز کے بعد بھی یہ کلمات کہنا ضروری ہیں ۔

عیدالاضحیٰ کی نماز کا وقت داخل ہونے کے بعد تعجیل مستحب ہے تا کہ قربانی کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں زیادہ دیر نہ ہو جائے اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک رحمتِ دو عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے تمام اہل ایمان کو قربانی کی توفیق عطا فرمائے اور اُن کی قربانیوں کو اپنی بارگاہ میں منظور ومقبول فرمائے ۔اٰمِیْنَ، وَ آخِـرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

☆☆☆☆☆

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو دینِ اسلام میں بڑی اہمیت حاصل ہے ایک اسلامی معاشرے کے قیام میں اِسے جو گہرا دخل ہے اُسکی اِفادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ حقیقی فلاح و بہبود کے حصول میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نمایاں حیثیت رکھتے ہیں اور انسانی کردار کی عظمت میں اُنہیں امتیازی مقام حاصل ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے دوررس اور دیرپا نتائج عالم گیر انقلاب کا سبب بنتے ہیں اور مؤثر تحریک کی صورت میں پورے معاشرے کی کایا پلٹ دیتے ہیں۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بے شمار خوبیوں کے پیشِ نظر قرآنِ مجید نے اِن کی اہمیت اور افادیت کو خاص طور پر اُجاگر کیا اور امتِ مسلمہ کو اِس حقیقت سے آگاہ کیا کہ یہ اس کے فرائضِ منصبی ہی نہیں بلکہ طرّۂ امتیاز ہیں۔ قرآن مجید نے نہایت مؤثر انداز میں ارشاد فرمایا کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ تم اُن سب اُمتوں میں بہترین اُمت ہو جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔ اِس آیت میں اُمتِ مسلمہ کو تمام اُمتوں سے بہتر قرار دیا گیا اور اُسکی بہتری کی بنیادی وجہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بیان کی گئی۔

بنی نوعِ انسان کیلئے بھلائی کا حکم، اچھائی کی دعوت، برائی سے روکنا، شر و فساد سے ممانعت گویا ایسی فضیلتیں ہیں جن کا حصول اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہتری اور خوبی کا معیارِ کمال ہے اور اِس مقام پر فائز ہونے والے لوگ خیر و برکت کا اعلیٰ درجہ حاصل کر لیتے ہیں۔ اِس آیت سے انفرادی طور پر نیکی کرنے اور برائی سے بچنے کی بجائے اجتماعی طور پر یہ فریضہ سرانجام دینے کی اہمیت واضح ہوتی ہے اور یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ خود نیکی کرنے اور برائی سے بچ جانے کی وجہ سے انسان اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہو جاتا بلکہ اُس

کا فرض ہے کہ دوسروں کو نیکی کرنے کا حکم دے اور بُرائی سے روکنے کی کوشش کرے تا کہ اجتماعی انداز میں مثبت نتائج حاصل ہوں۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت کے پیشِ نظر قرآن مجید نے صرف عمومی حکم پر اکتفا نہ کیا بلکہ خصوصی توجہ دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ .اور تم میں سے ضرور کچھ لوگ ایسے ہونے چاہئیں جو بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں۔ اِس آیت میں یہ حقیقت واضح کر دی گئی کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے اجتماعی طور پر تو تمام مسلمان مکلّف ہیں مگر پھر بھی کچھ لوگ ضرور ایسے ہونے چاہئیں جو اِس ذمہ داری کو مقصدِ حیات بنالیں، اپنی پوری زندگی اِس کیلئے وقف کر دیں اور اُن کی ساری جدو جہد کا رُخ اسی طرف ہو جائے۔ قرآنِ مجید کے نقطہ نظر سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اِس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ اِس فریضے کو سرانجام دینے کیلئے اُمت مسلمہ کا کوئی فردِ بشر قدم پیچھے نہ ہٹائے اور اس جدو جہد کو تیز تر کرنے کیلئے ایسے پاکیزہ صفات لوگ ہونے چاہئیں جو ہر وقت اِسی دُھن میں رہیں اور ایک عملی تحریک کی صورت میں اِسے کامیاب بنائیں۔ قرآنِ مجید نے پیغمبرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ شان بیان کرتے ہوئے آپ کے اِس منصبِ جلیل کو خاص طور پر نمایاں کیا ارشادِ خداوندی ہے يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ .رسولِ برحق اُنہیں نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برے کاموں سے منع کرتے ہیں گویا اِس آیت میں اِس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونیوالوں کو خصوصی نعمت و بشارت سے مشرف کیا گیا کہ وہ بھی سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم الشان سنت پر عمل پیرا ہیں۔

قرونِ اولیٰ میں اسلامی تعلیمات کی وسعت، میدانِ عمل کی جدو جہد، خیر و برکت کے نمایاں اثرات دراصل امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مرہونِ منت ہیں۔ اسلام کی تاریخ شاہد ہے کہ کفر و شرک کی ظلمتوں میں پروان چڑھنے والا معاشرہ اِسی جذبے کی بدولت اتنی تیزی سے بدلا کہ سرزمین عرب کے تنگ و تاریک ماحول میں بسنے والے رشد و ہدایت کے علمبردار بن گئے، بتوں کی پرستش کرنے والے خدا پرست بن گئے اور کفر و شرک کے

متوالے توحید ورسالت کے نعرے بلند کرنے لگے ۔ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اِس مہم کا آغاز کیا تو تمام طاغوطی طاقتیں ایک محاذ پر جمع ہوگئیں اور تحریکِ نبوی کو ناکام کرنے کی پوری کوشش کی مگر آپ نے ارشاد فرمایا اگر تم میرے دائیں ہاتھ پر چاند اور بائیں ہاتھ پر سورج رکھ دو تب بھی میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے باز نہیں آؤں گا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلے میں اِس بات کا خیال رکھنا بھی اشد ضروری ہے کہ اِس فریضے کو ادا کرنے والا منکر اور معروف میں تمیز کر سکتا ہو، حق و باطل کی پہچان رکھتا ہو اور اِس قدر ضروری علم سے آراستہ ہو جس کا حصول اُس کے لئے فرض ہے۔ قرآن مجید نے ایسے بے علم ودانش لوگوں کی مذمت کی ہے جو خود گمراہی میں بھٹکتے ہوں مگر دوسروں کو تبلیغ کرنا ضروری سمجھتے ہوں ۔ قرآنِ مجید کی تعلیمات کے مطابق اِس فریضے کو سرانجام دینے والوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ خود اچھے کام کریں اور برائی سے اجتناب کریں ایسے لوگ جو دوسروں کو اچھائی کا حکم دیں اور خود حسنِ عمل سے محروم رہیں قرآنِ مجید نے اُن کے متعلق ارشاد فرمایا اَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ. کیا تم لوگوں کو اچھائی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے، یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ. اے ایمان والو جو کرتے نہیں ہو وہ کیوں کہتے ہو اللہ تعالیٰ کے ہاں سخت ناپسند ہے کہ وہ بات کہو جو نہ کرو۔ قرآن مجید نے کئی مقامات پر اہل کتاب کے مبلغین کی اِس بات پر مذمت کی کہ دوسروں کو بھلائی کا حکم دیتے تھے اور برائی سے روکتے تھے مگر خود اِس ضابطے کی پابندی نہیں کرتے تھے۔

قرآن مجید نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت کے پیشِ نظر اربابِ اقتدار کو خاص طور پر تنبیہ کی ہے اور اِس حقیقت سے آگاہ کیا ہے کہ نیکی کا حکم اور برائی سے روکنا اُن کے اولین فرائض میں سے ہے۔ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ. وہ لوگ جنہیں ہم زمین میں اقتدار عطا کریں اُن کا فرض ہے کہ وہ نظامِ صلوٰۃ وزکوٰۃ قائم کریں، لوگوں کو اچھائی

کا حکم دیں اور برائی سے روکیں ،قرآن مجید کے اِس حکم میں گہری مصلحت وحکمت کارفرما ہے اور وہ یہ کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے قوت نافذہ چاہیئے جواُسے مشورے کی حیثیت سے نکال کر قانونی شکل میں پیش کرے اور ظاہر ہے کہ عوام الناس اِس قسم کے اختیارات نہیں رکھتے اِس لئے اربابِ اقتدار ہی اِس فریضے کی ادائیگی میں مؤثر کردار ادا کر سکتے ہیں اور اُن ہی کی بدولت اِس عملی جدوجہد کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی ہوسکتی ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ثمرات اور نتائج کے حصول میں اس کے طریق کار کو بھی گہرا دخل ہے قرآن مجید اِس فریضے کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لیتا ہے اور ایسے تمام عوامل سے بچنے کی تاکید فرماتا ہے جن سے اس کے نتائج پر بُرا اثر پڑے ۔رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم خلقِ عظیم کے منصب پر فائز تھے اور آپ کا طریقِ کار سراپا لطف ورحمت تھا پھر بھی تعلیم اُمت کے لئے قرآنِ مجید نے ارشاد فرمایا اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ۔اے حبیبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعے بلاؤ اور اُن سے ایسے طریقے سے بحث کرو جو سب سے بہتر ہو۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک نرمی اور محبت سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بڑا مقام ہے یہی وجہ ہے کہ فرعون جیسے متکبر کو تبلیغ کرنے کے لئے جب حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو حکم دیا تو ارشاد فرمایا فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّهٗ یَتَذَكَّرُ اَوْ یَخْشٰی ۔اُسے نرم بات کہنا اِس اُمید پر کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا خوف کھائے ۔اِس آیت میں نرمی سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے خاص نتائج اور ثمرات کی اہمیت بیان کی گئی ۔پیغمبرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغی کامیابی میں آپ کے نرم رویے اور حکمت آمیز طریقِ کار کا بڑا دخل تھا چنانچہ قرآن مجید نے اِس حقیقت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِکَ ۔اے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم یہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے کہ آپ اُن کے لئے نرم دل ہیں اگر آپ تند مزاج اور سخت دل ہوتے تو وہ لوگ آپ سے دور بھاگ جاتے۔

ایمان کے کمال اور تقوی کے حصول میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تاثیر کا اندازہ اِس سے لگایا

جاسکتا ہے کہ قرآنِ مجید نے جہاں کہیں مؤمنِ کامل کے اوصاف بیان فرمائے وہاں یہ ضرور فرمایا کہ وہ لوگ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور بُرائی سے روکتے ہیں ارشادِ خداوندی ہے یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ. انبیائے سابقین اور اُن کی اُمتوں کے حالات بیان کرتے ہوئے بھی قرآنِ مجید امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت اور اقوامِ عالم پر اُس کے مثبت اثرات ونتائج تفصیل سے بیان کرتا ہے اور اس حقیقت سے آگاہ کرتا ہے کہ جن قوموں نے اِس فریضے کو پسِ پشت ڈال دیا صفحہءِ ہستی سے اُن کا نام ونشان مٹ گیا اور جن لوگوں نے اِس کے تقاضوں کو پورا کیا اُنہوں نے دین ودنیا کی فلاح و بہبود حاصل کی۔

قرآنِ مجید نے اچھائی کا حکم دینے کو احسن القول سے تعبیر فرما کر اس فریضے کو ادا کرنیوالوں کی حوصلہ افزائی فرمائی اور اُن کے اِس جذبے کو پسند فرمایا۔ ارشادِ خداوندی ہے وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَآاِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا اور اُس شخص سے بڑھکر اچھی بات کرنے والا کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے۔ قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں کی طرح اگر آج اہلِ اسلام یہ احساس پیدا کرلیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ اُن کی اجتماعی اصلاح اور حقیقی کامیابی کا ضامن ہے تو پورا معاشرہ حسنِ عمل کے انوار سے منور ہو جائے، خیر و برکت کا حصول ہو، بھلائی کو فروغ ملے، فتنہ وفساد ختم ہو جائے اور عملی جدوجہد بامِ عروج تک پہنچ جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے ہمیں قرآنی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ اٰمِیْنْ، وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

☆☆☆☆☆

دسواں باب......حقوق العباد

صدقہ وخیرات کی ضرورت واہمیت

دین اسلام کی پاکیزہ تعلیمات میں حقوق العباد کی ادائیگی کے بارے میں خصوصی تاکید پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صدقہ وخیرات کی ضرورت واہمیت کو خاص طور پر اُجاگر کیا ہے تاکہ غریبوں، ناداروں، یتیموں محتاجوں، اور ضرورتمند لوگوں کی معاشی حالت بہتر ہو جائے محتاج اور غریب لوگ اس بات کے حقدار ہیں کہ دولتمند لوگ ان کے ساتھ مالی تعاون کریں ان کی ضرورتوں کا احساس رکھیں اور انہیں معاشرتی خوشیوں اور ذمہ داریوں میں شریک کریں، قرآن مجید میں جہاں کہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے متقی اور اطاعت گزار بندوں کے اوصاف بیان فرمائے وہاں اکثر وبیشتر یہ ضرور بیان کیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال سے غریب و محتاج لوگوں پر خرچ کرتے ہیں۔ ایسے لوگ جو دوسرے غریب لوگوں پر مال خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں قرآن مجید میں اپنے راضی ہونے کی بشارت دی اور جنت میں داخل ہونے کی خوشخبری سنائی، چونکہ مال ودولت اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی امانت ہے اس لیے اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق خرچ کرنا اہل ایمان کیلئے ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ ایسے مال کو مستحق کے حق کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے صدقہ وخیرات کرنے کی جہاں تاکید فرمائی اور اسے اپنی رضامندی کے حصول کا ذریعہ قرار دیا وہاں یہ بھی تاکید فرمائی کہ احسان جتلا کر اور تکلیف دیکر صدقہ وخیرات کو باطل نہ کیا جائے کیونکہ یہ فریضہ ادا کرنے والے غریبوں اور یتیموں کو ان کا حق دے رہے ہیں اور اس مال میں سے دے رہے ہیں جو اللہ تعالی نے ان کو عطا فرمایا۔ دولتمندوں کو اس بات پر شکر کرنا چاہیے کہ وہ اس قابل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں میں سے محتاجوں کو وہ حصہ ادا کر رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے مقرر کیا ہے، جب حقیقت حال یہ ہے تو پھر احسان جتلانے اور تکلیف پہنچانے کا کیا جواز بنتا ہے۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات وعمل سے صدقہ وخیرات کی اہمیت کو بیان فرمایا آپ کا فرمان ہے کہ جن لوگوں پر صدقہ ادا کرنا فرض ہو اور وہ ادا نہ کریں تو قیامت کے دن اژدھا ان کے گلے سے لپٹ کر انہیں کاٹے گا اور کہے گا میں تمہارا وہی مال ہوں جس کی تم زکوٰۃ نہیں دیا کرتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے صدقہ وخیرات کئے جاؤ کیونکہ صدقہ وخیرات سے مال میں کوئی کمی نہیں ہوتی بلکہ مال میں زیادتی ہوتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ صدقہ وخیرات کرنے سے انسان اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور بُری موت سے بچ جاتا ہے۔ آپ صدقہ وخیرات میں جلدی کرنے کو پسند فرماتے۔ آپ ایسے لوگوں کو جو اپنی ضرورت اور حاجت کو ظاہر نہ کریں اور حقیقت میں محتاج اور ضرورتمند ہوں صدقہ دینا زیادہ باعث ثواب قرار دیتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا گیا کونسا صدقہ افضل ہے تو ارشاد فرمایا تھوڑے مال میں سے صدقہ دینا، صحت اور تندرستی کے وقت صدقہ دینا، اور رشتہ داروں کو صدقہ دینا افضل ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرض صدقات کے علاوہ نفلی صدقات کی بھی تاکید فرماتے۔ آپ کا فرمان ہے کہ تم میں سے وہ شخص کامل مومن نہیں بن سکتا کہ وہ خود تو پیٹ بھر کر کھانا کھائے اور اسکے پڑوس میں رہنے والے لوگ بھوکے سو جائیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے جو شخص دنیا میں کسی محتاج کی ضرورت پوری کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی ضرورت پوری کرے گا۔ وہ صدقہ وخیرات جس کا فائدہ زیادہ لوگوں کو پہنچے زیادہ اجر وثواب کا باعث ہے۔ آپ کا فرمان ہے جو بندہ بطور صدقہ کنواں کھدوائے، درخت لگا جائے، مسافر خانہ بنوائے یا کوئی ایسا کام کر جائے جسکا عام لوگوں کو فائدہ ہو تو اس کا ثواب ہمیشہ جاری رہے گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فرمان سے ظاہر ہوتا ہے، کہ عوام الناس کے فائدے کے لئے خیراتی اداروں کا قیام، تعلیم وتربیت کیلئے مدارس، بیماروں کے علاج کیلئے ہسپتال اسی طرح یتیم خانے اور دوسرے رفاہ عامہ کے ادارے بہت ہی اجر وثواب کے حصول کا ذریعہ ہیں۔

مال ودولت نہ ہونے کی صورت میں بھی بعض چیزوں سے صدقہ وخیرات کا ثواب حاصل ہوتا ہے، اس لئے معاشرے کے وہ لوگ جو مالدار نہیں وہ بھی اجر وثواب حاصل کر سکتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان

ہے کسی مسلمان بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا، کسی کو اچھی بات کہنا، بری بات سے روکنا، راستہ بتانا، پیاسے کو پانی پلانا، راستے سے تکلیف دہ چیز پتھر، کانٹے وغیرہ ہٹانا اور حلال کی کمائی سے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالنا سب صدقہ وخیرات ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ تمہارے کھیت اور پھل دار درخت سے اگر کوئی جاندار فائدہ اُٹھائے تو یہ بھی صدقہ ہے۔

صدقہ وخیرات صرف باعث اجر وثواب ہی نہیں بلکہ اس کی وجہ سے معاشرے میں ہمدردی، اخوت، محبت، خیر خواہی، باہمی تعاون، رواداری، اور محبت کے جذبات کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔ صدقہ وخیرات سے غریبوں اور محتاجوں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے، معاشی حالت میں قدرے بہتری دیکھ کر وہ کسی حد تک خود کفیل ہونے کی کوشش کرتے ہیں، ان کا احساس کمتری ختم ہوتا ہے خود اعتمادی کی کیفیت میں وہ سکون واطمینان محسوس کرتے ہیں اور اس طرح رفتہ رفتہ معاشرے کے ساتھ چل کر اجتماعی جدوجہد سے ہمکنار ہو کر وہ بھی فلاح وبہبود کی منزلِ مقصود کو پالیتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

اولاد کے حقوق

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ. بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ.

اسلام وہ دین کامل ہے جو حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی ادائیگی اور ذمہ داری کی اہمیت کا احساس دلاتا ہے۔ کوئی معاشرہ اُس وقت تک ترقی اور فلاح و بہبود سے ہمکنار نہیں ہوسکتا جب تک اُس میں بسنے والے افراد ایک دوسرے کے حقوق کا خیال نہ رکھیں۔ انسانیت کے احترام اور تحفظ کیلئے حقوق العباد کی ادائیگی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اور انسانی فطرت کے تقاضوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے باہمی حقوق کی ادائیگی نہایت ضروری ہے۔ والدین اور اولاد کا باہمی تعلق اور گہرا رابطہ ایسی واضح حقیقت ہے جو محتاجِ بیان نہیں۔ اولاد کے حقوق کی ادائیگی والدین کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے اور اس سلسلے میں ذرا بھر کوتاہی بھی بہت سی

خرابیوں کا پیش خیمہ بن سکتی ہے۔ والدین کی طبعی محبت ،فطری شفقت اور خیر خواہی کا تقاضا ہے کہ وہ اولاد کے حقوق کی ادائیگی میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھیں اور اولاد کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دیں۔

اسلام چونکہ دین فطرت ہے اِس لئے اُس نے انسانی فطرت سلیمہ کو معراج کمال تک پہنچانے کیلئے فطری محبت کے محور و مرکز کی حیثیت سے اولاد کے حقوق کی اہمیت کو اُجاگر کیا ہے اور اِس سلسلے میں واضح احکامات اور ہدایات دی ہیں۔ بانی اسلام خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات اور عمل سے اولاد کے حقوق کی اہمیت کو نمایاں کیا اور اِس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی ضرورت اور افادیت پر خاص توجہ دلائی۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ والدین کا اولاد کیلئے سب سے بہتر عطیہ اُن کی عمدہ تعلیم و تربیت ہے۔ ایک موقعہ پر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا مسلمانو! اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ تم اپنی اولاد کے ساتھ برتاؤ کرنے میں انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دو آپ کا ارشادِ گرامی ہے کہ اولاد پر مال خرچ کرنا والدین کیلئے صرف ذمہ داری نہیں بلکہ صدقہ و خیرات کے ثواب حاصل کرنے کا ذریعہ بھی ہے۔ آپ کا ارشادِ گرامی ہے کہ اولاد انسان کی بہترین کمائی ہے اور اچھی اولاد والدین کیلئے مرجانے کے بعد بھی حصولِ ثواب کا ذریعہ ہے۔

اولاد کی جسمانی اور روحانی تعلیم و تربیت دونوں ایسی ذمہ داریاں ہیں جن کا پورا پورا خیال رکھنا ماں باپ کیلئے اشد ضروری ہے حضور کا ارشادِ گرامی ہے کہ اولاد کے اچھے نام تجویز کیا کرو اور اُن کی تعلیم و تربیت کا خاص خیال رکھا کرو حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم حضراتِ حسنین کریمین علیہما السلام کے ساتھ بے حد محبت فرماتے، اُنہیں کندھوں پر اُٹھاتے اور اُنہیں چوما کرتے ایک مرتبہ کسی شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم تو بچوں کے ساتھ اِتنی شفقت اور محبت نہیں کرتے آپ نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دل سے رحمت چھین لے تو پھر میں کیا کروں۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ اور آپ کے ارشادات کی روشنی میں اولاد کے حقوق میں اُن کے ساتھ محبت اور شفقت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اُن کی تعلیم و تربیت ،تہذیب و اخلاق ، پرورش ، دیکھ بھال ،خیر خواہی یہ سب امور ایسے ہیں جن کا احساس والدین کیلئے زبردست اہمیت رکھتا ہے۔ اولاد کے حقوق میں اِس

بات کا بھی خاص خیال رکھنا چاہیئے کہ اولاد نرینہ ہو یا اِس کے برعکس دونوں صورتوں میں عدل وانصاف کے تقاضے پورے کئے جائیں صرف اولاد نرینہ کا خیال رکھنا اورلڑکیوں سے بے توجہی رکھنا شرعاً بہت ہی ناپسندیدہ ہے زمانہء جاہلیت کے رسم ورواج کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ۔ اِسی بنا پر حضور سرورِکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکیوں کی تعلیم وتربیت اوراُن کے حقوق کی ادائیگی پر خاص توجہ دلائی ۔آپ کا ارشادِ گرامی ہے کہ جو شخص اپنی لڑکی کو عمدہ تعلیم وتربیت دے وہ جہنم کی آگ سے محفوظ رہے گا ۔ جب کسی گھر میں لڑکی پیدا ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتے نازل فرماتا ہے جو گھر میں آکر کہتے ہیں اے گھر والو! تم پر سلامتی ہو جو اِس بچی کی پرورش کریگا قیامت تک اللہ تعالیٰ کی رحمت اُس کے ساتھ شاملِ حال رہے گی ۔

اولاد کے ساتھ محبت وشفقت ، اُنکی تعلیم وتربیت اوراُن پر مال خرچ کرنے میں عدل وانصاف نہایت ضروری ہے ۔ حضور علیہ السلام کا ارشادِ گرامی ہے کہ اگر کسی کے دولڑکے ہوں اُن میں سے کسی ایک کو کوئی چیز دی جائے تو دوسرے کو بھی اُسی طرح دی جائے اوراُن میں ناانصافی بری بات ہے ۔ وراثت میں شرعی حقوق کی خلاف ورزی کا کوئی اقدام بھی عنداللہ سخت گناہ ہے اِس لئے وصیت یا ہبہ کے ذریعے اولاد میں سے کسی کی حق تلفی کرنا بہت ناپسندیدہ عمل ہے ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ والدین اگر ساٹھ سال کا طویل عرصہ زہد وعبادت میں گزاردیں مگر وصیت کے ذریعے اولاد کی حق تلفی کریں تو وہ جہنم میں داخل ہوں گے ۔ اولاد کے حقوق شرعی اوراخلاقی ہر دولحاظ سے اتنی اہمیت رکھتے ہیں کہ اُن کی ادائیگی والدین کیلئے اشد ضروری ہے اُن میں ذرا بھر کوتاہی بھی اُن کے لئے دینی اوردنیوی خسارے کا باعث ہے ۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک رحمتِ دوعالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے اہل ایمان کو اولاد کے حقوق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے ۔ اٰمِیْــــــنْ ،

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ .

☆☆☆☆☆

رشتہ داروں کے حقوق

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ. بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ.

ایک اسلامی معاشرے میں باہمی تعاون، اتحاد واتفاق، ترقی وخوشحالی کی منزل تک پہنچنے کے لیے رشتہ داروں کے حقوق کو بڑی اہمیت حاصل ہے حقوق العباد میں رشتہ داروں کے حقوق کو خاص طور پر شرعی اوراخلاقی لحاظ سے امتیازی مقام حاصل ہے اوران کے حقوق کی ادائیگی پر بہت سے اہم نتائج وثمرات مرتب ہوتے ہیں جو شخص اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک، تعاون، خیرخواہی اور ہمدردی کے جذبات کا اظہار نہیں کرسکتا، وہ معاشرے کے دوسرے طبقات کے ساتھ کیا بھلائی کرے گا؟ رشتہ داروں کے حقوق کا خیال رکھنا صرف باعث اجروثواب ہی نہیں بلکہ انسان کے لیے بہت سی نعمتوں کے حصول کا ضامن اورموجبِ خیروبرکت ہے۔

حضورنبی پاک علیہ السلام کا فرمان ہے کہ نسب کے لحاظ سے اتناعلم وتعارف ضروری ہے جس سے انسان رشتہ داروں کی پہچان کرکے ان کے حقوق ادا کرسکے۔ حضورعلیہ السلام کا فرمان ہے کہ رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے سے آپس میں محبت پیدا ہوتی ہے، مال میں برکت اور عمر میں زیادتی ہوتی ہے، پس جو آدمی چاہتا ہے کہ اس کے مال میں برکت ہواوراس کی عمر زیادہ ہوتو وہ رشتہ داروں کے حقوق کا خیال رکھے، غریب رشتہ داروں کی مالی امداد سے دوگنا ثواب ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ بارگاہِ نبوت میں ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ میرے کچھ رشتہ دارغریب ہیں اگر میں ان کی امداد کروں تو مجھے ثواب ملے گا؟ آپ نے ارشادفرمایاتمہیں دوگنا ثواب ملے گا، ایک مالی امداد کرنے کا دوسرا رشتہ داری کے حقوق ادا کرنے کا۔ کسی غرض اور لالچ یابدلے کی خواہش کے بغیر رشتہ داروں کا خیال رکھنا اللہ تعالیٰ کی رضا اورخوشنودی حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ اگرچہ اچھائی کے بدلے اچھائی کرنا اوراحسان کے بدلے میں احسان کرنا بھی کارِثواب ہے لیکن اس تصور سے بے نیاز ہوکر رشتہ داروں کی زیادتی اورناانصافی کونظرانداز کرتے ہوئے ان کا خیال رکھنا بلندیٔ ہمت اوررضائے الٰہی کے حصول کا آئینہ دار ہے۔ ایک شخص نے حضورعلیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا میرے کچھ رشتہ دار ایسے ہیں جن کے ساتھ میں بھلائی کروں تو وہ برائی کرتے ہیں میں ان کے ساتھ تعلق جوڑتا ہوں تو وہ اسے توڑ دیتے ہیں

میں ان کی تکلیف برداشت کرتا ہوں مگر وہ مجھے نظر انداز کر دیتے ہیں آپ نے فرمایا اگر بات اسی طرح ہے تو پھر جب تک تو اس طریقے پر قائم رہے گا اللہ تعالیٰ کی خصوصی امداد تیرے ساتھ رہے گی۔

رشتہ داری اور صلہ رحمی کو اللہ تعالیٰ نے اپنے عرش کے قریب جگہ دی ہے اور وہ ہر وقت وہاں اس طرح دعا میں مصروف ہے "مَنْ وَصَلَنِیْ وَصَلَهُ اللّٰهُ وَمَنْ قَطَعَنِیْ قَطَعَهُ اللّٰهُ" جو رشتے داری کا خیال رکھے اللہ تعالیٰ اسے اپنا قرب عطا فرمائے اور جو رشتہ داری کو توڑ دے اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت سے دور کر دے۔ رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی سے جس طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکت نازل ہوتی ہے اسی طرح رشتہ داری کے حقوق پامال کرنے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے اور اس کا غضب نازل ہوتا ہے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ رشتہ داروں کے حقوق ادا نہ کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا بلکہ جس قوم میں ایسا آدمی ہوگا اس قوم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل نہ ہوگی۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ یہ سزا ان لوگوں کے لیے ہے جو ایسے آدمی کو برا بھلا نہیں کہتے یا اسکے عمل کو پسند کرتے ہیں۔ زمانۂ جاہلیت کی ایک رسم عصبیت جو اَب بھی کسی حد تک باقی ہے، کسی ناجائز اور غلط بات پر بھی رشتہ داروں کے تعاون کے لیے کمر بستہ ہو جانا اور قوم کا سوال بنا لینا شرعاً بالکل ناجائز ہے۔ حضور علیہ السلام نے اپنے ارشادات اور عمل کے ذریعے رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی کا مثالی نمونہ پیش کیا مگر رشتے داروں کے ناجائز معاملات کی کبھی حمایت نہ فرمائی بلکہ ہمیشہ دوسروں سے بڑھ کر انہیں حق بات کی تاکید کی، خدا کے عذاب سے ڈرایا اور انصاف پر قائم رہنے کی تلقین فرمائی۔

حضور علیہ السلام نے محض اعلیٰ قرابت داری پر بھروسہ کرنے اور اس پر غرور و تکبر کرنے سے منع فرمایا، حضور علیہ السلام کا فرمان ہے جس بندے میں تین باتیں ہونگی اس کا حساب آخرت میں آسان کر دیا جائیگا اور وہ جنت میں داخل ہوگا، جو شخص کسی ایسے شخص کے حقوق کا خیال کرے جو اسے حقوق سے محروم کرے، جو رشتہ توڑنے والوں کے ساتھ رشتہ جوڑے اور ظلم کرنے والوں کو معاف کر دے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ فرشتے جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لوگوں کے اعمال پیش کرتے ہیں تو ان میں سے جو شخص رشتہ داروں کے حقوق ادا نہیں کرتا اسکے دوسرے نیک اعمال قبول نہیں کیئے جاتے اور اس کے گناہوں کو بھی معاف نہیں کیا جاتا۔

☆☆☆☆☆

بیماروں کے حقوق

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

حقوق العباد میں بیماروں کے حقوق کو جو اہمیت حاصل ہے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ایک معاشرہ اس وقت تک خوشحالی کی منزل کو نہیں پا سکتا جب تک اس میں دکھی انسانیت کا خیال نہ رکھا جائے۔ ہمارے نبی پاک ﷺ نے بیماروں کے حقوق کی ادائیگی کے بارے میں اپنے ارشادات اور عمل سے نہایت تاکید فرمائی، آپ کا فرمان ہے کہ بیماروں کی خیر و عافیت دریافت کرو اور ان کو تسلی دے کر ان کا دل خوش کرو، آپ کا فرمان ہے کہ جس وقت کوئی شخص کسی کی بیمار پرسی کے لئے جاتا ہے تو واپس آنے تک جنت کے باغ میں ہوتا ہے۔

دکھ درد، بیماری اور تکلیف بڑی آزمائش ہوا کرتی ہے، ایسے موقعہ پر مسلمان بھائیوں کے ساتھ امداد اور تعاون کرنا اہمیت اختیار کر جاتا ہے اور بیماروں کی اعانت زیادہ ضروری ہو جاتی ہے۔ ایک مسلمان بیماری کی حالت میں امداد اور تعاون کا زیادہ مستحق بن جاتا ہے۔ بیماروں کی تکلیف کا احساس رکھنا اور ان کے علاج میں کوشش کرنا بیماروں کا ایسا حق ہے جس میں ذرہ بھر کوتاہی بہت بڑی فروگزاشت بن جاتی ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے کہ تمام مسلمانوں کی مثال ایک جسم کی ہے، جسم کے کسی حصے میں تکلیف ہو تو سارا جسم بے قرار ہوتا ہے، اسی طرح ایک مسلمان کی تکلیف سے دوسرے تمام مسلمانوں کا بے قرار ہونا اور احساس رکھنا ضروری ہے۔

ویسے تو ہر مسلمان کیلئے بیماروں کے حقوق ادا کرنا اخلاقی فریضہ ہے مگر قریبی رشتہ داروں اور دوست و احباب کے لئے ان کے حقوق ادا کرنا نہایت ضروری ہیں۔ حضور علیہ السلام کی عادت مبارکہ تھی کہ بیمار پرسی کیلئے بنفس نفیس تشریف لے جاتے، بیماروں کے سر پر ہاتھ رکھتے، ان کے لئے دعا فرماتے، ان کو تسلی دیتے اور ان کے علاج کی تاکید فرماتے۔ ایک بیمار آدمی بیماری سے کہیں زیادہ اپنی غربت، محتاجی، احباب کی بے پروائی اور بے کسی و بے بسی کا زیادہ احساس رکھتا ہے۔ اگر اسے علاج، غذا، دیکھ بھال اور اخراجات کی سہولت مل جائے تو کافی حد تک اس کی تکلیف ختم ہو جاتی ہے، اس طرح اس کی حوصلہ افزائی، دلجوئی اور تسلی ہو جاتی ہے، اور وہ اپنے اندر ایک افاقہ محسوس کرتا ہے۔

بیماروں کے حقوق کے سلسلے میں جس طرح دوسرے لوگوں پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے اسی طرح ڈاکٹروں اور حکیموں کیلئے بھی بعض باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہو جاتا ہے۔ مرض کی تشخیص، مناسب علاج، اخلاقی ہمدردی اور توجہ مریض کے وہ حقوق ہیں جو ڈاکٹروں اور حکیموں کیلئے بھی شرعی اور اخلاقی طور پر ضروری ہیں۔ ہمارے پیارے نبی ﷺ تو غیر مسلموں کی عیادت اور دلجوئی کیلئے تشریف لے جاتے اور ان کے ساتھ تعاون فرماتے۔ اسلام سے بڑھ کر کونسا رشتہ ہو سکتا ہے، اہل اسلام کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنی وسعت اور دسترس کے مطابق اسلامی معاشرے میں بسنے والے بیماروں کے ہر فردِ بشر کا خیال رکھیں، ان کیلئے دعا کریں، مالی امداد کریں، ان کو تسلی دیں، ان کی خدمت کریں اور ان کی ضروریات کا خیال رکھیں۔ اسلام نے تو بنی نوعِ انسان کے ہر فرد کی تکلیف، مصیبت اور پریشانی دور کرنے کا درس دیا ہے، اس سے اہل اسلام کے ساتھ تعاون کی اہمیت مزید نمایاں ہو جاتی ہے۔

بیماروں کے حقوق کی ادائیگی سے صرف اجر و ثواب ہی نہیں ملتا، بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی، پیار، محبت اور خیر خواہی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ دکھ سکھ، بیماری اور تکلیف ہر کسی کے ساتھ ہے اس لئے ضروری ہے کہ انسان دوسروں کی تکلیف اور بیماری کا احساس کرے تاکہ مصیبت اور تکلیف کے وقت وہ اکیلا پریشان نہ کھڑا ہو۔ اکیلا آدمی نہ ہنستا اچھا لگتا ہے اور نہ روتا ہوا۔ بیماروں کی خدمت سے انسان کا دل نرم ہوتا ہے اور اسے ایک قسم کا سکون و اطمینان محسوس ہوتا ہے۔ بیمار کی حالت دیکھ کر ایک صحتمند اپنی تندرستی پر شکر بجالانے کے جذبے سے ہمکنار ہوتا ہے اور اس طرح وہ غفلت اور بے پروائی سے بچ جاتا ہے، وہ تندرستی کے اوقات کو غنیمت سمجھتا ہے اور اپنے حقوق کی ادائیگی میں ایک نیا ولولہ اور احساس پاتا ہے۔

بیماروں کے سکون و آرام کا خیال رکھنا خاص طور پر ضروری ہے۔ ہمارے نبی پاک ﷺ کا فرمان ہے کہ بیمار پرسی کرو تو زیادہ دیر نہ بیٹھو کہیں اس سے مریض کے آرام میں فرق نہ آئے۔ بیماروں کے آس پاس اور قرب و جوار میں رہنے والے لوگوں کا فرض ہے کہ وہ گالی گلوچ، دنگا فساد اور شور شرابا نہ کریں، اسی طرح سڑک سے گزرنے والے موٹر کار سواروں کو بھی احتیاط کرنی چاہیے کہ وہ گاڑیوں کے پریشر ہارن نہ بجائیں تاکہ مریض بے آرام نہ ہوں بیمار بیچارے کے لئے چین اور آرام کی ایک گھڑی بھی غنیمت ہوتی ہے کہیں ایسا نہ ہو وہ کافی دیر

کی بے آرامی کے بعد کچھ آرام کی طرف مائل ہو رہا ہو اور پاس سے گزرنے والی موٹر کا ہارن اس کے آرام وسکون کو تہ و بالا کر دے۔

اسلامی معاشرے میں بیماروں کے حقوق کی اہمیت کے پیشِ نظر اگر ان حقوق کی ادائیگی کا خیال رکھا جائے تو انسانیت کی بہت بڑی خدمت اور اجر و ثواب کے حصول کے ساتھ ساتھ باہمی تعاون، ہمدردی، غمخواری، دلجوئی، خیر خواہی، اور محبت و شفقت کے پاکیزہ جذبات کو فروغ حاصل ہو سکتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

محنت کی عظمت

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

اسلام وہ مکمل اور جامع ضابطۂ حیات ہے جو دین اور دنیا کے تمام مسائل میں بنی نوعِ انسان کی رہنمائی کرتا ہے اور دنیا وَ آخرت میں حقیقی فلاح و بہبود کے حصول کی ضمانت دیتا ہے۔ دینِ اسلام کی جامعیت اور وسعت کے پیشِ نظر بلا مبالغہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ طبقاتی کشمکش سے بالاتر ہو کر وحدتِ انسانی کی منزل سے ہمکنار کرنا اِس کا طرّہ ٔ امتیاز ہے۔ دینِ اسلام نے انسان کو اِس حقیقت سے آگاہ کیا ہے کہ وہ اشرف المخلوقات ہے۔ اُسے منجانب اللہ بے پناہ قوتیں، صلاحیتیں اور توانائیاں ودیعت کی گئی ہیں۔

کارخانہ ٔ قدرت کے وسیع نظام کا مشاہدہ کرنے سے انسان بخوبی اِس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے کہ اُسے بے مقصد پیدا نہیں کیا گیا۔ اُسے کسی عظیم الشان جدوجہد، کسی اہم ذمہ داری اور بے شمار فرائض منصبی کا امین قرار دیا گیا ہے اور اِن مہتم بالشان امور کا تقاضا ہے کہ وہ پیوستہ محنت، سعیِ عمل، کسبِ ہنر، لگاتار کوشش اور مسلسل مشقت سے مصروف کار رَہ کر منزل کی طرف رواں دواں رہے۔ محنت انسان کو سرگرمِ عمل رکھنے میں امتیازی کردار ادا کرتی ہے۔ محنت میں کامیابی اور فلاح کے حصول کا راز مضمر ہے، محنت انسان کی صلاحیتوں کو اُجاگر کرتی ہے اُس کی توانائیوں کو بروئے کار لاتی ہے اور اُس کے جوہر انسانیت کو نمایاں کرتی ہے، محنت کی بدولت انسان رفعت و عظمت

حاصل کرتا ہے اپنے امتیازی تشخص کو برقرار رکھتا ہے اور عزتِ نفس اور وقارِ انسانی کو دوبالا کرتا ہے۔ محنت انسان کیلئے معیارِ کمال ہے، محنت حقیقی راحت وسکون کی آئینہ دار ہے، میدانِ عمل کی سرخروئی محنت کی مرہونِ منت ہے دنیاوآخرت کی سرفرازی محنت کا ثمرہ ہےاور خالق ومخلوق کے حقوق کی ادائیگی محنت سے متعلق ہے۔

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات اور عمل سے محنت کی عظمت کو اُجاگر کیا، محنت کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کی ، بہ نفسِ نفیس محنت ومشقت کی عملی جدوجہد میں حصہ لیکر محنت کی عظمت سے آگاہ کیا سرورِکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بے کار رہنے کو پسند نہیں فرمایا۔ ترکِ عمل ،ترکِ اسباب ،آرام پرستی اور رہبانیت کی مذمت کی، رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے محنت کی عظمت کو بیان کرتے ہوئے ارشادفرمایا ’’ اَلْکَاسِبُ حَبِیْبُ اللّٰہِ ‘‘محنت سے کمائی کرنے والا اللہ تعالیٰ کا دوست ہے۔آپ نے محنت ومشقت کی ترغیب دیتے ہوئے ارشادفرمایااگرتم میں سے کوئی شخص محنت کرتے ہوئےلکڑیوں کا گٹھا کاٹ کر بیچ ڈالے تو اُس کیلئے اِس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے سوال کرتا پھرے اُن کی مرضی کہ اُسے دیں یا نہ دیں۔ رسولِ پاک ﷺ ہمیشہ اِس بات کا خیال فرماتے کہ لوگ محنت ومشقت کے عادی بنیں، کام کاج میں دلچسپی لیں ،دوسروں پر بوجھ نہ بنیں اوراپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی کوشش کریں۔آپ نے صدقہ وخیرات کے حصول میں اس بات کی پابندی لگادی تھی کہ کوئی صحتمنداور تندرست آدمی صدقہ وخیرات لینے کی کوشش نہ کرے اگروہ اِس طرح کرے گا تو اُس کے مال میں برکت نہ ہوگی اور قیامت کے دن اُس کے چہرے پر بدنما داغ ہونگے۔

محنت کی عظمت ،اہمیت اورافادیت کا اندازہ اُس حدیث پاک سے لگایا جاسکتا ہے جو حضرتِ اَنس نے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سوال کی غرض سے حاضر ہوا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے کچھ عطا فرمانے کی بجائے ارشادفرمایا کیا تمہارے گھر میں کچھ سازوسامان ہے اُس نے عرض کیا یارسول اللہ ہمارے گھر میں ایک ٹاٹ اورایک پیالہ ہے۔ٹاٹ ہم نیچے بچھاتے ہیں اور کچھ اوپر ڈالتے ہیں جبکہ پیالے میں پانی پیتے ہیں ۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے وہ ٹاٹ اور پیالہ لائے گئے اوراُنہیں دو درہم میں بیچ دیا گیا۔آپ نے ایک درہم اُس شخص کو دیکر فرمایا کہ اِس سے طعام خریدلواور گھر والوں کے حوالے کرواوردوسرے درہم سے کلہاڑی خریدلاؤ جب وہ کلہاڑی خریدکرلایا تو رسولِ

پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مبارک ہاتھوں سے اُس میں دستہ ڈالا اور اُس شخص سے فرمایا جاؤ جنگل سے لکڑیاں کاٹتے رہو اور کم از کم پندرہ دن تک اِس کام میں مشغول رہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق وہ شخص محنت ومشقت میں مصروف رہا اور پندرہ دنوں تک لکڑیاں کاٹ کر بیچتا رہا پھر حاضر خدمت ہوا تو عرض کرنے لگا یا رسول اللہ اب تو میں دس درہم کما چکا ہوں ۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سوال کی بجائے یہ محنت تیرے لئے بہتر ہے۔

رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ بہترین طعام وہ ہے جو انسان ہاتھوں سے محنت کر کے کمائے اور حلال رزق کمانا انسان پر فرض ہے ۔رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی محنت کی عظمت کو اُجاگر کرتی ہے اور اِس حقیقت کو نمایاں کرتی ہے کہ محنت ومشقت انسانی عظمت و وقار کیلئے زیب وزینت ہے۔ محنت کرنے سے انسان معاشرے میں حسنِ عمل کی جدوجہد کو تقویت پہنچاتا ہے اور مل جل کر کام کاج کرنے اور زندگی بسر کرنے کی وجہ سے لوگوں کی نگاہوں میں پسندیدہ بن جاتا ہے۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا بچپن تھا کہ قریشِ مکہ نے خانہ کعبہ کی تعمیر شروع کی ۔آپ تعمیر کعبہ میں برابر کے شریک رہے اور پتھر اُٹھا اُٹھا کر معماروں کے پاس لاتے ۔اِسی طرح جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے اور مسجد قبا، مسجد نبوی کی تعمیر اور خندق کھودنے کا موقعہ آیا تو رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت محنت ومشقت سے کام لیا۔ صحابہ کرام کے بار بار عرض کرنے کے باوجود آپ پتھر اور گارا اُٹھا اُٹھا کر لاتے یہاں تک کہ آپ کے جسمِ اطہر پر مٹی کی تہ جم گئی۔ایک مرتبہ سفر میں حضرات صحابہ کرام کھانے کا انتظام کرنے لگے تو رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے لکڑیاں جمع کرنے کا کام اپنے ذمے لے لیا اور اِس طرح عملی طور پر محنت ومشقت کی عظمت وافادیت کو نمایاں کیا۔

مزدور اور محنت کش طبقہ معاشرے میں اہم مقام رکھتا ہے ۔ ملک کی تعمیر وترقی ،اقتصادی خوشحالی اور معاشی کامیابی کے حصول میں محنت کشوں کو جو اہمیت حاصل ہے اُس سے انکار نہیں کیا جا سکتا، مزدور اور محنت کش کی پیوستہ جدوجہد، سعیِ عمل اور کسبِ ہنر دوررس اثرات پیدا کرتے ہیں اور مفید نتائج سے ملک وملت کو خوشحالی کی

دولت سے مالا مال کرتے ہیں ۔دینِ اسلام نے آجر واجیر کے باہمی تعاون ،ایک دوسرے کے حقوق کی نگہداشت اور عملی جدوجہد میں مخلصانہ ارتباط کا خیال رکھتے ہوئے اس بات کی سختی سے تاکید کی ہے کہ محنت کش کو اُس کے جائز حقوق اور مراعات دینے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا جائے ۔رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ محنت کش کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اُسے اُجرت دی جائے ۔

اقوامِ عالم کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ جن قوموں نے محنت ومشقت سے دامن بچایا بے کاری اور کاہلی کی عادت ڈالی اور عملی جدوجہد میں کوئی کردار ادا نہ کیا اُن کی معاشی حالت خراب ہوگئی، وہ ہمیشہ دوسروں کے دست نگر رہے اُن کی خودداری اور وقارِ انسانی کوزبردست ٹھیس پہنچی اور وہ اپنا تشخص قائم کرنے میں ناکام رہے ۔اِس کے برعکس وہ لوگ جنہوں نے محنت کی عظمت کو جان ودل سے تسلیم کیا، محنت ومشقت کی عادت ڈالی اور زندگی کے مختلف شعبوں میں محنت ومشقت پر مبنی کارہائے نمایاں سرانجام دیئے تاریخ عالم میں ہمیشہ اُن کا نام روشن رہا، اطرافِ عالم میں اُن کی داستانیں مشہور ہوئیں ،اُنہوں نے عزتِ نفس اور وقارِ انسانیت کی عظمتوں کو برقرار رکھا اور انسانی معاشرے کی تعمیر وترقی میں بھرپور کردار ادا کیا، آج پھر اِس امر کی شدید ضرورت ہے کہ محنت ومشقت کے جذبات کو فروغ دیا جائے ۔میدانِ عمل کی جدوجہد کو تیز تر کیا جائے ۔ایک خوشحال اور صحت مند معاشرے کی تشکیل اور تکمیل کیلئے اجتماعی انداز میں محنت ومشقت کا بھرپور مظاہرہ کیا جائے ۔ محنت کش اور مزدور طبقہ کی عملی جدوجہد کو قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جائے اور اُن کی ہر ممکن حوصلہ افزائی کی جائے ۔

وطنِ عزیز کا ہر فرد اگر محنت کی عظمت کو دلنشین کر کے عملی طور پر جدوجہد میں شریک ہو جائے تو پورا معاشرہ خوشحالی اور ترقی سے ہمکنار ہو کر ملک وملت کی بقاؤ استحکام کی ضمانت دے سکتا ہے اور دکھی انسانیت مصائب و آلام کی زنجیروں سے نجات پا کر دائمی سکون واطمینان حاصل کرسکتی ہے ۔اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک رحمتِ دوعالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے ہمیں محنت کی عظمت دلنشین کرنے کی توفیق عطا فرمائے ۔اٰمِیــــنْ،

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

☆☆☆☆☆

گیارھواں باب......درسِ مثنوی

مثنوی معنوی پر تبصرہ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

امام العارفین حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی شہرہ آفاق مثنوی معنوی کو دنیائے علم و عرفان میں جو شہرت ومقبولیت حاصل ہے وہ اس کی جامعیت، افادیت اور اہمیت کو روز روشن کی طرح واضح کر دیتی ہے۔ اسلامی مکاتب فکر کے جلیل القدر علماؤ مشائخ اور ارباب علم وفن نے ہر دور میں مثنوی معنوی کے درس وتدریس کو اپنا معمول بنایا اور اسکے اسرار ورموز سے آگاہی کو فقر وتصوف کی معراج کمال سے تعبیر کیا، مختلف زبانوں میں مثنوی معنوی کی شروح اور تراجم اس کی عظمت وجلالت کو اجاگر کرتے ہیں اور یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ یہ معرکۃ الآراء کتاب زندۂ جاوید کارنامے کی صورت میں بقائے دوام اور عالمگیر شہرت سے ہمکنار ہوئی۔ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ جنہیں علوم وفنون کے بحر ذخار ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کے اسرار ومعارف کے امین ہونے کا شرف حاصل ہوا مثنوی معنوی ان کے کیف وسرور جذب ومستی، عشق ومحبت اور بلندیٔ ہمت کی آئینہ دار ہے جس کے محرک آپ کے محبوب خلیفہ حضرت حسام الدین چلپی رحمۃ اللہ علیہ تھے ان کے تقاضے اور حسن طلب کے پیش نظر مولانا روم رحمۃ للہ علیہ نے وجد وکیف کی حالت میں مثنوی معنوی کو اشعار والفاظ کا لباس پہنایا اور منظوم کلام کا ایک بیش بہا ذخیرہ تدریجاً عالم شہود میں جلوہ گر ہوا۔

حضرت حسام الدین چلپی رحمۃ اللہ علیہ مثنوی معنوی کے اشعار قلمبند کرتے اور بعض اوقات ترنم سے حضرت مولانا کو سنایا کرتے، اس طریقے سے مثنوی معنوی کا تسلسل جاری رہتا اور یہ کتاب پایہ تکمیل تک پہنچنے کے مدارج طے کرتی، بسا اوقات حضرت حسام الدین چلپی کی ظاہری وباطنی مصروفیات کے پیش نظر مثنوی معنوی کی ترتیب وتدوین کا کام موقوف ہو جاتا اور یہ صورت حال کافی عرصے تک برقرار رہتی مگر جونہی حضرت مولانا روم رحمۃ للہ علیہ کی خدمت میں اس التواء اور توقف کے جمود کو توڑنے کے لئے حضرت حسام الدین چلپی کوئی

اقدام کرتے تو پھر دریائے علم وعرفان جوش میں آجاتا اور مثنوی معنوی کا ایک خاطر خواہ ذخیرہ معرضِ وجود میں آجاتا۔ مثنوی معنوی علم وعرفان کا سمندر ہے، فقر وتصوف کا خزانہ ہے، علوم وفنون کا دریائے ناپیدا کنار ہے، اسرار ورموز کا شاہکار ہے اور معرفت الٰہی کا گوہر تابدار ہے۔ یوں تو شریعت وطریقت کے اکثر وبیشتر موضوعات مثنوی معنوی کے اوراق کی زینت ہیں مگر توحید ورسالت، مبداء ومعاد، فقر وتصوف، علم وعمل، اخلاصِ نیت، عجز ونیاز، سوز وگداز، حسنِ طلب، جہدِ مسلسل، عشق ومحبت، ذوقِ سماع، جذبہ، معرفت، اتباعِ شریعت، عرفانِ طریقت، مقامِ عبدیت، ضرورتِ شیخ، خدمتِ خلق، وحدت الوجود، حقیقتِ شہود ترک نام ونمود، شرحِ صدر، جبر وقدر تزکیۂ نفس اور فنائے تام خاص طور پر اس کے معرکۃ الآراء عنوانات ہیں۔

مثنوی معنوی کی ان ہی عظمتوں کے پیشِ نظر حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

مثنوی مولوی معنوی ہست قرآں در زبان پہلوی

ایک عارف کامل عالم رؤیا میں رسول پاک ﷺ کی زیارت سے مشرف ہو کر آنجناب کی تائید وتصدیق کے حوالے سے مثنوی معنوی کی عظمت وجلالت کا اس انداز میں اعتراف کرتے ہیں۔

انّنی ابصرت فی نومی الرسول ÷ فی یدیہ المثنوی وھو یقول

صنّفت کتب کثیر معنوی ÷ لیس فیھا کا لکتاب المثنوی

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ جن کے درس مثنوی سے اکابر علما ومشائخ مستفید ہوتے تھے فرمایا کرتے تھے کہ مثنوی شریف کا پڑھنا پڑھانا تو بہت بڑی سعادت ہے اسے عقیدت ومحبت سے دیکھ لینا بھی موجبِ خیر وبرکت ہے۔ اور خود حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فیصلہ کن الفاظ میں مثنوی معنوی کے مقام کا تعین کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

مثنوی ما دکان وحدت است ÷ حیرت اندر حیرت اندر حیرت است

مثنوی معنوی میں عقل نا تمام کی کوتاہی اور نارسائی کو مدلل انداز میں بیان کیا گیا اور عقلی موشگافیوں میں الجھ کر شکوک وشبہات کی دلدل میں پھنس کر یقین کی دولت سے محرومی کے عنوان کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا

ظاہری حواس خمسہ کی قید میں بند ہو کر حواس باطنی کی وسعتوں سے ناواقفیت کو انسانیت کا المیہ قرار دیا گیا اور عقلی استدلالات کے ذریعے روحانی اور باطنی معارف کے انکار کے موضوع پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا، چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔

پائے استدلالیاں چوبیں بود ÷ پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

عقل دراسباب مے دارد نظر ÷ عشق مے گوید مسبب را نگر

جبر وقدر کے موضوع پر نہایت محققانہ بحث کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

زاریٔ ما شد دلیل اضطرار ÷ خجلت ما شد دلیل اختیار

ضرورت مرشد کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ہیچ آہن خود بخود تیغے نہ شد ÷ ہیچ شخصے خودبخود شیخے نہ شد

عجز و نیاز کے حصول پر رغبت دلاتے ہوئے فرمایا۔

عجز کارِ انبیاؑ اولیاء ÷ عاجزی مقبول درگاہ خدا

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ مقبولان خدا کی صحبت ومعیت کے حصول کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

یک زمانہ صحبت بااولیاء ÷ بہتر از صد سالہ طاعت بے ریاء

ادب کے بارے تاکید کرتے ہوئے مناجات کے انداز میں یوں درس دیتے ہیں۔

از خدا خواہیم توفیق ادب ÷ بےادب محروم ماند از فضل رب

علم وحکمت اور ذوق محبت کے حصول میں رزق حلال کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

علم وحکمت آید از لقمہ حلال ÷ عشق ورقت زاید از لقمہ حلال

توکل کے ساتھ ظاہری اسباب کے استعمال کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

گفت پیغمبر باآواز بلند ÷ برتوکل زانوئے اشتر بہ بند

عبادت میں اخلاص کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ذوق باید تا دہد طاعات بر ÷ مغز باید تا دہد دانہ شجر

محبت کی اہمیت وافادیت اوراس کی تاثیرات بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا فرماتے ہیں ۔

از محبت مردہ زندہ مے شود ÷ وز محبت شاہ بندہ مے شود

ازمحبت تلخہا شیریں شود ÷ وز محبت مسہا زرّیں شود

ارباب عشق ومحبت کے لئے ذوق سماع کی اہمیت وضرورت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

پس غذائے عاشقاں آمد سماع ÷ کہ دروبا شد خیال اجتماع

مثنوی معنوی کے دقیق ترین موضوع وحدۃ الوجود کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

چیست توحید خدا آموختن ÷ خویشتن را پیش واحد سوختن

جز وجود مطلق وہستی پاک ÷ آنچہ آید در خیالت ہست خاک

مقام نبوت کی عظمتوں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے یوں عرض پرداز ہوتے ہیں ۔

سید وسرور محمد نورجاں ÷ مہتر وبہتر شفیع مجرماں

مہترین وبہترین انبیاء ÷ جز محمد نیست در ارض وسما

حضرات اولیائے کرام کے تصرفات کو بیان کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں ۔

اولیاء را ہست قدرت از الٰہ ÷ تیر جستہ باز گردانند زراہ

یہ مثنوی معنوی کے چند مخصوص موضوعات کے نمونے تھے ورنہ تفصیل کے لئے کئی دفتر درکار ہیں شاعر مشرق علامہ اقبال مرحوم، صاحبِ مثنوی معنوی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کیا خوب کہتے ہیں ۔

پیر رومی مرشد روشن ضمیر ÷ کاروان عشق ومستی را امیر

پیر رومی را رفیق راہ ساز ÷ تا کہ حق بخشد ترا سوز وگداز

اللہ تعالیٰ ہمیں مثنوی معنوی کے فیوض وبرکات سے مستفیض فرمائے۔ اٰمِیْنَ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

☆☆☆☆☆

درسِ مثنوی (۱)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

بشنو از نے چوں حکایت مے کند ÷ واز جدائیہا شکایت می کند
کز نیستان تامرا ببریدہ اند ÷ از نفیرم مرد وزن نالیدہ اند
سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق ÷ تا بگویم شرح دردِ اشتیاق
ہر کسے کو دور ماند از اصل خویش ÷ باز جوید روزگار وصل خویش
من بہ ہر جمعیتے نالاں شدم ÷ جفت خوشحالاں و بد حالاں شدم

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ مثنوی معنوی کا آغاز کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

بشنو از نے چوں حکایت مے کند ÷ وز جدائیہا شکایت میکند

بانسری سے سن وہ کس طرح اپنی کہانی سناتی ہے اور ہجر و فراق کی شکایت کرتی ہے، اکثر شارحین کا یہ خیال ہے کہ روح انسانی کو بانسری سے تعبیر کیا گیا ہے اور عالم ارواح سے جدا ہو کر عالم اجسام میں اسکے آنے کی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے۔ روح انسانی اپنی اصل کے لحاظ سے ایک لطیف جوہر اور نورانی مخلوق ہے اسکا اصلی وطن عالم ارواح تھا جہاں وہ ذات الٰہی کی محبت اور انوار و تجلیات سے فیضیاب تھی، اس لطیف عالم میں روح کو ظلمت و کثافت سے کوئی واسطہ نہ تھا ، قرب الٰہی کی دولت حاصل تھی، سعادت کے تمام اسباب مہیا تھے اور دوامِ حضور کی نعمت میسر تھی، جب حکمت خداوندی کے تقاضوں کے مطابق عالم اجسام کی طرف روح کو منتقل کیا گیا اور اسے جسم عنصری کے ساتھ متعلق کیا گیا تو لازماً اسے عالم آب و گل کی آلائشوں سے متأثر ہونا پڑا عالم ارواح کی بلندی، ترقی اور لطافت کے مقابلے میں عالم اجسام کے تنزل، پستی اور کثافت کا روح انسانی کو شدت سے احساس ہوا، اب وہ اپنے اصلی وطن کے ہجر و فراق میں گریہ وزاری کرنے لگی۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ روح انسانی کے اسی حال زار کو بیان کرتے ہیں اور روح کو بانسری کے ساتھ تعبیر کر کے رازداری کے انداز میں اس کی کیفیت کا نقشہ پیش کرتے ہیں جسطرح بانسری کا نالۂ پردرد سوز و گداز پیدا

کرتا ہے اور اس کی دردناک آواز آہ وفغاں کا سماں پیدا کرتی ہے اسی طرح روح انسانی بھی اپنے قصۂ ہجر وفراق کو بیان کرتی ہے اور اہل ذوق ومعرفت کو اپنی پرسوز کیفیت سے متأثر کرتی ہے، اگرچہ حضرات انبیائے کرام کی ارواح مقدسہ اس دنیا میں آکر بھی اپنے فضائل وکمالات سے بدستور مشرف ہوتی ہیں اور عالم غیب سے برابر انکا رابطہ ہوتا ہے تاہم عالم قدس سے جدا ہوکر ایسے عالم میں زندگی بسر کرنا جوان کی روحانی عظمتوں کے تمام تقاضے پورے نہ کرتا ہو ان کے لئے ناگوار ضرور ہوتا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے دنیا میں رہنے اور آخرت کو پسند کرنے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اختیار دیا گیا ہے اور میں نے آخرت کو پسند کیا ہے۔ بعض شارحین کے نزدیک انسان کامل کو بانسری سے تعبیر کیا گیا ہے اور عالم بالا سے اسکے ہجر وفراق کو کنایاتی انداز میں بیان کیا گیا ہے یہ بھی احتمال ہے کہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اپنی حقیقت حال بیان کررہے ہوں اور مرشد طریقت حضرت شمس الدین تبریزی کی جدائی میں اپنی پردرد حالت کو بیان کرنے کے لئے یہ انداز اختیار کیا ہو مثنوی کے ایک شعر سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جس میں فرماتے ہیں ۔

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں ÷ گفتہ آید در حدیث دیگراں

کز نیستاں تامرا ببریدہ اند ÷ از نفیرم مردو زن نالیدہ اند

کہ جب مجھے نیستاں یعنی اصلی وطن سے جدا کیا گیا تو میری آہ وفغاں سن کر سب لوگ روئے ہیں، دردِ دل میں بڑی تاثیر ہوتی ہے جب کوئی دردمند گریہ وزاری کرتا ہے تو دوسروں کو بھی رُلا دیتا ہے اگر دوسرے لوگ دردمند ہوں تو انہیں اپنا درد وغم یاد آجاتا ہے اور وہ گریہ وزاری کرتے ہیں اور اگر وہ دردمند نہ ہوں تو ایک دردمند کی داستانِ غم کو سن کر روتے ہیں چنانچہ روح انسانی کی گریہ وزاری بھی اپنے ماحول کو متأثر کرتی ہے اور اسکے نالۂ پُر درد کو سن کر اہل ذوق پر گریہ وزاری کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔

سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق ÷ تا بگویم شرح درد اشتیاق

میں سننے والے کا ایسا سینہ چاہتی ہوں جو ہجر وفراق سے ٹکڑے ٹکڑے ہوچکا ہوتا کہ میں اسکے سامنے درد وشوق کا تفصیلی حال بیان کروں، ہر دردمند کو اپنا حالِ دل سنانے کیلئے ایسے آدمی کی تلاش ہوتی ہے جو دردمند ہو

تا کہ غم کے حالات غور سے سنے، غمخواری کرے اور غمِ دل کی قدر پہچانے، جن لوگوں نے تکلیف اور مصائب برداشت نہ کیئے ہوں، غم سے انہیں واسطہ نہ پڑا ہو، زندگی راحت و آرام میں گزاری ہو انہیں کسی دردمند کی دکھ بھری داستان متأثر نہیں کرتی ؎

چہ داند قدر اہلِ درد بے درد ÷ ہم او داند کہ دائم دردمند است

اس لئے روح انسانی کو اس سینۂ پرسوز کی تلاش ہے جو اس کی طرح ہجر و فراق میں مبتلا ہو تا کہ وہ کھل کر اس کے سامنے غم فرقت کی داستاں بیان کر سکے۔

ہر کسے کو دور ماند از اصل خویش ÷ باز جوید روزگار وصل خویش

ہر وہ شخص جو اپنے اصل سے جدا ہوتا ہے پھر وصل کے ایام کو تلاش کرتا ہے، روح انسانی کی پریشانی بلا وجہ نہیں اور وہ یوں ہی دوسروں کو ہجر و فراق کی داستان سے متأثر نہیں کر رہی بلکہ جس طرح ہر شخص اور ہر چیز اپنی اصل تک پہنچنے کے لئے بیقرار ہوتی ہے اسی طرح روح انسانی بھی اپنے اصل یعنی عالم ارواح میں پہنچنے کے لئے بیتاب ہے اور گریہ وزاری اور آہ و فغاں کے ذریعے وہ اپنی بیتابی کا اظہار کر رہی ہے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ جس روح کی یہ کیفیت بیان فرما رہے ہیں اس سے مراد وہی سعادتمند روح ہے جو اس دنیا میں آ کر یہاں کی آلائشوں اور کثافتوں سے مغلوب نہیں ہوئی وگرنہ ہر روح کا یہ مقام نہیں کہ وہ اس دنیا میں اضطراب محسوس کرے، جن لوگوں کا مطمح نظر حیات فانی اور اس کے عوارض و لوازمات ہوتے ہیں ان کی روح غفلت اور ظلمت کے حجابات میں گھر جاتی ہے اور اپنی منزل مقصود سے سراسر غافل ہوتی ہے۔

من بہر جمعیتے نالاں شدم ÷ جفت خوشحالاں و بدحالاں شدم

میں ہر مجلس میں رونا رو چکی ہوں اور اچھے برے ہر قسم کے لوگوں سے مجھے واسطہ پڑا ہے، ایسے لوگ جو ذوق محبت سے آشنا ہوں، اپنے مقصود کی طلب میں بیقرار ہوں اور روح انسانی کے نالۂ و فریاد سے متأثر ہوں انہیں خوشحال کہا گیا اور جو لوگ محبت و الفت سے بیگانہ ہوں، دنیائے فانی کے تقاضوں میں جکڑے ہوئے ہوں اور روح انسانی کی فریادِ جانسوز سے اثر قبول نہ کرتے ہوں انہیں بدحال کہا گیا۔ روح انسانی کو دونوں قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑا ہے اس نے ایسے تلخ لمحات بھی برداشت کیئے ہیں جن میں اس کی داستانِ غم کا مذاق اڑایا گیا

اوراس کے ساتھ بے اعتنائی کی انتہا کی گئی اور ایسی مسرت آمیز گھڑیاں بھی نصیب ہوئیں جن میں محرمِ اسرار، ذوق آشنا دوستوں سے اس کی ملاقات ہوئی۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ روح انسانی کی ترجمانی کرتے ہوئے نہایت مؤثر انداز میں انسان کو اپنی منزل مقصود سے جدائی کا احساس دلاتے ہیں، قرب الٰہی اور معرفت خداوندی کے حصول پر آمادہ کرتے ہیں اور اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ مقام انسانیت کا کمال ذوقِ طلب، بلندیٔ ہمت اور پیوستہ جدوجہد میں مضمر ہے، انسان کامل وہی ہے جو اس رزمگاہِ حیات میں خیر وشر کی کشمکش میں مجاہدانہ کردار ادا کرے، روحانی عظمتوں کو برقرار رکھے اور اپنی حقیقی منزل کی طرف رواں دواں رہے۔

☆☆☆☆☆

درسِ مثنوی (۲)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ہر کسے از ظن خودشد یار من ÷ وز درون من نجست اسرار من

سر من از نالۂ من دور نیست ÷ لیک چشم وگوش را آں نور نیست

تن ز جان وجاں زتن مستور نیست ÷ لیک کس را دید جاں دستور نیست

آتش است ایں بانگ نے ونیست باد ÷ ہر کہ ایں آتش ندارد نیست باد

آتش عشق است کاندر نے فتاد ÷ جوشش عشق است کاندر مے فتاد

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ روح انسانی کی حقیقت حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ہر کسے از ظن خود شد یار من ÷ وز درون من نجست اسرار من

ہر شخص اپنے خیال کے مطابق میرا دوست بنا اور میرے دل کے رازوں کو دریافت نہ کیا۔ جن لوگوں سے روح کو واسطہ پڑا چونکہ وہ دردِ محبت سے آشنا نہ تھے، قرب الٰہی کے جذبے سے سرشار نہ تھے اس لئے وہ اس کے غم عشق سے بے خبر رہے، انہوں نے اپنے خیال کے مطابق اندازہ لگایا کہ روح بھی شاید کسی دنیوی غم اور پریشانی میں مبتلا ہے، چونکہ امورِ دنیا یعنی فکر معاش، طلبِ دولت اور حصول منصب ہی لوگوں کے لئے باعث غم

ہوتے ہیں اور وہ ان معاملات میں ترقی اور کامیابی کو اپنا مقصد سمجھ لیتے ہیں اس بنا پر وہ روح انسانی کے متعلق بھی قیاس آرائی کرنے لگے، کسی مصیبت زدہ اور دکھ بھرے کو دیکھ کر یہ تو سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ مصیبت اور دکھ میں مبتلا ہے مگر اس کے درد وغم کی تہہ تک پہنچنا اور بنیادی وجوہات معلوم کرنا بہت مشکل ہوتا ہے، حقیقت حال معلوم کرنے کیلئے تو ذوق لطیف اور باطنی ادراک چاہیے، روح انسانی کو ایسے ہمدم کی تلاش ہے جو اس کی کیفیتِ ہجر و فراق کا ادراک کرے اور غم عشق کے تلخ لمحات میں اس کی غمخواری کرے، گویا روح انسانی بزبان حال یہ فریاد کر رہی ہے۔

سراپا درد ہوں میں کیا کوئی میری فغاں سمجھے ÷ جو مجھ سا درد رکھتا ہو وہ میری داستاں سمجھے

سر من از نالۂ من دور نیست ÷ لیک چشم وگوش را آں نور نیست

میرا راز میری گریہ وزاری سے جدا نہیں لیکن لوگوں کی آنکھوں اور کانوں کو وہ نور حاصل نہیں جس سے وہ حقیقت حال دیکھیں اور راز کی باتیں سنیں۔ روح انسانی کی گریہ وزاری سے ظاہر ہے کہ وہ کسی بلند مقصد کی خاطر بیقرار ہے اہل ذوق ومحبت کے لئے تو یہ معلوم کر لینا دشوار نہیں مگر عام لوگ چونکہ اس ذوق سے محروم ہوتے ہیں اس لئے ان کی رسائی ظاہری حواس کی حد تک ہے، باطنی ادراک اور عالم معنیٰ سے مناسبت نہ رکھنے کی وجہ سے وہ روح انسانی کے مطلوب سے بے خبر ہیں۔ وہ لوگ جو عبادت وریاضت اور مجاہدات کی کثرت سے تزکیۂ قلب کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں ان کے دیکھنے اور سننے کی قوت کا عالم کچھ اور ہے، حدیث قدسی میں آتا ہے کہ نوافل سے بندے کو اللہ کا وہ قرب حاصل ہوتا ہے کہ اسکے سننے اور دیکھنے میں سمع الٰہی اور بصر ربانی جلوہ گر ہوتی ہے ارشاد نبوی ہے "اِتَّقُوْا فِرَاسَۃَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ" مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

تن ز جان وجاں ز تن مستور نیست ÷ لیک کس را دید جاں دستور نیست

جسم روح سے اور روح جسم سے پوشیدہ نہیں مگر یہ دستور نہیں کہ کوئی روح کو دیکھ لے۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جو چیز قریب ہوتی ہے اسکا سمجھنا مشکل نہیں ہوتا پھر کیا وجہ ہے کہ روح انسانی کے گریہ وزاری سے ملا ہوا راز معلوم نہیں کیا جاسکتا؟ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اس سوال کے جواب میں مثال دے کر وضاحت فرماتے ہیں کہ قریب ہو کر بھی کسی چیز کو نہ سمجھ سکنا تعجب کی بات نہیں دیکھو جسم کے ساتھ روح کا تعلق اور قرب

روزِ روشن کی طرح واضح ہے اسکے باوجود جسم نظر آتا ہے مگر روح کو نہیں دیکھا جاسکتا، روح کا ادراک کرنے کے لئے تو روحانی آنکھ چاہیئے۔

آتش است ایں بانگ نے ونیست باد ÷ ہرکہ ایں آتش ندارد نیست باد

بانسری کی آواز آتش سوزاں ہے ہوا نہیں، جو شخص اس سے محروم ہو وہ نہ ہو تو اچھا ہے۔ یہاں نَے سے مراد وہ انسان کامل ہے جس کے سینے میں عشق الٰہی کی آگ بھڑک رہی ہو، جس طرح نَے کی آواز میں درد اور سوز و گداز ہوتا ہے اسی طرح عاشق صادق، مرد عارف کی گفتگو میں ذوق محبت کی زبردست تاثیر ہوتی ہے۔ اولیائے کاملین کے پاکیزہ کلمات کو آتش سوزاں سے تعبیر کیا گیا جس طرح آگ خود بھی جل رہی ہوتی ہے اور دوسری چیزوں کو بھی جلا دیتی ہے اسی طرح اہل عشق و محبت کی گفتگو ان کی باطنی کیفیت بیان کرنے کے ساتھ ساتھ دوسرے لوگوں میں بھی ذوق طلب پیدا کر دیتی ہے۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بزرگان دین کی باتیں آتش سوزاں کی تأثیر رکھتی ہیں ان کے اقوال اور انفاس طیبہ دلوں کو گرما دیتے ہیں، ان کی صحبت سے حصول مقصود کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور انسان حقیقی منزل تک پہنچنے کے لئے بیتاب ہوتا ہے، چونکہ عشق و محبت ہی وہ دولت ہے جو انسان کو معرفت خداوندی کی نعمت عظمٰی سے مشرف کرتی ہے اس لئے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس کا دل محبت سے خالی ہو، عشق سے بیگانہ ہو اور طلب سے محروم ہو وہ نہ ہو تو اچھا ہے، وہ زندگی کیا جسکا مقصد نہ ہو ایسے جینے سے تو مرنا بہتر ہے، قرآن مجید میں ایسے لوگوں کے دلوں کو پتھروں سے تعبیر کیا گیا بلکہ ارشاد ہوا کہ یہ پتھروں سے بھی گئے گزرے ہیں کیونکہ بعض ایسے پتھر بھی ہیں جو اللہ تعالٰی کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔ بعض شارحین فرماتے ہیں نیست باد کہہ کر مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ ایسے لوگوں کے حق میں دعا کر رہے ہیں کہ خدا کرے کہ انہیں بھی بے خودی اور مقام فنا حاصل ہو جائے۔

آتش عشق است کاندر نَے فتاد ÷ جوشش عشق است کاندر مَے فتاد

یہ عشق کی آگ ہے جو نَے میں لگی ہوئی ہے اور یہ جوش عشق ہے جو مَے کے اندر کارفرما ہے، نَے سے مراد عاشق صادق ہے اور مَے سے مراد محبوب حقیقی ہے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محبت کی عجیب شان

ہے کہ محبّ اور محبوب دونوں میں پائی جاتی ہے، ارشاد خداوندی ہے "یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ" اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ محبت رکھتا ہے اور بندے اس کے ساتھ محبت رکھتے ہیں، عبد و معبود کے درمیان محبت کا یہ رابطہ کیا ہی نعمتِ عظمیٰ ہے، محبّ صادق محبت کے سوز و گداز اور درد و غم سے آشنا ہوتا ہے اس مناسبت سے اسے نَے کہا گیا اور محبوب حقیقی کا ذوقِ طلب چونکہ اہل طلب کو مست و بیخود اور محو حیرت کر دیتا ہے اس لئے اسے مَے سے تعبیر کیا گیا۔

☆☆☆☆☆

درسِ مثنوی (۳)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نے حریف ہر کہ از یارے برید ÷ پردہایش پردہ ہائے ما درید

ہمچو نے زہرے وتریاقے کہ دید ÷ ہمچو نے دمساز ومشتاقے کہ دید

نے حدیث راہ پر خوں مے کند ÷ قصہ ہائے عشق مجنوں مے کند

دو دہاں داریم گویا ہمچو نے ÷ یک دہاں پنہاں است درلبہائے وے

یک دہاں نالاں شدہ سوئے شما ÷ ہاؤ ہوئے در فگندہ در سما

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ روح انسانی کی کیفیت اور تاثیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

نے حریف ہر کہ از یارے برید ÷ پر دہایش پردہ ہائے مادرید

بانسری ہر اس شخص کی دوست ہے جو اپنے محبوب سے جدا ہو، اس کی دردناک سریلی آواز نے ہمارے حجابات دور کر دیئے۔ چونکہ روح انسانی اپنے اصلی وطن سے جدا ہو چکی ہے اس لئے وہ ہر ایسے شخص کی محبت اور رفاقت پسند کرتی ہے جو اس کی طرح غمِ فراق میں مبتلا ہو۔ ہر چیز کو اپنے ساتھ مناسبت اور ہم آہنگی رکھنے والی چیز سے قدرتی طور پر اُنس و محبت ہوا کرتی ہے، روح انسانی بھی اپنے اس طبعی تقاضے کی تکمیل کرتی ہے اور ہر اس شخص سے محبت کا اظہار کرتی ہے جو درد و غم میں اس کا ہمنوا ہو۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ چونکہ بانسری کے نالۂ پُر درد سے

بے حد متاثر ہیں اس لئے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہم بھی گرفتار فراق ہیں، غم فرقت میں ہمارا سینہ ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا ہے اور حقیقی محبوب کی جدائی نے ہمیں سرگرداں کر رکھا ہے اس لئے روح کی فریاد خاص طور پر ہمیں بے قرار کرتی ہے اور اس کے نغمۂ جانگداز کی پر درد سُروں نے ہمارے وہ تمام حجابات ہٹا دیئے ہیں جو مقصود کی راہ میں حائل تھے، اب ہمارا جذبۂ عشق عروج پر ہے، ہمارا ذوقِ طلب ایک نئی جدو جہد میں مصروف ہے اور ہم نہایت تیزی سے اپنی منزل مقصود کی طرف رواں دواں ہیں۔

ہمچو نے زہرے وتریاقے کہ دید ÷ ہمچو نے دمساز ومشتاقے کہ دید

بانسری کی طرح زہر وتریاق کس نے دیکھا ہے اور بانسری کی طرح دوست اور شوق رکھنے والا کس نے دیکھا ہے۔ چونکہ روح انسانی کا نالۂ پُر درد غفلت کے حجابات دور کر دیتا ہے اور انسان اس سے متاثر ہو کر روحانی کمالات کے حصول میں کوشش کرتا ہے اس لئے نفسانی خواہشات پر ضرب کاری لگتی ہے، نفس امّارہ کے تقاضے مغلوب ہو جاتے ہیں اور بالآخر اس کی قید سے آزادی نصیب ہوتی ہے گویا نفس امّارہ کے لئے بانسری کی آواز بمنزلہ زہر قاتل کے ہے کہ اس کی تمام فتنہ بازیوں کا خاتمہ کر ڈالا، جس طرح روح انسانی کا نغمۂ پُر درد نفس کیلئے زہر قاتل ہے اسی طرح روح کے لئے تریاق یعنی زہر کا علاج ہے، وہ تمام امور جو نفس امّارہ کے لئے خوشگوار اور پسندیدہ ہوتے ہیں روح کو ان سے نفرت ہوتی ہے، نفسانی خواہشات کی تکمیل روحِ انسانی کے لئے زہر قاتل ہے اور روحانی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے چونکہ بانسری کی آواز غفلت کے حجابات دور کر کے روحانی تقاضوں کے حصول پر آمادہ کرتی ہے اس لئے وہ نفس کے زہریلے اثرات ختم کرنے میں تریاق کا کام دیتی ہے مخلص دوست اور خیر خواہ ساتھی کی پہچان یہی ہوتی ہے کہ وہ صحیح رہنمائی کرے، مصیبت میں کام آئے، غمخواری کرے اور محبت پر قائم رہے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر دوستی اور رفاقت کا اعلیٰ معیار سامنے رکھا جائے تو بلاشبہ روح انسانی اس پر پوری اُترتی ہے اس لئے یہ ایک بہترین دوست اور غمخوار ساتھی ہے۔

دوست آں باشد کہ گیرد دستِ دوست ÷ در پریشاں حالی ودرماندگی

نے حدیثِ راہ پر خوں میکند ÷ قصہ ہائے عشق مجنوں میکند

بانسری عشق کے پُرخون راستے کا حال بتاتی ہے اور عشق و محبت کے دیوانوں کے حالات بیان کرتی ہے۔

عشق و محبت کا راستہ بہت دشوار ہے اور محبت کے تقاضوں کی تکمیل کوئی آسان بات نہیں پھر عشق و محبت میں بہت آزمائشوں، تکلیفوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لیئے محبت کا دم مارنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں۔ محبوب حقیقی سے محبت کی راہ میں تو کامیابی اس وقت ہوتی ہے جب انسان اس کی رضامندی کی خاطر سب کچھ قربان کردے، اپنے آپ کو اس کی اطاعت و فرمانبرداری کے سانچے میں ڈھال دے اور سخت سے سخت مراحل میں ثابت قدم رہے۔

رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کی راہ میں سب سے زیادہ تکلیفیں اور آزمائشیں انبیائے کرام برداشت کرتے ہیں اور میں نے تمام نبیوں سے زیادہ تکلیف برداشت کی ہے قرآنِ مجید نے محبت کو کمال ایمان سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا "وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ" اور اہل ایمان اللہ کی محبت میں بہت مضبوط ہوتے ہیں، زبانِ نبوت سے ارشاد ہوتا ہے "اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ اَلْحُبُّ فِي اللّٰهِ" اللہ کے لئے محبت رکھنا سب اعمال پر فضیلت رکھتا ہے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ مقام عشق و محبت کی نزاکت، اہمیت اور عظمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بانسری کا نالۂ پُر درد راہ محبت کی صعوبتوں، دشواریوں اور مشکلات کا نقشہ پیش کرتا ہے اور اربابِ عشق و محبت کے ایسے حالات بیان کرتا ہے جو ان کی صداقت، ہمت، ذوقِ طلب اور استقامت پر شاہد ہیں۔

دو دہاں داریم گویا ہمچونے ÷ یک دہاں پنہاں است در لبہائے وے

گویا بانسری کی طرح ہمارے بھی دو منہ ہیں جن میں سے ایک نَے نواز کے لبوں میں چھپا ہوا ہے، جس طرح بانسری کے ایک منہ پر اسے بجانے والا اپنے لب رکھے ہوئے ہوتا ہے اور دوسرے منہ سے آواز نکلتی ہے۔

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسی طرح ہم بھی جب اسرار بیان کرتے ہیں اور سننے والوں میں کیفیت و رقت پیدا ہوتی ہے تو باطنی طور پر محبوب حقیقی تصرف کرتا ہے اپنے فضل و کرم سے ہمیں اسرار محبت سے نوازتا ہے پھر ہم اپنی زبان سے وہ محبت کی باتیں لوگوں کو سناتے ہیں اگرچہ محبوب حقیقی سے ہمارا باطنی فیض حاصل

کرنا عام لوگوں سے اس طرح پوشیدہ ہوتا ہے جس طرح بانسری کا منہ نَے نواز کے لبوں میں چھپا ہوا ہوتا ہے۔

یک دہاں نالاں شدہ سوئے شما ÷ ہاؤ ہوئے در فگندہ در سما

ایک منہ تمہاری طرف آہ وزاری کر رہا ہے یہاں تک کہ آسمانوں میں بھی شور برپا کر رکھا ہے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اہل عشق ومحبت اولیائے کاملین کی پاکیزہ تعلیمات اور مؤثر گفتگو کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں جس طرح نَے نواز کی آواز بانسری سے ظاہر ہوکر درد انگیز صورت حال پیدا کرتی ہے اسی طرح اولیائے کرام اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے فیضیاب ہوکر اپنی کیفیات اور ذوق سے دوسرے لوگوں کو متاثر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کا رابطۂ محبت اتنا مضبوط ہوتا ہے کہ ان کی گفتگو میں عالم غیب کی تأثیر ہوتی ہے جسے سن کر زنگ آلود دل صاف ہوتے ہیں، پتھر کی طرح سخت قلوب موم بن جاتے ہیں، آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں اور دنیائے غفلت میں ہلچل پڑ جاتی ہے۔ اولیائے کرام کی تعلیمات سے لوگوں کے دلوں میں خدا کی وہ محبت پیدا ہوتی ہے جس سے ان کو مقبولیت حاصل ہوتی ہے اور زمین وآسمان میں ان کی محبت کا چرچا ہوتا ہے، چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو حضرت جبریلؑ سے فرماتا ہے کہ مجھے اس بندے سے محبت ہے تم بھی اس کے ساتھ محبت کرو پھر تمام آسمانی مخلوق میں اعلان کرو کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کے ساتھ محبت فرماتا ہے جب آسمانی مخلوق اس کی محبوبیت سے آگاہ ہو جاتی ہے تو پھر روئے زمین پر اس کی مقبولیت کو عام کر دیا جاتا ہے، حضرت غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ تحدیث نعمت کے طور پر اپنے قصیدہ غوثیہ میں مقام محبوبیت کی وسعت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

طُبُوْلِیْ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ دُقَّتْ ÷ وَشَاوِیْسُ السَّعَادَةِ قَدْ بَدَالِیْ

آسمان وزمین میں میری محبوبیت کے نقارے بجائے گئے اور سعادت عظمیٰ کے نقیبوں نے میرا اعزاز واستقبال کیا۔

☆☆☆☆☆

درسِ مثنوی (۴)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

محرم ایں ہوش جز بیہوش نیست ÷ مرزباں رامشتری چوں گوش نیست

گر نبودے نالۂ نَے راثمر ÷ نے جہاں را پر نہ کردے از شکر

درغم ما روزہا بیگاہ شد ÷ روز ہابا سوز ہا ہمراہ شد

روزہا گررفت گور وباک نیست ÷ توبماں اے آں کہ چوں توپاک نیست

ہر کہ جز ماہی ز آبش سیر شد ÷ ہر کہ بے روزی است روزش دیر شد

در نیابد حال پختہ ہیچ خام ÷ پس سخن کوتاہ باید والسلام

محرم ایں ہوش جز بیہوش نیست ÷ مرزباں رامشتری چوں گوش نیست

اس ہوش کا محرم راز بے ہوش کے سوا کوئی نہیں چنانچہ زبان کے لئے کان جیسا کوئی خریدار نہیں۔ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس میں شک نہیں کہ روح انسانی کی فریادوزاری کے اثرات زمین وآسمان میں پھیلے ہوئے ہیں اور اہل عشق ومحبت کے پرتاثیر کلمات کا دائرہ بہت وسیع ہے مگر اس قصۂ عشق کو سننے اور سمجھنے کے لئے محرم اسرار لوگ درکار ہیں اور معرفت ومحبت کی چاشنی حاصل کرنے کے لئے اہل ذوق وطلب کی ضرورت ہے، رازعشق جو سراپا حکمت ودانائی ہے، حقیقی عقل وہوش یہی ہے اور اس ہوش تک رسائی اسے ہوسکتی ہے جو ماسوی اللہ سے بے ہوش ہو، اس کی نظر میں محبوب حقیقی کے انوار وتجلیات ہوں اور اس کی تمام کوششیں معرفت الٰہی کے لئے وقف ہوں ایسا عاشقِ صادق جو کیف وسرور کی دنیا میں دیوانہ وار اپنی لگن میں محو ہوا گرچہ بظاہر وہ بیہوش نظر آتا ہے مگر حقیقت میں وہی عقل وہوش کی دولت سے مالا مال ہے۔ عقل کامل وہی ہے جس کا مقصود کامل ہو اور ہوش کی بلندی یہی ہے کہ اس کا مطلوب بلند ہو۔

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ مثال کے ذریعے سمجھاتے ہیں کہ زبان جب محوِ گفتگو ہوتی ہے تو اس کی آواز کا احساس ناک ، آنکھ یا ہاتھ پاؤں کو نہیں ہوتا حالانکہ یہ اعضا اسی جسم سے تعلق رکھتے ہیں جس کے ساتھ زبان کا تعلق ہے ، زبان کی گفتگو تو کان ہی سنتے ہیں اور اسکی وجہ یہ ہے کہ کانوں میں بات سننے کی صلاحیت ہے نہ کہ دوسرے اعضاء میں ، اسی طرح قصۂ عشق اور اسرار محبت سے بھی صرف اہل ذوق لطف اندوز ہو سکتے ہیں نہ کہ عام لوگ ۔

گر نبودے نالۂ نَے راثمر ÷ نے جہاں را پر نہ کردے از شکر

اگر بانسری کی آہ وزاری کا کوئی نتیجہ نہ ہوتا تو یہ جہاں معرفت کی شیرینی سے پُر نہ ہوتا ۔ مقبولان خدا کی پاکیزہ گفتگو اصلاحِ اخلاق اور روحانی ترقی میں گہرا اثر رکھتی ہے ۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کے باطنی فیضان کا کیسے انکار کیا جا سکتا ہے تجربے اور مشاہدے سے یہ بات واضح ہے کہ جہان میں ایک روحانی انقلاب برپا ہوا ہے ، لوگوں کے دلوں میں جو ذوق محبت پایا جاتا ہے ، حصول مقصود کی خاطر جو بیقراری نظر آتی ہے ، ذکر وفکر کی مجالس ، ریاضت و مجاہدات کا جو سلسلہ جاری ہے یہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ اللہ والوں کی تعلیم و تربیت ، وعظ و ارشاد اور پند و موعظت میں بے پناہ تاثیر ہے ۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی یہ علامت ہے کہ انہیں دیکھ کر اللہ یاد آتا ہے اور جب وہ گفتگو کرتے ہیں تو عالمِ غیب کی ترجمانی کرتے ہیں ۔

گفتۂ اُو گفتۂ اللہ بود ÷ گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

چونکہ طالب صادق ہمیشہ ترقی اور بلندی چاہتا ہے اس لئے وہ جس مقام سے گزر جائے اسے پست خیال کرتا ہے اور آگے بڑھنے کی جدوجہد میں مصروف رہتا ہے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ سالک کی اسی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

در غم ما روزہا بیگاہ شد ÷ روز ہا با سوز ہا ہمراہ شد

غمِ عشق میں اضطراب ، بے چینی اور بے قراری کا کیا کہنا کہ ہمارے تمام ایام سوز وگداز ہی میں

گزر گئے، اگر مصرعۂ اول میں روزہا سے مراد روحانی کیفیات اور ذوقِ محبت کے تمام اوقات ہوں تو مفہوم یہ ہے کہ غمِ عشق نے ہمیں اس طرح بے قرار کر ڈالا کہ کوئی بھی کیفیت اور کوئی بھی حالت ہمارے لئے سکون کا باعث نہیں کیونکہ جس کیفیت سے ہم مانوس ہوتے ہیں جمالِ ذات کا تصور ہمیں اس کے چھوڑنے پر مجبور کر دیتا ہے اور غمِ عشق کا تازیانہ خبردار کرتا ہے کہ تمہاری منزل تو بہت آگے ہے، حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ اسی مضمون کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

مرا در کوچۂ جاناں چہ امن وعیش چوں ہردم ÷ جرس فریاد مے دارد کہ بر بندید محملہا

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں غمِ فراق کا یہ سلسلہ جاری ہے ہمارا اضطراب دن بدن زیادہ ہوتا جارہا ہے اور زندگی یوں ہی دردوغم میں گزری جارہی ہے۔

روزہا گررفت گو رو باک نیست ÷ تو بماں اے آں کہ چوں تو پاک نیست

اگر یہ حالات جاتے رہے تو چلے جائیں کچھ پروانہیں اے ہمارے محبوب حقیقی آپ جو ہمارے لیئے ہر آن موجود و مشہود ہیں۔ پہلے غمِ عشق میں اوقات وحالات سے لطف اندوز نہ ہونے کا ذکر کیا گیا تھا اب اس شعر میں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارا کعبۂ مقصود تو حقیقی محبوب ہے اگر ہمیں کیفیات اور تجلیات سے انس ومحبت ہے تو وہ بھی اس وجہ سے کہ ان میں اسکا ظہور ہے اگر وہ کیفیات نہ بھی رہیں، وہ حالات میسر نہ ہوں اور وہ اوقات پھر ہاتھ نہ آئیں تو کچھ حرج نہیں، ہمارا ذوقِ طلب تو بلند ہے ہم تو اس حقیقی محبوب کے طلبگار ہیں جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگا، جب وہ مقدس ذات ہر آن موجود و مشہود ہے تو پھر غم کس چیز کا۔

ہر کہ جز ماہی ز آبش سیر شد ÷ ہر کہ بے روزی است روزش دیر شد

مچھلی کے سوا سب اس کے پانی سے سیر ہوگئے اور جو محروم ہیں ان کے تو اوقات ضائع ہوگئے۔ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کاملین اہل عشق ومحبت کو مچھلی سے تعبیر کرتے ہیں، جس طرح مچھلی ہمیشہ پانی میں رہنا پسند کرتی ہے اور تھوڑی سی دیر کے لیئے بھی پانی کی جدائی برداشت نہیں کرسکتی اسی طرح حقیقی محبوب کے عاشق کسی

وقت بھی اس کے مشاہدے سے سیر نہیں ہوتے وہ ذرا بھر جدائی برداشت نہیں کرتے اور غمِ فراق میں اسطرح بیقرار ہوتے ہیں جیسے مچھلی پانی سے دور ہو جائے۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ حقیقی محبوب کے ساتھ اطاعت وفرمانبرداری کا تعلق رکھتے ہیں اور ظاہری احکام بجالانے پر اکتفا کرتے ہیں مگر جذبہ عشق ومحبت سے سرشار نہیں ہوتے، وہ اپنی وسعت کے مطابق دریائے وحدت کے تھوڑے سے پانی پر کفایت کرتے ہیں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ انہیں ''جز ماہی'' یعنی مچھلی کے علاوہ سے تعبیر کرتے ہیں اور وہ لوگ جو فلسفہ ومعقولات میں مستغرق ہو کر ذوقِ توحید سے بالکل خالی ہو گئے انہیں بے روزی یعنی محروم کہا گیا۔

در نیابد حال پختہ ہیچ خام ÷ پس سخن کوتاہ باید والسلام

کوئی ناقص کسی کامل کا حال نہیں جان سکتا اس لئے بات مختصر چاہیے اور سلام ہو حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ کاملین اولیائے کرام کا حال بیان کیا گیا کہ انہیں محبت اور عشق الٰہی میں بلند مقام حاصل ہوتا ہے اگر عام لوگ ان حقائق کو نہ سمجھ سکیں تو یہ تعجب کی بات نہیں، کاملین کی باتیں اہل کمال ہی سمجھ سکتے ہیں۔ عشق ومحبت کے اسرار ورموز قیل وقال اور بیان سے نہیں سمجھائے جا سکتے ان کے ادراک کے لئے حال اور ذوق درکار ہے، جو صاحب حال نہ ہوں ان کے لئے بہتر طریقہ یہ ہے کہ اپنی اصلاح کی کوشش کریں اگر آئینہ دل غفلت سے پاک ہو گیا تو یہ چیزیں خود بخود سمجھ آ جائینگی اور جو اہل ذوق ہیں وہ اسقدر بیان کرنے سے حقیقت حال سمجھ چکے ہونگے اس لئے زیادہ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں اور سب کے لئے سلامتی کی دعا کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

درسِ مثنوی (۵)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

برسماعِ راست ہرکس چیر نیست ÷ طعمۂ ہر مرغکے انجیر نیست

بند بکسل باش آزاد اے پسر ÷ چند باشی بند سیم وبند زر

گر بریزی بحر را در کوزۂ ÷ چند گنجد قسمت یکروزۂ

کوزۂ چشمِ حریصاں پر نشد ÷ تاصدف قانع نہ شد پُر دُر نہ شد

ہرکرا جامہ زعشقے چاک شد ÷ او زحرص وعیب کلّی پاک شد

ان اشعار سے پہلے یہ مضمون بیان کیا گیا تھا کہ کوئی ناقص کسی کامل کے حالات کونہیں سمجھ سکتا اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

برسماعِ راست ہرکس چیر نیست ÷ طعمۂ ہر مرغکے انجیر نیست

ہر شخص حق وصداقت کی باتیں سننے کی طاقت نہیں رکھتا اور ہر حقیر پرندے کی خوراک انجیر نہیں ہوتی ۔ اہل معرفت کی باتیں حقانیت اور راستبازی کا اعلیٰ نمونہ ہوتی ہیں، ان کے پاکیزہ کلمات اصلاح احوال کے لئے مؤثر ہوتے ہیں اور ان کی گفتگو روحانی ترقی کا باعث ہوتی ہے مگر ان کے اقوال کو سننا اور سمجھنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں جس طرح انجیر کھانا ہر پرندے کو میسر نہیں ہوتا بلکہ اس لطیف میوے کو خاص پرندے ہی کھاتے ہیں اسی طرح کلمۂ حق سننا ہر شخص کا کام نہیں خاص طور پر وہ حقائق جو عشق ومحبت سے تعلق رکھتے ہوں ان کا ادراک تو عام لوگوں کے لئے بہت دشوار ہے، اگر ان کے سامنے ایسی معرفت آمیز باتیں کی جائیں تو الٹا نقصان کا اندیشہ ہے کہ عقل وفہم کے قصور کی بنا پر شکوک وشبہات میں مبتلا ہونگے اور قبول کرنے کی بجائے انکار کا طریقہ اختیار کریں گے اس شعر کا دوسرا معنی یہ ہے کہ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ چونکہ ذوق سماع میں امتیازی شان رکھتے ہیں اس لئے صوفیائے کرام کے سماع کی اہمیت بیان فرمارہے ہیں اور اس حقیقت سے آگاہ کررہے ہیں کہ اہل عشق و

محبت کا سماع کیف وحال کی صداقتوں پر مبنی ہوتا ہے وہ صحیح معنوں میں سماع کے اہل ہوتے ہیں اور انکا سماع حقیقی محبوب کے ذوقِ طلب کا باعث ہوتا ہے ان کے سماع کی کیفیت کا ادراک ہر شخص نہیں کرسکتا۔

بند بگسل باش آزاد اے پسر ÷ چند باشی بند سیم وبند زر

اے عزیز قید وبند سے آزاد ہو جا تو کہاں تک سونے چاندی کا مقید رہے گا۔ ایسے تمام امور جن سے شریعت نے روک دیا ہے وہ روحانی ترقی کے راستے میں قید وبند کی حیثیت رکھتے ہیں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایسے تمام موانع جو عشق ومحبت کی راہ میں حائل ہوتے ہیں انہیں دور کردو اور نفس وشیطان کی قید سے آزاد ہو جاؤ، اگر کوئی ناقص کامل بننے کی تمنا رکھتا ہے اور کوئی خام، پختہ ہو جانا چاہتا ہے تو اس کے لئے یہی طریقہ ہے کہ وہ ایسی تمام چیزوں سے توجہ ہٹا لے جو حقیقی محبوب کی رضامندی کے خلاف ہیں ان کے برعکس ان نفسانی تقاضوں میں لگا رہا تو محبت کی راہ میں یہ شدید رکاوٹیں اسے منزل کی طرف قدم نہ اٹھانے دیں گی۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آخر تم کہاں تک دنیا کے حرص اور لالچ میں پڑے رہو گے یہ دنیا بھی فانی ہے اور اس کا مال ومتاع بھی فانی ہے، ایک فانی چیز کے حصول میں زندگی گزار دینا عقل وفہم کا تقاضا نہیں۔ حیات انسانی کے قیمتی لمحات پر اس سے بڑھ کر کیا ستم ہوسکتا ہے کہ انہیں عارضی، فانی اور بے ثبات امور میں صرف کیا جائے۔

گر بریزی بحر را در کوزۂ ÷ چند گنجد قسمت یکروزۂ

اگر تو سمندر کو کوزے میں ڈالنے کی کوشش کرے تو کتنا اس میں سما سکتا ہے ایک ہی دن کے استعمال کا نہ کہ زیادہ۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امور دنیا میں حرص اور لالچ کی مثال ایسے ہے کہ کوئی شخص ایک کوزے میں سمندر کو پلٹنے کی کوشش کرے ظاہر ہے کوزے میں اس کی وسعت کے مطابق پانی سما سکتا ہے نہ کہ زائد انسان جو دنیا کے تمام مال ومتاع کو اپنے لئے جمع کرنے کی کوشش کرتا ہے اور ہر وقت اسی فکر میں رہتا ہے آخر اس کے لئے سوچنے کا مقام ہے کہ اپنی محدود اور ناکافی زندگی میں وہ کیا جدوجہد کر رہا ہے اور وہ اپنی اس کوشش میں کس حد تک فائدہ حاصل کرلے گا اور کہاں تک اپنی کاوش جاری رکھے گا، دنیا کی آرزوئیں اور تمنائیں تو بے شمار ہیں نفس کے حرص ولالچ کی تو کوئی انتہا نہیں مگر انسان کی زندگی محدود ہے اس نے ہمیشہ دنیا میں نہیں رہنا پھر وہ اس قدر اسباب دنیا کو کیوں جمع کرتا ہے جو اس کا ساتھ نہ دیں گے گویا انسان کی زندگی ایک کوزے کی مانند ہے اور

متاعِ دنیا سمندر کی طرح وسیع ہے انسان جتنی بھی کوشش کرتا رہے متاعِ دنیا کے سمندر سے ایک کوزہ ہی پر کر سکتا ہے اب اس کی مرضی قناعت اختیار کرے یا حرص کو اپنائے۔

کوزۂ چشمِ حریصاں پر نہ شد ÷ تا صدف قانع نہ شد پردُر نہ شد

حریص لوگوں کی آنکھ کا کوزہ کبھی پر نہیں ہوتا سیپ جب تک قناعت اختیار نہ کرے موتی سے پُر نہیں ہوتا۔

حریص انسان اس غلط فہمی میں مبتلا ہوتا ہے کہ وہ دنیوی مال و دولت سے بالآخر اپنی حسرت مٹا لے گا اس لئے وہ کوشش کرتا ہے کہ جس قدر ہو سکے مال و متاع جمع کر لیا جائے، مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حرص اور لالچ ایسی بری بلا ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے انسان کبھی کسی چیز سے سیر نہیں ہوتا جس قدر اس کے حرص کے تقاضے پورے ہوتے ہیں اسی قدر اسکے حرص میں اضافہ ہوتا ہے، جو چیز اس کے پاس ہوتی ہے اسے وہ قلیل سمجھتا ہے اور طلبِ مزید میں محو رہتا ہے، حدیث پاک میں آتا ہے رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر انسان کے لیئے دو کھلی وادیاں سونے چاندی سے بھر دی جائیں اور پھر اسے کہا جائے اب تو راضی ہے تو وہ کہے گا ایک اور وادی بھی سونے اور چاندی سے بھری ہوئی مجھے درکار ہے، پھر ارشاد فرمایا انسان کا حرص ختم ہونے والا نہیں قبر کی مٹی ہی اس کے پیٹ کو بھر سکتی ہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں دنیا کے حرص و لالچ کا علاج قناعت ہے جب تک انسان قناعت سے محروم ہے اسے کتنی نعمتیں کیوں نہ مل جائیں وہ بھوکا ہی رہے گا۔ قناعت غنائے قلب سے ہمکنار کرتی ہے اور اصل دولت یہی ہے کہ دل غنی ہو۔ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اے قناعت تو نگرم گرداں ÷ کہ ورائے تو ہیچ نعمت نیست

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک سیپ کی قناعت سے سبق حاصل کرو کہ وہ پانی کے ایک قطرے پر قناعت کرتا ہے خدا کی قدرت سے وہی قطرہ موتی بن جاتا ہے اور سیپ قناعت کی بدولت قیمتی جوہر سے مالا مال ہو جاتا ہے۔

ہر کرا جامہ زعشقے چاک شد ÷ او زحرص و عیب کلّی پاک شد

جو شخص عشق و محبت سے ہمکنار ہوا وہ حرص اور عیب سے بالکل پاک ہو گیا حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ حرص اور دوسرے نقائص سے پاک وصاف ہونے کے لئے عشق ومحبت جیسی تاثیر کسی بھی علاج میں نہیں، اہل محبت حقیقی محبوب کی رضامندی کو تمام امور پر مقدم سمجھتے ہیں اور ان تمام باتوں سے اجتناب کرتے ہیں جو محبت کی راہ میں حائل ہوں، جو مطلوب ان کے سامنے ہوتا ہے اس کی عظمت کے نقوش ان کے دل میں اس طرح جاگزیں ہوتے ہیں کہ وہ اس کے مقابلے میں کسی چیز کو ترجیح نہیں دیتے، وہ ہر وقت روحانی ترقی کے حصول کی کوشش کرتے ہیں اور حقیقی مقصود تک پہنچنے کے لئے بیقرار ہوتے ہیں وہ اپنی منزل کی راہ میں بڑی سے بڑی رکاوٹوں کو بھی خاطر میں نہیں لاتے چنانچہ حرص ولالچ اور دیگر تمام نقائص سے انکا باطن پاک وصاف ہو جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆

درسِ مثنوی (۶)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شاد باد اے عشق خوش سودائے ما ÷ اے طبیب جملہ علتہائے ما

اے دوائے نخوت وناموس ما ÷ اے تو افلاطون وجالینوس ما

جسم خاک از عشق برافلاک شد ÷ کوہ در رقص آمد وچالاک شد

عشق جان طور آمد عاشقا ÷ طور مست وخرّ موسیٰ صعقا

بالب دمساز خود گر جفتمے ÷ ہمچو نے من گفتنیھا گفتمے

ہر کہ او از ہمزبانے شد جدا ÷ بے نوا شد گرچہ دارد صدنوا

ان اشعار سے پہلے یہ مضمون بیان کیا گیا تھا کہ عشق ومحبت وہ علاج شافی ہے جس کی بدولت انسان روحانی امراض سے نجات پاتا ہے، اپنے حقیقی مقصد سے ہمکنار ہوتا ہے اور انسانیت کے اوصاف کاملہ سے موصوف ہوتا ہے، مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ محبت کے موثر طریق اصلاح اور مفید تربیت کے پیش نظر جذبۂ عشق کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

شاد باد اے عشق خوش سودائے ما ÷ اے طبیب جملہ علتہائے ما

اے حقیقی عشق جو ہمارا اچھا جنون ہے اور اے ہماری تمام بیماریوں کے طبیب تم خوش رہو۔ انسان کو جو بیماریاں لاحق ہوتی ہیں دو قسم پر ہیں ایک وہ جن کا تعلق جسم سے ہوتا ہے وہ جسم کو نقصان پہنچاتی ہیں اور انکا علاج جسمانی ہوتا ہے ایسی بیماریوں کے اثرات جسم تک محدود ہوتے ہیں اور ظاہری علاج کے ذریعے ان کو دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ دوسری وہ بیماریاں ہیں جو روح کو نقصان پہنچاتی ہیں، روحانی قوت کو کمزور کرتی ہیں اور روح کی ترقی میں حائل ہوتی ہیں، مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ ان ہی روحانی بیماریوں کو ختم کرنے کے سلسلے میں عشق و محبت کی تاثیر اور کارکردگی کی بنا پر فرماتے ہیں کہ روح کو لاحق ہونیوالی بیماریاں تو صرف جذبۂ محبت سے دور ہوسکتی ہیں، محبت ہی رضائے محبوب کا درس دیتی ہے اور محبت ہی اطاعت و فرمانبرداری کا خوگر بناتی ہے، محبت کی راہ میں کوئی بھی رکاوٹ ہو تو اہل محبت اسے خاطر میں نہیں لاتے وہ اپنے حقیقی محبوب کے ذوق سے سرشار ہوتے ہیں اور اپنی منزل مقصود کی طرف گامزن ہوتے ہیں۔

اے دوائے نخوت و ناموس ما ÷ اے تو افلاطون و جالینوس ما

اے عشق تو ہمارے تکبر اور عزت طلبی کی دوا ہے اور تو ہمارے لیئے افلاطون اور جالینوس کی طرح معالج ہے۔ تمام باطنی نقائص اور عیوب میں غرور و تکبر اور جاہ طلبی روح کے لئے سب سے زیادہ نقصان دہ ہے یہی غرور و تکبر ہی تھا جس نے شیطان کو مردود ٹھہرایا اور ہمیشہ کے لئے ذلت و رسوائی اس کا مقدر بن گئی۔

تکبر عزازیل را خوار کرد ÷ بزندان لعنت گرفتار کرد

غرور و تکبر ایسی بری چیز ہے کہ اس کی وجہ سے دوسروں کے عیب اور اپنی خوبیاں سامنے رہتی ہیں انسان انانیت کے گرداب میں پھنس جاتا ہے اور اپنی اصلاح سے محروم رہتا ہے حدیث پاک میں آتا ہے کہ رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص کے دل میں ذرہ بھر تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا، آپ سے سوال کیا گیا تکبر کسے کہتے ہیں؟ تو ارشاد فرمایا کہ حق کو ٹھکرا دینا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا تکبر ہے چونکہ عشق و محبت کی بنیاد ہی

عاجزی، تواضع اور انکسار پر ہے اور عاشق صادق وہی ہوتا ہے جس کو حقیقی محبوب سے عجز و نیاز، سوز و گداز اور تسلیم ورضا کا سچا تعلق ہو اس بنا پر مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اے جذبۂ محبت تو سلامت رہے ہم تیری ہی بدولت عجز و تواضع سے مالا مال ہوئے اور تو نے ہمیں غرور و تکبر جیسے خطرناک مرض سے محفوظ رکھا۔

جسم خاک از عشق برافلاک شد ÷ کوہ در رقص آمد و چالاک شد

عشق و محبت کی وجہ سے جسم خاک عالم بالا میں جا پہنچا اور کوہ طور رقص میں آ کر ہوشیار ہو گیا۔ اس شعر میں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ حضور سرور کائنات فخر موجودات ﷺ کے واقعۂ معراج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ محبت کی عظمتوں کا یہ عالم ہے کہ آپکا جسم اطہر افلاک کی بلندیوں سے آگے گزر گیا چونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے محبوب تھے تو شانِ محبوبیت کی بنا پر آپکو قرب کا منفرد اعلیٰ مقام نصیب ہوا، کوہِ طور کا ریزہ ریزہ ہونا یہ بھی محبت کی وجہ سے تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جذبۂ محبت ہی سے دیدار کی تمنا فرمائی جس کے نتیجے میں کوہ طور کو تجلی کی سعادت میسر ہوئی۔ واقعہ معراج ہو یا قصۂ طور ہر جگہ جذبۂ محبت ہی کارفرما نظر آتا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ رسول پاک ﷺ احد پہاڑ کے متعلق فرماتے تھے کہ یہ پہاڑ ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہمیں اس کے ساتھ محبت ہے۔

عشق جان طور آمد عاشقا ÷ طور مست و خرّ موسیٰ صعقا

اے عاشق صادق عشق کوہِ طور کی جان بن گیا چنانچہ طور مست ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو کر گر پڑے۔ اس شعر میں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعۂ طور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ محبت ہی کے اثرات سے کوہِ طور مالا مال ہو گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عشق و محبت کی وجہ سے دیدارِ الٰہی کی تمنا کا اظہار کیا اور ان کی محبت کی وجہ سے کوہ طور پر تجلی ہوئی مگر اسے نہ طور برداشت کر سکا اور نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام۔ کہاں ایک پہاڑ اور کہاں تجلی یہ سب کچھ عشق و محبت کی وجہ سے ہوا، جب پتھروں پر محبت کے اثرات مرتب ہو سکتے ہیں تو پھر اس سے بڑھ کر جذبۂ محبت کی تاثیر اور کیا ہو سکتی ہے۔

بالب دمساز خود گر جفتمے ÷ ہمچو نے من گفتنیہا گفتمے

اگر میں اپنے محرم راز دوست سے ملا ہوا ہوتا تو بانسری کی طرح کچھ کہنے کی باتیں کہتا۔ جس طرح بانسری نَے نواز کے لبوں سے مل کر ہی نالۂ پر درد کا آغاز کرتی ہے وگرنہ خاموش رہتی ہے اس طرح اہل عشق ومحبت بھی اپنے محرم راز دوستوں سے مل کر ہی معرفت کی باتیں کر سکتے ہیں۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ عشق ومحبت کے اثرات اور افادیت بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ہمارے سینۂ پُرسوز میں محبت کا سمندر موجزن ہے، غمِ عشق کی آگ بھڑک رہی ہے، راز و نیاز اور معرفت کے بے شمار احوال جلوہ فگن ہیں مگر کوئی ایسا رفیقِ باصفا نہیں مل رہا جو ہمارے فیضان کا متحمل ہو، ہماری کیفیات سے فیضیاب ہو اور ہماری باتیں سمجھ سکے۔

ہر کہ او از ہمزبانے شد جدا ÷ بے نوا شد گرچہ دارد صد نوا

جو شخص اپنے محرم راز سے جدا ہو جائے وہ سینکڑوں سامانوں کے باوجود بے سروسامان ہوتا ہے۔ حقائق اور معارف کے اظہار کے لئے سامعین کی اہلیت اور صلاحیت نہایت ضروری ہوتی ہے کوئی بھی صاحبِ علم وفن نااہل کے سامنے اپنے کمال کا اظہار نہیں کرتا بلکہ یوں خاموش رہتا ہے گویا اسے کچھ بھی معلوم نہیں۔ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس اسرار معرفت کا وسیع خزانہ ہے، عشق ومحبت کی بے پناہ دولت ہے، راز و نیاز کے بے شمار حالات وکیفیات ہیں مگر اس کے باوجود ہم خاموش رہ کر بے سروسامانی کا اظہار کرتے ہیں کیونکہ ہمیں کوئی واقفِ حال باصلاحیت دوست نظر نہیں آتا جس کے سامنے لب کشائی کریں۔

☆☆☆☆☆

درسِ مثنوی (۷)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

چونکہ گل رفت وگلستاں درگزشت ÷ نشنوی زیں پس زبلبل سرگزشت

چونکہ گل رفت وگلستاں شد خراب ÷ بوئے گل راازکہ جوئیم از گلاب

چوں نباشد عشق را پروائے او ÷ او چو مرغے ماند بے پروائے او

پر و بال ما کمند عشق اوست ÷ موکشانش میکشد تا کوئے دوست

من چہ گویم ہوش دارم پیش وپس ÷ چوں نباشد نور یارم پیش وپس

نور او دریمن یسرو تحت وفوق ÷ بر سرو بر گردنم مانند طوق

اہل معرفت اسرار و رموز کے بیان کی خاطر صلاحیت رکھنے والوں کی تلاش میں ہوتے ہیں اگر ایسے لوگ میسر نہ ہوں تو وہ خاموش رہتے ہیں اور ہر کس و ناکس کے سامنے اپنا حال دل بیان نہیں کرتے، مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اسی مضمون کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

چونکہ گل رفت وگلستاں درگزشت ÷ نشنوی زیں پس ز بلبل سرگزشت

جب پھولوں کا موسم چلا گیا اور باغ ویران ہوگیا تو اس کے بعد تم بلبل کی داستان نہ سنو گے۔ بلبل کو پھول کے حسن سے عشق ہوتا ہے موسم بہار میں جب پھول کھلتے ہیں باغ کی رونق عروج پر ہوتی ہے تو بلبل اظہار شوق سے نغمے الاپتا ہے چونکہ حسن محبوب اسکے روبرو ہوتا ہے اس لئے اسکا ذوقِ محبت تروتازہ ہوتا ہے اور وہ مسرت وخوشی سے چہچہانے میں مصروف رہتا ہے جب موسم خزاں آتا ہے پھول ختم ہوجاتے ہیں باغ کی رونق کے سازوسامان مفقود ہوجاتے ہیں تو بلبل مایوس ہوکر اپنے آشیانے میں دم بخود ہوکر بیٹھ جاتا ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں کہ اہل معرفت کی حالت بلبل کی طرح ہے کہ جب انہیں عشق ومحبت اور ذوقِ صحبت رکھنے والے لوگ میسر نہ ہوں تو وہ خاموش رہ کر وقت کی انتظار میں ہوتے ہیں۔

چونکہ گل رفت وگلستاں شد خراب ÷ بوئے گل را از کہ جوئیم از گلاب

جب پھولوں کا موسم جاتا رہا اور باغ اجڑ گیا تو میں پھول کی خوشبو کس سے طلب کروں؟ کیا گلاب سے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ محرمِ اسرار دوستوں کے نہ ملنے پر اپنی پُر درد کیفیت کے پیش نظر فرماتے ہیں کہ اب لوگوں میں وہ استعداد اور صلاحیت نہیں رہی جس سے وہ ہمارے سوزِ فراق اور غم عشق کا ادراک کرسکیں اگرچہ لوگوں میں یہ ذوق ہے بھی تو معمولی کہ ہماری تسکین کا باعث نہیں ہوسکتا، جیسے پھولوں کے حسن وجمال اور اس کی خوشبو کے مقابلے میں عرق گلاب بلبل کیلئے سکون واطمینان کا موجب نہیں ہوتا اسی طرح ہمارے لئے بھی معمولی ذوق

رکھنے والے لوگ اہلیت کے معیار پر پورا نہ اترنے کے باعث بیان اسرار کے محرک نہیں بن سکتے ہمیں تو ایسے مخلص رفیق درکار ہیں جو ہماری طرح غمِ عشق میں مبتلا ہوں، دردِ محبت سے مالا مال ہوں اور سراپا ذوقِ طلب میں سرشار ہوں۔

چوں نباشد عشق را پروائے او ÷ او چو مرغے ماند بے پروائے او

جب محبوب عاشق کی پروانہ کرے تو وہ ایک بے پروبال پرندے کی طرح ہوتا ہے جس کی حالت قابل افسوس ہوتی ہے۔ چونکہ جذبہ محبت محبوب تک پہنچنے کا ذریعہ ہوتا ہے اور اسی کی بنا پر اہل محبت حقیقی محبوب کے لطف وکرم سے فیضیاب ہوتے ہیں اگر اُس محبوب کا کرم شامل حال نہ ہو تو عاشق بے چارہ اس پرندہ کی طرح ہوتا ہے جس کے بال اور پر کاٹ دیئے جائیں۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جذبۂ محبت اور ذوقِ طلب بھی حقیقی محبوب کی عنایت ہے اگر وہ توجہ نہ فرمائے تو یہ نعمت حاصل نہیں ہوسکتی، اس لئے محبت کی راہ میں گامزن ہو کر اس یقینِ محکم پر کاربند ہونا چاہیے کہ حقیقی محبوب کا فضل وکرم ہی توفیق کی صورت میں دستگیری کرتے ہوئے منزلِ مقصود کی طرف رہنمائی کر رہا ہے، جس طرح پروبال سے محروم پرندہ پرواز سے عاجز ہوتا ہے اسی طرح انسان فضل خداوندی کے بغیر اپنے مقصود تک پہنچنے سے قاصر ہوتا ہے خدا نہ کرے ایسی حالت بہت ہی قابل افسوس ہوتی ہے اور بندے کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی اور آزمائش نہیں ہوسکتی حدیث پاک میں آتا ہے کہ رسول پاک ﷺ ہمیشہ ہر کام میں اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم طلب فرماتے تھے اور لوگوں کو تاکید فرماتے تھے کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم طلب کرتے رہا کرو کیونکہ سب کامیابیوں کا دارومدار فضلِ خداوندی پر ہے، اگرچہ آپ نے اعمالِ صالحہ بجالانے پر اپنے ارشادات اور عمل کے ذریعے سخت تاکید فرمائی تاہم یہ ارشاد فرمایا کہ مغفرت کا دارومدار رحمتِ الٰہی پر ہے گویا تعلیمات نبوی نے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ بندگی کے تقاضے پورے کرنے کے ساتھ ساتھ فضل خداوندی پر اعتماد اور بھروسہ ضروری ہے، حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

برعمل غرّہ مشو خواجہ کہ در روزِ ازل ÷ تو چہ دانی قلم صنع بنامت چہ نوشت

مضمون سابق کی مزید وضاحت کرتے ہوئے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

پر وبال ما کمند عشق اوست ÷ موکشانش میکشد تا کوئے دوست

حقیقی محبوب کے عشق کا کمند ہمارے لئے پر وبال کا کام دیتا ہے اور عاشق کو محبوب کے کوچے تک کھینچ کر لے جاتا ہے۔ یہ صرف ذوقِ محبت ہے جو محبّ کو محبوب کے وصال سے مشرف کرتا ہے اور یہ کمندِ عشق کا کرشمہ ہے کہ وہ اہل عشق کو اپنی منزلِ مقصود تک پہنچا دیتا ہے، منزل کتنی دور کیوں نہ ہو، راستہ کتنا دشوار کیوں نہ ہو اور رکاوٹیں بے شمار کیوں نہ ہوں محبت ایک ایسا جذبہ ہے جو عاشق کو کسی بھی دشواری اور رکاوٹ کا احساس نہیں ہونے دیتا، جس طرح پرندے کے پروبال سلامت ہوں تو اسے پرواز میں کوئی دقت نہیں ہوتی اور دور دراز فاصلے سے وہ تنگ دل نہیں ہوتا اسی طرح عاشق صادق محبت کے پروبال سے آراستہ ہو کر لگاتار جدوجہد اور پیوستہ ذوقِ طلب سے تازہ دم رہتے ہوئے بالآخر منزلِ مقصود کو پالیتا ہے۔

من چہ گویم ہوش دارم پیش وپس ÷ چوں نباشد نور یارم پیش وپس

نور او دریمن و یسر وتحت وفوق ÷ بر سرو بر گردنم مانندطوق

اگر حقیقی محبوب کا نور میرا احاطہ کیے ہوئے نہ ہو تو مجھے کچھ بھی خبر نہ رہے، دائیں بائیں، نیچے اوپر، سر اور گردن پر سب اسکا نورِ رحمت ہی ہے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ محبت خداوندی کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ ہر طرف مجھے احاطہ کیے ہوئے ہے، کوئی زمان ومکان، کوئی کیفیت اور حالت ایسی نہیں جس میں حقیقی محبوب کے انوار وتجلیات ضوفشانی نہ کر رہے ہوں۔ ارشاد ربانی ہے ''هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ'' وہی اول وآخر اور وہی ظاہر وباطن ہے''وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ'' جہاں کہیں بھی تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے ''اَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ'' تم جدھر بھی منہ کرو ہر طرف جلوۂ ذات ہے۔ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حقیقی محبوب کی عنایات کا کیا کہنا وہ اپنے ساتھ محبت رکھنے والوں کو ہر آن اپنی خاص رحمتوں سے نوازتا ہے، تمام امور میں ان کی مدد فرماتا ہے اور انہیں اپنی بارگاہ تک پہنچنے کی توفیق عطا فرماتا ہے۔

☆☆☆☆☆

درسِ مثنوی (۸)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آئینہ ات دانی چرا غماز نیست ÷ زانکہ زنگار از رخش ممتاز نیست

آئینہ کز زنگ وآلائش جداست ÷ پُر شعاعِ نور خورشید خداست

روتو زنگارا ز رخِ او پاک کن ÷ بعد ازاں آں نور راادراک کن

ایں حقیقت راشنو از گوشِ دل ÷ تابروں آئی بکلی زآب وگل

فہم گردارید جاں رارہ دہید ÷ بعد ازاں ازشوق دررہ پانہید

گذشتہ پروگرام میں یہ مضمون بیان کیا گیا تھا کہ عشق ومحبت کی باتیں سننے اور سمجھنے کے لئے صلاحیت اور استعداد ضروری ہے اسی بنا پر اہل کمال اپنے احوال اور کیفیات کے اظہار کے لئے اہل ذوق کی تلاش میں ہوتے ہیں ۔اب حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ ذوقِ محبت کے فقدان اور جذبۂ عشق سے محرومی کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ۔

آئینہ ات دانی چرا غمّاز نیست ÷ زانکہ زنگار از رخش ممتاز نیست

کیا تمہیں یہ معلوم ہے کہ تمہارا آئینہ دل صحیح عکس کیوں نہیں دکھاتا اس کی وجہ یہ ہے کہ اسکے چہرے سے زنگ علیحدہ نہیں ہے۔آئینے کی یہ خاصیت ہے کہ جو چیز اس کے سامنے کی جائے وہ اس کا صحیح عکس پیش کرتا ہے، چونکہ آئینہ صاف وشفاف ہونے کی صورت میں ہی یہ کرشمہ دکھاتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ آئینہ کی صفائی اور چمک کا خیال رکھا جائے اگر آئینہ تو ہومگر زنگ آلود ہو یا کوئی اور آلائش اس پر اثر انداز ہو تو کتنی ہی صاف ستھری چیز اسکے سامنے کی جائے وہ ہرگز اس کا عکس نہیں دکھائے گا کیونکہ وہ اپنے اصلی جوہر یعنی صفائی سے محروم ہو چکا ہے۔ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اس مثال کے ذریعے سمجھاتے ہیں کہ وہ لوگ جن کے دلوں میں اللہ کی محبت کے انوار کا عکس نہیں پڑتا اور عشق ومحبت کی باتیں ان کے دلوں پر اثر انداز نہیں ہوتیں ان کا آئینہ دل زنگ آلود ہو چکا ہے،غفلت کے غبار سے ان کے دل آلودہ ہو چکے ہیں اور ان کے دلوں میں اسرار ورموز سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو چکی ہے جس طرح آئینہ زنگ دور کیئے بغیر صورت نہیں دکھاتا اسی طرح ایسے لوگوں کا دل جب تک غفلت اور

جسمانی آلائشوں سے پاک وصاف نہیں ہوتا اس میں محبت الٰہی کے انوار نہیں چمک سکتے اگر اس نعمتِ عظمٰی کو حاصل کرنے کی خواہش ہے تو پھر دل کے آئینہ کو تمام آلائشوں سے پاک وصاف کیا جائے تا کہ وہ انوارِ خداوندی سے منور رہو۔

آئینہ کز زنگ وآلائش جداست ÷ پُرشعاعِ نور خورشید خداست

وہ آئینہ جو زنگ اور آلائش سے پاک ہے وہ انوارِ خداوندی کی شعاعوں سے مالا مال ہے،انسان کا دل اگر غفلت اور معصیت کے غبار سے پاک وصاف ہو جائے تو اس میں انوارِ معرفت چمکنے لگتے ہیں اور وہ محبت الٰہی کا خزینہ بن جاتا ہے۔حدیثِ پاک میں آتا ہے رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انسان کا دل اسکے تمام اعضاء کی اصلاح اور درستی کا باعث ہے ،اگر دل کو کوئی روحانی مرض لاحق نہ ہو تو انسان ہمہ تن اطاعت و فرمانبرداری میں مصروف رہتا ہے اور اگر دل کی حالت صحیح نہ رہے تو پھر انسان راہِ راست سے ہٹ جاتا ہے۔ یہ بھی ارشادِ نبوی ہے کہ گناہ کرنے سے دل پر سیاہ نقطہ ڈال دیا جاتا ہے اگر توبہ واستغفار کی جائے تو وہ سیاہی دور ہو جاتی ہے وگرنہ بار بار گناہ کرنے سے پورا دل سیاہ ہو جاتا ہے اور اسے حق وباطل اور خیر وشر کی تمیز نہیں رہتی ۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ زنگ اور آلائش سے پاک دل کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس کی سعادتمندی اور نیک بختی کا کیا کہنا وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے انوار وتجلیات کا مرکز ہے۔حدیث قدسی میں آتا ہے ''لَا یَسَعُنِیْ اَرْضِیْ وَلَا سَمَائِیْ وَلٰکِنْ یَّسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِ ی الْمُؤْمِنِ '' زمین وآسمان میرے جمالِ ذات کی وسعتوں کو نہیں پا سکتے البتہ بندۂ مؤمن کا دل اس سعادت وعظمت سے مشرف ہو سکتا ہے ۔

پرتو حسنت نہ گنجد در زمین وآسماں ÷ درحریم سینہ حیرانم کہ چوں جا کردہ ای

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اپنے مؤثر حکیمانہ انداز میں تزکیہ،باطن پر آمادہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

روتو زنگارا ز رخِ او پاک کن ÷ بعد ازاں آں نور راادراک کن

جاؤ پہلے دل کو زنگ سے صاف کرو پھر اس نور معرفت کا ادراک کرو۔انسان کو اللہ تعالیٰ نے آئینہ دل اس لئے عطا فرمایا کہ وہ انوارِ معرفت کی جلوہ گاہ بنے یہی حصول معرفت اس کا مقصدِ تخلیق ہے اور اس کے پیش نظر اسے دوسری مخلوق پر فضیلت ہے اگر وہ اس سلسلے میں غفلت اور بے پروائی سے کام لیتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس نے اپنی زندگی کے قیمتی لمحات کو ضائع کر ڈالا۔حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کام کو سب کاموں پر

ترجیح دو اور ہر وقت اس کی اہمیت کو مدِ نظر رکھو اس میں تاخیر کی بالکل گنجائش نہیں، جتنا جلدی ہو سکے دل کے آئینہ کو پاک و صاف کرو اور انوارِ معرفت کے ادراک کے لئے قابلیت پیدا کرو۔

ایں حقیقت راشنو از گوشِ دل ÷ تابروں آئی بکلی زآب وگل

اس حقیقت کو دل کے کان لگا کر سنو تاکہ تم جسمانی قیود سے بالکل آزاد ہو جاؤ۔ کسی بات کو سن کر دل میں جگہ دینا اس پر عمل کرنے کا موجب بنتا ہے، صرف سن لینا اور پس پشت ڈال دینا نہ سننے کے برابر ہوتا ہے، کفار و مشرکین کے متعلق قرآنِ مجید ارشاد فرماتا ہے،، کہ وہ گونگے، بہرے اور اندھے ہیں،، ظاہر ہے کہ ان کی زبان بھی تھی، وہ آنکھ اور کان بھی رکھتے تھے، مگر چونکہ وہ دیکھنے بولنے اور سننے کے باوجود دل سے غافل اور بے توجہ تھے اس لئے انہیں جانوروں سے بھی گیا گزرا کہا گیا۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ روحانی ترقی حاصل کر لو، آئینہ دل صاف ہو جائے اور معرفت کی چاشنی میسر آ جائے تو پھر ان حقائق کو جو ہم تمہارے سامنے بیان کر رہے ہیں توجہ سے سنو اس میں شک نہیں کہ حقائق کو حقائق سمجھ کر دل میں جگہ دینا میدانِ عمل کی جدوجہد میں گہرا اثر رکھتا ہے، کلمۂ حق میں قدرتی تاثیر ہوتی ہے جسے توجہ سے سننے والا محروم نہیں رہتا اسی بنا پر قرآنِ مجید اور حدیثِ پاک میں کلمۂ حق کہنے اور سننے کی بہت فضیلت بیان کی گئی۔

فہم گردارید جاں رارہ دہید ÷ بعد ازاں ازشوق دررہ پانہید

اگر تم کچھ سمجھ بوجھ رکھتے ہو تو پھر روح کو ترقی کا راستہ دو، پھر شوق سے اس راستے پر چل پڑو۔ عقل و فہم انسان کے لئے بہت بڑی نعمت ہے نیک و بد کی تمیز اور خیر و شر کا فرق اس کے ذریعے نمایاں ہو جاتا ہے، عقلِ سلیم کے لئے اس حقیقت کا ادراک کچھ مشکل نہیں کہ جسم فانی ہے اور روح باقی، دنیا عارضی ہے اور آخرت دائمی، نفس و شیطان کی پیروی فریب ہے اور اتباع شریعت حقیقی کامیابی۔ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر تم عقلِ سلیم کے زیور سے آراستہ ہو تو پھر روحانی ترقی کی راہ میں حجاب نہ بنو، اس سعادت کو حاصل کرنے میں ہمت سے کام لو اور منزلِ مقصود پر پہنچ کر دم لو، پھر خاص طور پر اس بات کا خیال رکھو کہ یہ سارا سفر جذبۂ محبت اور ذوقِ طلب کی بنیاد پر ہو کیونکہ جذبہ محبت اور شوق وہ جوہر ہے جو انسان کے لئے روحانی پر و بال کا کام دیتا ہے، حقیقی محبوب کے مشاہدے کی منزلِ مقصود سے ہمکنار کرتا ہے اور دین و دنیا کی سعادتوں سے مالا مال کر دیتا ہے۔

☆☆☆☆☆

درسِ مثنوی (۹)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شہ چو عجز آن طبیبان رابدید ÷ پابرہنہ جانب مسجد دوید

رفت در مسجد سوئے محراب شد ÷ سجدہ گاہ از اشکِ شہ پر آب شد

چوں بہ خویش آمد زغرقاب فنا ÷ خوش زباں بکشاد در مدح وثنا

اے ہمیشہ حاجتِ مارا پناہ ÷ بار دیگر ما غلط کردیم راہ

چوں برآورداز میانِ جاں خروش ÷ اندر آمد بحرِ بخشایش بجوش

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ ایک بادشاہ کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس نے ایک باندی خرید کی جس کے حال پر اسے بڑی شفقت تھی اسے مرض لاحق ہوا تو اسکے علاج کے لئے ماہر طبیب اور حکیم لائے گئے جنہوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ بادشاہ اس کی بیماری کی وجہ سے بے حد پریشان تھا، جب ظاہری اسباب ناکام ہوتے نظر آئے تو وہ نہایت عاجزی اور اخلاص سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوا اور دعاؤ مناجات میں مشغول ہوگیا۔

انسان اپنی صوابدید کے لحاظ سے بعض چیزوں کو پسند کرتا ہے اور ان کے حصول کی کوشش کرتا ہے اسے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہی چیزیں اس کیلئے آزمائش بن جائیں گی، قرآن مجید نے اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا "عَسٰی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّھُوَ شَرٌّ لَّکُمْ "ہوسکتا ہے کہ تم ایک چیز کو پسند کرو مگر وہ تمہارے لیے اچھی نہ ہو۔ پھر جب آزمائش آجاتی ہے تو اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے ظاہری اسباب کی طرف رجوع کرتا ہے اگرچہ اسباب کو عمل میں لانے کی شرعاً تاکید کی گئی ہے مگر مسبب الاسباب کو مؤثر حقیقی سمجھنا، اسی کی طرف ہر حال میں متوجہ رہنا، اسی پر بھروسہ کرنا ایمان کا تقاضا ہے اور قرآن وسنت کی روشنی میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اس حکایت سے کئی حکمت آمیز نتائج نکالتے ہیں اور اپنے مؤثر انداز میں انہیں اصلاحِ

اخلاق اور تزکیۂ باطن میں سنگِ میل کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔

شہ چو عجز آن طبیبان رابدید ÷ پابرہنہ جانب مسجد دوید

بادشاہ نے جب حکیموں کی بے بسی کو دیکھا تو ننگے پاؤں مسجد کی طرف دوڑا۔ مصیبت اور تکلیف کے وقت اللہ تعالیٰ کو عاجزی سے یاد کرنا اہل ایمان کے لئے حقیقی کامیابی کے حصول کا ضامن ہے۔ قرآن مجید میں ایسے لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو تکلیف اور مصیبت کے وقت بھی غافل رہتے ہوں ارشاد فرمایا" فَلَوْلَا اِذْ جَآءَهُمْ بَأْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ " جب ان کے پاس ہمارا عذاب آ گیا تو انہوں نے عاجزی کیوں نہ اختیار کی بلکہ ان کے دل اور سخت ہو گئے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ رسول پاک ﷺ کسی معاملے میں پریشان ہوتے تو عبادت میں مشغول ہو جاتے۔

رفت در مسجد سوئے محراب شد ÷ سجدہ گاہ از اشکِ شہ پُر آب شد

بادشاہ مسجد کے محراب میں اتنا رویا کہ اس کے سجدہ کرنے کی جگہ آنسو سے تر ہو گئی۔ بندہ جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عاجزی اور نیاز سے حاضر ہوتا ہے تو اسے گریہ وزاری اور سوز و گداز سے مناجات کا شرف حاصل ہوتا ہے یہ کیفیت اس کے لئے عبدیت کی معراجِ کمال ہوتی ہے، حصولِ مدّعا کی بہ نسبت یہ ذوقِ حضور بندے کیلئے زیادہ اہمیت رکھتا ہے اور وہ بیخودی کے عالم میں محوِ حیرت ہو کر سراپا عجز و نیاز بن جاتا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب بندہ عجز و نیاز سے اپنے حقیقی محبوب کی بارگاہ میں رونے لگتا ہے تو اس کے آنسو گرنے سے پہلے اس کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں نیز علیحدگی میں رو کر یادِ خدا کرنے والا قیامت کے دن خاص سایۂ رحمت میں ہوگا۔

چوں بخویش آمد زغرقاب فنا ÷ خوش زباں بکشاد در مدح وثنا

جب وہ محویت کی گہرائی سے ہوش میں آیا تو اللہ تعالیٰ کی خوب مدح وثنا کرنے لگا۔ گریہ وزاری سے دل کا زنگ دور ہوتا ہے اور معرفت کے انوار جلوہ فگن ہوتے ہیں، بندہ اپنے خالق و مالک کی صفاتِ کمال کا مشاہدہ کرتا ہے تو بے ساختہ اس کی حمد وثنا میں مشغول ہو جاتا ہے۔ بادشاہ کو بھی جب سجدہ کی حالت میں قربِ الٰہی کا

ذوق نصیب ہوا تو اس نے دل کھول کر اللہ تعالیٰ کی تعریف کی ،اس کے بے پایاں احسانات اور انعامات کا شکر ادا کیا اور عبدیت کے اظہار میں پوری جدوجہد کی۔

اے ہمیشہ حاجتِ مارا پناہ ÷ بار دیگر ما غلط کردیم راہ

اے وہ مقدس ذات جو ہمیشہ ہماری حاجت کیلئے پناہ ہے ہم دوبارہ غلطی کر بیٹھے۔ چونکہ بادشاہ نے مریضہ کے علاج کی خاطر طبیبوں کا رخ کیا تھا اور ان پر بھروسہ کرتے ہوئے یادِ خدا سے غفلت کی صورتحال پیدا ہوگئی تھی اس لئے معذرت کرتے ہوئے عرض کیا الہٰ العالمین ایک غلطی تو وہ ہوئی اور دوسری یہ کہ علام الغیوب کے سامنے حال بیان کرڈالا جب کہ تیری ذات سے تو کائنات کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ دلوں کے حالات جانتا ہے مگر اسکا ارشاد ہے کہ اپنی حاجتیں میری بارگاہ میں پیش کرو اس بنا پر دعا کرنے کا حکم دیا گیا بلکہ دعا کو عبادت کا مغز قرار دیا گیا۔

چوں برآورد از میانِ جاں خروش ÷ اندر آمد بحرِ بخشایش بجوش

جب بادشاہ نے دل کی گہرائیوں سے فریاد کی تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سمندر جوش میں آ گیا۔ جب بندہ صدقِ دل سے دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرماتا ہے، اسکی آزمائش دور فرمادیتا ہے، مشکل آسان ہوجاتی ہے اور حصولِ مدعا کی بشارت دی جاتی ہے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے اس حکایت کے ابتدائی نتائج کے طور پر ان حقائق کو واضح فرمایا کہ اسباب ظاہری میں تاثیر مؤثرِ حقیقی کے اختیار میں ہے، انسانِ کامل وہی ہے جو سخت نازک حالات میں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت پر بھروسہ رکھے، اپنی تمام حاجتوں اور ضرورتوں میں اسے کارساز سمجھے اور اس کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوکر ذوقِ عبدیت کے تقاضوں کو پورا کرے، مصیبت اور تکلیف میں خاص طور پر یادِ الٰہی میں مشغول ہوکر اپنے گناہوں کی معافی طلب کرنی چاہیئے اور تمام امور میں عنایتِ خداوندی کا منتظر رہتے ہوئے فضل وکرم کا سہارا لینا چاہیئے ،ارحم الراحمین کی شانِ رحمت سے کیا بعید ہے کہ اپنے گناہگار بندوں کی پردہ پوشی فرمائے اور مشکلات حل فرمادے۔

☆☆☆☆☆

درسِ مثنوی (۱۰)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

گفت ہر دارو کہ ایشاں کردہ اند ÷ آن عمارت نیست ویراں کردہ اند

بیخبر بودند از حال دروں ÷ استعیذ اللّٰہ ممایفترون

دیداززاریش کوزارِ دل ست ÷ تن خوش ست واو گرفتار دل ست

عاشقی پیداست از زاریٔ دل ÷ نیست بیماری چوں بیماریٔ دل

عاشقی گرزین سرو گرزاں سرست ÷ عاقبت مارا بداں شہ رہبرست

گزشتہ پروگرام میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ بادشاہ جو باندی کی بیماری کی وجہ سے پریشان تھا صبر کی بدولت ایسے اسباب سے ہمکنار ہوا جن سے اسے اطمینان نصیب ہوا۔ وہ صبر کی افادیت اور اہمیت سے آگاہ ہو کر نیک دل حکیم سے ملا تو نہایت سنجیدگی اور اعتماد سے اسکے سامنے حالات بیان کرنے لگا، بزرگ حکیم نے بادشاہ کی زبانی بیماری کے حالات سن کر جو اظہار خیال فرمایا، مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اس کا نقشہ پیش کرتے ہیں ۔

گفت ہر دارو کہ ایشاں کردہ اند ÷ آن عمارت نیست ویراں کردہ اند

کہنے لگا اس سے پہلے حکیموں نے جو علاج بھی کیا ہے انہوں نے تندرستی کی عمارت تعمیر کرنے کی بجائے ویران کر ڈالی ہے۔ مرض کے علاج کے لئے ضروری ہے کہ طبیب ایسا ماہر ہو جو تشخیص کے ذریعے مرض کی تہہ تک پہنچ جائے، اگر مرض کی پہچان ہی نہ ہو تو علاج کس چیز کا ہوگا۔ بزرگ طبیب نے اسباب وعلامات سے بھانپ لیا کہ باندی کی بیماری سے کوئی حکیم بھی آگاہ نہیں ہو سکا، چنانچہ انہوں نے جو دوا بھی تجویز کی ہے اس سے فائدے کی بجائے نقصان ہوتا رہا ہے، وہ اپنی صوابدید کے مطابق تو صحت کی عمارت تعمیر کرتے رہے لیکن درحقیقت انہوں نے تندرستی کی عمارت کو ویران کر ڈالا۔

بیخبر بودند از حال دروں ÷ استعیذ اللّٰہ ممایفترون

وہ حکیم اندرونی حالات سے ناواقف تھے ان کی غلط بیانی سے اللہ تعالٰی کے ساتھ پناہ لیتا ہوں۔ بزرگ حکیم نے علاج کرنیوالے حکماء کی روش پر اظہارِ افسوس کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے جو کچھ بیان کیا سراسر غلط تھا، ان کے لئے دیانتدارانہ طریق کار یہ تھا کہ علاج سے اپنی عاجزی کا اظہار کرتے، جب وہ مرض کی تشخیص نہ کر پائے تھے تو ان کے لئے علاج کرنا مناسب نہ تھا مگر انہوں نے اپنی خفت سمجھتے ہوئے ایسا نہ کیا۔ جس طرح ظاہری بیماریوں کے لئے ماہر طبیب کا علاج ہی مفید ہوتا ہے اسی طرح باطنی بیماریوں کیلئے بھی ایسا معالج تلاش کرنا ضروری ہے جو باطنی امراض کو پوری طرح پہچانتا ہو اور ان کے علاج سے مکمل واقفیت رکھتا ہو۔ گویا مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کنایاتی انداز میں اصلاحِ احوال کے طلبگاروں کو اس حقیقت سے آگاہ کر رہے ہیں کہ وہ بھی کسی ایسے مقبول بندے کو اپنا روحانی معالج بنائیں جو اُن کے امراض کا علاج شافی جانتا ہو، انہیں مرض کے اسباب ونتائج سے خبردار کرے اور اپنے باطنی تصرف سے ان کی کایا پلٹ دے، جس طرح ناقص معالج کے علاج سے مرض بڑھ جاتا ہے اور بالآخر لاعلاج ہو جاتا ہے اسی طرح باطنی بیماریاں بھی صاحبِ کمال روحانی معالج نہ ملنے کی وجہ سے خطرناک صورت اختیار کر لیتی ہیں اسلئے ضروری ہے کہ تزکیۂ باطن اور تہذیبِ اخلاق کے لئے ایسے مردِ کامل سے وابستگی ہو جسکی مؤثر ہدایات اور فیضِ صحبت صحیح رہنمائی کریں تا کہ منزلِ مقصود تک رسائی ہو۔

دید از زاریش کوزارِ دل ست　　　تن خوش ست واو گرفتار دل ست

بزرگ حکیم نے اس کی گریہ وزاری اور کمزوری سے معلوم کر لیا کہ اس کا دل گرفتار ہے، بدن تو اچھا بھلا ہے۔ چونکہ غمِ عشق اور دردِ محبت کا تعلق دل سے ہوتا ہے اس لئے اہل عشق ومحبت پر جو گزرتی ہے اس کا احساس ان ہی لوگوں کو ہو سکتا ہے جو دل کی کیفیات سے واقفیت رکھتے ہوں، غیبی حکیم چونکہ سرمایہ معرفت سے مالا مال تھا اس لئے اسے معلوم ہو گیا کہ اس بیماری کا تعلق ظاہر سے نہیں اور ظاہری علاج اس کے لئے مفید نہیں۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اہل محبت کے عجز و نیاز اور ان کی گریہ وزاری کو محبت کا ثمرہ قرار دیتے ہوئے واضح کرتے ہیں کہ اگر دل میں جذبۂ محبت اور غمِ عشق کی آگ بھڑک رہی ہو تو غرور وتکبر جیسے اخلاقی عیوب جل کر راکھ ہو جاتے ہیں اور انسان سراپا عجز وانکسار بن جاتا ہے اس کی عاجزی اس بات کی قوی دلیل ہوتی ہے کہ اس کے

دل میں محبت کی شمع روشن ہے۔

عاشقی پیداست از زاریِ دل ÷ نیست بیماری چوں بیماریٔ دل

دل کی عاجزی اور زاری سے عشق نمایاں ہوتا ہے اور دل کی بیماری کی طرح کوئی بھی بیماری نہیں۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ مثنوی معنوی میں عشق و محبت کے عنوان کو بڑی تفصیل سے مختلف انداز میں پیش کرتے ہیں جس قسم کا قصہ یا حکایت بیان کریں اس کے ضمن میں محبت کی پُر درد کیفیات اور پرسوز حالات کسی نہ کسی طرح ضرور لے آتے ہیں، چنانچہ بادشاہ کی اس حکایت میں بھی موضوعِ محبت پر اظہارِ خیال فرماتے ہیں کہ عشق و محبت دل کی دنیا کو عجز و تواضع کے انوار سے منوّر کرتے ہیں اور اس بارے میں محبت کی پُر زور تاثیر کا یہ عالم ہے کہ اہل محبت کے ظاہری حالات ان کے باطن پر شاہد ہوتے ہیں اور اہل نظر کو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کی باطنی کیفیات کس حد تک پہنچ چکی ہیں ارباب ظاہران کے احوال سے بے خبر ہوتے ہیں مگر اہل دل ان کی حرکات وسکنات اور طرز وروش سے ہی اس حقیقت کا ادراک کر لیتے ہیں کہ ان کے دل انوارِ محبت کا خزینہ ہیں۔

عجز و نیاز اور دل کی زاری اور تواضع انسان کیلئے عظمت و رفعت کا سرمایہ ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے رسولِ پاک ﷺ نے فرمایا'' مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ'' جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے عاجزی اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بلندی عطا فرماتا ہے۔ حدیث قدسی میں ارشادِ ربانی ہے ,,کہ میں ٹوٹے ہوئے دلوں میں رہتا ہوں،، حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ غمِ عشق کو دل کی بیماری سے تعبیر کرتے ہوئے خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں کہ یہ کیا عجیب و غریب مرض ہے جو اپنے دامن میں صحت و تندرستی کی سینکڑوں بہاریں رکھتا ہے یہ مرض دوسرے تمام امراض سے جداگانہ امتیاز کا حامل ہے اور کوئی مرض بھی اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا اس مرضِ عشق کی بدولت حقیقی محبوب کا قرب نصیب ہوتا ہے، انسان اپنی منزلِ مقصود کو پالیتا ہے، اس کی وجہ سے ہی دل کی دنیا آباد رہتی ہے اور اہل محبت کو حیات جاودانی سے مشرف کیا جاتا ہے۔

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ÷ ثبت ست بر جریدۂ عالم دوامِ ما

چونکہ مظاہر قدرت میں بھی حقیقی محبوب کا جلوہ کارفرما ہے اس لئے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اسماء و صفات

کے ظہور سے انس و محبت کو بھی حقیقی محبوب کی محبت قرار دیتے ہیں۔

عاشقی گرزین سرو گرزاں سرست ÷ عاقبت مارا بداں شہ رہبرست

مظاہرِ قدرت سے محبت ہو یا ان کے خالق سے، آخر کار ہمیں یہ محبت حقیقی محبوب تک پہنچا دیتی ہے۔ حقیقی محبت کا حقیقی محبوب تک پہنچانا تو ظاہر ہے البتہ مجازی محبت کے ذریعے حقیقت تک پہنچنے کیلئے بہت سے اصول و ضوابط پر عمل ضروری ہے۔ اس لئے حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے واضح فرمادیا کہ حقیقت و مجاز دونوں کا رہبر ہونا ہم جیسے پختہ کار اربابِ صدق وصفا اور اہل حق کیلئے مسلّم ہے۔ ہر کس و ناکس کیلئے مجاز حقیقت تک پہنچنے کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔

☆☆☆☆☆

درسِ مثنوی (۱۱)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شاد باش وفارغ وایمن کہ من ÷ آں کنم باتو کہ باراں باچمن

من غم ِ تو میخورم توغم مخور ÷ برتو من مشفق ترم از صد پدر

ناتوانی پیش کس مکشائے راز ÷ برکسی ایں درمکن زنہار باز

گفت پیغمبر ہر آنکو سر نہفت ÷ زودگر ددبامراد خویش جفت

دانہ چوں اندر زمیں پنہاں شود ÷ بعد ازاں سرسبزیٔ بستاں شود

زر و نقرہ گر نبودندے نہاں ÷ پرورش کے یافتند ے زیرکاں

بادشاہ کا قصہ بیان کرتے ہوئے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سارے اہم موضوعات پر اظہار خیال کیا اور بہت سی حکمت آمیز باتوں کی طرف توجہ دلائی اب اصل موضوع کی طرف رجوع کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

شاد باش وفارغ وایمن کہ من ÷ آں کنم باتو کہ باراں باچمن

تم بالکل خوش، مطمئن اور ہر قسم کے فکر سے فارغ ہو جاؤ جس طرح بارانِ رحمت کا سلوک باغ سے ہوتا

ہے میں اسی طرح تمہارے ساتھ پیش آؤنگا۔ بادشاہ نے جب طبیب کے سامنے حالِ دل بیان کیا تو اس نے علیحدگی میں مریضہ سے کچھ باتیں دریافت کیں جن کے ذریعے مرض کی تشخیص میں کافی حد تک مدد ملی، طبیب نے اس سے اصلی وطن، رشتے داروں اور دوستوں کے بارے میں بھی پوچھا اور یہ بھی دریافت کیا کہ دورانِ سفر اس کا کس کس علاقے میں قیام رہا اور کہاں کہاں سے اس کا گزر ہوا۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے مرض کا کھوج لگانے کیلئے غیبی طبیب کی اس کاوش پر اظہار خیال کرتے ہوئے ایک مثال بھی بیان کی کہ جب کسی آدمی کے پاؤں میں کانٹا چبھ جاتا ہے تو اسے نکالنے کے لئے وہ اپنے پاؤں کو گھٹنے پر رکھتا ہے پھر سوئی کے ذریعے اسکا سر تلاش کرتا ہے اگر کانٹا نظر نہ آئے تو اس جگہ کو تر کر کے پھر اسے ڈھونڈنے کی کوشش کرتا ہے تب کہیں پاؤں کا کانٹا نکلتا ہے، جب پاؤں میں چبھے ہوئے کانٹے کی یہ حالت ہے تو پھر وہ کانٹا جو دل میں پیوست ہو جائے اسے معلوم کر لینا کتنا دشوار ہوگا۔ اس لئے غیبی طبیب نے پوری جدوجہد کی کہ غمِ عشق کا مرض جو مریضہ کو لاحق تھا اسکے اسباب تلاش کیے جائیں، مرض کی مکمل پہچان کی جائے تاکہ علاج شافی کیا جا سکے کہیں ایسا نہ ہو کہ باطنی مرض ظاہری علاج سے اور زیادہ ہو جائے۔

از سر بالین من برخیز اے ناداں طبیب ÷ دردمند عشق را دارو بجز دیدار نیست

جب غیبی طبیب نے مرض کے اسباب وعلامات کا جائزہ لیا تو اس نے مریضہ کو پوری تسلی دلائی کہ اب مطمئن ہو جاؤ اور ہر قسم کے فکر و غم سے آزاد ہو جاؤ۔

طبیب کا مشفقانہ رویہ اور مخلصانہ طریقِ کار مریض کے لئے تقویت کا باعث بنتا ہے اور وہ اطمینان کا سانس لیتا ہے اس لئے غیبی طبیب نے نہایت محبت بھرے انداز میں مریضہ کو تسلی دلائی اور مرض سے شفایاب ہونے کی بشارت دی۔ جس طرح ظاہری امراض میں حکیم کے مشفقانہ رویے کو بڑی اہمیت حاصل ہے اسی طرح باطنی امراض کے علاج میں روحانی معالج یعنی مرشدِ طریقت کے حسنِ سلوک کو گہرا دخل ہے گویا مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اربابِ طریقت کو کنایاتی انداز میں تنبیہ فرما رہے ہیں کہ ان کے لئے ضروری ہے کہ جب بھی کوئی باطنی مریض ان کے پاس آئے تو اس کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئیں، اسے ناامیدی اور بے یقینی سے متاثر نہ ہونے دیں، اپنی باطنی قوت اور فیضانِ نظر سے اسکے احوال کی اصلاح کریں اور منزلِ مقصود سے ہمکنار کریں۔

تا توانی پیش کس مکشائے راز ÷ برکسی ایں درمکن زنہار باز

حتی الامکان کسی کے سامنے اپنا راز ظاہر نہ کرو بلکہ کسی پر یہ دروازہ ہی نہ کھولو۔ مراد کو پا لینے اور مقصود کو حاصل کرنے میں اخفائے حال کو گہرا دخل ہے اس لئے غیبی طبیب نے مریضہ کو تسلی دینے کے ساتھ ساتھ اس بات کی سختی سے تاکید کی کہ جو پوشیدہ باتیں اس نے بیان کیں مزید اس پر کوئی بھی مطلع نہ ہو۔ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اس مضمون کی اہمیت کے پیش نظر اسے ذہن نشین کرانے کی کوشش کرتے ہیں اور اس حقیقت کو تسلیم کراتے ہیں کہ راز و نیاز کی باتوں کو مخفی رکھنا حصولِ مقصود کی ضمانت دیتا ہے۔

گفت پیغمبر ہر آنکو سر نہفت ÷ زودگر دد بامراد خویش جفت

رسول پاک ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جس شخص نے اپنا راز چھپایا وہ جلد ہی اپنی مراد پا گیا۔ راز کی بات مخفی رکھنے میں بہت سی حکمتیں اور مصلحتیں کارفرما ہوتی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ حصولِ مدعا میں اسے گہری تاثیر ہے، چنانچہ حدیث پاک کی ایک روایت میں آتا ہے ''مَنْ کَتَمَ سِرَّہٗ حَصَلَ مُرَادُہٗ '' جس نے راز چھپایا اس نے مراد پالی۔ ایک دوسری روایت میں آتا ہے'' اِسْتَعِیْنُوْا فِی الْحَوَائِجِ بِالْکِتْمَانِ ''اپنی مرادیں چھپا کر ان کے حصول میں مدد طلب کرو۔ بات جب تک دل میں رہتی ہے تو کوئی دوسرا اس سے خبر نہیں رکھتا جب زبان سے دل کا راز افشا ہو جائے تو پھر اس کے شائع ہونے میں کوئی دیر نہیں لگتی۔ بسا اوقات یہی چیز انسان کیلئے پریشانی کا باعث بن جاتی ہے، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مقصود کے ظاہر ہونے سے اس کے حصول میں رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں، انسان میں بتقاضائے بشریت بغض و حسد پایا جاتا ہے کسی دوسرے کو مقصود سے ہمکنار دیکھنا اسے ناگوار گزرتا ہے اور اس سلسلے میں وہ اس کی راہ میں روڑے اٹکانے سے گریز نہیں کرتا، اسکے برعکس اگر راز مخفی رہے تو اس قسم کے جذبات کو برانگیختہ ہونے کا موقع نہیں ملتا۔ روحانی امور تو خاص طور پر اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ بجز مرشد کامل کسی کے سامنے ہرگز نہ بیان کئے جائیں۔

حدیثِ دوست نہ گویم مگر بحضرت دوست ÷ کہ آشنا سخن آشنا نگہدارد

دانہ چوں اندر زمیں پنہاں شود ÷ بعد ازاں سرسبزیٔ بستاں شود

دانہ جب زمین میں چھپ جاتا ہے تو باغ کی سرسبزی کا باعث بنتا ہے۔ کوئی بیج یا دانہ اس وقت تک ہرگز

درخت یا پودا بن کرنہیں لہلہاتا جب تک وہ اپنے آپ کو زمین میں نہ چھپا دے۔مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر تم بھی اپنے دل میں اسرارِالٰہی کے ثمرات لگانا چاہتے ہو تو پھر اپنی پوشیدہ کیفیات اور قلبی واردات کو ظاہر نہ کیا کرو نیز جس طرح دانہ خاک میں اپنے آپکو چھپا کر ترقی پاتا ہے تم بھی اپنے دلوں کو عجز و نیاز سے مالا مال کرو اور خاک کی طرح تواضع اختیار کرو تا کہ حصولِ مراد کے درخت پھلنے پھولنے لگیں۔

زر و نقرہ گر نبودندے نہاں ÷ پرورش کے یافتند ے زیرکاں

سونا چاندی اگر پوشیدہ نہ ہوتے تو کان کے نیچے کیونکر پرورش پاتے۔ایک اور مثال کے ذریعے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ واضح فرماتے ہیں کہ دیکھو علوم طبعیہ کے مطابق اجزائے ارضیہ کان میں مخفی ہوتے ہیں تب وہ پرورش سے سونا چاندی بنتے ہیں۔اگر یہی اجزائے ارضیہ زمین میں پوشیدہ نہ ہوتے تو ان کی حقیقت نہ بدلتی اور وہ سونا چاندی کی شکل اختیار نہ کرتے۔

☆☆☆☆☆

درسِ مثنوی (۱۲)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

باز گو اسرار ورمز مرسلین ÷ آشکارا بہ کہ پنہاں سرِّ دین

آرزو میخواہ لیک اندازہ خواہ ÷ بر نتابد کوہ رایک برگ کاہ

آفتابے کز وے ایں عالم فروخت ÷ اند کے گر پیش آید جملہ سوخت

تا نہ گردد خونِ دل جان جہاں ÷ لب بہ بندو دیدہ بر بند ایں زماں

بیش ازیں آشوب وخونریزی مجو ÷ بیش ازیں از شمس تبریزی مجو

بادشاہ کا قصہ بیان کرتے ہوئے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر خیر فرمایا تو ان کے بے شمار احسانات اور فیضانِ کرم کا اعتراف کیا ان کی یاد سے آپکو جو روحانی سکون واطمینان نصیب ہوا اس کی کیفیت کو کچھ اس انداز سے بیان فرمایا کہ آپ کی روح پر وجد و ذوق کی عجیب کیفیت طاری

ہوئی، عشق و محبت میں گزرے ہوئے وہ پاکیزہ اوقات جو مرشد طریقت کی خاص توجہات کا مرکز تھے اور جن میں بیان کئے ہوئے توحید کے اسرار و رموز سرمایۂ حیات تھے ان کی یاد آپ کی روح کے لئے سخت اضطراب کا باعث ہوئی، روح کا ذوقِ طلب بام عروج پر پہنچا تو اس کے لئے حضرت شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات پر اکتفا کرنا بہت ناگوار ہوا، مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے ہر چند کنایاتی انداز میں بیانِ احوال کی کوشش کی اور اس میں پوشیدہ حکمت و مصلحت سے مؤثر طور پر آگاہ کیا مگر روح اس طریق کار سے مطمئن نہ ہو سکی وہ بدستور اپنے مطالبے پر قائم رہی روح کی ترجمانی کرتے ہوئے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

باز گو اسرار ورمز مرسلین ÷ آشکارا بہ کہ پنہاں سردین

پیغمبرانِ عظام علیہم السلام کے اسرار و رموز بیان کرو دین کا راز کھل کر بیان کرنا چاہیے نہ کہ پوشیدہ چونکہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے توحید کا درس دیا اور اس حقیقت کو واضح فرمایا کہ عبادت کے لائق صرف وہی ذات ہے جو وحدہ لاشریک ہے اور یہی عقیدہ اصل الاصول ہے اسی بنا پر توحید کے اسرار و رموز کو تعلیمات انبیاء کا خلاصہ کہا جاتا ہے روح یہ تقاضا کرتی ہے کہ مضمون توحید تو دینِ اسلام کا اہم ترین مسئلہ ہے پھر اس کے کھل کر بیان کرنے میں کیا حرج ہے۔

آرزو میخواہ لیک انداز ہ خواہ ÷ بر نتابد کوہ را یک برگ کاہ

اپنی مراد اپنے اندازے کے مطابق طلب کرو گھاس کا ایک پتا پہاڑ کو نہیں اٹھا سکتا، عقیدۂ توحید جس کے ساتھ عوام الناس مکلف ہیں قرآن و حدیث میں نہایت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے البتہ مقام توحید کے اسرار و رموز جو عام لوگوں کی عقل و فہم سے بلند و بالا ہیں اگرچہ انکا ماخذ بھی قرآن و حدیث ہے لیکن ان کے بیان کے لئے بہت سی شرائط ہیں اسی بنا پر مشائخ کرام صلاحیت رکھنے والے لوگوں کو اس قسم کے مسائل تخلیے میں سمجھایا کرتے ہیں تاکہ عوام الناس کم علمی کی وجہ سے نقصان نہ اٹھائیں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ مقام توحید کی عظمتوں کے پیشِ نظر فرماتے ہیں کہ اس کی تفصیل نہ تو ہمارے بس میں ہے اور نہ ہی روح میں یہ وسعت پائی جاتی ہے کہ انہیں برداشت کر سکے جس طرح گھاس کا ایک پتا پہاڑ کو نہیں اٹھا سکتا اسی طرح ہم بھی راز توحید کو کھل کر بیان کرنے سے قاصر ہیں یہ تو ایک ایسی حقیقت ہے جو تقریر و تحریر کے احاطہ سے باہر ہے شیخ سعدی

رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اے برتر از خیال وقیاس وگمان ووہم ÷ وز ہر چہ گفتہ اند وشنیدیم وخواندہ ایم

دفتر تمام گشت وبپایاں رسید عمر ÷ ماہمچناں در اولِ وصف تو ماندہ ایم

پھر ایک مثال کے ذریعے اپنے مدّعا کو ثابت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

آفتابے کزوے ایں عالم فروخت ÷ اند کے گر پیش آید جملہ سوخت

یہ سورج جس سے سارا جہان روشن ہے اگر اپنے مقام سے ذرا آگے بڑھ جائے تو سب کو جلا ڈالے گا۔

سورج اپنے مقام پر ہوتے ہوئے سارے جہان کو روشنی پہنچاتا ہے، اگر یہ اپنے مقام سے ذرا آگے آجائے تو ظاہر ہے سب کچھ جلا کر راکھ کردیگا کیونکہ ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے اور وہ اپنی حد میں رہتے ہوئے اعتدال کو برقرار رکھتی ہے، جب ظاہری آفتاب کے انوار کو برداشت کرنا اس قدر مشکل ہے تو پھر حضرت شمس الدین تبریزیؒ جو روحانیت کے آفتاب ہیں ان کے انوار وتجلیات برداشت کرنا کتنا دشوار ہوگا۔ توحید کے وہ اسرار ورموز جوان کے سینۂ اقدس میں ودیعت کیے گئے تھے ان کو کھل کر بیان کرنا کوئی آسان بات نہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ قلب وروح ان کے متحمل نہ ہوسکیں اور حصولِ مقصود آزمائش بن جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب رب العالمینؑ سے دیدار کی آرزو کی تو ارشاد ہوا کہ آپ تاب نہ لاسکیں گے ہم کوہ طور پر تجلی فرماتے ہیں اگر وہ برداشت کرلے تو پھر آپ بھی دیکھ لیں گے ''فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا'' جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو وہ ریزہ ریزہ ہوگیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہوکر گر پڑے جب ہوش میں آئے تو اتنی بڑی آرزو پر معذرت کا اظہار کیا۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ آرزو اپنی وسعت کے مطابق ہونی چاہیئے اگر حدِ اعتدال سے آگے قدم بڑھ جائے تو معاملہ بگڑ جاتا ہے اور نتائج ناقابلِ برداشت ہوتے ہیں۔

تانہ گردد خونِ دل جانِ جہاں ÷ لب بہ بندو دیدہ بر بند ایں زماں

پس مناسب ہے کہ تو اس وقت خاموش ہوجا اور آنکھیں بند کرلے تاکہ سارا جہان ہلاکت کا شکار نہ

ہو جائے۔ حدیث پاک میں آتا ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول پاک ﷺ سے دو قسم کے علم حاصل کیئے ایک علم یعنی علمِ شریعت تو میں نے لوگوں پر ظاہر کر دیا ہے مگر دوسرا علم یعنی علمِ اسرار ظاہر نہیں کرونگا کیونکہ اگر وہ میں کھلم کھلا بیان کر دوں تو میری گردن کاٹ دی جائے۔ بعض علوم ایسے ہوتے ہیں جن کا تعلق اسرار و رموز سے ہوتا ہے وہ عوام الناس کے سامنے بیان کرنے کے قابل نہیں ہوتے اگر عوام کے سامنے ایسے مخفی امور پیش کیئے جائیں تو وہ کم علمی کے باعث گمراہ ہو جاتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس قسم کے اسرار و رموز مبنی بر حقیقت ہوتے ہیں مگر ان کی تہہ تک پہنچنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہوتا۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توحید کے وہ اسرار جن کے بیان کے لئے اور سننے کے لئے صلاحیت کا اعلیٰ معیار درکار ہے ان کو برملا بیان کرنا فتنہ وفساد کا باعث ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ عام لوگ بصیرت نہ ہونے کی بنا پر ان حقائق کا انکار کر ڈالیں اور اختلافات شدت اختیار کر جائیں جس کے نتائج مفید ثابت نہ ہوں، اس لئے بہتر ہے کہ حدِ اعتدال کا خیال رکھا جائے اور کسی صورت میں بے راہ روی اختیار نہ کی جائے۔

بیش ازیں آشوب وخونریزی مجو ÷ بیش ازین از شمس تبریزی مجو

اس سے زیادہ پریشانی اور خونریزی کے در پے نہ ہو اور اس سے زیادہ حضرت شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات نہ پوچھ۔ چونکہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرشدِ طریقت کے ذکرِ خیر سے وجد و ذوق کی خاص کیفیت سے ہمکنار ہوئے اور ان کی صحبت میں گزرے ہوئے اوقات کی یاد سے بیقرار ہوئے اس لئے فرماتے ہیں کہ ہجر وفراق اور سوز وگداز کی جو کیفیت ہم پر طاری ہے اس نے ہمارے اضطراب کو تشویشناک حد تک پہنچا دیا ہے اب ہم میں وہ تاب وتواں نہیں کہ ہم مزید کچھ بیان کر سکیں، قصہ کے ضمن میں جو کچھ بیان ہو چکا اسی پر اکتفا کرو اور ہمیں مزید ایسے حالات بیان کرنے پر مجبور نہ کرو جن کا ضبط وحوصلہ نہ ہمارے بس میں ہے اور نہ سننے والے اس کی تاب لا سکیں گے۔

☆☆☆☆☆

درسِ مثنوی (۱۴)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اے شدہ اند رسفر باصد رضا ÷ خود بپائے خویش تا سوء القضا

در خیالش ملک وعز وسروری ÷ گفت عزرائیل رو آرے بری

دشمن طاؤس آمد پرّ او ÷ اے بسا شہ را بکشتہ فرّ او

گرچہ دیوار افگند سایہ دراز ÷ باز گردد سوئے او آں سایہ باز

ایں جہاں کوہ است وفعل ماندا ÷ سوئے ما آید نداہارا صدا

جب غیبی طبیب نے باندی کی بیماری کے اسباب معلوم کر لیئے تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ وہ سمرقند رہنے والے زرگر کو جلدی طلب کرے، بادشاہ نے خاص قاصد کے ذریعے اسے بلوایا، زرگر اس خیال سے کہ بادشاہ کا بلاوا آ گیا ہے نیز اس طرح کاروبار کا بہترین موقعہ ہاتھ آ گیا ہے بہت ہی خوش ہوا اور بادشاہ کے پاس پہنچنے میں جلدی کی۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اس مضمون کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اے شدہ اند رسفر باصد رضا ÷ خود بپائے خویش تا سوء القضا

اے مخاطب سنو کہ وہ زرگر بڑی خوشی سے اپنے پاؤں سے ہی بری موت کا سفر کرنے لگا۔ مال ودولت کی محبت انسان کو دیوانہ بنا دیتی ہے وہ اس کے حصول میں اس طرح سرگرداں ہو جاتا ہے کہ وطن سے جدائی، دور دراز سفر اور دوست واحباب سے دوری اسے ناگوار معلوم نہیں ہوتی چنانچہ زرگر مال ودولت کے حرص کی بنا پر سفر کے لیے تیار ہو گیا اور سفر کے انجام پر نظر ڈالنے سے قاصر رہا۔ اسی طرح انسان بعض چیزوں کو اپنے لئے پسند کرتا ہے مگر وہ چیزیں اسکے لئے نقصان دہ ہوتی ہیں قرآنِ مجید نے اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ''عَسٰی اَنۡ تُحِبُّوۡا شَیۡئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّکُمۡ'' ہوسکتا ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو مگر وہی تمہارے لیے نقصان کا باعث بنے۔ زرگر نے حصولِ مال کو اپنے لئے مفید خیال کیا مگر وہ اس کے لئے جان لیوا ثابت ہوا۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ واقعہ کے ضمن میں ان حقائق کو بیان کرتے ہیں کہ لالچ انسان کے لئے نقصان دہ ہوتا ہے ضروری نہیں کہ جو چیز انسان کو اچھی معلوم ہو وہ حقیقت میں بھی اسکے لئے اچھی ہو نیز جب کسی علاقہ میں انسان کی موت مقدّر رہوتی ہے تو وہ اس

کی طرف سفر اختیار کرتا ہے اور وہاں پر ہی اس کا انتقال ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث پاک میں آتا ہے ''اِذَا قَضَی اللّٰہُ لِعَبْدٍ اَنْ یَّمُوْتَ بِاَرْضٍ جَعَلَ لَہٗ اِلَیْھَا حَاجَۃً'' جب اللہ تعالیٰ کسی خطۂ ارض میں کسی کی موت کا فیصلہ فرماتا ہے تو اسکے لئے وہاں پہنچنے کی کوئی صورت پیدا کر دیتا ہے۔

در خیالش ملک وعز وسروری ÷ گفت عزرائیل رو آرے بری

اس زرگر کے خیال میں حکومت، عزت اور سرداری تھی مگر عزرائیل علیہ السلام کہہ رہے تھے ذرا جاؤ تو دیکھیں یہ سب کچھ کس طرح حاصل کرتے ہو، مثال مشہور ہے کہ ,,تدبیر کند بندہ تقدیر زند خندہ،، وہ زرگر تو اپنے سفر کے مفادات کے متعلق خیالی پلاؤ پکا رہا تھا مگر ملک الموت کو معلوم تھا کہ اس نے وہاں جا کر ہی اپنی موت کو گلے لگانا ہے۔ وہ انسان جسکی جدوجہد کا دائرہ دنیوی مفادات تک محدود ہو اس کی یہی حالت ہوتی ہے کہ وہ اپنے خیال میں ترقی اور کامیابی کے منصوبے سوچ رہا ہوتا ہے مگر فرشتہ اجل اس کی خام خیالی پر تعجب کر رہا ہوتا ہے۔

دشمن طاؤس آمد پرّ او ÷ اے بسا شہ را بکشتہ فرّ او

مور کے خوبصورت پر ہی اسکے دشمن ہیں بسا اوقات بادشاہ کی شان وشوکت ہی اسکے قتل کا ذریعہ بنتی ہے۔

زرگر کا ظاہری حسن و جمال اسکے لئے آزمائش کا باعث بن گیا اگر وہ خوبرو نہ ہوتا تو وہ باندی اس کے عشق میں مبتلا نہ ہوتی اور نوبت یہاں تک نہ پہنچتی۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اسی مضمون کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دیکھو مور کے خوبصورت پَر ہی اس کی ہلاکت کا باعث بنتے ہیں کیونکہ ان پروں کی طلب میں لوگ مور کا شکار کرتے ہیں، اسی طرح جب کوئی بادشاہ شان وشوکت اور جاہ وجلال کا مالک ہوتا ہے تو اس سے حسد اور عناد کی بنا پر دوسرا بادشاہ اس پر لشکر کشی کر کے اسے ہلاک کر دیتا ہے چنانچہ مور کے پَر اور بادشاہ کی شان وشوکت دونوں ہلاکت کا سبب بن گئے۔

گرچہ دیوار افگند سایہ دراز ÷ باز گردد سوئے او آں سایہ باز

دیوار اگرچہ دور تک لمبا سا یہ ڈالتی ہے مگر وہی سایہ پھر اس کی طرف واپس آ جاتا ہے۔ غیبی طبیب نے باندی کی حالت سے بھانپ لیا تھا کہ اسے زرگر کے ظاہری حسن و جمال سے وابستگی ہے اگر اس کا یہ حسن و جمال باقی نہ رہا تو اس کی محبت ختم ہو جائیگی، چنانچہ غیبی طبیب نے یہ تدبیر اختیار کی کہ اُسے ایسے سخت قسم کے مسہل شربت پلائے جن سے وہ اسہال کے مرض میں مبتلا ہو گیا، وہ دن بدن کمزور ہوتا گیا، اسکی کمزوری کا یہ عالم ہو گیا

کہ چلنے پھرنے سے عاجز آ گیا، جسم زرد ہو گیا، چہرے کی رونق اور اعضا کا تناسب ختم ہو گیا اس کی اس حالت کو دیکھ کر باندی کو اس سے نفرت ہو گئی اور اس نے بادشاہ سے کہہ ڈالا کہ زرگر کو یہاں سے نکال دیا جائے، زرگر اپنی اس حالتِ زار میں کہنے لگا اگر میرے ساتھ یہ سلوک روا رکھا گیا ہے تو کوئی بات نہیں مکافات عمل کا سلسلہ جاری ہے میرا خون ضائع نہیں جائے گا بلکہ اسکا بدلہ لیا جائیگا۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ زرگر کے اسی نقطۂ نظر کے ضمن میں مکافات عمل کی اہمیت کو بیان کرتے ہیں کہ دیکھو جس طرح طلوعِ آفتاب کے وقت دیوار کا سایہ دور پڑ رہا ہوتا ہے مگر سورج کی بلندی کے ساتھ ساتھ وہ سایہ دیوار کے قریب ہوتا جاتا ہے اسطرح کوئی شخص جو بھی عمل کرتا ہے اسکے عمل کے اثرات کتنے دور کیوں نہ ظاہر ہوں بالآخر اسکے اچھے یا برے نتائج سے خود اسے ہمکنار ہونا پڑتا ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے یہاں عمل کا جو بھی بیج ڈالا جاتا ہے قیامت کے دن اسی کا ثمرہ عطا کیا جائیگا۔ قرآنِ مجید نے اسی مضمون کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا '' فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ '' پس جو شخص ذرہ برابر نیکی کریگا قیامت کے دن اس کی جزا حاصل کریگا اور جو شخص ذرہ برابر برائی کریگا قیامت کے دن اس کی سزا پائیگا۔

ایں جہاں کوہ است وفعل ماندا ÷ سوئے ما آید ندا ہارا صدا

یہ جہان گویا پہاڑ ہے اور ہمارا ہر کام ندا ہے ہماری نداؤں کی گونج ہی ہماری طرف آتی ہے۔ مکافات عمل کی تشریح کرتے ہوئے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ ایک مثال بیان کرتے ہیں جب انسان پہاڑ کے دامن میں کھڑا ہو کر آواز دے تو اس کی آواز کی گونج اسے سنائی دیتی ہے جس قسم کی آواز ہو، جیسا لہجہ ہو بعینہٖ اسی قسم کی گونج سنائی دیتی ہے۔ یہ جہان بھی ہمارے اعمال کیلئے گویا پہاڑ ہے کہ ہم اس جہان میں عمل کی جو ندا، دیتے ہیں تو اس کی گونج یعنی بدلہ ہمارے نامۂ اعمال میں درج کیا جاتا ہے۔ اس جہان میں رہتے ہوئے اس بات کا شدت سے احساس ہونا ضروری ہے کہ ہمارا قول وعمل کسی نتیجے کا حامل ہے جس کا ہم تک پہنچنا ایک لازمی امر ہے۔ دنیائے فانی کی چندروزہ زندگی اگر حسنِ عمل سے آراستہ ہو جائے تو اسکے پاکیزہ ثمرات دائمی اور ابدی زندگی کو سنوار سکتے ہیں۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو حیاتِ فانی کو امانت سمجھتے ہیں، اپنی جد و جہد کو صحیح رُخ پر قائم رکھتے ہیں اور مکافاتِ عمل کے ضابطے کو مدِّ نظر رکھ کر اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

درسِ مثنوی (۱۴)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

زانکہ عشق مردگاں پائندہ نیست ÷ زانکہ مردہ سوئے ما آئندہ نیست

عشق زندہ در روان ودر بصر ÷ ہردمے باشد زغنچہ تازہ تر

عشق آں بگزیں کہ جملہ انبیاء ÷ یافتند از عشق او کاروکیا

عشق آں زندہ گزیں کو باقی است ÷ وز شراب جانفزایت ساقی است

تو مگو مرابداں شہ بارنیست ÷ برکریماں کارہا دشوار نیست

گزشتہ پروگرام میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ غیبی طبیب نے مسہل دوائی کے ذریعے زرگر کو اتنا کمزور کرڈالا کہ اس کا ظاہری حسن و جمال ختم ہوگیا، اب اُس کی شکل وصورت میں کوئی کشش باقی نہ رہی بلکہ کمزوری اور ناتوانی کی وجہ سے اس کی حالت زارِ نفرت کا باعث بن گئی، اب وہ باندی جسے زرگر کی ظاہری شکل وصورت سے وابستگی تھی اس سے نفرت کرنے لگی اوراس کی قیدِ محبت سے آزاد ہوگئی۔ چونکہ زرگر کی محبت اس کی بیماری کی اصل وجہ تھی جب یہ محبت ختم ہوئی تو بیماری بھی ختم ہوگئی۔مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ حکایت کے ضمن میں عشقِ صوری اور عشقِ معنوی کا موازنہ کرتے ہیں اور معنوی عشق کی عظمت وفضیلت کو ذہن نشین کراتے ہیں۔

زانکہ عشق مردگاں پائندہ نیست ÷ زانکہ مردہ سوئے ما آئندہ نیست

کیونکہ مرنے والوں کا عشق پائیدار نہیں ہوتا اس لئے کہ مردہ ہمارے پاس آنیوالا نہیں۔ چونکہ باندی مرضِ عشق سے بالکل شفایاب ہوگئی اس لئے یہ سوال ہوسکتا تھا کہ عشق تو ایک پائیدار چیز ہے وہ اتنا جلدی کیسے ختم ہوگیا، مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اس سوال کے جواب میں وضاحت فرماتے ہیں کہ بلاشبہ محبت ایک بلند پایہ جذبہ ہے مگر اسکے دوام اور بقاء کے لئے محبوب کا دائمی اور غیرفانی ہونا ضروری ہے اگر محبوب ہی سرے سے عارضی اور فانی ہو تو پھر محبت عارضی اور فانی ہوگی۔ چونکہ باندی کی محبت ایک فانی چیز سے تھی جب وہ چیز باقی نہ رہی تو محبت

بھی ختم ہوگئی، کسی چیز کا شوق اور محبت تو تب باقی رہے جب اس چیز کو قرار حاصل ہو اور ظاہر ہے کہ فنا ہونیوالی چیز دوبارہ نہیں آسکتی اس لئے اس کے ساتھ محبت اور وابستگی بھی ختم ہو جاتی ہے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ حقیقی محبوب سے رابطۂ محبت قائم رکھنے پر تبصرہ فرماتے ہیں کہ محبت ہو تو ایسی چیز سے ہو جسے دوام اور بقاء حاصل ہو ورنہ عارضی اور فانی چیزوں سے محبت انسان کے لئے پریشانی اور بے یقینی کا باعث بنتی ہے جبکہ دائمی اور ابدی محبوب کی محبت لازوال ہوتی ہے اور اس جذبۂ محبت سے معمور دل بھی بقائے دوام حاصل کر لیتا ہے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ÷ ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

پھر حقیقی محبوب کی محبت پر آمادہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

عشق زندہ در روان ودر بصر ÷ ہردمے باشد زغنچہ تازہ تر

زندہ محبوب یعنی حیّ وقیّوم کا عشق ہر دم روح اور بصر میں غنچے سے زیادہ تر وتازہ رہتا ہے۔ بلبل کو پھول کے تر وتازہ غنچے سے محبت ہوتی ہے مگر اس غنچے کی تر وتازگی چندروزہ ہوتی ہے اس لئے اس کی پژمردگی کے بعد بلبل کا رابطہ اس سے منقطع ہو جاتا ہے اور وہ کسی دوسرے پھول کا رخ کرتا ہے۔ ہرچند غنچہ تر وتازہ سہی لیکن حقیقی محبوب کا عشق دائمی اور ابدی تر وتازگی کا امین ہے جو لوگ اس ذاتِ پاک سے رابطہ محبت قائم رکھتے ہیں جو زندہ ہے اور زندہ رکھنے والا ہے ان کے عشق ومحبت کی تر وتازگی کا عالم ہی کچھ اور ہے، غنچے کی کیا مجال کہ اس گل شگفتہ کی ہمسری کا دم مارے جو ہر آن اور ہر ساعت روح وبصر کو فیضانِ محبت سے سرسبز وشاداب رکھتا ہے۔

یارِ مارا ہرزماں نام ونشانے دیگراست ÷ کل یوم صورتش در شکل وشانے دیگراست

روح کا سرور اور بصر کی جلاء تو صرف اسی صورت میں حاصل ہو سکتی ہے کہ حقیقی محبوب سے رابطۂ محبت استوار کیا جائے اور عشق کی دولت لازوال حاصل کی جائے۔

عشق آں زندہ گزیں کو باقی است ÷ وز شراب جانفزایت ساقی است

اے طالب! اس زندہ معشوق کا عشق اختیار کر جو ہمیشہ رہنے والا ہے اور جو محبت کا جانفزا شربت تمہیں پلانے والا ہے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ طالب صادق کو حقیقی محبت کے حصول پر برانگیختہ کرتے ہوئے فرماتے

ہیں کہ اگر محبت کا دم بھرنا ہے تو پھر اس محبوب کی محبت اختیار کرو جو حوادث اور عوارض سے پاک ہے، جو موت فنا اور زوال سے بلند و بالا ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگا جسکے قرب و معیّت اور حضورِ دوام کا یہ عالم ہے کہ وہ اوّل و آخر بھی ہے اور ظاہر و باطن بھی، تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے، تم جس طرف بھی رُخ کرو ہر طرف اس کے انوار و تجلیات جلوہ افروز نظر آتے ہیں، ایسے حیّ و قیّوم کے ساتھ محبت سے تمہیں دائمی حیات اور بقائے دوام نصیب ہوگی، تمہارے دلوں کو وہ تر و تازگی، سرسبزی اور شادابی عطا کی جائیگی کہ باغ و بہار بھی اس پر رشک کرینگے، حقیقی محبوب تمہیں ہر وقت محبت کے وہ جام پلائیگا جن کی سرمستیوں سے محویت و استغراق پیدا ہوگا اور تم ہمیشہ جمالِ ذات کے مشاہدہ میں رہو گے۔

عشق آں بگزیں کہ جملہ انبیاء ÷ یافتند از عشق او کاروکیا

جس ذات کے عشق سے تمام انبیائے کرام علیھم السلام معزز و مشرف ہوئے تم بھی اسی کا عشق اختیار کرو، مثال مشہور ہے ’’فکر ہر کس بقدرِ ہمت اوست‘‘ ہر شخص اپنی ہمت کے مطابق مطلوب تلاش کرتا ہے۔ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام مخلوق میں سب سے زیادہ فضیلت و عظمت کے مالک ہوتے ہیں ظاہر ہے کہ ان کی بلندیٔ ہمت اور علُوِ فکر امتیازی شان رکھتے ہیں اس لئے جو مطلوب انہوں نے اپنے لئے منتخب کیا اس سے بڑھ کر کوئی اور مطلوب نہیں ہوسکتا، ان مقدس ہستیوں نے تو صرف اور صرف اسی وحدہ لاشریک کو مطمحِ نظر بنایا اور اپنی ساری زندگی اسی کی محبت میں گزار دی۔ محبت الٰہی نے انہیں وہ استغناء اور عز و شرف بخشا کہ تاریخِ عالم اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ قرآنِ مجید نے حقیقی محبوب کی محبت کو کمالِ ایمان سے تعبیر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا’’ وَالَّذِیۡنَ آمَنُوۡا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ‘‘ اور جو لوگ کامل ایمان رکھتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے محبت میں بہت مضبوط اور ثابت قدم ہوتے ہیں ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا’’ اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا ‘‘ بے شک وہ لوگ جو اپنے اللہ کو پروردگار یقین کر لیتے ہیں پھر استقامت اختیار کرتے ہیں۔

تو مگو مرا بداں شہ بارنیست ÷ برکریماں کارہا دشوار نیست

تو مایوس ہوکر یہ نہ کہہ کہ اس بادشاہ تک ہمیں رسائی نہیں، وہ کریم ہے اور اہل کرم کے لئے باریابی عطا

کرنا کچھ دشوار نہیں۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ محبتِ الٰہی کے طلبگاروں کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس راہ میں ناامیدی اور مایوسی کا شکار نہ بنو، یہ نہ کہو کہ اس کی بلند بارگاہ تک ہم کیسے پہنچ سکتے ہیں جبکہ ہم عبد ہیں اور وہ معبود ہے، ہم مخلوق ہیں اور وہ خالق ہے، ہم عاجز ہیں اور وہ قادر ہے لہذا قطرے کو سمندر سے اور ذرّے کو آفتاب سے کیا نسبت؟ تم صرف اور صرف اس کی رحمتِ بے پایاں کا سہارا لو، اسکا ارشادِ گرامی ہے ''اِنَّ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْئٍ'' میری رحمت کو ہر چیز پر وسعت حاصل ہے وہ کریم و رحیم بلکہ ارحم الراحمین ہے وہ اگر اپنے لطف و کرم سے باریابی کا شرف عطا کر دے تو اس کی شانِ رحمت سے کیا بعید ہے۔ بندے کا فرض ہے کہ وہ پیوستہ جد و جہد کرے، منزلِ مقصود تک پہنچنے کی کوشش کرے اور رحمتِ خداوندی پر بھروسہ کرے پھر دیکھے کہ اسکا فضل عظیم کس طرح غریب پروری اور دستگیری کرتے ہوئے اسے مطلوب سے ہمکنار کرتا ہے۔

☆☆☆☆☆

درسِ مثنوی (۱۵)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

گر خضرؑ در بحر کشتی را شکست ÷ صد درستی در شکستِ خضرؑ ہست

وہم موسیٰ باہمہ نور و ہنر ÷ شد ازاں محجوب تو بے پر مپر

آں گلِ سرخ است تو خونش مخواں ÷ مست عقلست اوتو مجنونش مداں

گر بدے خونِ مسلماں کامِ او ÷ کافرم گر بر دے من نامِ او

مے بلرزد عرش از مدحِ شقی ÷ بدگماں گردد ز مدحش متقی

نیک دل بادشاہ کا قصہ بیان کرتے ہوئے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ غیبی طبیب کے مشورے سے اس زرگر کو بلایا گیا جسکی وجہ سے باندی بیمار تھی، پھر اسے دوا پلائی گئی جس سے وہ سخت کمزور ہو کر بالآخر چل بسا اور باندی شفایاب ہو کر بادشاہ کی خدمت میں رہنے لگی۔ بظاہر اس قصے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ قتلِ ناحق کا

مرتکب ہوا اور نفسانی خواہشات کی تکمیل کیلئے خوفِ خدا کے تقاضوں کو پامال کرنے پر آمادہ ہو گیا، مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اس بدگمانی اور اعتراض کو رفع کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

گر خضرؑ در بحر کشتی را شکست ÷ صد درستی در شکستِ خضرؑ ہست

اگر حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کو دریا میں توڑ ڈالا تھا تو درحقیقت ان کی شکست و ریخت میں سینکڑوں درستیاں کارفرما تھیں۔ ظاہر پر نظر رکھنے والے باطن کے حالات سے بے خبر ہوا کرتے ہیں اور وہ ظاہر کو دیکھ کر ہی اپنی سمجھ کے مطابق حکم لگا دیتے ہیں حالانکہ ہر مقام پر صرف ظاہری حالت کو مدِ نظر رکھنا کافی نہیں ہوتا منافق ظاہری طور پر کلمہ پڑھتے ہیں لیکن باطنی خبث کی بنا پر انہیں مسلمان نہیں کہا جائیگا، مجبوری کی حالت میں اگر مؤمن دشمن کے خوف سے کلمۂ کفر کہہ دے پھر بھی مؤمن سمجھا جاتا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ ''اِنَّ اللہ لَایَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَاَعْمَالِکُمْ وَلٰکِن یَّنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَنِیَّاتِکُمْ '' اللہ تعالیٰ تمہاری ظاہری صورتوں اور اعمال کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور ارادوں کو دیکھتا ہے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اسی مضمون کی تائید میں اس قرآنی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس میں حضرت خضر علیہ السلام نے مسکینوں کی کشتی کو توڑ ڈالا تھا ظاہری طور پر اس کشتی کو توڑنا صریح ظلم تھا مگر اس کشتی توڑنے میں یہ حکمت و مصلحت تھی کہ اسے ٹوٹا ہوا دیکھ کر ظالم بادشاہ جو کشتیوں کو غصب کر رہا تھا اس کشتی کے درپے نہ ہوا اور بیکار سمجھ کر رہنے دیا اسطرح وہ کشتی مرمت کے بعد مسکینوں کے کام آتی رہی اور وہ اس سے بدستور فائدہ حاصل کرتے رہے۔ اگر وہ کشتی صحیح سلامت ہوتی تو ظالم بادشاہ اسے غصب کر لیتا اور مسکین ہمیشہ کے لئے اس سے محروم ہو جاتے۔ جس طرح کشتی کا توڑنا بظاہر نامناسب معلوم ہوتا تھا مگر حقیقت میں قابل اعتراض نہ تھا اسی طرح نیک دل بادشاہ کا زرگر کو قتل کرا دینا بھی درحقیقت قابل گرفت نہ تھا۔

وہم موسیٰ باہمہ نور و ہنر ÷ شد ازاں محجوب تو بے پر مپر

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نور و ہنر سے آراستہ خیال بھی اسے سمجھنے سے حجاب میں رہا تو پھر تم پروں کے بغیر اڑنے کی کوشش نہ کرو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحبِ شریعت اور نبی مرسل تھے اور حضرت خضر علیہ السلام

سے رتبے میں افضل تھے، چونکہ آپکی توجہ منصبِ نبوت ورسالت کے تقاضوں کو پورا کرنے پر مرکوز تھی اس لئے سرِّ تقدیر کے بعض جزوی امور آپکو مستحضر نہ تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام بعض امور کی مصلحت وحکمت کا علم رکھنے کی بنا پر کشتی توڑنے لگے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ اے خضرؑ کیا تم اس طرح کشتی والوں کو ہلاک کرنا چاہتے ہو، جب حضرت خضر علیہ السلام نے حکمتِ خداوندی سے پردہ اٹھایا تو موسیٰ علیہ السلام نے معذرت فرمائی۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر اور اولوالعزم رسول کا مقدس خیال جب رموزِ تقدیر اور سرِ باطن سے حجاب میں رہا تو پھر اے مخاطب تم کس شمار میں ہو کہ علم وہنر کے بغیر خدا کے مقبول بندوں پر اعتراض کرتے ہو، ادب کی راہ اختیار کرو اور نامناسب روش سے باز آ جاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری گستاخی اور بے ادبی تمہارے لیئے نقصان دہ ثابت ہو۔

آں گلِ سرخ است تو خونش مخواں ÷ مست عقلست او تو مجنونش مداں

وہ بادشاہ تو گلاب کا پھول ہے تم اسے خون نہ کہو، وہ عقل وفہم سے مست ہے تم اسے دیوانہ نہ سمجھو۔ پھر نیک دل بادشاہ کی تعریف کرتے ہوئے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اے مخاطب ظاہری صورت کو دیکھ کر حکم لگا دینا مناسب نہیں، بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کی شکل وصورت آپس میں ملتی جلتی ہے مگر حقیقت کچھ اور ہے، گلاب کا پھول بھی سرخ ہوتا ہے اور خون بھی سرخ ہوتا ہے مگر خون ناپاک ہے اور گلاب کا پھول کس قدر لطیف اور پاکیزہ ہے۔ گلاب کے پھول کی سرخی دیکھ کر تم اسے خون پر قیاس نہ کرو بلکہ اس کی خوشبو اور لطافت کو دیکھو تاکہ تمہیں اس کی حقیقت کا پتا چلے۔ اسی طرح نیک دل بادشاہ کے ظاہر پر اعتراض نہ کرو اسکے باطنی کمالات کو دیکھو تاکہ تمہیں اس کی حقیقت کا ادراک ہو۔ وہ تو عقل وفہم سے مالا مال ہے تم اسے دیوانہ خیال نہ کرو۔ اگر بظاہر کوئی صاحبِ عقل وفہم کارخانۂ قدرت میں تفکر اور تدبر کی بنا پر محوِ حیرت نظر آتا ہو تو اسے دیکھ کر یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ وہ دیوانوں کی طرح بے ہوش ہے، حقیقت یہ ہے کہ وہ کمالِ عقل کے تقاضوں کی تکمیل کرتے ہوئے مصنوعات کے پردے میں صانع کی صنعت کا مشاہدہ کر رہا ہے اور ایسی صورت میں حیرت ومحویت سے کوئی چارہ نہیں، اہلِ ظاہر کو ان حقائق سے کیا واسطہ کہ وہ کسی کی باطنی کیفیت کا ادراک کر سکیں۔ حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

شبِ تاریک بیم موج گردابے چنیں حائل ÷ کجا دانند حالِ ما سبکساران ساحلہا

گر بدے خونِ مسلماں کام ِاو ÷ کافرم گر بر دمے من نام ِاو

اگر مسلمان کا خون اس بادشاہ کا مقصد ہوتا تو تعریف کرنا بجائے خود، اگر میں اسکا نام بھی لیتا تو کافر ہو جاتا۔ نیک دل بادشاہ کے کردار کو اُجاگر کرتے ہوئے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ بڑے محققانہ انداز میں غلط فہمیوں کو دور کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ناحق قتل تو بہت بڑا جرم ہے اور پھر کسی مجرم کی تعریف کرنا جرم میں شرکت کے مترادف ہے اور تم جانتے ہو کہ میرا مسلک و مشرب تو عشق و محبت ہے جس میں خلقِ خدا کی ایذا رسانی بہت بڑا گناہ ہے۔ بھلا ایسا کب ہوسکتا ہے کہ میں عشق و محبت کا دم بھرنے کے باوجود مسلمان کے قتلِ ناحق کو اہمیت نہ دوں، میں پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ اس بادشاہ کا مقصد خونریزی ہرگز نہ تھی ورنہ میں کبھی اس کی تعریف نہ کرتا، میرے نزدیک تو ظالم اور فاسق و فاجر کا نام لینا بھی ناگوار ہے۔

مے بلرزد عرش از مدحِ شقی ÷ بدگماں گردد ز مدحش متقی

بدبخت ظالم کی تعریف سے عرشِ الٰہی کانپنے لگتا ہے اور اس کی تعریف سے نیک آدمی بدگمان ہوجاتا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے جب فاسق و فاجر کی تعریف کی جائے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے اور عرشِ خداوندی کانپنے لگتا ہے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں چونکہ بادشاہ نیک سیرت اور خدا رسیدہ بزرگ تھا اس لئے میں اس کی برملا تعریف کرتا ہوں مجھے معلوم ہے کہ اچھے لوگوں کی تعریف و توصیف اچھی چیز ہے اس کے برعکس فاسق و فاجر کی تعریف اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہے اور اس کی تعریف کرنیوالے پر اچھے بھلے لوگ بدگمانی میں مبتلا ہوتے ہیں کہ یہ بھی موصوف کی طرح فسق و فجور میں مبتلا ہوگا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نیک دل لوگ تعریف کی وجہ سے فاسق و فاجر کو نیک گمان کرلیتے ہیں حالانکہ یہ گمان درست نہیں ہوتا۔ بہرصورت بُرے لوگوں کی تعریف خالق و مخلوق کے نزدیک ناپسندیدہ ہوتی ہے اس لئے اس سے احتراز کرنا بہت ضروری ہے۔

☆☆☆☆☆

درسِ مثنوی (۱۶)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حسِ دنیا نرد بان این جہاں ÷ حسِ عقبٰی نرد بان آسماں

صحت این حس بجوئید از طبیب ÷ صحت آں حس بجوئید از حبیب

صحت ایں حس زمعموریٔ تن ÷ صحت آں حس زتخریب بدن

شاہ جاں مر جسم را ویراں کند ÷ بعد ویرانیش آباد اں کند

اے خنک جانیکہ بہر عشق حال ÷ بذل کرد او خانمان وملک ومال

اللہ تعالٰی نے انسان کو احساس کی مختلف قوتیں عطا کی ہیں جن کے ذریعے وہ دنیا اور آخرت کے امور کا ادراک کرسکتا ہے۔ بعض امور ایسے ہوتے ہیں کہ حس ظاہری سے محسوس ہوتے ہیں اور بعض امور کا تعلق حسِ باطنی سے ہوتا ہے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مضمون کو ایک مثال دیکر سمجھایا کہ کھانا تناول کرتے وقت اگر کسی لقمے کے اندر تنکا ہوتو چبانے کے وقت انسان ضرور محسوس کرلیتا ہے، جس طرح ظاہری حیات کی قوتِ احساس اگر درست ہوتو معمولی سے تنکے کو محسوس کرلیتی ہے اسی طرح جو لوگ معنوی حیات سے موصوف ہیں اور انکا دل انوارِ الٰہی کا مرکز ہے وہ اپنی باطنی حس کے ذریعے معنوی کمالات کا ادراک کرلیتے ہیں۔ وہ لوگ جنہیں احساس باطنی کی منزل تک رسائی نہیں انہیں اہل معرفت کے باطنی کمالات کا انکار نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اس جوہر کامل کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے تاکہ ذاتی تجربے کی بنا پر حقائق کا اعتراف کرسکیں۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انسان کی جدوجہد کو اس کی کامیابی میں گہرا دخل ہے، جس نوعیت کی کوشش ہو مقصود بھی اسی قسم کا حاصل ہوتا ہے۔ جو لوگ حس دنیوی کو درست رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کی تعمیر وترقی کو اہمیت دیتے ہیں وہ دنیوی مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ احساس کی ان دو مختلف قوتوں کے نتائج اور اثرات کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

حسِ دنیا نرد بان ایں جہاں ÷ حسِ عقبٰی نرد بان آسماں

دنیا کی حس اس جہان کی ترقی کے لئے سیڑھی ہے اور آخرت کی حس آسمان کی سیڑھی ہے۔ احساس کی وہ قوتیں جو دنیا کے امور سے تعلق رکھتی ہیں، اہل دنیا کے لئے کامیابی اور ترقی کا ذریعہ ہیں، جس چیز کو اہل دنیا کامیابی خیال کرتے ہیں اور اپنی منزلِ مقصود سمجھتے ہیں اس کا حصول تو حسِ ظاہری سے ہو جاتا ہے مگر وہ حقائق اور معنوی کمالات جو عالَمِ بالا سے تعلق رکھتے ہیں ان کا حصول حس باطنی کا مرہونِ منت ہے۔ ہر کام کے نتائج اور اسکے اثرات اسکے اسباب اور ذرائع پر مرتب ہوتے ہیں اس لئے حصول دنیا اس بات کی دلیل قرار پاتا ہے کہ ایسے آدمی کی جدوجہد کا دائرہ حواسِ ظاہری تک محدود ہے اور حصولِ عقبیٰ اس بات کا ثبوت قرار پاتا ہے کہ اس مردِ مجاہد کی عملی جدوجہد حواسِ باطنی کی وسعتوں کو سمیٹے ہوئے ہے۔

صحت این حس بجوئید از طبیب ÷ صحت آں حس بجوئید از حبیب

جسمانی حس کی درستی کے متعلق طبیب سے پوچھو اور روحانی حس کی درستی اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے سے تلاش کرو۔ ایسے عوارض جو جسم کو لاحق ہوتے ہیں انکا علاج جسمانی طبیب کے ذریعے ہوتا ہے اور وہ امراض جو روح کو لاحق ہوں تو انکا علاج روحانی شخصیت کے ذریعے ہوتا ہے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ حس باطنی کی اہمیت کو نمایاں کرتے ہوئے توجہ دلاتے ہیں کہ امراضِ جسمانی کے علاج میں جس طرح طبیب کا رُخ کیا جاتا ہے اسی طرح روحانی امراض کے علاج کے لئے کسی ایسے مقبول بندے کی صحبت اختیار کرو جو اپنے فیضِ باطن سے اصلاح اور تربیت کے ذریعے کایا پلٹ دے۔

آنانکہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند ÷ آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

چونکہ حس ظاہری اور حس باطنی کی درستی پر ہی ان کے نتائج کا دار و مدار ہے اس لئے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ ان کی صحت برقرار رکھنے کا مؤثر طریقِ کار بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

صحت ایں حس زمعموریٔ تن ÷ صحت آں حس زتخریب بدن

ظاہری حس کی صحت بدن کی تندرستی سے ہے اور باطنی حس کی صحت بدن کو ریاضت کے ذریعے کمزور کرنے سے ہے۔ حس ظاہری اور حس باطنی دونوں کی درستی اور صحت کے مختلف اسباب اور ذرائع ہیں نیز ایک کی ترقی اور قوت دوسری کے ضعف اور کمزوری کا باعث ہے جن چیزوں سے جسم کی قوت میں اضافہ اور حواس ظاہری

میں ترقی ہوتی ہے ان سے روحانی قوت میں کمی آجاتی ہے۔ کھانے پینے، آرام و آرائش کا عادی بننے سے اور دوسرے جسمانی تقاضوں کے پورا کرنے سے روحِ انسانی کی لطافت پر گہرا اثر پڑتا ہے اور وہ معنوی کمالات کے حصول میں سرگرم عمل نہیں رہ سکتی، یہی وجہ ہے کہ حضرات بزرگان دین مختلف مجاہدات، عبادات اور ریاضات کے ذریعے جسمانی تقاضوں کو مغلوب کرتے ہیں اور روحانی کمالات کیلئے اپنی استعداد کو استوار کرتے ہیں۔ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ رسول پاک ﷺ کھانے پینے اور سونے میں اعتدال کی اہمیت پر زور دیتے اور ہمیشہ عبادت اور ریاضت کے اعلیٰ معیار کو قائم رکھتے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ ان ہی حقائق کے پیش نظر رغبت دلاتے ہیں کہ اگر باطنی کمالات کے حصول کا شوق ہو تو پھر ایسے اسباب اور ذرائع اختیار کرو جن سے یہ نعمت عظمیٰ نصیب ہو۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کیا خوب فرماتے ہیں۔

اندروں از طعام خالی دار ÷ تا درو نورِ معرفت بینی

جب روحانی تقاضے جسمانی تقاضوں پر غالب آجائیں تو بظاہر جسم کمزور معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں بے پناہ قوتوں کا امین ہوتا ہے، مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

شاہ جاں مر جسم را ویراں کند ÷ بعد ویرانیش آباد اں کند

روح کا بادشاہ جسم کو ریاضت کے ذریعے ویران کر دیتا ہے پھر ویرانی کے بعد اسے نورِ معرفت سے آباد کرتا ہے۔ اصلاحِ نفس اور تزکیۂ قلب کے لئے بزرگان دین ریاضت اور عبادت کی کثرت کو ضروری قرار دیتے ہیں اور اس طرح روحانی کمالات کے حصول کے لئے ایک مؤثر طریق کار پیش کرتے ہیں۔ ابتداء میں اس طرح کرنے سے جسم کو ضعف اور کمزوری لاحق ہوتی ہے اور حس ظاہری کے لئے یہ امور ناگوار ہوتے ہیں چنانچہ جسم اپنے تقاضوں میں زبردست کمی محسوس کرتے ہوئے ویرانی کی کیفیت سے ہمکنار ہوتا ہے مگر جس وقت باطنی کمالات اور انوار خداوندی کا حصول ہوتا ہے تو پھر جسم ضعف اور کمزوری کے باوجود ظاہری و باطنی دونوں قوتوں سے مالا مال ہوتا ہے، اب یہ جسمانی طاقت روحانی قوت کا عکس جمیل ہوتی ہے اور ظاہری اسباب کی احتیاج سے بلند و بالا ہو جاتی ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ رسول پاک ﷺ کئی مہینے لگاتار روزے رکھتے، کئی دنوں تک فاقہ برداشت کرتے اور عموماً معمولی غذا پر اکتفا فرماتے مگر بڑے سے بڑا پہلوان بھی آپکے زورِ بازو کی تاب نہ

لاتا، چنانچہ غزوۂ خندق کے موقعے پر جب صحابہ کرام اکٹھے ہوکر ایک بڑے پتھر کو نہ توڑ سکے تو آپ نے کدال کی ایک ضرب سے اسکو ٹکڑے ٹکڑے کرڈالا۔

اے خنک جانیکہ بہر عشق حال ÷ بذل کرد او خانمان وملک ومال

بہت مبارک ہے وہ جان جو ذوق محبت کے لئے گھر بار اور ملک و مال لٹا دے۔ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اربابِ صدق وصفا اور اہل محبت کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان کی عملی جد وجہد اور عزم کی بلندی کا کیا کہنا جنھوں نے رضائے الٰہی کی خاطر سب کچھ قربان کرڈالا، عشق ومحبت کے ذوقِ لطیف سے اپنے دل کی دنیا کو آباد کیا اور حقیقی محبوب کا قرب حاصل کیا۔

☆☆☆☆☆

درسِ مثنوی (۱۷)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

کرد ویراں خانہ بہر گنج زر ÷ وز ہماں گنجش کند معمور تر

آب را ببرید وجورا پاک کرد ÷ بعد ازاں در جو رواں کرد آبخورد

پوست را بشگافت پیکانرا کشید ÷ پوست تازہ بعد ازانش بر دمید

قلعہ ویراں کرد واز کافرستد ÷ بعد ازاں برساختش صد برج وسد

کار بیچوں را کہ کیفیت نہد ÷ اینکہ گفتم ہم ضرورت مے دہد

گزشتہ پروگرام میں بیان کیا گیا تھا کہ وہ بڑے خوش نصیب لوگ ہیں جو حقیقی محبوب کے عشق ومحبت سے سرشار ہوکر گھر بار اور مال ودولت قربان کردیتے ہیں اس مضمون سے یہ شبہ پڑتا تھا کہ راہ خدا میں سب کچھ قربان کرنے والے دنیوی مال واسباب سے بالکل خالی ہوجاتے ہونگے تو پھر ان سے صدقہ وخیرات اور دیگر کار خیر میں مالی امداد اور تعاون بھی نہ ہوسکتا ہوگا، مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اس غلط فہمی کو دور کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

کرد ویراں خانہ بہر گنج زر ÷ وزہماں گنجش کند معمور تر

اُس خوش نصیب نے پہلے خزانہ نکالنے کے لئے گھر کو گرادیا پھر اس خزانے کو خرچ کر کے پہلے سے بڑھ کر اسے تعمیر کیا۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے سب کچھ قربان کر دیتے ہیں انہیں آخرت کے اجرِ عظیم کے ساتھ ساتھ دنیا میں بھی مالی وسعت عطا کیجاتی ہے۔تاریخ اسلام شاہد ہے کہ جن مقدس ہستیوں نے رضائے الٰہی کیلئے گھر بار لُٹا دیا اللہ تعالیٰ نے انہیں پہلے سے کہیں زیادہ دنیوی وسعت سے نوازا۔ایسے پاکیزہ لوگوں کے دلوں پر دنیا کا کوئی اثر نہ ہوتا اور وہ دنیوی نفع ونقصان کو کوئی اہمیت نہ دیتے، مال ودولت کی کثرت کبھی ان کے لئے یادِ الٰہی میں رکاوٹ کا باعث نہ بنی اور رات دن دنیوی خزانے لُٹانے کے باوجود ان کے ہاں اسباب دنیا کی کمی محسوس نہ ہوئی چنانچہ حضرت غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت نظام الدین اولیاء دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے لنگر میں وسیع اخراجات اور فراوانی کو دیکھ کر سلاطینِ وقت بھی رشک کرتے تھے۔مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اس حقیقت کو مثال کے ذریعے سمجھاتے ہیں کہ اگر کسی شخص کے مکان کے نیچے خزانہ چھپا ہو اور وہ اس خزانے کو نکالنے کیلئے مکان گرادے تو بظاہر یوں معلوم ہوگا کہ یہ شخص مکان کو برباد کر رہا ہے مگر حقیقت میں وہ اس کی قابل رشک آبادی کے اسباب مہیا کر رہا ہے۔اس مکان کی عارضی ویرانی پائیدار آبادی کا پیش خیمہ ہے اور یہ طریق کار اختیار کیئے بغیر اس کی کوئی صورت نہ تھی ۔اسی طرح جو شخص جسمانی تقاضوں میں جکڑی ہوئی روح کو باطنی کمالات کی دولت سے مالا مال کرنا چاہے اسکے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ عبادت اور ریاضت کے ذریعے جسم کو کمزور بنائے ، جسمانی خواہشات پر قابو پائے اور روحانی خزانے کو چھپانے والے جسم کی عمارت کو گرادے۔ جب روحانی کمالات کا حصول ہوگا تو روح کے پاکیزہ اثرات سے جسم نئے سرے سے نشو ونما پائیگا اور اس کی قوت وطاقت پہلے سے کہیں زیادہ ہو جائیگی ۔روح کو غالب کرنے کیلئے عبادت وریاضت، مجاہدہ، مراقبہ، ترکِ دنیا، انفاق فی سبیل اللہ جو بھی تدابیر اختیار کی جائیں ان کی وجہ سے ظاہری طور پر جو کمی محسوس ہوگی وہ عارضی ہوگی اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے باطنی نعمتوں کے ساتھ ظاہری نعمتوں سے بھی مالا مال فرمادیگا۔قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے خدا ورسول کے لئے گھر بار، مال ودولت سب کچھ لٹا کر فقر وغربت اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں قیصر وکسریٰ کے خزانوں کا مالک بنادیا تھا۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

اس مضمون کو مزید ذہن نشین کرانے کیلئے مولا نا روم رحمۃ اللہ علیہ چند مثالیں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

آب را ببرید وجورا پاک کرد ÷ بعدازاں در جورواں کرد آبخورد

گویا اس نے پانی بند کر کے نہروں کو صاف کیا اس کے بعد نہر میں پانی چلا دیا۔ انسان کے وجود کو نہر سے تعبیر کرتے ہوئے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اسکے تزکیہ قلب اور اصلاحِ احوال کو تمثیلی انداز میں ذہن نشین کراتے ہیں، اگر نہر کو صاف ستھرا کرنا ہو تو ضروری ہے کہ صفائی کے لئے پانی روکا جائے پھر محنت ومشقت کے ذریعے اسے صاف کیا جائے اگر پانی کو نہ روکا جائے تو نہر کی صفائی نہ ہو سکے گی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ کام زیادہ مشکل ہو جائیگا۔ اگر عارضی طور پر پانی کو روک کر نہر کو صاف کر لیا جائے تو پھر پانی اچھی طرح اس میں بہہ سکتا ہے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہی حال اس باہمت انسان کا ہے جو وجودِ انسانی کی نہر کو اخلاقی عیوب ونقائص سے پاک کرنا چاہتا ہے، جب وہ عبادت وریاضت کے ذریعے روحانی رکاوٹوں کو دور کر لیتا ہے تو گویا وجود کی نہر میں صاف وشفاف آبِ معرفت بہنے لگتا ہے۔ جس طرح پانی کی نہر کو صاف کئے بغیر چارہ نہیں اسی طرح وجود انسانی کو جسمانی آلائشوں سے صاف ستھرا رکھنا ضروری ہے، کچھ وقت کیلئے اگر جسم کو ضعف اور کمزوری لاحق ہو جائے تو اس کو اہمیت دینے کی ضرورت نہیں، جب روحانی عروج کا وقت آئیگا تو اسکے پرتو سے جسم بھی تمام قوتوں سے مالا مال ہو جائیگا۔ اسی مضمون کو دو اور مثالوں سے واضح کرتے ہوئے حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

پوست را بشگافت پیکانزا کشید ÷ پوست تازہ بعد ازانش بر دمید

قلعہ ویراں کرد واز کافرستد ÷ بعدازاں برساختش صد برج وسد

ایسے آدمی نے گویا چمڑے کو چیر کر تیر نکالا پھر اسکے بعد تازہ چمڑا پیدا ہو گیا اس نے قلعہ ویران کر کے کافر سے چھین لیا اور پھر اس میں سینکڑوں بُرج اور فصیلیں تعمیر کیں۔ وہ خوش نصیب لوگ جو تزکیۂ نفس کے لئے جسم

کو مشقت میں ڈالتے ہیں ان کی مثال اس شخص کی ہے جو جسم میں چھپے ہوئے تیر کو نکالنے کیلئے چمڑے کو چیرتا ہے۔ نفسانی خواہشات اور اخلاقی عیوب جوہرِ انسانیت میں تیر کی طرح پیوست ہو جاتے ہیں جن کا نکلنا بہت دشوار ہوتا ہے، جب تک زہد و عبادت کا نشتر استعمال نہ کیا جائے ان تیروں کا نکلنا ممکن نہیں ۔مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ مجاہدہ اور ریاضت پر آمادہ کرتے ہوئے مؤثر انداز میں دلنشین کرتے ہیں کہ اگر روحانی کمالات کے حصول کا شوق دامنگیر ہو تو اس کیلئے عملی جدوجہد کرنی پڑیگی، دامن انسانیت کو اخلاقی عیوب کے ناپاک دھبوں سے پاک کرنا پڑیگا اور آئینہ قلب کو گناہوں کے گردوغبار سے صاف کرنا پڑیگا۔حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری مثال میں نفس اور شیطان کو کافر سے تعبیر کیا ہے جو جسم کے قلعے پر قابض ہیں۔فرماتے ہیں کہ وہ مردِ مجاہد کتنا خوش نصیب ہے جو ریاضت وعبادت کے ذریعے ان دشمنوں کے قبضے سے قلعہ کو ویران کر کے حاصل کر لے اور پھر حسنِ اخلاق اور ذوق عمل کی کئی فصیلیں اور برُج تعمیر کر ڈالے۔

کار بیچوں را کہ کیفیت نہد ÷ اینکہ گفتم ہم ضرورت میدہد

بے مثل و بے مثال اللہ تعالیٰ کے کام کی کیفیت تو کون بیان کرسکتا ہے یہ جو کچھ میں نے کہا ہے یہ بھی ضروری تھا۔زہد وعبادت کے ذریعے قربِ خداوندی کا حصول ہوتا ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ جو شخص یہ طریقہ اختیار کرے وہی مقصود پالے ،اللہ تعالیٰ اس کے بغیر اپنے فضل وکرم سے یہ دولت عطا فرمانے پر بھی قادر ہے کہ بندے کی تھوڑی سی بندگی کو اپنے لطف وعنایت سے شرفِ قبولیت سے مشرف فرمادے۔مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے فضل وکرم کی کیفیت بیان سے باہر ہے، وہ جس طریقے سے چاہے اور جب چاہے اور جسے چاہے یہ نعمت عطا کردے ۔میدانِ عمل کی جدوجہد قابل داد ہے مگر بھروسہ تو صرف اسکے فضل وکرم پر کیا جا سکتا ہے۔مجاہدات وریاضات ایک مشہور ومتعارف طریقہ ہیں بندہ تو انکا پابند ہے مگر اللہ تعالیٰ جس طرح چاہے اُسی طرح یہ نعمت عطا کرسکتا ہے پھر بھی عبادت کی اہمیت بیان کرنا ضروری تھا تا کہ لوگ اس سے غافل نہ ہوں۔

☆☆☆☆☆

درسِ مثنوی (۱۸)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

صد ہزاراں دام ودانہ است اے خدا ÷ ما چومرغان حریص بے نوا

میرہانی ہردمے مارا وباز ÷ سوئے دامے میرویم اے بے نیاز

مادریں ابنان گندم میکنیم ÷ گندم جمع آمدہ گم میکنیم

مے بیندیشیم آخر ما بہوش ÷ کایں خلل درگندم است ازمکر موش

گرنہ موشے دزد درانبان ماست ÷ گندم اعمالِ چل سالہ کجاست

ایک ظالم یہودی بادشاہ جونصرانیوں کا سخت دشمن تھا اس کا قصہ بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ مختلف اصلاحی، تبلیغی اور معاشرتی موضوعات پر روشنی ڈالتے ہیں تاکہ حکایت کے ضمن میں سامعین اپنے کردار کی خوبیوں اور خامیوں سے آگاہ ہوتے جائیں اور ایسے تمام امور سے احتراز کی کوشش کریں جوان کے کردار کی تکمیل میں رکاوٹ بنتے ہیں اوران تمام اوصاف کے حصول کے لئے جدوجہد کریں جوعظمتِ کردار کے لئے ضروری ہیں، یہ بجا ہے کہ انسان کی کوشش، محنت اور کارکردگی کواس کی کامیابی میں گہرا دخل ہے مگراس حقیقت سے بھی انکارنہیں کیا جاسکتا کہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم انسان کوتمام آزمائشوں سے نجات دلاکر منزلِ مقصود تک پہنچاتا ہے۔ اگراس کی مہربانی شامل حال نہ ہوتو پھرکوشش اورمحنت کی توفیق بھی نہیں ملتی اورانسان اپنی طاقت کے بل بوتے پر مقصود سے ہمکنار نہیں ہوسکتا۔ اس دنیا میں انسان کے سامنے منزلِ مقصود کی راہ میں بہت سے موانع پیش آتے ہیں، بعض امورایسے ہوتے ہیں کہ انسان اپنے طبعی تقاضوں، حالات کی نزاکت اور وقتی ضرورت کے پیش نظران کاارتکاب کرتا ہے حالانکہ وہ اس کے لئے عارضی سکون واطمینان کاباعث ہوتے ہیں اور بعد میں پریشانی کا پیش خیمہ بنتے ہیں۔ خیروشر کی کشمکش میں انسان جب اپنے آپ کوشیطان کے وساوس اور

مکروفریب سے خطرے میں محسوس کرتا ہے تو فطری طور پر مناجات کی راہ اختیار کرتا ہے اور حقیقی محبوب کی بارگاہ میں عجز و نیاز کا اظہار کرتا ہے۔حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ انسان کی اسی کیفیت کو الفاظ کا جامہ پہناتے ہوئے فرماتے ہیں۔۔

صد ہزاراں دام ودانہ است اے خدا ÷ ما چو مرغان حریص بے نوا

الٰہی دنیا میں لاکھوں جال اور دانے ہمارے اردگرد پھیلائے گئے ہیں اور ہم حریص اور بھوکے پرندوں کی طرح ان میں گرفتار ہوتے ہیں۔جس طرح پرندہ دانے کے لالچ میں آکر جال میں پھنس جاتا ہے اور پھر چھٹکارا حاصل کرنے کیلئے بیقرار ہوتا ہے اسی طرح انسان بھی خواہشات کے جال میں گرفتار ہوتا ہے اور اس کی فطرت سلیمہ اسے نجات حاصل کرنے پر آمادہ کرتی ہے اب وہ بارگاہ رب العزت میں عرض کرتا ہے الٰہی ہم کیا کریں ہمارے حرص اور لالچ کا یہ عالم ہے کہ جہاں بھی خواہشات کا دانہ نظر آتا ہے ہم گرفتار ہو جاتے ہیں اگر تو مہربانی نہ فرمائے تو ہم اس دامِ بلا سے کب نکل سکتے ہیں؟

میرہانی ہردمے مارا و باز ÷ سوئے دامے میرویم اے بے نیاز

اے بے نیاز تو اپنے فضل وکرم سے ہر آن ہمیں ان پھندوں سے چھڑاتا ہے مگر ہم پھر کسی نہ کسی جال میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔جب انسان کسی خواہش کے جال میں گرفتار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عجز و نیاز کا اظہار کرتا ہے، گناہوں سے مغفرت طلب کرتا ہے اور آئندہ کے لئے توبہ کرتا ہے مگر اسکے یہ عہد و پیماں کمزور ثابت ہوتے ہیں اور وہ عملی طور پر اپنی استقامت کا ثبوت پیش نہیں کرسکتا چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم کا اعتراف کرتے ہوئے عرض کرتا ہے الٰہی ہم گنہگار ہیں، ہمارا کام تو تیرے فضل وکرم پر موقوف ہے،تو ہی ہمیں ہر بار شیطان کے جال سے چھڑاتا ہے اگر تو ہمیں ہمارے طریق کار پر چھوڑ دے تو ہم ہمیشہ گرفتار رہیں گے،اس لئے تیری بارگاہ میں ہم سوال کرتے ہیں کہ اپنا دائمی فضل وکرم ہمارے ساتھ شامل حال فرما تاکہ ہم نفسانی خواہشات کے جال سے محفوظ رہ سکیں۔۔

مادریں ابنان گندم میکنیم ÷ گندم جمع آمدہ گم میکنیم

ہم اس تھیلے میں گندم جمع تو کرتے ہیں مگر جمع کی ہوئی گندم کھو بیٹھتے ہیں ۔قرآنِ مجید نے شیطان کو انسان کا کھلم کھلا دشمن قرار دیا ہے، وہ انسان کی بدخواہی میں کوئی کسر باقی نہیں رکھتا، اس کی پہلی کوشش تو یہ ہوتی ہے کہ انسان نیکی کے قریب نہ جائے اگر وہ نیک کام کر لے تو پھر شیطان یہ کوشش کرتا ہے کہ اس کی نیکی برباد ہو جائے ۔اس منصوبے کی کامیابی کے لئے شیطان انسان کو ایسے برے کاموں پر آمادہ کرتا ہے جن سے نیکیاں تباہ ہو جائیں ۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اسی مضمون کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ الٰہی ہم اعمالِ صالحہ تو بجالاتے ہیں مگر ان کے پاکیزہ اثرات اور نتائج نظر نہیں آتے ، ہماری مثال اس شخص کی ہے جو محنت کر کے گندم سے تھیلا بھر ڈالے مگر کچھ دیر کے بعد اسکا تھیلا خالی ہو جائے ،جس طرح وہ پریشان حال ہوتا ہے اسی طرح ہم بھی حیران ہیں کہ ہمارے اعمال کا سرمایہ کہاں چلا گیا۔

مے بیندیشیم آخر ما بہوش ÷ کایں خلل در گندم است از مکر موش

آخر ہم عقل و ہوش کے ساتھ غور کرتے ہیں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ گندم کا نقصان چوہے کی وجہ سے ہوا ہے ۔گندم کے تھیلے تک چوہے کو پہنچنے کا موقع مل جائے تو رفتہ رفتہ وہ گندم کو ضائع کر ڈالتا ہے چنانچہ اس کے نقصان سے بچنے کے لئے کوئی نہ کوئی تدبیر کی جاتی ہے ۔انسان کا سرمایۂ عمل بھی نفس اور شیطان کے چوہوں سے نقصان اٹھاتا ہے، جب غور کیا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اعمال کی خرابی اور نیکیوں کی تباہی کن عناصر کی وجہ سے ہوئی ۔شیطان اپنے مکر و فریب کے ذریعے انسان کو وساوس میں مبتلا کرتا ہے ،نیکی سے متنفر کرتا ہے ، برائی کو دلچسپ انداز میں پیش کرتا ہے اور نفسِ امارہ شیطان کی کارکردگی پر مُہرِ تصدیق ثبت کرتے ہوئے انسان کو گمراہی اور غفلت کے بھنور میں ڈال دیتا ہے ۔حدیث پاک میں آتا ہے رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بندہ جب گناہ کرتا ہے تو اسکے دل پر سیاہ نقطہ ڈال دیا جاتا ہے اگر وہ استغفار اور توبہ کر لے تو وہ نقطہ مٹا دیا جاتا ہے ورنہ گناہوں کی کثرت سے سیاہ نقطے زیادہ ہو جاتے ہیں اور بالآخر انسان کا دل سیاہ ہو جاتا ہے اب اسے خیر و شر کی تمیز

نہیں رہتی، وہ نیکی کرے تو اسکا اچھا اثر محسوس نہیں کرتا اور برائی کرے تو اس سے ندامت محسوس نہیں کرتا۔ نفس اور شیطان کے پھندے میں گرفتار انسان کی حالت کا نقشہ پیش کرتے ہوئے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

گر نہ موشے دزد در انبان ماست ÷ گندم اعمالِ چل سالہ کجاست

اگر ہمارے تھیلے میں کوئی چوہا چور نہیں ہے تو پھر چالیس برس کے اعمال کی گندم کہاں ہے۔ چالیس سال کا عرصہ، شباب گزارنے کے بعد انسان جب غفلت سے باز آتا ہے تو اپنے آپکو سرمایہ عمل سے خالی پاتا ہے، پھر وہ اپنے نفس سے محاسبہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ضرور کوئی ایسا چور ہے جو تیرے سرمائے کو برباد کر گیا ہے۔ اگر اس طرح نہ ہوتا تو پھر چالیس سال کے طویل عرصے میں کیے ہوئے اعمال کا روحانی اثر، نورِ فراست اور ذوقِ عبدیت کوئی نہ کوئی کرشمہ ضرور دکھاتا۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مؤثر انداز میں انسان کو نفس اور شیطان کے فریب سے بچ کر میدانِ عمل کی جدوجہد پر آمادہ کرتے ہوئے دعوت فکر دی کہ وہ اپنی حیات دنیوی کو سنوار کر دائمی اور ابدی نعمتیں حاصل کرے اور مقامِ انسانیت کی بلندی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اپنے کردار کی عظمت کا ثبوت دے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مثنوی معنوی کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اٰمِیۡن، وَ آخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

☆☆☆☆☆

استاذ العلماء حضرت علامہ حافظ ممتاز احمد چشتی کی دیگر تصنیفات

فرمانِ غوثِ اعظمؒ قَدَمِیْ هٰذِهٖ عَلٰی رَقَبَةِ کُلِّ وَلِیِّ اللّٰهِ کی توضیح و تشریح پر مشہور و معروف علماء و مشائخ کی تقریظات و تصدیقات سے مزین معرکۃ الآراء علمی و تحقیقی کتاب

قدم الشیخ عبد القادرؓ علی رقاب الاولیاء الاکابر

بستی بختاور ضلع بھکر کے مشہور و معروف علمی و روحانی فقیر خاندان کے بزرگوں کی سیرت و تعلیمات، کشف و کرامات اور دینی خدمات پر مستند تاریخی تذکرہ

اَنوارُ العارفین

اصولِ فقہ کی مشہور درسی کتاب "اُصولُ الشَّاشِی" پر بصیرت افروز حاشیہ

اَنوارُ الحَواشِی علی اُصولِ الشّاشِی

(زیرِ ترتیب)

اصولِ فقہ کی مستند کتاب "الحسّامی" پر بصیرت افروز حاشیہ

کفایۃ الحامی لفہم الحسّامی

(زیرِ ترتیب)

ناشر
مکتبہ مظہریہ کاظمیہ
نزد جامعہ انوار العلوم ٹی بلاک نیو ملتان 061-6560699